MAIS113CCT

اسلام اور جدید مسائل

(Islam and Modern Issues)

ایم۔اے۔(اسلامک اسٹڈیز)

(پہلا سمسٹر)

نظامت فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

حیدرآباد-32، تلنگانہ-انڈیا

© Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad

Course: Islam and Modern Issues
ISBN: 978-93-95203-38-8
First Edition :**December, 2022**

Publisher	:	Registrar, Maulana Azad National Urdu University
Publication	:	December, 2022
Copies	:	1000
Copy Editing	:	Dr. Mohammad Haziq, DDE, MANUU, Hyderabad
Cover Designing	:	Dr. Mohd Akmal Khan, DDE, MANUU, Hyderabad
Printer	:	Print Time & Business Enterprises, Hyderabad

Masters in Islamic Studies
Islam and Modern Issues
1st Semester

On behalf of the Registrar, Published by:
Directorate of Distance Education
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad-500032 (TS), India
*Director:*dir.dde@manuu.edu.in*Publication:*ddepublication@manuu.edu.in
Phone number: 040-23008314 Website: manuu.edu.in

© *All right reserved. No part of this publication may be reproduced or transmitted in any form or by any means, electronically or mechanically, including photocopying, recording or any information storage or retrieval system, without prior permission in writing form the publisher (registrar@manuu.edu.in)*

Editors

ایڈیٹرس

Dr. Abdul Majeed Qadeer Khwaja
Assistant Professor (Islamic Studies)
DDE, MANUU, Hyderabad

ڈاکٹر عبدالمجید قدیر خواجہ
اسسٹنٹ پروفیسر (اسلامک اسٹڈیز)
نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

Language Editors

لینگویج ایڈیٹرس

Dr. Mohammad Haziq
Guest Faculty/Assistant Professor (Contractual), Islamic Studies, DDE, MANUU

ڈاکٹر محمد حاذق
گیسٹ فیکلٹی / اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول)، اسلامک اسٹڈیز، ڈی ڈی ای، مانو

Dr. Mohd. Akmal Khan
Guest Faculty/Assistant Professor (Contractual), Urdu, DDE, MANUU

ڈاکٹر محمد اکمل خان
گیسٹ فیکلٹی / اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول)، اردو، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو

Editorial Board	مجلس ادارت
Prof. Abdul Ali *Former Head, Dept. of Islamic Studies, AMU, Aligarh*	پروفیسر عبدالعلی سابق صدر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
Prof. S. M. Azizuddin Husain *Former Head, Dept. of History & Culture JMI, New Delhi*	پروفیسر ایس۔ ایم۔ عزیزالدین حسین سابق صدر، شعبہ تاریخ و ثقافت، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی
Prof. Mohammad Ishaque *Prof. of Islamic Studies, JMI, New Delhi*	پروفیسر محمد اسحاق پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی
Prof. Mohd. Fahim Akhter *Head, Dept. of Islamic Studies, MANUU*	پروفیسر محمد فہیم اختر صدر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد
Prof. Ghazanfar Ali Khan *Prof., of Islamic Studies, Kashmir Campus, MANUU*	پروفیسر غضنفر علی خان پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، کشمیر کیمپس، مانو
Dr. Abdul Majeed Qadeer Khwaja *Asst. Prof., Islamic Studies, DDE, MANUU*	ڈاکٹر عبدالمجید قدیر خواجہ اسسٹنٹ پروفیسر، اسلامک اسٹڈیز، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو
Dr. Mohammad Haziq *Guest Faculty/Assistant Professor (Contractual), Islamic Studies, DDE, MANUU*	ڈاکٹر محمد حاذق گیسٹ فیکلٹی / اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول)، اسلامک اسٹڈیز، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو

کورس کو آرڈینیٹر

ڈاکٹر عبدالمجید قدیر خواجہ، اسسٹنٹ پروفیسر (اسلامک اسٹڈیز)
نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

مصنفین	اکائی نمبر
ڈاکٹر ندیم سحر عنبریں، گیسٹ فیکلٹی شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی	1
ڈاکٹر جمشید احمد، اسسٹنٹ پروفیسر، یونیورسٹی آف ممبئی، ممبئی	2،4
ڈاکٹر محمد تحسین زماں، گیسٹ فیکلٹی شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی	3
مولانا کمال اختر قاسمی، محقق ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، علی گڑھ	5
ڈاکٹر سیف اللہ اصلاحی، ادارہ علوم القرآن، علی گڑھ	6،7
ڈاکٹر محمد مصعب گوہر، علی گڑھ	8،9
مفتی امانت علی قاسمی، استاذ دارالعلوم دیوبند وقف، سہارنپور	10،11،13
ڈاکٹر عاطف عمران، گیسٹ فیکلٹی، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مانو، حیدرآباد	12
ڈاکٹر نجم السحر، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی	14،15
مولانا محمد انس مدنی، ریسرچ فیلو ادارہ تحقیق تصنیف اسلامی، علی گڑھ	16

پروف ریڈرس:

اول : ڈاکٹر محمد حاذق

دوم : ڈاکٹر سیدہ آمنہ

فائنل : ڈاکٹر عبدالمجید قدیر خواجہ

فہرست

پیغام	وائس چانسلر	7
پیغام	ڈائرکٹر	8
کورس کا تعارف	کورس کو آرڈی نیٹر	9

بلاک 1 : اسلام اور تعلیم

اکائی 1	اسلام میں تعلیم کا تصور	11
اکائی 2	تعلیم بالغان اور خواتین کی تعلیم	33
اکائی 3	تعلیمی ادارے اور کتب خانے	50
اکائی 4	عصری تعلیم اور اسلام	73

بلاک 2 : اسلام اور حقوق انسانی

اکائی 5	انسانی حقوق کا اسلامی تصور	91
اکائی 6	اسلام میں بنیادی انسانی حقوق (حصہ اول)	109
اکائی 7	اسلام میں بنیادی انسانی حقوق (حصہ دوم)	132

بلاک 3 : اسلام اور ماحولیات

اکائی 8	اسلام میں ماحولیات کی اہمیت وضرورت	155
اکائی 9	اسلام اور ماحولیات کی حفاظت	180
اکائی 10	آلودگی کی مختلف صورتیں اور اسلامی تعلیمات (حصہ اول)	205

اکائی 11	آلودگی کی مختلف صورتیں اور اسلامی تعلیمات (حصہ دوم)	227
اکائی 12	ماحولیاتی اخلاقیات	247

بلاک 4 : اسلام اور خواتین کے حقوق

اکائی 13	اسلام میں خواتین کا مقام و مرتبہ	265
اکائی 14	اسلام میں خواتین کے بنیادی حقوق (حصہ اول)	286
اکائی 15	اسلام میں خواتین کے بنیادی حقوق (حصہ دوم)	305
اکائی 16	خواتین کے خصوصی حقوق اور رعایتیں	327
	نمونہ امتحانی پرچہ	350

پیغام

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی 1998 میں وطنِ عزیز کی پارلیمنٹ کے ایکٹ کے تحت قائم کی گئی۔ اس کے چار نکاتی مینڈیٹس یہ ہیں۔ (1) اردو زبان کی ترویج و ترقی (2) اردو میڈیم میں پیشہ ورانہ اور تکنیکی تعلیم کی فراہمی (3) روایتی اور فاصلاتی تدریس سے تعلیم کی فراہمی اور (4) تعلیم نسواں پر خصوصی توجہ۔ یہ وہ بنیادی نکات ہیں جو اِس مرکزی یونیورسٹی کو دیگر مرکزی جامعات سے منفرد اور ممتاز بناتے ہیں۔ قومی تعلیمی پالیسی 2020 میں بھی مادری اور علاقائی زبانوں میں تعلیم کی فراہمی پر کافی زور دیا گیا ہے۔

اُردو کے ذریعے علوم کو فروغ دینے کا واحد مقصد و منشا اُردو داں طبقے تک عصری علوم کو پہنچانا ہے۔ ایک طویل عرصے سے اُردو کا دامن علمی مواد سے لگ بھگ خالی رہا ہے۔ کسی بھی کتب خانے یا کتب فروش کی الماریوں کا سرسری جائزہ اس بات کی تصدیق کر دیتا ہے کہ اُردو زبان سمٹ کر چند ''ادبی'' اصناف تک محدود رہ گئی ہے۔ یہی کیفیت اکثر رسائل و اخبارات میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ اُردو قاری اور اُردو سماج دورِ حاضر کے اہم ترین علمی موضوعات سے نابلد ہیں۔ چاہے یہ خود ان کی صحت و بقا سے متعلق ہوں یا معاشی اور تجارتی نظام سے، یا مشینی آلات ہوں یا ان کے گرد و پیش ماحول کے مسائل ہوں، عوامی سطح پر اِن شعبہ جات سے متعلق اردو میں مواد کی عدم دستیابی نے عصری علوم کے تئیں ایک عدم دلچسپی کی فضا پیدا کر دی ہے۔ یہی وہ چیلنجز ہیں جن سے اُردو یونیورسٹی کو نبرد آزما ہونا ہے۔ نصابی مواد کی صورت حال بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔ اِسکولی سطح پر اُردو کتب کی عدم دستیابی کے چرچے ہر تعلیمی سال کے شروع میں زیرِ بحث آتے ہیں۔ چوں کہ اُردو یونیورسٹی کا ذریعہ تعلیم اُردو ہے اور اس میں عصری علوم کے تقریباً سبھی اہم شعبہ جات کے کورسز موجود ہیں لہٰذا اِن تمام علوم کے لیے نصابی کتابوں کی تیاری اِس یونیورسٹی کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔

مجھے اِس بات کی بے حد خوشی ہے کہ یونیورسٹی کے ذمہ داران بشمول اساتذہ کرام کی انتھک محنت اور ماہرین علم کے بھرپور تعاون کی بنا پر کتب کی اشاعت کا سلسلہ بڑے پیمانے پر شروع ہو چکا ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب کہ ہماری یونیورسٹی اپنی تاسیس کی 25 ویں سالگرہ منا رہی ہے، مجھے اس بات کا انکشاف کرتے ہوئے بہت خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ یونیورسٹی کا نظامتِ فاصلاتی تعلیم از سرِ نو اپنی کارکردگی کے نئے سنگِ میل کی طرف رواں دواں ہے اور نظامتِ فاصلاتی تعلیم کی جانب سے کتابوں کی اشاعت اور ترویج میں بھی تیزی پیدا ہوئی ہے۔ نیز ملک کے کونے کونے میں موجود تشنگانِ علم فاصلاتی تعلیم کے مختلف پروگراموں سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔ گرچہ گزشتہ دو برسوں کے دوران کووڈ کی تباہ کن صورتِ حال کے باعث انتظامی امور اور ترسیل و ابلاغ کے مراحل بھی کافی دشوار کن رہے تاہم یونیورسٹی نے اپنی حتی المقدور کوششوں کو بروئے کار لاتے ہوئے نظامتِ فاصلاتی تعلیم کے پروگراموں کو کامیابی کے ساتھ روبہ عمل کیا ہے۔ میں یونیورسٹی سے وابستہ تمام طلبا کو یونیورسٹی سے جڑنے کے لیے صمیم قلب کے ساتھ مبارکباد پیش کرتے ہوئے اس یقین کا اظہار کرتا ہوں کہ ان کی علمی تشنگی کو پورا کرنے کے لیے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا تعلیمی مشن ہر لحہ ان کے لیے راستے ہموار کرے گا۔

پروفیسر سید عین الحسن
وائس چانسلر

پیغام

فاصلاتی طریقۂ تعلیم پوری دنیا میں ایک انتہائی کارگر اور مفید طریقۂ تعلیم کی حیثیت سے تسلیم کیا جاچکا ہے اور اس طریقۂ تعلیم سے بڑی تعداد میں لوگ مستفید ہو رہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی نے بھی اپنے قیام کے ابتدائی دنوں ہی سے اردو آبادی کی تعلیمی صورت حال کو محسوس کرتے ہوئے اِس طرزِ تعلیم کو اختیار کیا۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا آغاز 1998 میں نظامتِ فاصلاتی تعلیم اور ٹرانسلیشن ڈویژن سے ہوا اور اس کے بعد 2004 میں باقاعدہ روایتی طرز تعلیم کا آغاز ہوا اور بعد ازاں متعدد روایتی تدریس کے شعبہ جات قائم کیے گئے۔ نو قائم کردہ شعبہ جات اور ٹرانسلیشن ڈویژن میں تقرریاں عمل میں آئیں۔ اس وقت کے اربابِ مجاز کے بھرپور تعاون سے مناسب تعداد میں خود مطالعاتی مواد تحریر و ترجمے کے ذریعے تیار کرائے گئے۔

گزشتہ کئی برسوں سے یو جی سی۔ ڈی ای بی UGC-DEB اس بات پر زور دیتا رہا ہے کہ فاصلاتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات کو روایتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات سے کما حقہم آہنگ کر کے نظامتِ فاصلاتی تعلیم کے طلبا کے معیار کو بلند کیا جائے۔ چوں کہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی فاصلاتی اور روایتی طرزِ تعلیم کی جامعہ ہے، لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لیے یو جی سی۔ ڈی ای بی کے رہنمایانہ اصولوں کے مطابق نظامتِ فاصلاتی تعلیم اور روایتی نظامِ تعلیم کے نصابات کو ہم آہنگ اور معیار بلند کر کے خود اکتسابی مواد SLM از سرِ نو بالترتیب یو جی اور پی جی طلبا کے لیے چھ بلاک چوبیس اکائیوں اور چار بلاک سولہ اکائیوں پر مشتمل نئے طرز کی ساخت پر تیار کرائے جا رہے ہیں۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلوما اور سرٹیفکیٹ کورسز پر مشتمل جملہ پندرہ کورسز چلا رہا ہے۔ بہت جلد تکنیکی ہنر پر مبنی کورسز بھی شروع کیے جائیں گے۔ متعلمین کی سہولت کے لیے 9 علاقائی مراکز بنگلورو، بھوپال، دربھنگہ، دہلی، کولکاتا، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر اور 6 ذیلی علاقائی مراکز حیدرآباد، لکھنؤ، جموں، نوح، وارانسی اور امراوتی کا ایک بہت بڑا نیٹ ورک تیار کیا ہے۔ ان مراکز کے تحت سرِدست 144 متعلم امدادی مراکز (Learner Support Centers) نیز 20 پروگرام سنٹرس (Programme Centers) کام کر رہے ہیں، جو طلبا کو تعلیمی اور انتظامی مدد فراہم کرتے ہیں۔ نظامت فاصلاتی تعلیم نے اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا استعمال شروع کر دیا ہے، نیز اپنے تمام پروگراموں میں داخلے صرف آن لائن طریقے ہی سے دے رہا ہے۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم کی ویب سائٹ پر متعلمین کو خود اکتسابی مواد کی سافٹ کاپیاں بھی فراہم کی جا رہی ہیں، نیز جلد ہی آڈیو۔ ویڈیو ریکارڈنگ کا لنک بھی ویب سائٹ پر فراہم کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ متعلمین کے درمیان رابطے کے لیے ایس ایم ایس کی سہولت فراہم کی جا رہی ہے، جس کے ذریعے متعلمین کو پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس کے رجسٹریشن، مفوضات، کونسلنگ، امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔

امید ہے کہ ملک کی تعلیمی اور معاشی حیثیت سے پچھڑی اردو آبادی کو مرکزی دھارے میں لانے میں نظامتِ فاصلاتی تعلیم کا بھی نمایاں رول ہو گا۔

پروفیسر محمد رضاء اللہ خان

ڈائرکٹر، نظامت فاصلاتی تعلیم

کورس کا تعارف

نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد کے لیے یہ بات انتہائی باعث مسرت ہے کہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (یو جی سی)، ڈسٹنس ایجوکیشن بیورو (ڈی ای بی) کے 2017 ضابطوں اور دوسرے ترمیمی ضوابط 2018 کے مطابق اسلامک اسٹڈیز کے موضوع پر اردو زبان میں درسی مواد تیار کیا گیا ہے۔ یو جی سی ہدایت کے تحت یونیورسٹی کے روایتی اور فاصلاتی نظام تعلیم کے لیے ایک ہی نصاب لازمی قرار دیا گیا ہے؛ تاکہ نہ صرف ان دونوں نظام تعلیم کے طلبہ کا معیار یکساں ہو، بلکہ حصول تعلیم کے لیے فراہم کی جانے والی مختلف سہولیات کے اس دور میں ایک نظام تعلیم کے طلبہ کے لیے دوسرے نظام تعلیم کی طرف منتقلی بھی قابل عمل ہو۔

ان ضوابط کے تحت یونیورسٹی میں فراہم کیے جارہے تمام مضامین میں روایتی اور فاصلاتی نظام تعلیم کا ایک ہی نصاب تیار کیا گیا، اور اس کے مطابق درسی مواد کی تیاری کی گئی جو بیک وقت دونوں نظام تعلیم کے طلبہ وطالبات کے لیے ذریعہ استفادہ بن سکے۔ یہ مواد بی اے کے تین سالہ (چھ سمسٹرز) کورس اور ایم اے کے دو سالہ (چار سمسٹرز) کورس کے لیے تیار کروایا گیا ہے۔ اس درسی مواد کی تیاری میں ملک بھر کے ماہرین اسلامک اسٹڈیز، دانشوران اور اسلامی علوم پر گہری نظر رکھنے والے علما کی معیاری خدمات یونیورسٹی کو حاصل رہیں، اور اس میں اسلامک اسٹڈیز کے تقریباً تمام ہی موضوعات اور پہلوؤں کا جامع احاطہ کیا گیا۔ اس طرح یونیورسٹی کے ذریعے تیار ہونے والا یہ درسی مواد ایک معیاری، ہمہ گیر اور اسلامک اسٹڈیز کے پورے کورس پر محیط بن کر تیار ہوا، جس سے نہ صرف یہ کہ اسلامک اسٹڈیز کے طلبہ وطالبات کی ایک بڑی ضرورت کی تکمیل ہوئی بلکہ اسلامی مطالعات کے میدان میں قابل قدر اضافہ ہوا۔

اس نصاب کی تیاری میں قدیم نصاب کی خوبیوں کو باقی رکھتے ہوئے ضروری حذف واضافہ اور جدید تحریر کے ساتھ مضامین کی ایسی ترتیب اختیار کی گئی جو دونوں روایتی اور فاصلاتی تعلیم کے نظام کی ضرورت بیک وقت پوری کرسکے۔

یکساں نصاب کی تیاری کے بعد اسی کے مطابق درسی مواد کی تیاری بھی مطلوب تھی جس میں نئے نصاب کے مطابق پرانے تحریر شدہ مواد میں کہیں کم اور کہیں زیادہ حذف وترمیم اور تبدیلی کی ضرورت تھی۔ کئی مقامات پر کم یا زیادہ اضافہ بھی مطلوب تھا۔ بعض ذیلی عناوین پر بالکل نئی تحریر لکھنے کی ضرورت تھی اور بعض جگہوں پر مکمل اکائی کے اضافہ کی بھی ضرورت پیش آئی۔ ان سب کے علاوہ مواد کی ترتیب کو نئے نصاب کے مطابق بنایا گیا۔ نیز ہر اکائی کے تحت اکتسابی نتائج اور متنوع قسم کے سوالات کے تفصیلی نمونے شامل کیے گئے۔ ان تبدیلیوں کے بعد تیار ہونے والا مواد قدیم وجدید کا مجموعہ بن کر سامنے آیا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہم ایم اے کورس کی یہ کتاب آپ کے لیے پیش کررہے ہیں۔ پہلے سمسٹر کے اس پرچہ کا عنوان "اسلام اور جدید مسائل" ہے۔ یہ روایتی تعلیم کے تحت ایم اے سمسٹر اول کے لیے ہے اس پرچہ میں کل سولہ اکائیاں ہیں جن کو چار بلاکوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں اسلام میں تعلیم کا تصور، خواتین کی تعلیم کی بابت رہنمائی، انسانی حقوق کا اسلام میں تصور، اسلام میں ماحولیات کی اہمیت وضرورت اور ساتھ ہی اس کی حفاظت کے احکامات، اسلام میں خواتین کا مقام ومرتبہ، ان کے بنیادی حقوق اور عورتوں کو خصوصی حقوق اور رعایتوں پر تحریری مواد شامل ہے۔

ڈاکٹر عبد المجید قدیر خواجہ (الازہری)
کورس کوآرڈی نیٹر

اسلام اور جدید مسائل

Islam and Modern Issues

اکائی 1: اسلام میں تعلیم کا تصور

اکائی کے اجزا:

1.0 تمہید

1.1 مقاصد

1.2 اسلام میں تعلیم کا تصور

1.2.1 تعلیم قرآن کی روشنی میں

1.2.2 تعلیم حدیث کی روشنی میں

1.2.3 دینی تعلیم

1.2.4 دنیاوی تعلیم

1.3 دینی و دنیاوی تعلیم میں کوئی تفریق نہیں

1.4 اکتسابی نتائج

1.5 نمونہ امتحانی سوالات

1.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1.0 تمہید

اسلام نے علم کے حصول کو فرض قرار دیا ہے۔ اللہ رب العزت نے 'اقرا' سے وحی کا آغاز کر کے مسلمانوں پر یہ بات واضح کر دی کہ تمہاری اخروی زندگی اور دنیا میں اللہ کی منشا کو سمجھنے کے لیے علم حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ تعلیم ہی انسان کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر تہذیب و شائستگی کی بلندی عطا کرتا ہے۔ ماضی میں مسلمانوں نے جو عروج حاصل کیا اور پوری دنیا میں اپنی علمیت، انکشافات و ایجادات، علم کی سرپرستی اور اخلاق کے جو نمونے پیش کیے وہ سب تعلیم کی وجہ سے ہی ممکن ہو پائے۔ تعلیم ہی کہ وجہ سے عرب کے

صحرا نشین ریگستانوں سے اٹھ کر ایران، روم، مصر وشام کے تختوں پر قابض ہوئے۔ تعلیم ہی نے ان بادیہ نشینوں کے اندر علم کا ایسا ذوق پیدا ہوا کہ انہوں نے اس وقت دنیا کے تمام مروجہ علوم کو اپنی زبان میں منتقل کر لیا اور اور بہت سارے نایاب علوم کو دنیا سے ناپید ہونے سے بچا لیا۔

1.1 مقاصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبہ وطالبات کو معلوم ہو گا کہ اسلام میں تعلیم کی کیا اہمیت ہے۔ قرآن وحدیث میں تعلیم کا کیا حکم دیا گیا ہے۔ یہ بھی واضح ہو گا کہ تعلیم کے بغیر نہ دنیاوی چیزوں سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور نہ ہی آخرت کی خوش نودی حاصل کی جاسکتی ہے۔ تعلیم ہی انسان کے اندر صحیح شعور پیدا کرتا ہے۔ طلبا یہ بھی جان سکیں گے کہ دینی ودنیاوی تعلیم میں کوئی فرق نہیں ہے اور اسلام نے مرد وعورت دونوں پر حصول علم فرض کیا ہے۔

1.2 اسلام میں تعلیم کا تصور

تعلیم عربی زبان کا لفظ ہے جو 'علم' سے ماخوذ ہے۔ انگریزی میں اس کا متبادل لفظ 'ایجوکیشن' ہے جو لاطینی زبان کے دو الفاظ Educare اور Educere سے ماخوذ ہے۔ Educare کے معنی "To bring up" پروان چڑھانا، نشوونما کرنا، اجاگر کرنا جب کہ Educere کے معنی "To bring out" اظہار کرنا، باہر نکالنا، بروئے کار لانا۔ ایجوکیشن کی اصطلاح انہیں دو الفاظ سے مل کر بنی ہے۔

تعلیم کے ذریعہ ہی انسان کے سیرت وکردار کی تعمیر وتشکیل کی جاسکتی ہے۔ مذہب اسلام میں تعلیم کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ اسلام میں تعلیم کی اہمیت کو اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ پر پہلی وحی جو نازل ہوئی اس میں پڑھنے پر زور دیا گیا ہے۔ فرمایا گیا "پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے انسان کو پیدا کیا، جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھ تیرا رب بڑا بابرکت ہے جس نے انسان کو علم سکھایا قلم کے ذریعے اور وہ علم سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا"۔ قرآن کی ان آیات سے ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ ہمیں جو کچھ بھی پڑھنا ہے اسے رب کے نام سے شروع کرنا ہے۔ جن چیزوں کو ہم رب کے نام سے شروع کریں گے اس میں خیر ہو گا اور رب کے تصور سے ہم بہت سی لایعنی باتوں سے محفوظ رہیں گے اور ہمارا پڑھنا رشد وہدایت کا ضامن ہو گا۔ دوسری بات جو ہمیں اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتی ہے کہ وہ رب ہر چیز کا خالق ہے اسی نے انسانوں کو پیدا کیا ہے اور علم کو اسی انسان سے جوڑ دیا ہے۔ پڑھنے لکھنے کا کام صرف انسانوں کو ہی کرنا ہے۔ تیسری بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ انسان کو اس کی حیثیت بھی بتادی ہے کہ ہم نے تمھیں جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے، تمھاری کوئی حیثیت نہیں تھی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ پڑھ لکھ لینے کے بعد تمھارے اندر کسی طرح کا تفاخر پیدا ہو جائے اور تم زمین پر اکڑ کر چلنے لگو۔ اگلی بات ہمیں جو اس آیت سے پتہ چلتی ہے کہ اللہ رب العزت نے ہمیں قلم کے ذریعے علم عطا کیا اور ہمیں وہ علم سکھایا جو ہم نہیں جانتے تھے۔ یہ اللہ کا فضل ہی ہے کہ اس نے ہمیں اپنی تخلیق کردہ چیزوں کا علم عطا کیا اور اس سے ہمیں محظوظ ہونے کا موقع بھی عطا کیا۔

اسلام کی نظر میں تعلیم کا اصل مقصد رضائے الٰہی ہے۔ اسلام تعلیم کے ذریعے انسان کو انسان بنانے کی طرف زور دیتا ہے۔ اسلام

تعلیم کے ذریعے انسان کے اندر وہ تمام خوبیاں پیدا کرنا چاہتا ہے جس کے ذریعے وہ اخروی کامیابی حاصل کر سکے۔ اسلام تعلیم کے ذریعے انسان کے اندر اخلاق حمیدہ کو پیدا کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ اپنے اخلاق سے لوگوں کو اللہ کی طرف مائل کر سکے اور اپنی اخلاقی خوبیوں سے اس دین حنیف کی طرف لوگوں کو بلا سکیں۔ اسلام تعلیم کے ذریعے جہالت کو مٹانا چہاتا ہے اور دنیا میں علم کی روشنی کو پھیلانا چاہتا ہے۔ تعلیم کے ذریعے اسلام راہ حق سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہ راست پر لانا چاہتا ہے۔

قرآن واحادیث کے اندر تعلیم و تعلم سے متعلق بہت سی آیات اور روایتیں موجود ہیں جو تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہیں۔ مذہب اسلام نے تعلیم کا جو تصور پیش کیا وہ آفاقی ہے اور رہتی دنیا تک کے لیے مشعل راہ ہے۔ تعلیم کے مقاصد میں ایک اہم مقصد جو اسلام چاہتا ہے وہ انسان کو مہذب بنانا بھی ہے۔ تاریخ کے مطالعہ سے ہم یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اسلام نے تعلیم کے ذریعے عرب قوم کو مہذب بنایا اور وہ اس درجے تک پہنچ گئے کہ پوری دنیا کے لیے وہ نظیر بن گئے۔ رسول اللہ کی بعثت کے وقت پڑھنے اور لکھنے والوں کو انگلیوں پر گنا جاسکتا تھا۔ بلاذری کی روایت کے مطابق مکہ مکرمہ میں صرف سترہ (17) اشخاص ایسے تھے جو لکھنے اور پڑھنے دونوں کے فن سے واقف تھے۔ رسول اللہؐ نے لوگوں کو پڑھنے اور لکھنے کی ایسی ترغیب دی کہ چند ہی برسوں میں اس خطے میں تعلیمی انقلاب برپا ہو گیا۔ اسلام میں تعلیم کی اہمیت کو ہم اس طرح بھی سمجھ سکتے ہیں کہ جنگ بدر کے بعد مکہ کے وہ قیدی جو فدیہ ادا کرنے سے قاصر تھے اللہ کے رسول نے انہیں مدینہ کے دس دس بچوں کو پڑھانے پر معمور کیا اور جب بچے پڑھنے اور لکھنے کے لائق ہو گئے تو یہی ان قیدیوں کا فدیہ قرار پایا۔

علم کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے سورۃ علق کی ایک ہی آیت کافی تھی، پر اللہ رب العزت نے انسانوں کو علم کی طرف راغب کرنے کے لیے علم اور اس کے متعلقات پر تقریبا نو سو بار قرآن کریم میں متوجہ فرمایا ہے۔ یعنی اسلام اور علم ایک دوسرے سے مربوط ہیں، علم کی عدم موجودگی میں اسلام اور اللہ کی منشاء کو سمجھنا مشکل ہی نہیں، ناممکن ہے۔ یہ پڑھنے اور لکھنے کی ہی برکت تھی کہ قرآن کریم جیسی اہم کتاب کو صحابہ کرام کے ذریعے ضبط تحریر میں لایا گیا۔ اور یہ قرآن اپنے آپ میں دنیا کی سب سے پہلی ایسی کتاب ہے جسے مستقل طور سے لکھ کر محفوظ کیا گیا۔ قرآن سے پہلے ہمیں عربوں کے درمیان کوئی ضخیم کتاب لکھی ہوئی نظر نہیں آتی۔

جہاں تک تعلیم کی بنیاد کا سوال ہے اللہ رب العزت نے آدم علیہ السلام کو اسماء کی تعلیم دے کر اس کی بنیاد رکھ دی۔ سورۃ بقرۃ میں اللہ ارشاد فرماتا ہے: وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا (سورۃ بقرۃ۔ 31) "اور اللہ نے آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھائے۔" یعنی علوم سکھائے۔ فرشتوں پر آدم کو جو فضیلت ملی وہ اس لیے ہے کیوں کہ انہیں وہ علم حاصل ہے جس سے فرشتے محروم ہیں۔ سورۃ بقرۃ کی آیت نمبر 31، 32 اور 33 میں علم سے متعلق اللہ، آدم اور فرشتوں کے درمیان ہوئے مکالمے کو دیکھا جا سکتا ہے۔ علم کی ہی بدولت سے آدمؑ کو فرشتوں پر فوقیت حاصل ہے۔ آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام بتائے گئے یعنی ان کی تمام اولاد کے علاوہ سب جانور، زمین، آسمان، پہاڑ، تری، خشکی، گھوڑے، گدھے، برتن چرند، فرشتے، تارے وغیرہ تمام چھوٹی بڑی چیزوں کے۔ (تفسیر ابن جریر طبری) اللہ نے پہلے انسان و معلم اول کو تعلیم سے آراستہ کیا اور انسانوں کے رشد و ہدایت کے لیے انبیاء علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور اس سلسلے کی آخری کڑی محمد رسول اللہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انما بعثت معلما (بے شک مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے)۔

رسول اللہ نے تعلیم پر بہت زور دیا فرمایا: ”علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ بہت سے اصحاب کو مسلمانوں کی تعلیم کے لیے مختلف علاقوں میں راوانہ کیا۔ بیعت عقبہ اولی کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیر کو اہل مدینہ کے درمیان تعلیم و تربیت کے لیے روانہ کیا۔ ان کی محنت سے مدینہ میں بہت سے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ رسول اللہ نے تمام مسلمانوں پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ وہ علم کو دوسروں تک پہنچائے فرمایا: بلغو عنی ولوآیة۔ اور علم کو چھپانے پر سخت وعیدیں بھی سنائی ہیں۔ اللہ کے رسول نے فرمایا: جس سے علم کے متعلق کوئی سوال ہو اور اس نے چھپایا تو اللہ تعالی روزِ قیامت آگ کی لگام پہنائے گا۔ (مسند احمد، 7517)

حضرت عمرؓ کے زمانے میں مسلمانوں کی تعلیم کے لیے خاص انتظام کیا گیا، جگہ جگہ مدارس اور مدرسے قائم کیے گئے۔ بدوؤں کی تعلیم کے لیے خاص انتظام کیا گیا۔ ایسے گشتی دستے تیار کیے گئے جو لوگوں کی تعلیمی صلاحیت کا جائزہ لیتے تھے اور جو لوگ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے خاص طور سے قرآن کریم انہیں اساتذہ کے سپرد کرتے تھے۔ باقاعدہ مفت تعلیم کا انتظام تھا، بیت المال سے اساتذہ کو تنخواہ دی جاتی تھی۔ مدرسوں میں قرآن کی تعلیم کے علاوہ، سیرت، علم الانساب، ادب عربی اور کتابت وغیرہ کی تعلیم دی جاتی تھے۔ مکہ میں جو چند لوگ لکھنے اور پڑھنے دونوں میں مہارت رکھتے تھے ان میں حضرت عمر کا بھی شمار ہوتا ہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے تعلیم کا مقصد معاشرے کے نونہال ونوجوانوں کی تکمیل ذات، اخلاق حسنہ، آداب معاشرت اور صحیح تصور کائنات کی تربیت دینا ہے تاکہ انسان اپنے رب و خالق و پالن ہار کو پہچان سکے جس نے اس پوری کائنات کو وجود بخشا۔ اور اس کائنات کی تمام چیزوں کو انسانوں کے لیے مسخر کر دیا اور اسے اشرف المخلوقات کے ساتھ ساتھ خلیفۃ اللہ فی الارض بنایا۔ تعلیم کے ذریعہ ہی انسان خداشناش، خودشناش اور کائنات شناش ہو سکتا ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیم کو خیر و شر میں تمیز کر کے خیر کو اپنانے اور شر کو دبانے کا عمل قراد دیا ہے۔ علامہ اقبال نے تعلیم کو تعمیر خودی اور تکمیل خودی قراد دیا ہے جو انسانی شخصیت کی تشکیل کا دوسرا نام ہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے تعلیم کے مندرجہ ذیل مقاصد ہو سکتے ہیں:

1۔ خداشناسی

2۔ حقوق اللہ سے آگہی

3۔ حقوق العباد سے آگہی

4۔ اخلاق حسنہ کی تکمیل

5۔ آداب معاشرت

6۔ آخرت کی فکر

7۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر

8۔ کائنات شناسی وغیرہ

خلافت راشدہ کے بعد جتنی بھی اسلامی حکومتیں وجود میں آئیں سب نے علم و علماء کی سرپرستی کی۔ خلفائے بنوامیہ کے دور میں مدارس و مساجد بڑے پیمانے پر بنائے گئے۔ ہر مسجد سے ملحق ایک مدرسہ ہوتا تھا اور اس میں قرآن کے ساتھ مروجہ علوم کی تعلیم کا اہتمام تھا۔ مساجد کے ساتھ ساتھ علماء کے گھروں میں بھی درس و تدریس کی مجالس لگا کرتی تھیں۔ عوام کے ساتھ ساتھ اموی شہزادے بھی درس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کی تعلیم کا بھی انتظام تھا۔ عورتیں بھی حدیث کا درس دیا کرتی تھیں اور ان کے درس میں بڑے بڑے امراء و شہزادے شامل ہوکرتے تھے۔ اسماعیل بن عبداللہ روایت کرتے ہیں: "عبدالملک بن مروان قبۂ صخرہ، یروشلم میں نشست رکھتے تھے اور ام درداء وہاں ان کو درس دیتی تھیں۔ جب مغرب کی اذان ہونے لگتی تو وہ اٹھ کھڑے ہوتے اور ان کا سہارا لیتے ہوئے ام الدرداء بھی کھڑی ہو جاتیں اور ان کے سہارے مسجد میں داخل ہوتی۔ پھر وہ خواتین کی صف میں شامل ہو جاتیں اور عبدالملک آگے بڑھ کر امامت کا فریضہ انجام دیتے۔" (اکرم ندوی، محدثات)۔

عباسی دور علم و علماء پروری کے لئے مشہور ہے۔ عباسی دور کے اکثر و بیشتر خلفاء علم دوست و علماء پرور واقع ہوئے ہیں۔ اس دور میں بیت الحکمۃ جیسا ادارہ وجود میں آیا جہاں اس وقت کی تمام مروجہ علوم کو عربی زبان میں منتقل کیا گیا۔ بغیر کسی نسلی و مذہبی تفریق کے تمام علماء کو برابر موقع دیا گیا اور ان کی علمی خدمات حاصل کی گئیں۔ مسلم، عیسائی، ہندو، فارسی، قبطی، یہودی ہر قوم کے لوگ بیت الحکمۃ سے وابستہ تھے۔ کتب ستہ کی تدوین عمل میں آئی اور فقہ کے چاروں اسکول اسی دور میں پروان چڑھے۔ فلسفہ، طب، الہیات، فلکیات، ریاضی ان تمام میدانوں میں اسی دور میں انقلاب آیا۔ مساجد سے علیحدہ مدارس قائم ہونے لگے۔ خلیفہ مستنصر باللہ نے مدرسہ مستنصریہ قائم کیا۔

سلجوقی دور میں نظام الملک طوسی کے ذریعے مدرسہ نظامیہ قائم کیا گیا۔ اس مدرسے کی سرپرستی نظام الملک طوسی خود کیا کرتے تھے۔ بہت سی جائیدادیں اس مدرسے کے لئے وقف کی گئی تھیں۔ امام غزالی اور ابو اسحاق شیرازی جیسے نامور عالم دین اس مدرسے سے وابستہ رہے۔ اس مدرسے میں طلبا کے کھانے پینے کے ساتھ اقامت کا بھی انتظام تھا۔ فاطمی دور میں جامعہ ازہر کی بنیاد پڑی اور بیت الحکمۃ کے طرز پر دار الحکمۃ بھی قائم ہوا۔ علم کے میدان میں خواتین نے بھی آگے بڑھ کر حصہ لیا۔ تیونس کی فاطمہ الفہری نے جامعۃ القیروان کی بنیاد رکھی جو آج بھی تعلیم و تربیت کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اس ادارے کو بحیرہ روم کا سب سے بڑا اعلی ادارہ قرار دیا گیا ہے۔ اس ادارے کی بنیاد مراکش کے شہر فاس میں 859ء کے آس پاس پڑی۔ مسلمانوں نے تعلیم کے ہر میدان میں اپنے جوہر دکھائے۔ علم دین کے ساتھ ساتھ طب، کیمیاء، جغرافیہ، تاریخ، علم نجوم، علم فلکیات جیسے شعبوں کو بھی فروغ دیا۔ بیماروں کے علاج کے لئے جہاں ہاسپٹل کھولے گئے وہیں علم نجوم و علم فلکیات کے میدان میں تحقیق کرنے والوں کے لئے رصد گاہیں بھی کھولی گئیں۔ منصور قلاؤن کے ذریعے بنائے گئے شفاخانہ منصوریہ کے باقیات آج بھی موجود ہیں۔ اسی طرح مسلم دور میں بنائے گئے رصد گاہوں کی عمارتیں بھی موجود ہیں۔

مسلمانوں پر ایک الزام یہ بھی لگتا ہے کہ انہوں نے عورتوں کی تعلیم کی طرف بالکل توجہ نہیں دی اور انہیں پردے کے پیچھے محصور کر دیا۔ یہ الزام سراسر بے بنیاد اور جھوٹ پر مبنی ہے۔ مذہب اسلام نے عورتوں اور مردوں کو تعلیم اور علم حاصل کرنے کے برابر مواقع فراہم کرائے ہیں۔ رسول اللہ کے دور میں عورتوں کو مساجد میں آنے اور رسول اللہ کی مجالس میں بیٹھنے کی پوری آزادی تھی۔ جس طر

ح مرد حضرات اپنے مسائل رسول اللہ سے معلوم کرتے تھے ٹھیک اسی طرح صحابیات بھی رسول اللہ سے استفادہ کرتی تھیں۔ صحابیات اور تابعات میں ہزاروں کی تعداد میں ایسی خواتین گزری ہیں جنھوں نے رسول اللہ کے اقوال کی حفاظت کی اور ان کا درس دیا۔ حال ہی میں آکسفورڈ یونی ورسٹی کے ایک استاد پروفیسر اکرم ندوی نے محدثات پر اپنی ایک تحقیق پیش کی جس میں ایسی ہزاروں خواتین کا تذکرہ کیا ہے جنھوں نے احادیث کی روایت کی ہے۔ ان کی یہ تحقیق 'الوفا بأسماء النساء' کے نام سے 43 جلدوں میں دارالمنھاج جدہ سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کے مطالعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے خواتین کی تعلیم وتربیت کی طرف کافی توجہ دیا ہے۔

احادیث کی روایت کے ساتھ ساتھ خواتین نے علوم قرآنی میں بھی کافی دلچسپی لی ہے۔ قرآن کی قراءت، تفسیر و فضائل پر کئی گراں قدر کتابیں خواتین نے لکھی ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق تقریباً 13 تفاسیر ایسی ہیں جو خواتین نے لکھی ہیں۔ مثلاً عائشہ عبدالرحمن بنت الشاطی کی تفسیر 'التفسیر البیانی للقرآن الکریم، زینب غزالی کی تفسیر 'نظرات فی کتاب اللہ، حنان لحام کی تفسیر 'من ھدی القرآن، نائلہ ہاشم صبری کی تفسیر 'المبصر لنور القرآن وغیرہ۔ غرض علم کے ہر میدان میں مردوں کے ساتھ ساتھ مسلم خواتین نے بھی اپنی خدمات پیش کی ہیں۔ ہماری خواتین گھریلو ذمہ داریوں میں اتنا مشغول ومصروف رہتی ہیں کہ انہیں پڑھنے لکھنے کے مواقع کم مل پاتے ہیں۔ اگر انہیں وہ مواقع مل جائیں جو مرد حضرات کو میسر ہیں تو وہ بھی علم کے میدان میں اپنی خدمات کو بحسن خوبی پیش کر سکتی ہیں۔

1.2.1 تعلیم قرآن کی روشنی میں

قرآن کریم میں درجنوں ایسی آیات ہیں جس میں اللہ تبارک تعالی نے تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ قرآن کی پہلی وحی ہی تعلیم سے متعلق اتری تھی۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ اس امت کو پڑھنا ہے اور پھر پڑھ کر دنیا والوں کے لیے مشعل راہ بننا ہے۔ کیوں کہ قرآن میں اللہ نے یہ بھی فرمادیا کہ "تم ایک بہترین امت ہو جو دنیا والوں کے لیے بھیجی گئی ہے، کیوں کہ تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو"۔ برائی سے روکنے کے لیے خود کا تعلیم یافتہ ہونا بہت ضروری ہے۔

علم و علماء کے بہت سے فضائل قرآن کریم میں بیان کیے گئے ہیں۔ یعنی پڑھنا لکھنا ایک ایسا امر ہے جس کی شہادت خود قرآن کریم دیتا ہے۔ قرآن میں اللہ رب العزت فرماتا ہے: يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ۔ (المجادلہ، 11) تم میں سے جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں اور جن کو علم بخشا گیا ہے، اللہ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا۔

امام شوکانی نے اس آیت کا معنی یہ بیان کیا کہ اللہ مومنوں کو غیر مومنوں پر اور اہل علم کو غیر اہل علم پر کئی گنا فوقیت دیتا ہے۔ جو شخص ایمان اور علم دنوں سے بہرہ ور ہو گا، اسے اللہ تعالی ایمان کی وجہ سے کئی درجات دے گا اور پھر علم کی وجہ سے کئی درجات عطا کرے گا۔ بڑا مرتبہ اسی کا رہے گا جس نے ایمان اور علم کی دولت حاصل کی۔ اس آیت کے پہلے حصے میں اللہ سبحانہ و تعالی نے ان لوگوں کو بھی نصیحت کی ہے جو رسول اللہ کی مجالس میں دیر تک بیٹھے رہتے تھے اور اللہ کے رسول کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ان لوگوں کو یہ بات بتائی گئی ہے کہ جس نے اللہ کے رسول کے پاس زیادہ دیر تک بیٹھ کر انہیں تکلیف دی تو اس نے الٹا جہالت کا کام کیا۔

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ-(ال عمران،18) اللہ نے خود شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، اور (یہی شہادت) فرشتوں اور سب اہل علم نے بھی دی ہے وہ انصاف پر قائم ہے۔

ابن کثیر فرماتے ہیں: جیسے فرمان ہے لَكِنِ اللَّهُ يَشْهَدُ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ وَالْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُونَ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا (النساء:166) یعنی لیکن اللہ تعالیٰ بذریعہ اس کتاب کے جو وہ تیری طرف اپنے علم سے اتار رہا ہے، گواہی دے رہا ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی شہادت کافی ہے، پھر اپنی شہادت کے ساتھ فرشتوں کی شہادت پر علماء کی گواہی کو ملا رہا ہے۔ یہاں سے علماء کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے بلکہ خصوصیت۔

اس آیت میں اہل علم کی اہمیت کو اللہ رب العزت نے اجاگر کیا ہے۔ اللہ نے اپنی توحید کا گواہ فرشتوں کے ساتھ اہل علم کو بھی بنایا ہے۔ اہل علم ہی صحیح معنوں میں توحید کی اہمیت کو سمجھتے ہیں اور لوگوں کے سامنے توحید کا صحیح تصور پیش کرتے ہیں۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ-(الزمر،9) کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں کبھی یکساں ہوسکتے ہیں؟ اس آیت سے علم اور علما کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالی نے علم والوں کو بے علموں پر فوقیت عطا کی ہے۔ علم والے ہی صحیح معنوں میں صحیح اور غلط کی تمیز کرسکتے ہیں۔ اہل علم کے کاندھوں پر ہی سماج و معاشرے کو صحیح راہ دکھانے کی ذمہ داری ہے۔ چیزوں کی اچھائیاں اور برائیاں جس طرح اہل علم پر واضح ہوتی ہے اس طرح بے علموں پر نہیں ہوتی ہے۔ اہل علم ہی قرآن وحدیث کی تعلیمات کو عوام تک پہنچاتے ہیں اور قرآن وحدیث کی منشاء ومقصود کو عام کرنے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے کیا علم والے اور بے علم برابر ہوسکتے ہیں؟

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ-(الانبیا،7) تم لوگ اگر علم نہیں رکھتے تو اہل کتاب سے پوچھ لو۔

عبدالرحمن بن ناصر السعدی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں، اس آیت کریمہ کا عموم اہل علم کی مدح پر دلالت کرتا ہے۔ کتاب اللہ کا علم اپنے آپ میں سب سے عظیم علم ہے، اس لیے اللہ رب العزت نے ان لوگوں کو حکم دیا ہے جو علم نہیں رکھتے ہیں وہ علم کے لیے علماء کی طرف رجوع کریں۔ یہ آیت کریمہ اہل علم کی تعدیل اور تزکیہ کو بھی متضمن ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی نے ان سے سوال کرنے کا حکم دیا ہے۔ نیز جاہل آدمی اہل علم سے سوال کرنے پر گرفت سے نکل جاتا ہے۔ یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالی نے اہل علم کو اپنی وحی اور تنزیل کا امین بنایا ہے۔ اور وہ تزکیہ وصفات کمال سے متصف ہونے پر مامور ہیں اور اہل ذکر میں بہترین لوگ اہل قرآن ہیں کیونکہ حقیقت میں وہی اہل ذکر ہیں اور دوسروں کے مقابلے اس نام کے زیادہ مستحق ہیں۔

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ- (العنکبوت،43) یہ مثالیں ہم لوگوں کی فہمائش کے لیے دیتے ہیں، مگر ان کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔

اس علم سے مراد اللہ کا، اس کی شریعت کا اور ان آیات ودلائل کا علم ہے جن پر غور فکر کرنے سے انسان کو اللہ کی معرفت ملتی ہے

اور ہدایت کا راستہ ملتا ہے۔ تفسیر سعدی میں اس آیت کے بارے میں لکھا ہے: وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں۔" اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ مثالیں لوگوں کے فائدے اور ان کی تعلیم کی خاطر بیان کی ہیں کیونکہ ضرب الامثال علوم کو توضیح کے ساتھ بیان کرنے کا طریقہ ہے۔ ضرب الامثال کے ذریعے سے امور عقلیہ کو امور حسیہ کے قریب لایا جاتا ہے اور مثالوں کے ذریعے سے معانی مطلوبہ واضح ہو جاتے ہیں۔وَمَا يَعْقِلُهَا مگر اس میں غور و فکر کے بعد اس میں وہی لوگ فہم حاصل کرتے ہیں اور پھر اپنے قلب میں عقل کے ساتھ وہی لوگ اس کی تطبیق کرتے ہیں، إِلَّا الْعَالِمُونَ جو حقیقی اہل علم ہیں اور علم ان کے قلب کی گہرائیوں میں جاگزیں ہے۔ یہ ضرب الامثال کی مدح و توصیف ہے نیز ان میں تدبر کرنے اور ان کو سمجھنے کی ترغیب اور جو کوئی ان میں سمجھ پیدا کرتا ہے اس کی مدح و ثنا ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ضرب الامثال استعمال کرنے والا شخص اہل علم میں سے ہے اور نیز جو ان کو نہیں سمجھتا وہ اہل علم میں شمار نہیں ہوتا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو امثال بیان کی ہیں وہ بڑے بڑے امور مطالب عالیہ اور مسائل جلیلہ میں بیان کی ہیں اہل علم جانتے ہیں کہ ضرب الامثال دیگر اسالیب بیان سے زیادہ اہم ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود ان کو درخور اعتناء قرار دیا ہے اور اپنے بندوں کو ترغیب دی ہے کہ وہ ان میں غور و فکر کریں اور ان کی معرفت حاصل کرنے کی پوری کوشش کریں۔

بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ ۔(العنکبوت،49)

"دراصل یہ روشن نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے دلوں میں جنہیں عِلم بخشا گیا ہے، اور ہماری آیات کا انکار نہیں کرتے مگر وہ جو ظالم ہیں۔" عبدالرحمن کیلانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اس آیت کے دو مطلب ہیں اگر ھُوَ کی ضمیر کو قرآن کی طرف راجع قرار دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قرآن کی آیات بڑے واضح دلائل پر مشتمل ہیں۔ اور یہ آیات اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں۔ یعنی اہل علم نے ان آیات کو حفظ یا ازبر کر لیا ہے۔ اور یہ قرآن اسی طرح سینہ بہ سینہ اہل علم میں منتقل ہوتا جائے گا۔ اور یہ قرآن کی ایسی ناقابل تردید صفت ہے جو ابتدائے اسلام سے آج تک اور آئندہ بھی تاقیامت ہر شخص مشاہدہ کر سکتا ہے اور کرتا رہے گا۔ ہر دور میں مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد حافظ قرآن رہی ہے۔ اور یہی قرآن کی اعجازی حیثیت اور اس کی حفاظت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ قرآن کی حفاظت کا دوسرا ذریعہ کتابت قرآن ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفاظت قرآن کے پہلے ذریعہ حفظ پر ہی نسبتاً زیادہ توجہ مبذول فرمائی تھی۔ (اکثر مفسرین نے اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے)

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ -(فاطر،28) اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اُس سے ڈرتے ہیں۔ جو لوگ صحیح علم رکھتے ہیں حقیقت میں وہی لوگ ہی اللہ ڈرنے والے ہوتے ہیں۔ کیوں کہ علم رکھنے والوں کو صحیح وغلط، حلال وحرام کی تمیز ہوتی ہے۔ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: جتنا کچھ خوف اللہ سے کرنا چاہیئے اتنا خوف تو اس سے صرف علماء ہی کرتے ہیں کیونکہ وہ جاننے بوجھنے والے ہوتے ہیں۔ حقیقتاً جو شخص جس قدر اللہ کی ذات سے متعلق معلومات زیادہ رکھے گا اسی قدر اس عظیم قدیر علیم اللہ کی عظمت وہیبت اس کے دل میں بڑھے گی اور اسی قدر اس کی خشیت اس کے دل میں زیادہ ہوگی۔ جو جانے گا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے وہ قدم قدم پر اس سے ڈرتا رہے گا۔ اللہ کے ساتھ سچا علم اسے حاصل ہے جو اس کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے اس کے حلال کئے

ہوئے کو حلال اور اس کے حرام بتائے کاموں کو حرام جانے اس کے فرمان پر یقین کرے اس کی نصیحت کی نگہبانی کرے اس کی ملاقات کو برحق جانے اپنے اعمال کے حساب کو سچ سمجھے۔ خشیت ایک قوت ہوتی ہے جو بندے کے اور اللہ کی نافرمانی کے درمیان حائل ہو جاتی ہے عالم کہتے ہی اسے ہیں جو درپردہ بھی اللہ سے ڈرتا رہے اور اللہ کی رضا اور پسند کو چاہے رغبت کرے اور اس کی ناراضگی کے کاموں سے نفرت رکھے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں باتوں کی زیادتی کا نام علم نہیں علم نام ہے یہ کثرت اللہ سے ڈرنے کا۔ امام مالک کا قول ہے کہ کثرت روایات کا نام علم نہیں علم تو ایک نام ہے نور ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ احمد بن صالح مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں علم کثرت روایات کا نام نہیں بلکہ علم اس کا جس کی تابعداری اللہ کی طرف سے فرض ہے یعنی کتاب و سنت اور جو اصحاب اور ائمہ سے پہنچا ہو وہ روایت سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ نور جو بندے کے آگے آگے ہوتا ہے وہ علم کو اور اس کے مطلب کو سمجھ لیتا ہے۔ مروی ہے کہ علماء کی تین قسمیں ہیں عالم باللہ، عالم بامر اللہ اور عالم باللہ و بامر اللہ عالم باللہ، عالم بامر اللہ نہیں اور عالم بامر اللہ عالم باللہ نہیں۔ ہاں عالم باللہ و بامر اللہ وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو اور حدود و فرائض کو جانتا ہو۔ عالم باللہ وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو لیکن حدود و فرائض کو نہ جانتا ہو۔ عالم بامر اللہ وہ ہے جو حدود و فرائض کو تو جانتا ہو لیکن اس کا دل اللہ کے خوف سے خالی ہو۔

قرآن میں اللہ تبارک تعالی نے اہلِ علم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ''۔(المجادلۃ، 11) اللہ عزوجل تمہارے ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا درجے بلند فرمائے گا اور اللہ عزوجل کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

اسی طرح ایک اور مقام پہ ارشاد فرمایا: ''كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ۔(آل عمران، 79) اللہ والے ہو جاؤ اس سبب سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اس سے کہ تم درس کرتے ہو۔ اللہ سبحانہ تعالی نے علم کی فضیلت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ علم کے ترسیل کے لیے رسولوں کو بھی بھیجا، قرآن کریم میں رسول اللہ کی بعثت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تبارک تعالی نے ارشاد فرمایا: '' كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۔(البقرۃ۔151) جیسے ہم نے تم میں بھیجا ایک رسول تم میں سے کہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں پاک کرتا اور کتاب اور پختہ علم سکھاتا ہے اور تمہیں وہ تعلیم فرماتا ہے جس کا تمہیں علم نہ تھا''۔

علم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ عزوجل نے ہم سب کو یہ دعا مانگنے کا حکم ارشاد فرمایا: ''وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ''(طہ، 114) ''اور عرض کرو کہ اے میرے رب مجھے علم زیادہ دے''۔ علم کی زیادتی کی دعا کے ساتھ ساتھ اللہ رب العزت نے غور و فکر کی بھی دعوت دی ہے۔ سورۃ ص میں اللہ فرماتا ہے: كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ۔(ص:29) ''یہ ایک بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر اس واسطے نازل کیا ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہل فہم اس سے نصیحت حاصل کریں''۔

اور اللہ رب العزت نے غور و فکر نہ کرنے والوں کی یوں مذمت فرمائی ہے: أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ

أَقْفَالُهَا-(محمد:24)۔ ''کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل لگ رہے ہیں''۔ مذکورہ بالا آیات قرآنی ہمیں تعلیم و تعلم کی طرف راغب کرتی ہیں اور اس بات پر زور دیتی ہیں کہ ایک مسلمان پڑھنے اور لکھنے کی طرف ہر وقت متوجہ رہے، کیوں کہ تعلیم اور علم کے ذریعے ہی ایک انسان صحیح معنوں میں خداشناس ہو سکتا ہے اور قوم و ملت کی آبیاری و خدمت کر سکتا ہے۔

1.2.2 تعلیم حدیث کی روشنی میں

کتب حدیث میں تعلیم کی اہمیت پر بے شمار روایتیں موجود ہیں۔ کتب حدیث کی موجودگی خود اپنے آپ میں تعلیم کی اہمیت کو بتاتی ہے۔ اگر اسلام میں پڑھنے اور لکھنے پر ترغیب نہ دی جاتی تو احادیث کا ذخیرہ ہم تک نہ پہنچتا اور نہ ہی ہزاروں راویان حدیث کی تاریخ ہم تک پہنچتی۔ رسول اللہ قرآن کریم کے سب سے پہلے مفسر تھے انہیں اللہ رب العزت کی طرف سے جو کچھ بھی ملا انہوں نے بغیر کسی کمی و بیشی کے ہم تک پہنچا دیا۔ قرآن کریم میں جہاں جہاں پڑھنے اور لکھنے کی تلقین کی گئی ہے اس کی روشنی میں رسول اللہ نے پوری زندگی امت محمدیہ کو اس کی تعلیم دی ہے۔

اللہ کے رسول نے تعلیم و تعلم کی غرض سے سب سے پہلے ارقمؓ کے گھر کو امت محمدیہ کے لیے مدرسہ بنایا۔ صحابہ اور رسول اللہ راتوں میں چھپ چھپا کر ارقمؓ کے گھر پر جمع ہوتے اور دین کی باتیں ایک دوسرے سے سیکھتے اور سکھاتے۔ ہجرت کے بعد رسول اللہ نے مسجد نبی کو پڑھنے اور لکھنے کا مسکن بنا دیا۔ لوگ مسجد نبوی میں یا صفہ پر جمع ہو کر ایک دوسرے سے سیکھتے اور سکھاتے تھے۔ رسول اللہ نے بہت ہی کم مدت میں تعلیم کی ایک تحریک پیدا کر دی تھی اور انہی لوگوں نے رسول اللہ سے تعلیم کی اہمیت کے ساتھ ساتھ دین کے دوسرے امور سے متعلق احادیث کو جمع کیا۔ ہم یہاں پر صرف ان احادیث کو پیش کریں گے جس میں تعلیم و تعلم سے متعلق احادیث وارد ہوتی ہیں۔

کثیر بن قیس نے بیان کیا ہے: میں دِمشق کی مسجد میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے کہا: اے ابو درداء! میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک شہر سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں۔ میں اسے (سننے کی) خاطر آیا ہوں (اس کے علاوہ) کسی اور غرض سے آپ کے پاس حاضر نہیں ہوا ہوں۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: جو علم حاصل کرنے کے لئے کسی راستے پر چلے گا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کے راستوں میں سے ایک راستے پر چلائے گا اور علم حاصل کرنے والے کی خوشی کے لئے فرشتے اپنے پروں کو بچھا دیتے ہیں۔ اور عالم کے لئے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز دعائے مغفرت کرتی ہے یہاں تک کہ پانی کے اندر مچھلیاں بھی۔ عالم کی عبادت کرنے والوں پر فضیلت ایسی ہے جیسی چودھویں رات کے چاند کی تمام ستاروں پر۔ علماء ہی انبیائے کرام کے وارث ہیں، کیونکہ انبیائے کرام کی میراث دینار یا درہم نہیں ہوتے (بلکہ) ان حضرات (انبیاء) کی میراث علم ہے۔ جس نے اسے حاصل کر لیا اس نے بہت بڑا حصہ پا لیا۔ اس حدیث کو امام ابو داود اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اخرجہ ابو داود فی السنن، کتاب العلم،، وابن ماجہ فی السنن)

بہترین علم وہ ہے جو علم نافع ہو رسول اللہ نے علم نافع کے لیے دعا کا بھی اہتمام کیا ابن ماجہ روایت کرتے ہیں: ''اَللّٰہُمَّ انْفَعْنِیْ بِمَا

عَلَّمْتَنِيْ، وَ عَلِّمْنِيْ مَا يَنْفَعُنِيْ، وَذِدْنِيْ عِلْمًا ''اے اللہ! نفع بخش بنادیجئے میرے لیے اس چیز کو جو آپ نے مجھے سکھایا ہے اور مجھے (مزید) وہ چیز سکھادیجئے جو کہ نفع دے مجھ کو اور میرے علم میں اضافہ فرمادیجئے''۔(سنن ابن ماجه، کتابُ الدُّعَاءِ، بابُ دُعَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، بروایت ابوھریرۃؓ)۔

عَنْ اَبِی هرَیْرَۃَ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ الله صلی الله علیه وآله وسلم: وَمَنْ سَلَکَ طَرِیْقًا یَلْتَمِسُ فِیْهِ عِلْمًا سَہَلَ اُ لَهُ طَرِیْقًا اِلَی الْجَنَّۃِ. حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص تلاشِ علم کی راہ پر چلا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرمادیتا ہے۔ اسے امام مسلم، احمد بن حنبل اور ترمذی نے روایت کیا۔ أخرجه مسلم فی الصحیح، کتاب الذکر والدعاء والتوبة والإستغفار، باب فضل الإجتماع علی تلاوة القرآن وعلی الذکر، واحمد بن حنبل فی المسند، وابو داود فی السنن، کتاب العلم، باب الحث علی طلب العلم، والترمذی فی السنن، کتاب العلم، باب فضل طلب العلم۔

امام ترمذی اور طبرانی روایت کرتے ہیں: وَفِی رِوَایَةِ أَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ الله صلی الله علیه وآله وسلم: مَنْ خَرَجَ فِی طَلَبِ الْعِلْمِ، کَانَ فِی سَبِیْلِ اِ حَتّٰی یَرْجِعَ. حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص حصولِ علم کے لئے نکلا وہ اس وقت تک اللہ کی راہ میں ہے جب تک کہ واپس نہیں لوٹ آتا۔(اخرجه الترمذی ، کتاب العلم، ، والطبرانی فی المعجم الصغیر، ، والمقدسی فی الأحادیث المختار).

امام بخاری نے کتاب العلم میں ترجمۃ الباب کے تحت بیان کیا ہے: وَرَوَی الْبُخَارِیُ فِی تَرْجَمَةِ الْبَابِ فِی کِتَابِ الْعِلْمِ: إِنَّ الْعُلَمَاء ہُمْ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاء. وَرَّثُوا الْعِلْمَ. مَنْ اخَذَهُ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ، وَمَنْ سَلَکَ طَرِیقًا یَطْلُبُ بِهِ عِلْمًا، سَہَلَ اُلَهُ طَرِیقًا إِلَی الْجَنَّةِ. بے شک علماء، انبیاء کرام کے وارث ہیں۔ انہوں نے میراثِ علم چھوڑی ہے۔ پس جس نے اس (میراثِ علم) کو حاصل کیا، اس نے بہت بڑا حصہ پالیا۔ جو آدمی علم کی تلاش میں کسی راہ پر چلتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرمادیتا ہے۔(اخرجه البخاری فی الصحیح، کتاب العلم)

الدیلمی سے مروی ہے۔عَنْ اَبِی الدَّرْدَاء رضی الله عنه، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ الله صلی الله علیه وآله وسلم: یُوْزَنُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مِدَادُ الْعُلَمَاء وَدَمُ الشُّہَدَاء فَیَرْجَحُ مِدَادُ الْعُلَمَاء عَلَی دَمِ الشُّہَدَاء. حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: روز قیامت علماء کے قلم کی سیاہی اور شہداء کے خون کو تولا جائے گا تو علماء کے قلم کی سیاہی شہداء کے خون سے زیادہ وزنی ہوجائے گی۔اخرجه الدیلمی فی مسند الفردوس۔ والجرجانی فی تاریخ جرجان، 1، والسمعانی فی ادب الإملاء والاستملاء.

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حدثنا احمد بن یونس، حدثنا زائدة، عن الاعمش، عن ابی صالح، عن ابی ہریرة، قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم:''ما من رجل یسلک طریقا یطلب فیه علما إلا سہل الله له به طریق الجنة، ومن ابطا به عمله لم یسرع به نسبه''. ''جو شخص حصول علم کے لیے کوئی راستہ طے کرتا

ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے، اور جس کو اس کے عمل نے پیچھے کر دیا تو اسے اس کا نسب آگے نہیں کر سکے گا"۔(سنن ابی داؤد، باب کتاب العلم)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حدثنا علی بن حجر، حدثنا إسماعيل بن جعفر، حدثنی عبد الله بن سعيد بن ابی ہند، عن ابيه، عن ابن عباس، ان رسول الله صلی الله عليه وسلم قال: " من يرد الله به خيرا يفقہه فی الدين "، وفی الباب عن عمر، وابی ہريرة، ومعاوية، ہذا حديث حسن صحيح. "جس کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، تو اسے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے"(سنن ترمذی، کتاب العلم)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حدثنا محمود بن غيلان، حدثنا ابو اسامة، عن الاعمش، عن ابی صالح، عن ابی ہريرة، قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: " من سلک طريقا يلتمس فيه علما سہل الله له طريقا إلى الجنة "، قال ابو عيسى: ہذا حديث حسن. "جو علم حاصل کرنے کے ارادہ سے کہیں جائے، تو اللہ اس کے لیے جنت کے راستے کو آسان (وہموار) کر دیتا ہے"(سنن ترمذی، کتاب العلم)

اس حدیث سے علم کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ علمائے سلف نے علم کی خاطر دشوار گزار راستوں کو طے کیا۔ علمائے حدیث نے ایک ایک حدیث کے لیے لمبی مسافت طے کی۔ روایت ہے کی جابر بن عبداللہ نے عبداللہ بن قیسؓ سے صرف ایک حدیث حاصل کرنے کے لیے ایک مہینہ کا سفر طے کیا۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حدثنا نصر بن علی، قال: حدثنا خالد بن يزيد العتكی، عن ابی جعفر الرازی، عن الربيع بن انس، عن انس بن مالک، قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: " من خرج فی طلب العلم فہو فی سبيل الله حتى يرجع "، قال ابو عيسى: ہذا حديث حسن غريب، ورواه بعضہم فلم يرفعه. "جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے نکلے تو وہ لوٹنے تک اللہ کی راہ میں (شمار) ہو گا"(سنن ترمذی، کتاب العلم)

سخبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حدثنا محمد بن حميد الرازی، حدثنا محمد بن المعلى، حدثنا زياد بن خيثمة، عن ابی داود، عن عبد الله بن سخبرة، عن سخبرة، عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: من طلب العلم كان كفارة لما مضى "جو علم حاصل کرے گا تو یہ اس کے پچھلے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا"(سنن ترمذی، کتاب العلم)

ابو امامہ باہلی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا، ان میں سے ایک عابد تھا اور دوسرا عالم، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عن ابی امامة الباہلی، قال: ذكر لرسول الله صلی الله عليه وسلم رجلان احدہما: عابد والآخر عالم، فقال رسول الله صلی الله عليه وسلم: " فضل العالم على العابد كفضلی على ادناكم "، ثم قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: " إن الله وملائكته واہل السموات والارض حتى النملة فی جحرہا، وحتى الحوت ليصلون على

معلم الناس الخیر "," عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ایک عام آدمی پر ہے"، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" اللہ اور اس کے فرشتے اور آسمان اور زمین والے یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنی سوراخ میں اور مچھلیاں اس شخص کے لیے جو نیکی و بھلائی کی تعلیم دیتا ہے خیر وبرکت کی دعائیں کرتی ہیں۔(سنن ترمذی، کتاب العلم)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:عن ابی ہریرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " الكلمة الحكمة ضالة المؤمن فحيث وجدہا فہو احق بہا "، قال ابو عيسى: ہذا حديث غريب، لا نعرفه إلا من ہذا الوجه، وإبراہيم بن الفضل المدنى المخزومى يضعف فى الحديث من قبل حفظه."حکمت کی بات مومن کی گمشدہ چیز ہے جہاں کہیں بھی اسے پائے وہ اسے حاصل کر لینے کا زیادہ حق رکھتا ہے"۔(سنن ترمذی، کتاب العلم)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " فقيه اشد على الشيطان من الف عابد "، قال ابو عيسى: ہذا حديث غريب، ولا نعرفه إلا من ہذا الوجه من حديث الوليد بن مسلم. "ایک فقیہ (عالم) ہزار عبادت کرنے والوں کے مقابلہ میں اکیلا شیطان پر حاوی اور بھاری ہے"۔(سنن ترمذی، کتاب العلم)

1.2.3 دینی تعلیم

دینی تعلیم سے مراد وہ علم ہے جس کا تعلق قرآن و حدیث سے ہے اور جس سے مسلمانوں کی تمام دینی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ اس میں وہ تمام علوم شامل ہیں جس کی مدد سے ہم قرآن و حدیث کو سمجھنے میں مدد لیتے ہیں اور مسلمانوں کے دینی مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً تفسیر، علوم الحدیث، فقہ، سیرت، مغازی وغیرہ۔ دینی تعلیم کا سرچشمہ وحی الٰہی اور رسول اللہ کی ذات ہے۔

اللہ تبارک تعالی نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے رشد ہدایت کے لیے تعلیم کا بھی انتظام کیا۔ اللہ نے ہر دور میں انسانوں کو راہ رست پر چلانے اور ان کی رہ نمائی کے لیے رسولوں کو بھیجا اور ان رسولوں پر اپنی کتاب نازل کی تا کہ وہ صحیح صحیح اللہ کے دین کو لوگوں تک پہنچا سکیں۔ جس طرح ہر کمپنی اپنے سامان کے ساتھ ایک مینوئل گائڈ فراہم کرتی ہے تا کہ لوگوں کو اس سامان کا مقصد اور اسے استعمال میں لانے کا طریقہ پتہ لگ سکے، ٹھیک اسی طرح اللہ رب العزت نے مسلمانوں کے لیے قرآن نازل کیا تا کہ مسلمانوں کو ان کی تخلیق کا مقصد پتہ چل سکے اور کس طرح انہیں زندگی گزارنی ہے اس کی رہ نمائی مل سکے۔

مولانا آزاد نے علم دین کے حاصل کرنے کو مقصد قرار دیا ہے، ان کے مطابق علم دین مقصد ہے نا کہ وسیلہ۔ مولانا آزاد کہتے ہیں:

دنیا نے علم کو ہمیشہ وسیلہ سمجھا ہے مگر مسلمانون کی خصوصیت ہے، کہ انہوں نے علم کو کبھی وسیلہ نہیں سمجھا، بلکہ مقصد سمجھا ان تمام یونیورسٹیوں میں جو ہندستان بھر میں چوبیس سے زیادہ ہیں ان کالجوں میں جو ہر ضلع میں ہیں اور ان اسکولوں میں جن کے دامن دیہات تک پھیلے ہوئے ہیں، ان میں جو تعلیم ہوتی ہے اس کو وسیلہ سمجھا جاتا ہے مقصد نہیں سمجھا جاتا، کیوں کہ ان میں صرف اس لئے تعلیم دلائی جاتی ہے اور صرف تعلیم حاصل کی جاتی ہے کہ سرکاری ملازمتیں مل سکیں، اور اونچے عہدے حاصل ہو سکیں مگر تمہیں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ

علم دین وسیلہ نہیں مقصد ہے، اس کو کسی وسیلہ کے لئے حاصل نہیں کیا جاتا ہے کہ اس کا حصول فرض ہے، مسلمانوں نے ہمیشہ علم کو علم کے لئے حاصل کیا ہے، وسیلہ کے لئے نہیں سیکھا، مسلمانوں نے کبھی بھی علم کو اس لئے حاصل نہیں کیا کہ اس کے ذریعہ معیشت حاصل کریں گے یا کسی سرکاری منصب پر فائز ہوں گے، مسلمانوں نے ذریعہ معیشت کسی اور چیز کو بنایا اور علم کو صرف علم کے لئے حاصل کیا۔(علم وعلماء، قاضی اطہر مبارک پوری، شیخ الہند اکیڈمی، دارالعلوم دیوبند، 21)

رسول اللہ ﷺ کے دور سے ہی مسلمانوں نے علم دین کی ترویج واشاعت کے لئے بہت کوششیں کی ہیں۔ شیخینؓ کی کوششوں سے قرآن کریم کو کتابی شکل میں جمع کیا گیا اور عثمانؓ کے ذریعے تمام امت کو ایک قراءت پر جمع کیا گیا۔ رسول اللہ سے علم دین سیکھنے کے لئے صحابہ کرام کی ایک جماعت نے مستقل مسجد نبوی میں قیام کیا جو اصحاب صفہ کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ان صحابہ نے کسمپرسی کی حالت میں مسجد نبوی میں قیام کیا اور ہزاروں احادیث کو اپنے سینوں میں جمع کیا۔ رسول اللہ اور خلفائے راشدین ایسے لوگوں کو گورنر بنا کر بھیجتے تھے جو دین کی صحیح سمجھ رکھتے تھے۔ اہل یمن کی درخواست پر رسول اللہ نے معاذ بن جبل کو یمن کا امیر بنا کر بھیجا، معاذ بن جبل سے پوچھا تم مسائل و مقدمات میں کس طرح فیصلہ کروگے ؟ انہوں نے کہا اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اگر تم اللہ کی کتاب میں نہ پاسکے تو؟ معاذؓ نے عرض کیا: میں سنت رسول سے فیصلہ کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم کتاب وسنت دونوں میں حل نہ پاؤ تو؟ انہوں نے جواب دیا میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور حقیقت تک پہنچنے میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔ یہ جواب سن کر رسول اللہ نے فرمایا؛ اللہ کا شکر ہے جس نے رسول اللہ کے فرستادہ کو اس چیز کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسول راضی ہے۔

قرآن کی تعلیم پر بہت سے صحابہ معمور تھے، کچھ صحابہ ایسے تھے جو قرآن کا بہت فہم رکھتے تھے۔ خلفائے راشدین کے علاوہ عبداللہ ابن مسعودؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور ابو موسی اشعری کا شمار صحابہ مفسرین میں ہوتا۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ایک باب کتاب التفسیر کے نام سے قائم کیا ہے جس میں مذکورہ بالا مفسرین صحابہ کے تفسیری اقوال کو جمع کیا ہے۔ بعد کے دور میں علم تفسیر ایک مستقل فن گیا اور ایک جماعت ایسی وجود میں آئی جس کا اوڑھنا بچھونا صرف قرآن تھا۔ ابن جریر طبری کی مشہور تفسیر "جامع البیان عن تاویل آی القرآن" وجود میں آئی جو اپنی نوعیت کی پہلی مکمل تفسیر تھی۔ اس کے بعد کئی تفسیر وجود میں آئیں مثلاً کشاف، تفسیر کبیر، جلالین وغیرہ۔ بعد کے ادوار میں ہندوپاک میں اردو زبان میں کئی عمدہ تفسیریں لکھیں گئیں مثلاً ترجمان القرآن، تدبر قرآن، تفہیم القرآن، معارف القرآن اور ضیاء القرآن وغیرہ۔

دینی علوم میں قرآن کے بعد جس چیز پر صحابہ وتابعین نے سب سے زیادہ زور دیا وہ رسول اللہ کے اقوال تھے۔ مکہ اور مدینہ ایسے لوگوں کا مرکز تھا جو رسول اللہ کے اقوال کی حفاظت میں مصروف تھے۔ صحابہ اور تابعین نے ذاتی طور پر رسول کے اقوال کو لکھ کر اپنے پاس محفوظ کیا، بعد کے ادوار میں بڑے بڑے ائمہ حدیث پیدا ہوئے مثلاً امام بخاری، امام مسلم، ترمذی وغیرہ جنہوں نے صحت حدیث کی بنیادوں پر احادیث کو جمع کیا۔ عباسی دور میں علم حدیث ایک مستقل فن بن کر ابھرا، ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے اس فن کو اپنایا۔ عباسی دور میں ہی کتب ستہ کی تدوین عمل میں آئی۔

جیسے جیسے اسلام عرب سے نکل کر دوسرے علاقوں میں پہنچا ویسے ویسے اسلامی مسائل میں اضافہ ہوتا گیا۔ درپیش نئے مسائل کے حل کے لئے ایک نئی اصطلاح وجود میں آئی جو فقہ کہلاتی ہے۔ شرعاتی دور میں علماء دو گروہ میں بٹے ہوئے تھے ایک اہل حدیث کہلاتے تھے اور دوسرے اہل الرائے۔ اہل حدیث کسی بھی مسائل میں صرف وہاں تک جواب دیتے تھے جہاں تک حدیث سے رسائی ہوتی تھے، جن مسائل میں حدیث سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا تھا وہاں خاموشی اختیار کرتے تھے۔ اس کے برخلاف اہل الرائے اجتہاد سے کام لیتے تھے اور اپنی آرا سے مسائل کو حل کرتے تھے۔ مکہ اور مدینہ اہل حدیث کا گڑھ مانا جاتا تھا اور کوفہ اور بصرہ میں اہل الرائے کی تعداد زیادہ تھی۔ آگے چل کر فقہ کے چار بڑے اسکول وجود میں آئے جو اپنے اپنے امام فقہ کی نسبت سے فقہ حنفی، فقہ مالکی، فقہ حنبلی اور فقہ شافعی کہلائے۔ ان چار کے علاوہ بھی فقہ کے کئی اسکول تھے پر مرور زمانہ کے ساتھ ناپید ہوگئے مثلاً فقہ جریری، فقہ اوزاعی وغیرہ۔ ان چار مشہور فقہ کے علاوہ ایک فقہ اور رائج ہے جو فقہ جعفری کہلاتی ہے۔ یہ فقہ امام جعفر صادق کی طرف منسوب ہے، اہل تشیع و اہل بیت کے یہاں یہ فقہ رائج ہے۔ ایران اس فقہ کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ عرب ممالک اور ہندوستان کے کچھ مسلمانوں میں یہ فقہ رائج ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ دینی علوم کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے کئی ڈسپلین وجود میں آتے ہیں اور دینی علوم ایک مستقل علم کا شعبہ بن کر ابھرتا ہے جو عصری علوم سے بالکل الگ اپنی ایک شناخت رکھتا ہے۔

1.2.4 دنیاوی تعلیم

دنیاوی تعلیم کا تعلق ان علوم سے ہے جس کی بنیاد انسان کے مشاہدوں اور تحقیق پر ہے۔ موٹے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایسے علوم جس میں مذہبی عنصر موجود نہ ہو۔ اس زمرے میں وہ تمام علوم آتے ہیں جسے ہم جدید یا عصری علوم بھی کہتے ہیں۔ عصری علوم کا تعلق انسان کی ضروریات زندگی کو آسان اور پر سکون بنانے سے ہے۔ نیچرل سائنس، سوشل سائنس، طب، فلکیات، زبان و ادب وغیرہ کا تعلق دنیاوی علوم سے ہے۔ زمانہ قدیم سے اس میدان میں قوموں نے گراں قدر خدمات پیش کی ہیں۔ ہزاروں سال پر مشتمل تاریخ میں ہمیں ایسے غیر معمولی کام دکھائے دیتے ہیں جو انسان کے علمی ذوق کا پتہ دیتے ہیں۔ مصر کے اہرام، صنعاء کی وادی میں موجود پہاڑوں کے مکان، ہندوستان کے پہاڑوں میں تراشے ہوئے مندر، وادی سندھ میں موجود ہزاروں سال پرانے ہڑپہ اور موہن جوداڑو کے مکانات، چین کی دیوار، ٹیرا کوٹا کے باقیات وغیرہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ انسانوں نے دنیاوی علوم جیسے ریاضی، جیومیٹری، جیولوجی، علم نجوم کے ساتھ ساتھ دست کاری اور جانداروں کو ہزاروں سال تک محفوظ رکھ لینے والے مصالحے کے علوم میں اختصاص حاصل کر لیا تھا۔ اگر ریاضی اور جیومیٹری کا علوم ان لوگوں کے پاس نہ ہوتا تو اہرام کے بڑے بڑے پتھروں کو صحیح تناسب میں جوڑ کر اسے پیرامڈ کی شکل دے پانا مشکل ہوتا۔ وادی سندھ میں سیدھی سڑکیں اور پانی نکلنے کا سیدھا راستہ بنانا مشکل ہوتا، دشوار گزار پہاڑوں میں چین کی دیوار کو سیدھی کھڑی کرنا مشکل ہوتا۔ دست کاری اور ارتعاش کے علوم کے بغیر پہاڑوں کو کاٹ کر مندر بنانا مشکل ہوتا، علم نجوم و علم فلکیات کے بغیر رخ کا تعین کرنا اور سمندروں و خشکی کے راستوں میں سفر کرنا آسان نہ ہوتا، اگر مختلف قسم کے مصالح کا علم نہ ہوتا تو فراعین مصر کے لاشوں کو ہزاروں سال تک محفوظ رکھنا ممکن نہ ہو پاتا۔

یونانیوں نے دنیاوی علوم میں فلسفہ اور طب کے میدان میں جو اہم رول ادا کیا ہے وہ قابل تحسین ہیں۔ سقراط وافلاطون جیسے مشہور فلسفی اسی سر زمین سے پیدا ہوئے، بقراط و جالینوس نے جو خدمات پیش کی ہیں اس کا فائدہ آج تک جاری وساری ہے۔ مسلمانوں نے اس علم کو محفوظ کیا اور اسے مزید آگے بڑھایا۔ بر صغیر ہندو پاک میں آج بھی یہ علم یونان کی نسبت سے ''طب یونانی'' کے نام سے مشہور ہے۔ طب کے میدان میں ہندوستان و چین کے لوگ بھی بہت ماہر تھے۔ مختلف قسم کی جڑی بوٹیوں سے علاج کرنے کے ہنر سے وہ بخوبی واقف تھے۔ صحیح بخاری میں ایک واقعہ درج ہے کہ جب حضرت عائشہ بیمار پڑیں تو جس طبیب نے ان کا علاج کیا وہ ایک جت (جاٹ) تھا۔

مسلم ادوار میں مسلم علماء نے دنیاوی علوم میں جو خدمات پیش کی ہیں اس کی نظیر دنیا کی کسی تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔ فزکس، ریاضی، علم کیمیا، علم نجوم، علم فلکیات، علم طب، الجبرا، فلسفہ، جغرافیہ، تاریخ غرض ہر میدان میں ان کی خدمات سنہرے حروف سے لکھے جانے کے لائق ہے۔ صحیح معنوں مسلم اسکالرس نے ہی تمام علوم کو ایک ڈسپلین کے طور پر اپنایا اور اسے فروغ دیا۔

علم فلسفہ جسے تمام علوم کی امہات کہا جا سکتا ہے اسے مسلمانوں نے ہی محفوظ کیا، اپنایا اور اس کی شروحات لکھیں۔ بند تالوں سے فلسفے کی کتابیں نکلوا کر اسے عربی زبان میں منتقل کر کے ناپید ہونے سے بچایا۔ ورنہ آج دنیا سقراط، ارسطو اور افلاطون کے نام سے بھی واقف نہ ہوتی۔ ابن سینا، ابن رشد، الکندی، فارابی، امام غزالی، الخوارزمی جیسے نام ور حکماء نے فلسفہ کی ترویج و اشاعت میں اپنی بیش بہا تصنیفات چھوڑی ہیں۔ علم کیمیاء جسے ہم کیمسٹری کے نام سے جان جاتے ہیں اس ڈسپلین کو جابر بن حیان نے فروغ دیا۔ مختلف چیزوں پر تجربات کر کے جابر بن حیان نے ایسی ایسی چیزیں دریافت کیں جس کا استعمال آج بھی بڑے پیمانے پر ہو رہا۔ الکحل (Alcohol) کی ایجاد کا سہرا بھی جابر بن حیان کے سر ہے۔ لیب میں استعمال ہونے والے برتن اور کئی اشیاء کے سلفائیڈ سب جابر بن حیان کے دئے ہوئے ہیں۔ شورے اور گندھک کے تیزاب جیسی چیز دنیا میں سب سے پہلی بار ایجاد کی۔ انہوں نے چمڑے کو رنگنے کی ایک کیمیاء تیار کی جس سے چمڑے میں چمک پیدا ہو جاتی تھی اور اسے دوسرے رنگوں میں رنگا بھی جا سکتا تھا۔ محمد بن موسی الخوارزمی کا شمار بہترین ریاضی داں کی صورت میں ہوتا ہے۔ ان کی مشہور تصنیف ''کتاب الجبر و المقابلہ'' جسے انہوں نے لوگوں کے روز مرہ کے معاملات کو حل کرنے کے لئے تصنیف کیا۔ اس کتاب کی وجہ سے میراث کی تقسیم، عملی طور پر زمین کا ناپ، خرید و فروخت، دائرہ اور دائرے کے قطر کا ناپ، ثلاثی، رباعی اور کرنسی کا تبادلہ کرنا آسان ہو گیا۔ انہوں نے ہی علم حساب اور علم جبر کو الگ الگ کر کے پیش کیا۔ علم طب میں ابن سینا کی کتاب ''القانون'' جو Cannon کے نام سے جانی جاتی ہے طب کی ایک بے نظیر کتاب ہے اس کا دنیا کی کئی زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے۔ ابن النفیس نے دوران خون کا تصور دیا، اسی طرح آنکھوں کے علاج میں ابن الہیثم (Al-Hazen) کی ''کتاب المناظر'' نے ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ ابو القاسم الزہراوی (Albucasis) کی ''کتاب التصریف'' نے عمل جراحی کے راستے کو آسان بنا دیا۔ جغرافیہ کے میدان میں احمد بن جعفر یعقوبی کی تصنیف ''کتاب البلدان'' نے اس زمانے کے تاریخی مقامات، راستوں، شہروں اور دوری کو محفوظ کر دیا۔ انہوں نے ہی زمین کو چار جہات میں تقسیم کیا یعنی مشرق، مغرب، شمال اور جنوب۔ اسی طرح ہمدانی، ادریسی، ابن الندیم اور یاقوت حموی کا نام بھی لیا جا سکتا ہے۔

تاریخ نویسی میں بھی مسلمانوں نے جو خدمات پیش کی ہیں وہ بھی قابل تعریف ہیں۔ ابن اسحاق اور ابن ہشام نے تاریخ کے

سنہرے واقعات کو سند کے ساتھ محفوظ رکھا ہے۔ تاریخ نویسی کے میدان میں ابن خلدون سے ایک نئے باب کا آغاز ہوتا ہے۔ صحیح معنوں میں ابن خلدون نے ہی تاریخ کو صحیح نہج پر لکھنے کی بنیاد ڈالی۔ مقدمہ ابن خلدون کو جو شہرت ملی ہے تاریخ کے میدان میں شاید ہی کسی کتاب نے اتنی پذیرائی حاصل کی ہے۔ دنیا کے تمام اسکالرس نے مقدمہ ابن خلدون کو پسند کیا۔ سمندروں اور صحراؤں میں مسافر کے لئے سفر کرنا بہت ہی دشوار کام تھا۔ لوگ ستاروں کو دیکھ کر اپنے سفر کا آغاز کرتے تھے۔ مسلم ماہر فلکیات نے مسافروں کی آسانی کے لئے قطب نما(اصطرلاب) ایجاد کیا اور نقشے تیار کئے۔ مسلم ممالک میں رصد گاہیں تعمیر ہوئیں، سورج، چاند اور ستاروں کی حرکات کو ناپا۔ ابواسحاق ابراہیم الزرقالی نے ستاروں کے مدار کو پہلی مرتبہ بیضوی کہا تھا، اس سے پہلے لوگ گول تصور کرتے تھے۔ ابوریحان البیرونی نے زمین کا ریڈیس ناپا تھا اور پورے دعوے کے ساتھ کہا تھا کہ زمین اپنے مدار پر گھومتی ہے۔ ابن عیسی اصطرلابی اپنے زمانے میں اصطرلاب بنانے کی وجہ سے کافی مشہور تھا۔

تعمیرات کے میدان میں مسلمان مہندسوں نے اپنے جو جوہر دکھلائے ہیں وہ سب بھی بے مثال ہیں۔ شہر شام میں جامع مسجد اموی کی عمارت امیہ دور کی ایک بہترین یادگار ہے۔ عباسی دور میں بغداد شہر کی تعمیر اپنے آپ میں ایک شاہ کار ہے۔ گول شکل میں اس شہر کو بسایا گیا تھا۔ شہر کے بیچوں بیچ خلیفہ کا محل تعمیر کیا گیا تھا اور سارے راستے چاروں سمتوں میں محل سے نکلتے تھے۔ اسپین کی قرطبہ مسجد اور الحمراء صناعی کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ اسی طرح دنیا کے مختلف اسلامی ممالک میں خلفاؤں اور بادشاہوں کے ذریعے بنائے گئے شہر اور عمارتوں مثلاً اصفہان جسے اس وقت اصفہان نصف جہان کہا جاتا تھا۔ ہندوستان میں قطب مینار، آگرہ کا قلعہ، تاج محل، دہلی کا قلعہ، دہلی کی جامع مسجد، ہمایوں کا مقبرہ، پرانا قلعہ، اٹالہ مسجد، جون پور کے قلعے اور لکھنو کا امام باڑہ یہ سب اس دور کے مہندسوں کے ذوق کا پتہ دیتے ہیں۔

مذکورہ بالا تذکرے کی روشنی میں ہم یہ بات پورے وثوق سے کہ سکتے ہیں کی مسلم دور میں جتنی بھی مثبت تبدیلیاں ہمیں نظر آتی ہیں چاہے وہ طب کے میدان میں ہو یا کیمیاء کے میدان میں ہو یا دوسرے کسی شعبے میں ان سب کا تعلق دنیاوی تعلیم سے ہے۔ مسلمانوں نے عصری علوم کو پورے اعتماد کے ساتھ حاصل کیا اور اسے لوگوں کے لئے نفع بخش بھی بنایا۔ مسلمانوں نے رسول اللہ کے اس قول پر عمل کیا کہ "حکمت مومن کی گمشدہ میراث ہے" چنانچہ جہاں سے بھی ملے اسے حاصل کرلو۔

1.3 دینی ودنیاوی تعلیم میں کوئی تفریق نہیں

قرآن وحدیث کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ایک عام آدمی بھی اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ دین اسلام نے تعلیم کے معاملہ میں دینی و دنیاوی میں کسی طرح کی تفریق روا نہیں رکھی ہے۔ دین اور دنیا دونوں اللہ کی طرف سے ہے۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک کو حاصل کرنا صحیح ہے اور دوسرے کا حاصل کرنا غیر صحیح یا کم درجے کی اہمیت رکھتا ہے۔ قرآن میں جس طرح اللہ رب العزت نے علم حاصل کرنے اور علماء کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے اسی طرح اللہ اس کائنات میں غور و فکر کرنے کی بھی دعوت دیتا ہے۔ انسان جیسے جیسے اس کائنات کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہے وہ اللہ اور اس کی حکمت کو اور زیادہ قریب سے دیکھ اور سمجھ رہا ہے۔ اس پیچیدہ کائنات میں غور و فکر کرنے سے انسان اس

نتیجے پر پہنچتا ہے کہ ضرور اس کا کوئی بنانے والا کارساز ہے جس نے ہر چیز کو ایک بہترین تناسب میں بنایا ہے۔

مذہب اسلام میں ہر عمل کا دارو مدار نیت پر ہے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں سب سے پہلی حدیث جو پیش کی وہ نیت پر مبنی ہے۔ امام بخاری بیان کرتے ہیں: ''ایمان کا دارو مدار نیت پر ہے۔'' اس حدیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہمارے ہر عمل کی جزا نیت کے مطابق ملے گی۔ اگر علم دین حاصل کرنے کی نیت یہ ہو کہ ہم اللہ کے دین کی ترویج و اشاعت کریں گے یا اللہ کے بندوں کو شرک و بدعات سے نکال کر صحیح راستے پر چلائیں گے تو اس کا حاصل کرنا جائز اور باعث ثواب ہو گا۔ اس کے برعکس اگر ہم دینی علوم اس لئے حاصل کر رہے ہیں تا کہ نام و نمود حاصل کر سکیں اور علم دین حاصل کرنے کا مقصد صرف کھانا اور پیٹ کی آگ بجھانا ہو تو اس کا حاصل کرنا حرام اور باعث گناہ ہو گا۔ ایسے لوگوں کے بارے میں رسول اللہ نے فرمایا جس کا مفہوم یہ کہ وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پا سکے گا۔ ٹھیک اسی طرح اگر ایک ڈاکٹر، انجنیئر یا سائنس داں اس لئے تعلیم حاصل کرتا ہے تا کہ وہ اپنے علم سے خدمت خلق کر سکے اور لوگوں کی زندگیوں کو آسان بنا سکے تو اس کا یہ علم حاصل کرنا جائز اور کار ثواب ہے اور یہ ایک دینی کام ہو گا۔ اس کے برعکس اگر ایک ڈاکٹر، انجنیئر یا سائنس داں اس لئے تعلیم حاصل کرتا ہے تا کہ وہ اپنے علم سے نام و نمود اور صرف مال جمع کر سکے گا تو اس کا یہ علم حاصل کرنا آخرت میں اسے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔

اگر ہم اپنے ماضی کا جائزہ لیں تو ہماری تاریخ ایسے علماء و دانش وروں سے بھری پڑی ہے جنہوں نے بیک وقت دینی علوم اور دنیاوی علوم دونوں کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا تھا۔ ان لوگوں نے دینی و دنیاوی تعلیم میں کسی طرح کا فرق روا نہیں رکھا تھا۔ وہ اپنے ذوق اور شوق سے دینی علوم کو بھی حاصل کرتے تھے اور دنیاوی علوم کے بھی کوشاں رہتے تھے۔ وہ علم کو علم سمجھتے تھے اور اس کے حصول کو فرمان الٰہی و فرمان رسول سمجھتے تھے۔ ہمیں ایسے کئی علماء نظر آتے ہیں جو بیک وقت عالم دین بھی ہیں اور عصری علوم کے ماہر بھی۔

فخر الدین رازی اپنے وقت کے مشہور عالم دین ہیں ان کی تفسیر ''مفاتیح الغیب'' جو تفسیر کبیر کے نام سے جانی جاتی ہے اس کی شہرت عام ہے۔ امام رازی عالم دین و مفسر ہونے کے ساتھ ساتھ ریاضی داں اور ماہر فلکیات بھی ہیں۔ امام غزالی کی شہرت فلسفی، متکلم اور الٰہیات داں کی ہے۔ احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، تہافۃ الفلاسفہ اور الواسط فی المذہب جیسی کتابوں کے مصنف ہیں جو اخلاقیات، فلسفہ اور دینی علوم پر مبنی ہیں۔ الاصمعی ایک عالم دین گزرے ہیں جو لغت کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ حیوانات و نباتات پر بھی پکڑ رکھتے ہیں۔ نباتات اور حیوانات پر ان کی تحقیق ''کتاب الخلیل'' کے نام سے موجود ہے۔ ابن سینا اپنے وقت کے ماہر طبیب ہیں ان کی القانون فی الطب ہر زمانے میں مقبول عام رہی ہے۔ اہل مشرق اور اہل مغرب دونوں نے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے، ہزار سال سے یہ کتاب نصاب کا حصہ رہی ہے۔ ماہر طبیب ہونے کے ساتھ ساتھ وہ فلسفی اور مفسر بھی تھے۔ ابن نفیس کا شمار ماہر اطباء میں ہوتا ہے، انسان کے بدن میں دوران خون کا تصور سب سے پہلے انہوں نے ہی پیش کیا تھا۔ طبیب ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک فقیہ بھی تھے۔ مدرسہ مسروریہ قاہرہ میں وہ فقہ شافعی کا درس دیتے تھے۔ ابن رشد قرطبی بیک وقت فلسفی بھی تھے، طبیب بھی اور فقیہ بھی۔ فلسفے میں تہافۃ تہافۃ، طب میں کتاب الکلیات اور فقہ کے میدان میں بدایۃ المجتھد قابل ذکر ہے۔

ہندوستانی تناظر میں دیکھا جائے تو مغلیہ دور حکومت کے اختتام تک پورے ہندوستان میں ایسے مدارس قائم تھے جن کے اخراجات حکومت وقت کی طرف سے پورے کئے جاتے تھے اور اس میں دینی و دنیاوی کسی طرح کی تفریق موجود نہیں تھی۔ دینی اور اس وقت کے مروجہ علوم دونوں کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ہمارے ملک کا قدیم نصاب تعلیم جو درس نظامی کہلاتا ہے بیک وقت وہ ملک کے لئے سول سروسز، فقیہ اور محدث فراہم کرتا تھا۔ محب اللہ بہاری اور ملاعبدالحکیم سیال کوٹی اسی نصاب تعلیم کی پیداوار تھے تو دوسری طرف علامہ سعد اللہ جیسے لوگ وزیر سلطنت کے عہدے پر فائض تھے۔

انگریزوں کی آمد اور ملک پر ان کی حکومت قائم ہو جانے کی وجہ سے تعلیم کی یہ دوئی پیدا ہوئی۔ مدارس اسلامیہ انگریز حکومت کے لئے خطرہ ثابت ہو رہے تھے دوسری طرف انگریزوں کو نظام حکومت چلانے کے لئے ایسے اشخاص کی ضرورت تھی جو ان کے مروجہ علوم کا عالم و ماہر ہو۔ تعلیم یافتہ لوگ انگریزوں کے اقتدار کے لئے خطرہ تھے اس لئے وہ چاہتے تھے کے یہ لوگ جاہل رہیں یا صرف اتنا پڑھنا لکھنا سیکھیں جتنا وہ انگریزوں کے کام آسکیں۔ لارڈ میکالے نے ہندوستان میں جو نظام تعلیم کی بنیاد رکھی اس کا مقصد یہ تھا کہ "یہ طبقہ ایسے افراد پر مشتمل ہو جو رنگ و نسل کے لحاظ سے تو ہندوستانی ہو، لیکن ذوق، ذہن، اخلاق اور فہم و فراست کے اعتبار سے انگریز ہو۔" دینی تعلیم سے دور کرنے کے لئے مشنریوں کی بڑی تعداد کو ہندوستان لایا گیا اور انہیں عیسائیت کی ترویج و اشاعت کے لئے کھلی چھوٹ دی گئی اور ان کی پشت پناہی کی گئی۔ مفلوک الحال عوام کو اعلی تعلیم اور عہدے کا لالچ دے کر عیسائیت کے قریب لایا گیا اور بڑی تعداد میں لوگ مرتد ہونے لگے۔ انگریزی وعصری تعلیم کی نشر و اشاعت میں علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی مرکز قرار پایا تو علماء ہند نے مسلمانوں کی دینی تعلیم کی ضرورت کی تکمیل کے لئے اور لوگوں کو ارتداد سے بچانے کے لئے دار لعلوم دیوبند کا مدرسہ قائم کیا۔ دونوں ادارے دو دھاروں پر چلنے لگے ایک نے اپنے نصاب میں انگریزی تعلیم کے ساتھ نیچرل سائنس، سوشل سائنس، میڈیسن اور انجنیئرنگ کی تعلیم کو شامل کیا تو دوسری طرف دیوبند نے اپنے نصاب میں قرآن، حدیث، فقہ، علم العقائد، منطق و علم الاخلاق کو شامل کیا جو مسلمانوں کی خالص دینی ضروریات کو پورا کرتے تھے اور اس نصاب تعلیم سے صرف مساجد کے ائمہ و موذن یا مدارس کے اساتذہ تیار ہوتے تھے۔

1.4 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- اسلام نے علم کے حصول کو فرض قرار دیا ہے۔ اللہ رب العزت نے 'اقرا' سے وحی کا آغاز کر کے مسلمانوں پر یہ بات واضح کر دی کہ اخروی زندگی کی کامیابی اور دنیا میں اللہ کی منشا کو سمجھنے کے لیے علم حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔
- اسلام کی نظر میں تعلیم کا اصل مقصد رضائے الٰہی ہے۔ اسلام تعلیم کے ذریعے انسان کو انسان بنانے کی طرف زور دیتا ہے۔ اسلام تعلیم کے ذریعے انسان کے اندر وہ تمام خوبیاں پیدا کرنا چاہتا ہے جس کے ذریعے وہ اخروی کامیابی حاصل کر سکے۔ اسلام تعلیم کے ذریعے انسان کے اندر اخلاق حمیدہ کو پیدا کرنا چاہتا ہے تا کہ وہ اپنے اخلاق سے لوگوں کو اللہ کی طرف مائل کر سکے اور اپنی اخلاقی

خوبیوں سے اس دین حنیف کی طرف لوگوں کو بلا سکے۔

- کتب حدیث میں تعلیم کی اہمیت پر بے شمار روایتیں موجود ہیں۔ کتب حدیث کی موجودگی خود اپنے آپ میں تعلیم کی اہمیت کو بتاتی ہے۔ اگر اسلام میں پڑھنے اور لکھنے پر ترغیب نہ دی جاتی تو احادیث کا ذخیرہ ہم تک نہ پہنچتا اور نہ ہی ہزاروں راویان حدیث کی تاریخ ہم تک پہنچتی۔
- دینی تعلیم سے مراد وہ علم ہے جس کا تعلق قرآن و حدیث سے ہے اور جس سے مسلمانوں کی تمام دینی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ اس میں وہ تمام علوم شامل ہیں جس کی مدد سے ہم قرآن و حدیث کو سمجھنے میں مدد لیتے ہیں۔
- قرآن و حدیث کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ایک عام آدمی بھی اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ دین اسلام نے تعلیم کے معاملہ میں دینی و دنیاوی میں کسی طرح کی تفریق روا نہیں رکھی ہے۔ دین اور دنیا دونوں اللہ کی طرف سے ہے۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک کو حاصل کرنا صحیح ہے اور دوسرے کا حاصل کرنا غیر صحیح یا کم درجے کی اہمیت رکھتا ہے۔ قرآن میں جس طرح اللہ رب العزت نے علم حاصل کرنے اور علماء کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے اسی طرح اللہ اس کائنات میں غور و فکر کرنے کی بھی دعوت دیتا ہے۔
- اگر ہم اپنے ماضی کا جائزہ لیں تو ہماری تاریخ ایسے علماء و دانش وروں سے بھری پڑی ہے جنہوں نے بیک وقت دینی علوم اور دنیاوی علوم دونوں میں اختصاص تھا۔ ان لوگوں نے دینی و دنیاوی تعلیم میں کسی طرح کا فرق نہیں رکھا تھا۔ وہ اپنے ذوق اور شوق سے دینی علوم کو بھی حاصل کرتے تھے اور دنیاوی علوم کے بھی کوشاں رہتے تھے۔

1.5 نمونہ امتحانی سوالات

1.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. قرآن کی پہلی سورۃ کون سی نازل ہوئی تھی؟

(a). سورۃ بقرہ (b) سورۃ علق (c). سورۃ مریم (d) سورۃ العصر

2. بلاذری کے مطابق رسول اللہ کی بعثت کے وقت کتنے لوگ پڑھنا اور لکھنا جانتے تھے؟

17.(a) 18.(b) 19.(c) 21(d)

3. کتب ستہ کس دور میں لکھی گئی؟

(a) اموی (b) عباسی (c) فاطمی (d) عثمانی

4. محمد بن اسماعیل سے کون سی کتاب منسوب ہے؟

(a) صحیح مسلم (b) صحیح بخاری (c) سنن ابن ماجہ (d) سنن ابی داؤد

5. اہل الرائے کہاں کے لوگ کہلاتے تھے؟

(a)مصر (b)مکہ (c)کوفہ (d)اسپین

6. رسواللہ نے معاذ بن جبل کو کہاں کا گورنر بنا کر بھیجا تھا؟

(a)شام (b)یمن (c)مکہ (d)بصرہ

7. فقہ حنفی کس امام سے منسوب ہے؟

(a)امام شافعی (b)امام مالک (c)امام ابو حنیفہ (d)امام جعفر

8. الکحل کا موجد کون ہے؟

(a)جابر ابن حیان (b)ابن ندیم (c)رازی (d)ابن النفیس

9. ابن الہیثم کا تعلق کس میدان سے ہے؟

(a)آنکھ (b)خون (c)جلد (d)ہڈی

10. ابن خلدون کی شہرت کس میدان میں ہے؟

(a)تفسیر (b)فقہ (c)تاریخ (d)حدیث

1.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. تعلیم کے مقاصد بیان کریں۔
2. قرآن کریم کی تین آیات تعلیم کے حوالے سے لکھیں۔
3. تعلیم کی اہمیت پر چار احادیث پیش کریں۔
4. دینی تعلیم کی اہمیت کو واضح کریں۔
5. دنیاوی تعلیم کی ضرورت بیان کریں۔

1.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. قرآن کے حوالے سے تعلیم کی اہمیت پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیں۔
2. ان احادیث کی وضاحت کریں جس سے تعلیم کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔
3. دینی و دنیاوی تعلیم دونوں ضروری ہے۔ ایک نوٹ لکھیں۔

1.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تعلیم کی اسلامی بنیادیں : ڈاکٹر بدرالاسلام
2. اسلامی نظام تعلیم : مولانا سید ابوالاعلی مودودی
3. اسلام کا نظریۂ تعلیم : پروفیسر خورشید احمد
4. ہمارا نظام تعلیم : پروفیسر سعید اختر
5. اسلامی نظام تعلیم : مولانا سید ریاست علی ندوی

اکائی 2: تعلیم بالغان اور خواتین کی تعلیم

اکائی کے اجزا:

2.0 تمہید

2.1 مقاصد

2.2 تعلیم بالغان اور خواتین کی تعلیم

2.2.1 تعلیم کی اہمیت

2.2.2 اسلامی نظام تعلیم اور موجودہ نظام تعلیم کے مابین فرق

2.3 تعلیم بالغان

2.3.1 تعلیم بالغان کا مفہوم

2.3.2 تعلیم بالغان کے مقاصد

2.3.3 تعلیم بالغان عہد بہ عہد

2.4 تعلیم بالغان اور اسلام

2.5 درس گاہ صفہ

2.5.1 درس گاہ صفہ کا تعلیمی نظام

2.5.2 درس گاہ صفہ کے اساتذہ

2.5.3 درس گاہ صفہ کے فارغین

2.6 خواتین کی تعلیم

2.7 اکتسابی نتائج

2.8 نمونہ امتحانی سوالات

2.8.1 معروضی سوالات کے حامل جوابات

2.8.2 مختصر سوالات کے حامل جوابات

2.8.3 طویل سوالات کے حامل جوابات

2.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

2.0 تمہید

ایک بہترین اور عمدہ انسانی سماج اور معاشرہ کی تشکیل میں بنیادی کردار تعلیم کا ہوتا ہے لہذا اس کی اہمیت، ضرورت اور افادیت کا اعتراف تاریخ کے ہر دور میں کیا جاتا رہا ہے۔ تعلیم کا شمار انسان کے بنیادی حقوق میں ہوتا ہے۔ تعلیم ہی وہ ذریعہ ہے جس سے انسان حقیقی معنوں میں ''انسان'' بنتا ہے۔ تعلیم کے ذریعہ ہی انسان نے اپنی ترقی کے تمام مدارج ومراحل طے کیے ہیں۔ انبیا ورسل خاص طور سے آپ صلی اللہ وعلیہ وسلم کی بعثت کے بنیادی فرائض منصبی میں ''تعلیم'' بھی شامل ہے جس پر قرآنی آیات اور احادیث نبویہ شاہد ہیں۔ ان قرآنی آیات اور احادیث نبویہ سے اسلام کی نظر میں تعلیم کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اسلامی نظام حیات میں تعلیم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ پہلی وحی کا تعلق بھی ''تعلیم'' سے ہے۔

2.1 مقاصد

اس اکائی میں اس بات کو اجاگر کیا گیا ہے کہ اسلام کے نظام حیات میں تعلیم کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ اسلامی نظام تعلیم میں سماج کے ہر طبقہ کے لیے تعلیم کا انتظام کرنے اور انہیں تعلیمی سہولیات فراہم کرانے کے لیے واضح ہدایات ملتی ہیں۔ اس اکائی میں اسلامی نظام تعلیم کے اس پہلو کو اجاگر کیا جائے گا جس میں بالغان اور خواتین کو تعلیم یافتہ بنانے پر زور دیا گیا ہے۔ اس اکائی کا بنیادی مقصد اسلامی تعلیمات کے حوالہ سے بالغ مردوں اور عورتوں کی تعلیم کی ضرورت، اہمیت اور افادیت کو واضح کرنا ہے۔

2.2 تعلیم بالغان اور خواتین کی تعلیم

2.2.1 تعلیم کی اہمیت

تعلیم کی اہمیت، ضرورت اور افادیت سے کوئی بھی باشعور انسان انکار نہیں کر سکتا ہے۔ تعلیم ایک صالح اور صحت مند معاشرہ کو پروان چڑھانے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے اسی لیے ہر مذہب اور تہذیب میں تعلیمی نظام کے گمشدہ، بہت ہی دھندلے، دھندلے اور تابندہ وانمٹ نقوش پائے جاتے ہیں۔ مذہب اسلام اور اس کی تہذیب اس لحاظ سے ممتاز ومنفرد ہیں کہ اس کا تعلیمی نظام بہت ہی واضح، بامقصد اور مکمل ترین نظام تعلیم ہے جس میں سماج کے ہر طبقہ کا خیال رکھا گیا ہے۔

اسلام میں تعلیم کی اہمیت کو متعدد آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں اجاگر کیا گیا ہے۔ قرآن کی پہلی وحی ''اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ○ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ○ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ

"کا تعلق "تعلیم" سے ہی ہے۔ قرآن کریم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار بنیادی فرائض منصبی کا ذکر کیا گیا جن میں ایک کا تعلق "تعلیم" سے ہے۔ ان براہ راست آیات کے علاوہ متعدد آیات میں بالواسطہ تعلیم کی اہمیت وافادیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ بقول ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم جن آیات میں لکھنے پڑھنے یا علم حاصل کرنے کا ذکر کیا گیا ہے ان کی اکثریت کا تعلق مکی سورتوں سے ہے۔

قرآنی آیات کے علاوہ متعدد احادیث نبویہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کی اہمیت اور افادیت کو اجاگر کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں تعلیم کی کیا اہمیت تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصد ہی "تعلیم و تعلم" قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے "انما بعثت معلما"۔ احادیث نبویہ میں تعلیم و تعلم کا کس قدر وافر ذخیرہ موجود ہے اس کا اندازہ کتب احادیث میں شامل "کتاب العلم" سے لگایا جاسکتا ہے۔

2.2.2 اسلامی نظام تعلیم اور موجودہ نظام تعلیم کے مابین فرق

آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں مذکور ہدایات ربانی و نبوی نے ایک بہترین اسلامی نظام تعلیم دنیا کے سامنے پیش کیا ہے جن کی روشنی میں یہ بات بلاخوف وخطر کہی جاسکتی ہے کہ اسلام سے زیادہ عمدہ نظام تعلیم نہ کسی مذہب میں پایا جاتا ہے اور نہ ہی کسی اور تہذیب کا مرہون منت ہے۔ آج کا موجودہ نظام تعلیم اپنی چمک دمک اور مادی فوائد کی وجہ سے ظاہری طور پر اسلامی نظام تعلیم سے بہتر اور برتر نظر آتا ہے لیکن درحقیقت وہ ایک کھوکھلا نظام تعلیم ہے کہ اس کا بنیادی مقصد صرف "مادہ" ہے اور وہ انسان کو خالق کائنات سے بے نیازی کی طرف لے جانے کا ایک سبب بھی ہے جب کہ اس کے مقابلہ میں اسلامی نظام تعلیم -دینی اور دنیوی تعلیم کے فرق کے بغیر- کا بنیادی مقصد خالق کائنات کا مکمل اعتراف ہے اور اسے ہر حال میں انسان بنے رہنے پر آمادہ کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ وہ انسان کو تمام دنیاوی فوائد سے بھی نوازتا ہے۔ یہاں اس بات کی طرف اشارہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جدید نظام تعلیم کے کئی ایک اصول وضوابط اسلامی نظام تعلیم سے ماخوذ ہیں۔ اسلامی نظام تعلیم اور جدید نظام تعلیم کے فرق کو واضح کرتے ہوئے ممتاز احمد عبد اللطیف نے لکھا ہے:

"دنیا کی دو بڑی طاقتیں جہاں دوسرے عالمی امور پر قابض ہیں وہیں تعلیم کے میدان میں ان کا سکہ رائج ہے۔ امریکہ جمہوریت کا علمبردار ہے اس لیے اس کے زیر اثر ممالک اپنا نظام تعلیم اس کے نظریے کے مطابق مرتب کرتے ہیں۔ جن کے نزدیک تعلیم کا مقصد قومیت کی بنیاد پر افراد کو مملکت کا اچھا شہری بنانا ہے، جہاں افراد کو تحریر و تقریر، تعلیم و تبلیغ، جلسہ و جلوس، مذہب وعقیدہ اور اپنی رائے کے اظہار کا پورا پورا حق حاصل ہوتا ہے۔ اس کے برعکس روس اشتراکیت کا علمبردار ہے اس لیے اس کے زیر اثر ممالک اپنا تعلیمی نظام اس کے نظریہ تعلیم کے مطابق ڈھالتے ہیں جن کے نزدیک تعلیم کا مقصد "افراد کو سماج کا بے لوث خادم بنانا ہے"۔ دوسرے الفاظ میں "افراد کو مادہ پرست، مذہب دشمن، اخلاق اور روحانی قدروں کا بیخ کن اور خدا کا باغی بنانا ہے"۔ گرچہ روس بکھر چکا ہے لیکن اس کے بال وپر اب بھی باقی ہیں۔ چونکہ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے، پوری انسانیت کی کامیابی اس کے دامن سے وابستہ ہے اس لیے اسلامی تعلیم کا مقصد افراد کو صالح بنانا ہے یعنی سماج کے افراد کی عقلی، فکری اور اخلاقی قوتوں کو اجاگر کر کے صحیح رخ پر ڈالنا ہے جس کی روشنی میں انسان اپنے خالق ومالک کو پہچانے اور خدا کی عائد کردہ ذمہ داریوں کو نبھا سکے"۔

2.3 تعلیم بالغان

انسان اور حیوان میں بنیادی فرق صرف تعلیم کا ہے۔ تعلیم ہی انسان کو مہذب بناتی ہے اور اس کی دماغی اور ذہنی صلاحتیوں کو جلا بخشتی ہے۔ تعلیم انسان کا بنیادی حق ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی شخصیت کو بنانے اور سنوارنے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے اور اسے دوسروں سے ممتاز و منفرد بناتی ہے۔ تعلیم یافتہ افراد اور غیر تعلیم یافتہ افراد کا اندازہ آسانی سے لگایا جاسکتا ہے جس کی طرف قرآن کریم میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر نہیں ہوسکتے ہیں۔

انسانی معاشرہ میں غیر تعلیم یافتہ افراد کو دو طبقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلے طبقہ میں ان افراد کو شمار کیا جاسکتا ہے جو اپنی خواہش اور کوشش کے باوجود اپنا تعلیمی سلسلہ جاری نہیں رکھ پاتے ہیں کہ بسا اوقات انسان کچھ ایسے حالات کا شکار ہوجاتا ہے کہ چاہتے ہوئے بھی تعلیم نہیں حاصل کرپاتا ہے۔ دوسرا طبقہ ان افراد پر مشتمل ہوتا ہے جنہیں تعلیم حاصل کرنے کا شوق ہی نہیں ہوتا ہے یا وہ بے دلی سے کچھ دنوں تک مختلف دباؤ کے نتیجہ میں تعلیم تو حاصل کرتے ہیں لیکن جلد ہی وہ اپنا تعلیمی سلسلہ مختلف وجوہات کی بنا پر ترک کردیتے ہیں۔ ان دونوں طبقات کے افراد کی زندگیوں کہیں نہ کہیں کچھ خلا باقی رہ جاتے ہیں۔ اسی خلا کو پر کرنے کے ''تعلیم بالغان'' کا نظام متعارف کرایا گیا تھا تاکہ وہ لوگ بھی تعلیم حاصل کرکے اپنی اپنی زندگیوں میں پائے جانے والے خلا کو پر کرلیں اور ملک وملت کی ترقی میں اپنا اپنا کردار ادا کریں۔

2.3.1 تعلیم بالغان کا مفہوم

''تعلیم بالغان'' کا مفہوم اس کی اصطلاح سے واضح ہے اور اس میں کسی قسم کا غموض نہیں پایا جاتا ہے۔ تعلیم بالغان سے مراد ان اَن پڑھ افراد کو تعلیم یافتہ بنانا ہے جو کسی نہ کسی وجہ سے مروجہ عمر میں تعلیم نہ حاصل کرسکے ہوں تاکہ ملک وملت کی تعمیر میں ان کی صلاحیتوں کا استعمال کیا جاسکے۔ اردو انسائیکلوپیڈیا (جلد دوم) کے مقالہ نگار نے تعلیم بالغان کے مفہوم کی وضاحت کچھ اس طرح کی ہے: ''تعلیم بالغان کا مفہوم صرف یہی نہیں کہ ان بالغوں کو خواندہ بنایا جائے جو بچپن میں پڑھنے لکھنے کے مواقع حاصل نہ کرسکے تھے یا جنہوں نے اگر کچھ پڑھنا لکھنا سیکھا بھی تھا تو اسے بھول گئے، بلکہ اب تعلیم بالغان کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ آدمی تمام عمر اپنی تعلیم جاری رکھے، کچھ نہ کچھ ہر وقت سیکھتا رہے اور اپنی صلاحیت برابر بڑھاتا رہے۔ بے شک خواندگی اس قسم کی تعلیم کا ایک جزو ہے۔۔۔۔۔ فی زمانہ تعلیم بالغان محض تہذیبی لحاظ سے ہی اہم نہیں ہے بلکہ ملک کے مادی وسائل میں توسیع کے لیے بھی ناگزیر سمجھی جاتی ہے''۔

2.3.2 تعلیم بالغان کے مقاصد

تعلیم بالغان کا بنیادی مقصد ان افراد کو تعلیم یافتہ بنانا ہے جو اپنی مروجہ عمر میں حالات کے جبر کا شکار ہوکر تعلیم نہ حاصل کرسکے ہوں تاکہ وہ سماج کی تعمیر میں اپنا کردار بخوبی ادا کرسکیں۔

تعلیم بالغان کے مقاصد کو حسب ذیل نقاط میں بیان کیا جاسکتا ہے:

- سماج کے ان افراد کو تعلیم یافتہ بنانا جو کسی نہ کسی وجہ سے وقت پر تعلیم نہ حاصل کر سکے ہوں۔
- تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ افراد کی زندگیوں کے درمیان پائے جانے خلا کو پر کرنا اور انہیں ایک صحت مند معاشرہ میں زندگی گزارنے کے قابل بنانا۔
- تعلیم یافتہ افراد اوراَن پڑھ حضرات کے طرز زندگی کے درمیان پائے جانے والے فرق کو دور کرنا۔
- ''تعلیم بالغان'' کے نظام سے فائدہ اٹھانے والے افراد کی کارکردگی سے ملک وملت کی ترقی میں فائدہ اٹھانا۔
- معاشرہ میں کی خواندگی کی شرح بڑھانا۔

2.3.3 تعلیم بالغان عہد بہ عہد

تعلیم بالغان کی اصطلاح عصر حاضر کے نظام تعلیم کی دَین ہے۔ اس اصطلاح سے ظاہری پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ نظام بیسویں صدی کے اوائل میں متعارف کرایا گیا تھا لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے کہ اس نظام کی ابتدا عہد نبوی میں ہو چکی تھی۔ تعلیم بالغان کا آغاز بعثت نبوی سے ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلا درس ربانی بلوغت کے بعد ہی دیا گیا تھا جو اسلام میں تعلیم کے حصول کا سنگ میل بھی قرار دیا جاتا ہے۔ عہد نبوی میں اسیر ان بدر کی رہائی کے بدلہ میں مسلمانوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کی شرط اور تعلیم بالغان کا عمدہ نمونہ اصحابِ صفہ کو قرار دیا جاسکتا ہے۔ ظن غالب کے مطابق عہد خلافت راشدہ میں بھی یہ نظام موجود تھا کہ صحابہ کرام کی اکثریت بالغ افراد پر مشتمل تھی لیکن عہد اموی اور دیگر اسلامی ادوار کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے کہ اس کے شواہد بہت ہی کم دستیاب ہوتے ہیں۔

بیسویں صدی کے اوائل میں اس اصطلاح کا چلن عام ہوا اور بہت جلد زبان زد خاص وعام ہو گیا۔ بقول جناب ممتاز احمد عبد اللطیف انیسویں صدی کے اوائل میں اس نظام تعلیم کو متعارف کرانے کا سہرا برطانیہ کے سر بندھتا ہے کہ 1824ء میں جورج ببرک نے ''معہد تعلیم المیکانیکا'' کے نام سے ایک ادارہ ان افراد کے لیے قائم کیا تھا جن کی تعلیم کا سلسلہ کسی نہ کسی وجہ سے ٹوٹ گیا تھا۔ اس نظام تعلیم نے بہت جلد مقبولیت حاصل کر لی اور آکسفورڈ اور کیمبرج جیسی یونیورسٹیوں میں ان نظام تعلیم کا آغاز ہو گیا۔ اس نظام تعلیم کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے 1901 تک سارے یورپ اور امریکہ میں تعلیم بالغان کے لیے مستقل اداروں کا قیام ہو چکا تھا۔ بیسویں صدی کے وسط تک روس، جاپان اور دنیا کے دوسرے ملکوں میں بھی اس نظام تعلیم کو نافذ کر دیا گیا۔ اس نظام تعلیم کو فعال بنانے میں یونیسکو نے کافی اہم کردار ادا کیا ہے۔ عالم اسلام، خاص طور سے خلیجی ممالک میں بھی اس نظام کا کامیاب تجربہ کیا گیا ہے اور وہ وہاں کے شہریوں کے لیے کافی مفید ثابت ہوا ہے۔

ہندوستان میں تعلیم بالغان کا آغاز عیسائی مشنریوں اور کچھ ہندوستانی اصلاح پسند جماعتوں کی کوششوں سے ہوتا ہے کہ برطانوی عہد کے مروجہ نظام تعلیم سے صرف معاشرہ کے بااثر اور خوشحال افراد ہی فائدہ اٹھاسکتے تھے۔ اس نظام تعلیم سے فائدہ اٹھانے کے لیے ہندوستان کا ہر شہری اہل نہیں تھا۔ اس نظام تعلیم کا مقصد بقول مظہر الدین بچھرایونی 'ہندوستانی عوام کو تعلیم سے محروم کرنا اور محروم رکھنا اور پسماندہ عوام کے بچوں کو تعلیم کا مستحق نہ سمجھنا تھا۔ صرف تعلیم یافتہ افراد اور امیر خاندانوں کے بچوں کے لیے ہی تعلیمی نظام موجود تھا'۔ اس صورت

حال سے نپٹنے کے لیے عیسائی مشنریوں اور اصلاح پسند ہندوستانی جماعتوں نے اپنے محدود وسائل کا استعمال کرتے ہوئے عام ہندوستانیوں کے لیے تعلیم کا ایک نظام شروع کیا لیکن 1857 کی تباہ کاریوں سے یہ نظام بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا لہٰذا انہوں نے عمومی تعلیم کا ارادہ کو پس پشت ڈالتے ہوئے اپنی ساری توجہ ''تعلیم بالغان'' پر مذکور کر دی۔

1935 میں جب صوبائی حکومتیں قائم ہوئیں تو عوام کے لیے بنیادی تعلیم اور تعلیم بالغان کی طرف توجہ مبذول کی گئی اور دیکھتے دیکھتے تعلیم بالغان کی تحریک تیزی کے ساتھ آگے بڑھنے لگی، جگہ جگہ شبینہ اسکول قائم کیے جانے لگے تاکہ بالغ ان پڑھ حضرات ان سے خاطر خواہ فائدہ اٹھا سکیں لیکن بہت جلد ہی یہ تحریک سفر معکوس کا شکار ہو گئی کہ اس میں منصوبہ بندی سے زیادہ جذباتیت کا دخل تھا۔ اس تحریک کے نتیجہ میں شرح خواندگی میں تو خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوا لیکن ان پڑھ حضرات کی تعلیم کی ضرورت واہمیت کی طرف بہت سے لوگ متوجہ ہو گئے اور وہ اس معاملہ میں غور وفکر کرنے لگے تاکہ انہیں تعلیم یافتہ بنا کر قومی دھارے میں شامل کیا جا سکے اور ملک وملت کی ترقی میں ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔

1938 میں جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی میں شفیق الرحمن قدوائی مرحوم نے ''ادارہ تعلیم وترقی'' کی بنیاد رکھی جس کا مقصد محض بالغان کی خواندگی نہیں تھا بلکہ انہیں تعلیم سے آراستہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی ترقی کے لیے مواقع بھی فراہم کرنا تھا۔ اس ادارہ کے علاوہ آزادی سے پہلے اور اس کے بعد کئی ادارے ''تعلیم بالغان'' کو فروغ دینے میں سرگرم تھے اور اس نظام کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوششیں بھی ہوتی رہیں لیکن یہ کوششیں اتنی ثمر آور نہ ہو سکیں جتنی کی امید کی گئی تھی تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے اس کے کچھ مثبت نتائج بھی مرتب ہوئے ہیں کہ خواندگی کی شرح میں کسی قدر اضافہ ہوا ہے۔ یہاں اس حقیقت کا اعتراف کرنا ہوگا کہ تعلیم بالغان کا نظام ہندوستان میں تقریباً ناکام ہو چکا ہے۔ تعلیم بالغان کے چند ہی مراکز ایسے ہیں جو اس وقت کام کر رہے ہیں جیسے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا مرکز تعلیم بالغان۔ گاؤں دیہات میں ابھی تک یہ نظام کامیاب نہیں ہو سکا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ''تعلیم بالغان'' کی تحریک مختلف پڑاؤ سے گذرتے ہوئے اس مقام پر جا پہنچی ہے جہاں ''تعلیم بالغان'' کا مفہوم اور اس کی تعریف متعین ہو چکی ہے اور اس کے مقاصد واضح ہو چکے ہیں۔

تعلیم بالغان کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں ''فاصلاتی نظام تعلیم'' (Distance Education) کا کامیاب تجربہ کیا گیا ہے اور اس وقت کئی ایک یونیورسٹیاں ہیں جو صرف اسی مقصد کے لیے قائم کی گئی ہیں۔ ان مستقل یونیورسٹیوں کے علاوہ متعدد یونیورسٹیوں میں ''فاصلاتی نظام تعلیم'' کے مستقل شعبہ جات ہیں اور تعلیم کے فروغ اور خواندگی کی شرح بڑھانے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔

''فاصلاتی نظام تعلیم'' کو ''تعلیم بالغان'' کا مکمل طور پر متبادل قرار نہیں دیا جا سکتا ہے لیکن تعلیم کے ان دونوں نظام میں یک گونہ مناسبت پائی جاتی ہے اور ''فاصلاتی نظام تعلیم'' کی وجہ سے کافی حد تک ''تعلیم بالغان'' کا مقصد پورا ہو رہا ہے کہ اس نظام سے فائدہ اٹھانے والوں میں ''بالغان'' کی تعداد کافی ہے۔

2.4 تعلیم بالغان اور اسلام

اسلام اپنی تعلیمات کے ذریعہ اپنے متبعین کو تعلیم حاصل کرنے پر آمادہ کرتا ہے اور انہیں تعلیم حاصل کرنے کے فوائد اور تعلیم نہ حاصل کرنے کے نقصانات سے آگاہ کرتا ہے۔ اسلامی نظام تعلیم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ سماج کے ہر طبقہ کے ہر فرد کو ہمہ وقت تعلیم یافتہ ہونے پر ابھارتا ہے اسی لیے اس نے علم کے حصول کے لیے ''اطلبوا العلم من المہد الی اللحد''جیسازریں اصول و نظریہ پیش کیا ہے۔ اس اصول کے مطابق انسان کو اپنے بچپن سے لے کر عمر کے آخری لمحہ تک علم حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ظاہری طور پر تعلیم بالغان کا نظریہ جدید تعلیمی نظریات کا مرہون منت نظر آتا ہے لیکن وہ بنیادی طور پر اسلامی نظریہ تعلیم کا ایک حصہ ہے جس کی ابتداعہد بعثت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا آغاز بلوغت کے بعد ہوا تھااور پہلا سبق ''اقرا باسم ربک الذی خلق''کا پڑھایا گیا تھا۔ اس ربانی سبق سے جہاں تعلیم کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے وہیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ تعلیم حاصل کرنے کی کوئی عمر نہیں ہے اور وہ کسی بھی عمر میں حاصل کی جاسکتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درس ربانی کو اپنی گرہ میں باندھ لیااور تعلیم کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ اس وقت دنیا میں جو بھی علمی سرگرمیاں پائی جاتی ہیں ان کے سرے کہیں نہ کہیں اسلام اور داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملتے ہیں۔

سیرت نبوی کے مطالعہ سے یہ بات آشکارا ہوتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''تعلیم بالغان'' کو فروغ دینے کے لیے کئی اقدام اٹھائے تھے۔ اس کی پہلی مثال مکی عہد نبوی میں ملتی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعلیم وتربیت کے لیے مدینہ روانہ کیا تھا۔ انہیں کی کوششوں کی وجہ سے قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ مسلمان ہوگئے تھے اور اسلام مدینہ کے گھر گھر میں پھیل گیا تھا۔ تعلیم کے فروغ کے تئیں ان کی کوششوں کی وجہ سے انہیں ''معلم مدینہ'' بھی کہا جاتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم بالغان کا دوسرا عملی نمونہ جنگ بدر کے موقعہ پر پیش کیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیر ان بدر کی رہائی کے لیے کچھ فدیے مقرر کیے تھے جن میں سے ایک یہ تھا کہ جو لوگ پڑھے لکھے ہیں وہ مسلمانوں کو پڑھا کر اپنی رہائی کا سامان فراہم کرسکتے ہیں۔ اس پیشکش سے فائدہ اٹھانے والوں میں بقول ممتاز عبد اللطیف حضرت زید بن ثابت اور دوسرے انصاری نوجوانان رضی اللہ عنہم تھے۔ تعلیم بالغان کی تیسری مثال حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہے کہ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن والوں کو تعلیم دینے کے لیے بھیجا تھا۔ حتمی طور پر یہ تو نہیں کہا جاسکتا ہے کہ ان کے تمام شاگرد 'بالغ' تھے لیکن قیاس یہ کہتا ہے کہ ان سے کسب فیض کرنے والوں میں 'بالغان' بھی شامل تھے۔

قیاس یہ کہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے دائرہ میں شامل ہونے والوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر دیگر افراد کو بھی ان کو تعلیم دینے پر مامور کیا ہوگا جیسے ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم نے بلاذری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ عہد نبوی کے مدینہ میں مساجد کی تعداد نو(9) تھی جہاں تعلیم دینے کا انتظام تھا۔ ان مقامی درس گاہوں کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد قبا میں بھی ایک تعلیمی مرکز بنایا تھا

اور اس کی نگرانی بھی خود ہی کیا کرتے تھے۔ مزید بر آں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالی عنہ کی طرح دیگر قبائل کی فرمائش پر معلمین کو ان کے پاس بھیجنے کا انتظام کیا کرتے تھے۔

تعلیم کو فروغ دینے کی ان مشہور روایات کے علاوہ مصادر میں مزید کئی ایک کوششوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر اپنے کسی نہ کسی تربیت یافتہ صحابی کو مختلف قبائل کی جانب روانہ کرتے تھے کہ وہ وہاں ان کو لکھنے پڑھنے کی تعلیم دے سکیں اور اسلامی تعلیمات سے آگاہ کر سکیں۔ قبائل میں تعلیم میں فروغ دینے کے لیے معلمین کا روانہ کیا جانا کس قدر عام تھا اس کا اندازہ بئر معونہ کے واقعہ سے کیا جاسکتا ہے جس میں ستر معلمین کو شہید کر دیا گیا تھا۔ معلمین کا اس قدر بڑا وفد نجد میں پھیلے ہوئے مختلف قبائل کے افراد کو تعلیم یافتہ بنانے کے لیے روانہ کیا گیا تھا لیکن انہیں بعض افراد نے شہید کر دیا تھا۔

ایک طرف جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف قبائل میں معلمین کو روانہ کرتے تھے تو وہیں دوسری طرف مختلف قبائل کے افراد تعلیم حاصل کرنے کے لیے مدینہ منورہ آتے تھے اور صفہ کی درس گاہ میں قیام کرتے اور تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے اپنے قبائل میں جا کر تعلیم کو فروغ دینے میں مصروف ہو جاتے تھے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کو فروغ دینے کا ایک راستہ یہ بھی اپنایا تھا کہ اہل مدینہ اپنے پڑوسیوں سے علم حاصل کریں اور علم حاصل کر کے اپنے اپنے پڑوسیوں کو تعلیم یافتہ بنائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طرز عمل چراغ سے چراغ جلنے کے مشابہ ہے جس نے عہد نبوی کے معاشرہ کو تعلیم یافتہ بنانے میں ایک کردار ادا کیا ہے۔ یہ طرز عمل آج بھی اپنایا جاسکتا ہے اور اس کے ذریعہ تعلیم کو خاص طور سے تعلیم بالغان کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔

پورا عہد نبوی تعلیم بالغان کی سب سے عمدہ مثال ہے کہ اسلام لانے والوں کی اکثریت بالغ حضرات پر مشتمل تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعلیم و تربیت کی اور انہیں دوسروں کی تعلیم و تربیت پر مامور فرمایا تھا اور انہوں نے تابعین کی نسل کی تعلیم و تربیت کا فریضہ انجام دیا لہذا عہد نبوی کے ساتھ ساتھ خیر القرون کی اس نسل کو بھی "تعلیم بالغان" کی ایک مثال قرار دیا جاسکتا ہے کہ تابعین کی ایک تعداد نے بلوغت کے بعد اسلام قبول کیا تھا۔

2.5 درس گاہ صفہ

عہد نبوی میں تعلیم بالغان کا سب سے عمدہ نمونہ "اصحاب صفہ" ہیں جو در نبوی پر صرف تعلیمات نبوی کو حاصل کرنے کے لیے ہر وقت پڑے رہتے تھے۔ ان کی زندگیوں کا واحد مقصد نبوی تعلیمات کو حاصل کرنا تھا اور انہوں نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اپنا سب کچھ تج کر رکھا تھا۔ ان کے مقابلہ میں دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زندگی کی دوسری مشغولیات کے ساتھ ساتھ تعلیمات نبوی کو حاصل کیا کرتے تھے، وہ اپنی دیگر مصروفیات کی وجہ سے ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتے تھے تاہم وہ اس بات کی کوشش کیا کرتے تھے کہ نور نبوت سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکیں۔

مسجد نبوی میں موجود "صفہ" کو ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم نے اسلام کی پہلی "اقامتی یونیورسٹی" قرار دیا ہے کہ وہاں دن میں تعلیم وتربیت دی جاتی تھی اور رات میں وہ بے خانماں افراد کا مسکن بن جاتا تھا۔ڈاکٹر صاحب مرحوم کے الفاظ میں "یہ ایک حقیقت ہے کہ صفہ میں تعلیم پانے والے طالب علم دو قسم کے تھے، کچھ تو وہ تھے جو شہر میں رہتے تھے اور پڑھ کر چلے جاتے تھے لیکن کچھ ایسے تھے جن کا کوئی گھر نہیں تھا اور وہ رات بھی وہیں گزارتے تھے۔ان کی تعداد ظاہر ہے کہ گھٹتی بڑھتی رہی ہوگی۔ان طالب علموں میں ہمیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی نظر آتے ہیں"۔

2.5.1 درس گاہ صفہ کا تعلیمی نظام

ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم نے اسلام کے اولین مدرسہ "صفہ" کے نظام تعلیم اور دیگر انتظامات پر خطبات بہاولپور اور نقوش رسول نمبر جلد چہارم میں سیر حاصل بحث کی ہے۔انہوں نے اپنی تحقیق کے مطابق میں "صفہ" میں رائج نظام تعلیم کو "اسلام کی ابتدائی تعلیم" قرار دیتے ہوئے اسے عصر حاضر کی اصطلاح "پرائمری" سے تعبیر کیا ہے۔اس مدرسہ نبوی میں تعلیم کے متعدد شعبے قائم تھے جن کے الگ الگ ذمہ داران تھے مثلاً کسی کے ذمہ صرف لکھنا پڑھنا سکھانا تھا تو کسی کے ذمہ ان لوگوں کو نازل شدہ قرآنی آیات کی تعلیم دینا تھا جو لکھنا پڑھنا سیکھ چکے تھے۔کسی کے ذمہ قرآنی آیات کا حفظ کرانا اور انہیں تجوید کے مطابق پڑھنا سکھانا تھا تو کسی کے ذمہ دیگر اسلامی علوم وفنون سے اصحاب صفہ کو روشناس کرانا تھا۔اس بات کا امکان بھی پایا جاتا ہے کہ کچھ لوگ اس کام پر مامور رہے ہوں کہ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے والوں کو فقہی احکام، سنت رسول، نماز اور عبادات کی تعلیم دیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناخواندگی دور کرنے میں کتنی دلچسپی تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ تمام تر مصروفیات کے باوجود بذات خود وہاں کے تعلیمی اور انتظامی معاملات کی نگرانی کرتے تھے اور وقتاً فوقتاً درس وتدریس کے فرائض بھی انجام دیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ چہار سو علم کا بول بالا ہو گیا اور تعلیم یافتہ افراد کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہوتا گیا حتیٰ کہ ہجرت کے چند دنوں کے بعد ہی قرآن کریم میں لین دین اور تجارتی معاملات کو قلم بند کرنے کا حکم نازل ہوتا ہے۔اس حکم کے نزول سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عہد نبوی کا معاشرہ اس حکم پر عمل پیرا ہونے کے قابل ہو چکا تھا۔ظاہری طور یہ بہت معمولی بات معلوم ہوتی لیکن جب اس کا جائزہ بعثت نبوی کے زمانہ کے معاشرہ سے کیا جاتا ہے تو وہ ایک انقلابی عمل نظر آتا ہے کہ اس وقت کے معاشرہ میں لکھنا پڑھنا جاننے والے افراد کی تعداد صرف سترہ تھی۔

درس گاہ صفہ کے تعلیمی نصاب کے حوالہ سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم نے لکھا ہے کہ "نصاب کا مسئلہ ایسا ہے کہ اس پر پوری صحت کے ساتھ بیان کرنا دشواری سے خالی نہیں ہے۔۔۔۔۔بہر حال اتنا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن وسنت کے ہمہ گیر نصاب کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ نشانہ بازی، پیراکی، تقسیم ترکہ کی ریاضی، مبادئ طب، علم ہیئت، علم انساب اور علم تجوید کی تعلیم دی جایا کرے"۔

صفہ کی اقامتی درس گاہ سے فیض یاب ہونے والوں کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی حتیٰ کہ ایک روایت کے مطابق وہاں تعلیم حاصل

کرنے والوں کی تعداد ایک مرتبہ اسی (80) تک پہنچ گئی تھی۔اس درس گاہ کو مدینہ کی درس گاہوں میں مرکزی حیثیت حاصل تھی جن کی تعداد نو(9) بتائی جاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرکزی درس گاہ میں بہت زیادہ بھیڑ بھاڑ نہ ہونے کی خاطر اہل مدینہ کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے اپنے علاقہ کی درس گاہوں میں تعلیم حاصل کریں تاکہ وہاں کا تعلیمی نظام وسائل کی کمی کی وجہ سے متاثر نہ ہوسکے۔

2.5.2 درس گاہ صفہ کے اساتذہ

اصحاب صفہ کے معلم اول تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے جو اسلامی ریاست کی تمام تر ذمہ داریاں سنبھالتے ہوئے اصحاب صفہ کو تعلیم دینے کے لیے وقت نکال لیا کرتے تھے۔اس درس گاہ اور عہد نبوی کے دیگر معلمین میں معاذ بن جبل، عمرو بن حزم، رافع بن مالک انصاری، اسید بن حضیر، خالد بن سعید، حضرت سعید بن العاص (بعض مصادر میں عبد اللہ بن سعید بن العاص)، عبد اللہ بن مسعود، ابی بن کعب، ابو ہریرہ، زید بن ثابت، جابر بن عبد اللہ، ابو سعید خدری ابان بن سعید، ابو عبیدہ بن جراح اور عبادہ بن صامت جیسے اصحاب کمال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل تھے۔

حضرت سعید بن العاص (بعض مصادر میں عبد اللہ بن سعید بن العاص) رضی اللہ عنہ کا تقرر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو لکھنے اور پڑھنے کی تعلیم دینے کے لیے کیا اور حضرت عبادہ بن صامتؓ کا تقرر لکھنا سکھانے اور قرآن مجید کی تعلیم دینے کے لیے کیا تھا۔

2.5.3 درس گاہ صفہ کے فارغین

درس گاہ صفہ سے فیض حاصل کرنے والے اور نور نبوت سے مستفیض ہونے والوں میں ابو ایوب انصاری، ابو ذر غفاری، ابو سعید خدری، ابو عبیدہ بن جراح، ابو فراس اسلمی، ابو ہریرہ، اسماء بن حارثہ، اغر مزنی، براء بن مالک، بلال بن رباح، ثابت بن ضحاک، ثابت بن ودیعہ، ثقیف بن عمرو، ثوبان مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جُرہد بن خویلد، جُعیل بن سراقہ، حارثہ بن نعمان، حازم بن حرملہ، حبیب بن زید، حذیفہ بن اسید، حذیفہ بن یمان، حکم بن عمیر، حنظلہ بن ابو عامر، خباب بن ارت، زید خطاب، سعد بن وقاص، سعید بن عامر، سلمان فارسی، شداد بن اسد، صہیب بن سنان، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن مسعود، عتبہ بن غزوان، عثمان بن مظعون، عقبہ بن عامر جہنی، عمار بن یاسر، مصعب بن عمیر، مقداد بن اسود، واثلہ بن اسقع، ہلال مولی مغیرہ بن شعبہ، یسار ابو فکیہ جیسے صاحب علم و کمال شامل ہیں۔ان حضرات کے علاوہ بھی دیگر صحابہ کرام کے علاوہ سے مصادر میں مذکور ہوا ہے کہ ان کا تعلق صفہ سے تھا۔ حضرت ابو نعیم اصفہانیؒ نے اصحاب صفہ کی ایک فہرست مرتب کی ہے۔ مذکورہ بالا اصحاب صفہ اسی فہرست سے ماخوذ ہیں۔ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی تحقیق کے مطابق اصحاب صفہ کی تعداد چار سو (400) تک پہنچ جاتی ہے۔

عہد نبوی کی تعلیمی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کے بعد یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس وقت بھی مختلف فنون کے ماہرین پائے جاتے تھے جن کی خدمت میں اس فن کو حاصل کرنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حاضر ہوا کرتے تھے جیسے فن قرات کو سیکھنے کے لیے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور میراث کا علم حاصل کرنے کے لیے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے تھے۔

2.6 خواتین کی تعلیم

اسلام میں تعلیم کے حصول پر سب کو ابھارا گیا ہے اور اس ضمن میں کسی قسم کا صنفی امتیاز نہیں برتا گیا ہے لہذا جس طرح مردوں کو تعلیم پر ابھارا گیا ہے اسی طرح عورتوں سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ تعلیم حاصل کریں تا کہ معاشرہ وسماج کی ترقی میں اپنا کردارادا کر سکیں۔ تعلیم نسواں کے حوالہ سے اسلام پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اسلامی نظام میں عورتوں کی تعلیم وتربیت کا معقول انتظام نہیں پایا جاتا ہے حالانکہ یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے۔ اسلام میں تعلیم نسواں کا جتنا معقول انتظام پایا جاتا ہے اتنا معقول انتظام کسی اور مذہب میں نہیں پایا جاتا ہے۔ اس الزام کو غلط ثابت کرنے کے لیے یہ دلیل ہی کافی ہے کہ اسلام کی علمی تاریخ میں عورتوں کے علمی کارنامے جابجا ملتے ہیں وہ کہیں مسند تدریس پر فائز نظر آتی ہیں تو کہیں تصنیف وتالیف کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ کہیں تفسیر کے نکات بیان کیے جارہے ہیں تو کہیں احادیث کی سند دی جارہی ہے تو کہیں فقہ کی موشگافیوں کو اجاگر کیا جارہا ہے تو کہیں ادب کے موتی کے موتی لٹائے جارہے ہیں۔ اسلام میں باکمال عورتوں کی تعداد ہزاروں تک جا پہنچتی ہے۔ اس دعوی کی دلیل میں مشہور عربی مصنف خیر الدین زرکلی کی کتاب کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ ابھی حال ہی میں برطانیہ میں مقیم اسکالر ڈاکٹر محمد اکرم ندوی کی ایک کتاب منظر عام پر آئی ہے جو انچاس (49) جلدوں پر مشتمل ہے جس میں صرف محدثات کا ذکر کیا گیا ہے۔

عورت ومرد دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں اور دونوں کا تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے کہ تعلیم کے بغیر ان کی شخصیت میں کچھ نہ کچھ نقص باقی رہ جاتا ہے۔ اسی لیے حدیث نبوی ''طلب العلم فريضة على كل مسلم''۔ بعض روایات میں ''مسلم'' کے ساتھ ''مسلمة'' کا ذکر بھی ملتا ہے۔ کی روسے علم کا حصول مرد وزن سب کے لیے ضروری ہے تا کہ وہ اپنا اپنا کردار بخوبی انجام دے سکیں۔ عورتیں جب تعلیم یافتہ ہوتی ہیں تو ان کی گود میں پلنے والی نسل بھی عموما تعلیم یافتہ اور اچھے اخلاق کی حامل ہوتی ہے۔ جب ماں تعلیم یافتہ ہوتی ہے تو وہ اپنے بچوں کی دینی اور دنیوی تعلیم کا بہترین انتظام کر سکتی ہے، ان کی صحت کا مکمل خیال رکھ سکتی ہے اور دیگر گھریلو کام وکاج کو بخوبی انجام دیتے ہوئے زندگی کے مختلف مراحل میں پیش آنے مراحل کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو جاتی ہے۔

اس حدیث کے علاوہ دیگر احادیث میں بھی بغیر کسی تخصیص اور صنفی امتیاز کے تعلیم حاصل کرنے اور تعلیم دینے پر ابھارا گیا ہے جیسے ''تعلموا الفرائض والقرآن ،علموا الناس فانى مقبوض" اور "تعلموا العلم وعلموه الناس، تعلموا الفرائض وعلموها الناس، تعلموا القرآن وعلموه الناس فانى امرئ مقبوض''۔ ان احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کی نظروں میں تعلیم حاصل کرنے اور تدریس کے فرائض کو انجام دینے میں مرد وعورت دونوں کو یکساں درجہ حاصل ہے اور انہیں بغیر صنفی امتیاز کے یہ حق اور آزادی حاصل تھی کہ وہ نہ صرف تعلیم حاصل کریں بلکہ مسند درس پر بھی جلوہ افروز ہوں۔ یہ اسلام کا وہ خوبصورت پہلو ہے جس نے عورتوں کو سماجی اور معاشرتی لحاظ سے وہ تمام حقوق دیے جن کا تصور بھی دیگر مذاہب میں نہیں کیا جاسکتا تھا۔ صنف نازک نے بھی اسلام کے عطا کردہ حقوق سے خوب خوب فائدہ اٹھایا اور ہر مقام ومحاذ پر نہ صرف اپنی موجودگی کو بڑھ چڑھ کر درج کرایا بلکہ متعدد مقامات پر وہ مردوں

پر فوقیت رکھتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ تاریخ میں متعدد ایسے واقعات موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے مختلف مقام و محاذ پر مردوں کے مقابلہ میں قائدانہ کردار ادا کیا ہے۔ خاص طور سے علمی و تعلیمی میدان میں ان کے کارنامے بہت ہی نمایاں اور ممتاز ہیں کہ ان کے سامنے بڑے بڑے علما کرام نے زانوئے تلمذ تہہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

تعلیم نسواں کے حوالہ سے بھی کچھ احادیث نبویہ وارد ہوئی ہیں جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو دوگنے ثواب کی بشارت سنائی ہے جو اپنی باندیوں کی عمدہ تعلیم و تربیت کرنے کے بعد نکاح کرتے ہیں اور انہیں آزاد کر دیتے ہیں۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف خواتین کو مسجد نبوی میں آکر تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دی تھی بلکہ ان کی تعلیم و تربیت کے لیے ہفتہ میں ایک دن بھی مقرر فرمایا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل کو تعلیم نسواں کا نقطہ آغاز قرار دیا جاتا ہے۔ تعلیم نسواں کو فروغ دینے میں ازواج مطہرات خاص طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے بہت ہی اہم کردار ادا کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازدواج کی ایک حکمت تعلیم نسواں بھی بتائی جاتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم نسواں کا آغاز اپنے گھر سے کیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف خود ازواج مطہرات کو تعلیم دیتے تھے بلکہ ان کی تعلیم کے لیے دیگر اساتذہ کا انتظام کرتے تھے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی تعلیم کو جاری رکھنے کے لیے حضرت شفا بنت عبد اللہ سے درخواست کی تھی کہ جس طرح وہ انہیں شادی سے پہلے پڑھاتی تھیں ویسے ہی شادی کے بعد بھی پڑھا دیا کریں۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی درخواست کو قبول کر کے ان کی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا تھا۔ ازواج مطہرات کو نور نبوت سے ہمہ وقت فیض یاب ہونے کا موقعہ حاصل تھا لہذا انہوں نے اس سے خوب خوب فائدہ اٹھایا اور ذات نبوی سے کسب فیض کرتے ہوئے خود بھی بہت عالم و فاضل بن گئیں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو دیگر صحابیات رضی اللہ عنہا کو تعلیم دینے کی ہدایت بھی فرماتے تھے۔ بقول ڈاکٹر محمد حمید اللہ "قرآن نے بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں پر ایک خصوصی فریضہ عائد کیا کہ وہ دوسروں کو تعلیم دیا کریں۔ قرآن کریم میں علم کی اہمیت کا ذکر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی اقدامات نے تعلیم نسواں کو کافی عام کر دیا تھا اور معاشرہ میں تعلیم یافتہ خواتین کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا تھا۔

ڈاکٹر احمد شلبی کے مطابق قرون وسطی میں مشرق و مغرب میں عورتیں مردوں کے مقابلہ میں کم تعلیم یافتہ تھیں کہ انہیں تعلیم کے مواقع کم میسر تھے۔ مغرب میں اعلی طبقہ کی عورتوں کی تعلیم بھی محض شدبد کی حد تک تھی۔ مشرق کی عورتوں کی صورت حال بہت اچھی تو نہیں تھی لیکن مغرب کے مقابلہ میں بہتر تھی۔ انہوں نے مؤرخین کے اس بیان سے بھی اختلاف کیا ہے کہ اس زمانہ میں عورتوں میں تعلیم عام تھی۔ انہوں نے بلاذری کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ اسلام کے قرن اول میں پانچ عرب خواتین – حفصہ بنت عمرؓ، ام کلثوم بنت عقبہ، عائشہ بنت سعد، کریمہ بنت مقداد اور شفاء بنت عبد اللہ عدویہ – تعلیم یافتہ تھیں۔ مؤخر الذکر حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کی استانی تھیں جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گذارش کی تھی کہ وہ انہیں شادی کے بعد بھی پڑھاتی رہیں۔ انہوں نے ان خواتین کے علاوہ حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ پڑھ تو سکتی تھیں لیکن انہیں لکھنا نہیں آتا تھا۔

تعلیم نسواں کو فروغ دینے میں ازواج مطہرات خاص طور سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہانے اہم کردار کیا تھا۔ حضرت عائشہ، حضرت حفصہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کا شمار اہم محدثات میں ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حدیث کے علاوہ تفسیر، فقہ، ادب، شاعری، طب اور دیگر اسلامی علوم پر قدرت حاصل تھی۔ ان کے علمی کمالات کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ آدھا علم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حاصل کرو۔ محمد حفیظ اللہ پھلواری کے بقول ''اسلام کے ابتدائی عہد میں خواتین کا سب سے بڑا مرکز حضرت عائشہؓ کی درس گاہ تھی۔ ہفتہ میں ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی عورتوں کے خصوصی مجمع میں تشریف لے جاتے تھے۔ حج کے ایام میں پہاڑوں کے دامن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا خیمہ نصب ہوتا اور دور دراز سے آنے والی خواتین ان سے استفادہ کرتیں''۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہانے اپنی ساری زندگی اسلامی علوم وفنون کو فروغ دینے میں صرف کردی تھی۔

اسلامی تاریخ کے صفحات پر اہل علم خواتین کا ذکر جابجا ملتا ہے۔ ان باکمال خواتین کی تعداد ہزاروں تک جا پہنچتی ہے جو اپنے اپنے فن میں ماہر اور بلند پایہ سمجھی جاتی تھیں۔ تعلیم یافتہ خواتین کی کثرت جہاں اس بات کی شہادت پیش کرتی ہے کہ اسلام نے نہ صرف تعلیم نسواں کو فروغ دیا بلکہ ہر مقام پر ان کی ہمت افزائی کی اور انہیں آگے بڑھنے کا موقعہ فراہم کیا۔ طبقہ نسواں پر اسلام کی اس عنایت کا یہ اثر ہوا کہ عورتوں میں تعلیم عام ہوتی چلی گئی اور وہ اپنی محنت اور لگن سے علم وفضل کے اعلی مقام پر فائز ہوئیں اور اپنا فرض منصبی ادا کرتے ہوئے آنے والی نسلوں کو تعلیم یافتہ بنانے میں اپنی اپنی زندگیاں صرف کردیں۔

تعلیم نسواں کے حوالہ سے احمد شلبی اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا حضرت شفاء سے تعلیم حاصل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ عہد نبوی میں تعلیم نسواں کا نظام تھا لیکن انہیں اس بات کی کوئی مستند شہادت نہیں مل سکی ہے کہ وہ مکاتب میں لڑکوں کے ساتھ زیر تعلیم رہتی تھیں۔ ان کے بقول عہد وسطی میں لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام گھروں پر کیا جاتا تھا اور وہ عام طور اپنے والد سے تعلیم حاصل کیا کرتی تھیں۔ دلیل کے طور پر انہوں نے ابن سحنون کا قول ان کی کتاب ''آداب المعلمین'' سے نقل کیا ہے کہ 'اکثر وبیشتر باپ اپنی بیٹی کو پڑھایا کرتے تھے اور امراء اور شاہی گھرانوں کی خواتین کے لیے اتالیق کا انتظام کیا جاتا تھا'۔

عہد وسطی میں تعلیم یافتہ خواتین کے علمی کارناموں کا جب جائزہ لیا جاتا ہے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی علمی خدمات کا بنیادی دائرہ ''دینیات'' کے ارد گرد گھومتا ہوا نظر آتا ہے کہ انہوں نے قرآن، حدیث، فقہ، شعر وادب کے حوالہ سے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے میدان میں قابل ذکر خدمات انجام دی ہیں اور ان کے سامنے بڑے بڑے علماء نے زانوئے تلمذ تہہ کیا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ نووی، علامہ خطیب بغدادی اور علامہ سخاوی نے اپنی اپنی کتب میں تعلیم یافتہ عورتوں کی طویل فہرست نقل کی ہے جیسے علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ نے ''الاصابة فی تمییز الصحابة'' میں پندرہ سو سے زائد محدثات کا ذکر کیا ہے۔

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں عورتوں کا تعلیم حاصل کرنا ایک ضروری امر ہے لیکن اس کا نظام کیا ہو یہ وضاحت طلب امر ہے۔ عہد نبوی میں تعلیم نسواں کا جو نظام ملتا ہے وہ مرد وعورت کے لیے یکساں تھا کہ وہ سب تعلیم حاصل کرنے کے لیے مسجد نبوی میں حاضر ہوتے تھے اور نور نبوت سے مستفیض ہوتے تھے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم کے بقول ''ممکن ہے ان کے بیٹھنے کی جگہ الگ الگ ہو لیکن اس

مقام پر جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقریر فرماتے، دونوں کے لیے بیک وقت استفادہ کرنے کا امکان تھا۔ اس سے استنباط کیا جاسکتا ہے کہ اسکول وکالج میں اس طرح انتظام کیا جاسکے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی نشستیں جدا جدا ہوں تو میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ خاص طور سے اگر کسی فن کا ماہر صرف ایک عورت یا صرف ایک مرد ہو تو اسے دونوں کو استفادہ کرنا چاہیے، لڑکوں کو بھی اور لڑکیوں کو بھی۔ اس کے سوا کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ دونوں کی تعلیم کا بیک وقت انتظام ہو سکے"۔

موجودہ زمانہ میں رائج تعلیمی نظام میں بہت سے امور ایسے پائے جاتے ہیں جو اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ نہیں ہیں بلکہ وہ ان سے ٹکراتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان اہم امور میں "مخلوط تعلیم" کا قضیہ بھی شامل ہے۔ دیندار طبقہ "مخلوط تعلیم" کا سخت مخالف ہے اور اسے اسلام کی روح کے خلاف بتاتا ہے اور ایسی تعلیم کے عدم جواز کا قائل ہے جب کہ دنیادار طبقہ کو اس میں کسی قسم کی کوئی برائی نظر نہیں آتی ہے۔ ان کا کہنا ہے تعلیم حاصل کرنے کا حق عورت ومرد سب کو حاصل ہے۔ اسلام نے تعلیم حاصل کرنے کی ہمت افزائی کی ہے اور "حق تعلیم" کے حوالہ سے کسی قسم کا صنفی امتیاز نہیں برتا ہے تو کسی کو کیا اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی کو اپنی من پسند تعلیم حاصل کرنے سے روکے اور تعلیم حاصل کرنے کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کرے۔

مذکورہ بالا دونوں نظریے افراط وتفریط کا شکار ہیں جب کہ اسلام اپنے متبعین کو افراط وتفریط سے بچنے کی تلقین کرتا ہے اور اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ وہ "دین وسط" ہے لہذا اس کے ماننے والوں کو افراط وتفریط سے بچتے ہوئے درمیانی راہ پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ موجودہ زمانہ میں اسلامی معاشرہ کا "رول ماڈل" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات اور خیر القرون کا معاشرہ ہونا چاہیے کہ ان کی پیروی کر کے ہی آج کامیابی وکامرانی حاصل کی جاسکتی ہے۔

عہد نبوی کے معاشرہ میں عورتوں کو ہر قسم کی تعلیم دینے کی مثالیں ملتی ہیں جو کہیں مشترکہ طور پر دی جاتی تھی تو کہیں علاحدہ طور۔ یہ دونوں نمونے آج کے معاشرہ کے لیے "رول ماڈل" ہونے چاہیے تاہم عہد اسلامی کے معاشرہ میں اور آج کے معاشرہ میں زمین وآسمان کا فرق پایا جاتا ہے کہ فتنہ وفساد کے نت نئے دروازے کھل چکے ہیں لہذا تعلیم نسواں کے حوالہ سے بہتر بات یہ ہے کہ ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام علاحدہ طور پر کیا جائے اور جس قدر ممکن ہو سکے مخلوط تعلیم سے بچا جائے لیکن جہاں اس کا انتظام یا بہتر انتظام نہ پایا جائے وہاں کچھ حدود وقیود اور پابندیوں کے ساتھ مخلوط تعلیم کی اجازت دی جائے تاکہ امت کا یہ معتدبہ حصہ ناکارہ نہ رہ جائے اور معاشرہ میں اپنی موجودگی کو اپنے تمام تر تشخصات کے ساتھ درج کرا سکے۔ اگر مخلوط تعلیم کا دروازہ طبقہ نسواں پر مطلقا بند کر دیا جائے گا تو زندگی کے مختلف امور ومعاملات میں کام آنے والی خواتین جیسے ڈاکٹر وغیرہ مفقود ہو جائیں گی اور اسلامی معاشرہ کو اپنی معمولی معمولی ضروریات کے لیے بھی دوسروں کا دست نگر بننا پڑے گا۔ "مخلوط تعلیم" کے مخالفین طبقہ نسواں کے لیے صرف دینی مدارس کے قیام کے قائل ہیں جہاں ان کی دینی تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ کچھ درجات تک عصری علوم وفنون کی تعلیم بھی دی جاسکے جس سے معاشرہ میں آنے والے تمام مسائل حل نہیں کیے جاسکتے ہیں۔

یہاں اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے "مخلوط تعلیم" کے حوالہ سے جب بھی بات کی جاتی ہے تو اس سے عصری

ادارے، کالجز اور یونیورسٹیاں ہی مراد لی جاتی ہیں اور اس دائرہ میں دینی مدارس میں دی جانے والی تعلیم شامل نہیں سمجھی جاتی ہے۔ جب تعلیمی اداروں کو عصری اداروں اور دینی مدارس میں تقسیم کیا جائے گا تو لا محالہ علم کی تقسیم بھی لازم قرار پائے گی حالانکہ اسلام میں "علم" کو منقسم نہیں کیا گیا ہے۔ اگر قرآن و حدیث میں مذکور "علم" سے مراد دینی علوم ہوتے تھے تو قرآن میں بار بار ارض و سماوات پر غور و فکر کی دعوت کیوں دی جاتی اور مختلف سائنسی علوم و فنون کا ذکر کیوں کیا جاتا۔ اسلام میں علم کو خانوں میں منقسم نہ کرتے ہوئے ہر ایک علم کی اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے اور ہر قسم کے علوم و فنون کو حاصل کرنے والوں کی ہمت افزائی کی گئی ہے لہٰذا طبقہ نسواں کو بھی ہر قسم کی تعلیم حاصل کرنے کے مواقع فراہم کرنے چاہیے نہ کہ "مخلوط تعلیم" کا عذر کرتے ہوئے ان پر علوم و فنون کے دروازے بند کر دیے جائیں۔ تعلیم نسواں کے حوالہ سے یہ بات خوش آئند ہے کہ ہندوستان سمیت دنیا کے مختلف ممالک میں صرف طبقہ نسواں کے لیے عصری تعلیم کے متعدد ادارے کام کر رہے ہیں۔ یہ ادارے اسکول کی سطح سے لے کر یونیورسٹی کی سطح تک موجود ہیں جہاں انہیں ہر قسم کی دنیوی تعلیم دی جاتی ہے اور کہیں کہیں ان اداروں میں طبقہ نسواں کی دینی تعلیم کا انتظام بھی کیا گیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ طبقہ نسواں کے لیے مخصوص اداروں کو زیادہ سے زیادہ قائم کیا جائے تا کہ ان کی عصری تعلیم کے حوالہ سے جو کچھ "خلش" دل و دماغ میں پائی جاتی ہے اس کا بھی سدباب کیا جا سکے۔

2.7 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- اسلام نے علم کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مسلمانوں نے ہر قسم کا علمی سرمایہ بطور یادگار چھوڑا ہے۔
- قرآن کریم میں جابجا علم حاصل کرنے پر ابھارا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کو فروغ دینے کے لیے جہاں علم کی اہمیت کو اپنی زبان سے اجاگر کیا ہے وہیں عملی اقدامات بھی اٹھائے تھے جس کی وجہ سے دیکھتے دیکھتے جاہل عربوں کا معاشرہ ایک تعلیم یافتہ اور متمدن معاشرہ میں تبدیل ہو گیا۔
- اسلام نے ہی سب سے پہلے باقاعدہ طور تعلیم بالغان اور تعلیم نسواں کے نظام کو رائج کیا تھا جس نے خواندگی کی شرح میں غیر معمولی اضافہ کیا تھا۔ تعلیم بالغان کی سب سے عمدہ مثال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات اور صحابہ کرام ہیں۔
- عہد نبوی میں تعلیم بالغان کا سب سے اہم اور بڑا مرکز "صفہ" تھا جہاں ان کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ ان کی رہائش اور خوراک وغیرہ کا انتظام کیا جاتا تھا۔
- اسلام نے تعلیم نسواں کو فروغ دینے میں عملی اقدام اٹھائے ہیں جن سے فیض اٹھا کر صنف نازک بھی مردوں کے شانہ بہ شانہ علم کو فروغ دینے میں مصروف عمل نظر آتی ہے۔ اس نے نہ صرف مسند درس کو رونق بخشی بلکہ تصنیفات و تالیفات کو بھی بطور یادگار

چھوڑا ہے۔ تعلیم نسواں کو فروغ دینے میں امہات المؤمنین خاص طور سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اہم کردار ادا کیا ہے۔

- اسلام علم کے حوالہ سے کسی بھی قسم کی تقسیم کا قائل نہیں ہے اور وہ ہر قسم کے علوم وفنون کو حاصل کرنے پر ابھارتا ہے اور ہر قسم کے علوم وفنون کو حاصل کرنے پر ابھارتا ہے۔
- عہد نبوی میں مخلوط تعلیم کے ساتھ ساتھ صنف نازک کے لیے علاحدہ نظام تعلیم کی مثالیں ملتی ہیں لہذا بہتر یہ ہے کہ ان کے لیے علاحدہ نظام قائم کیا جائے جہاں وہ بغیر کسی پریشانی اور جھجھک کے دینی اور عصری تعلیم حاصل کر سکیں۔ صنف نازک کے لیے ہندوستان سمیت مختلف ممالک میں اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں بنائی گئی ہیں۔
- چونکہ عہد نبوی میں مخلوط تعلیم کی مثالیں ملتی ہیں لہذا مخلوط تعلیم کو یکسر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے بلکہ کچھ تحفظات، حدود وقیود کے ساتھ آج بھی اس نظام پر عمل پیرا ہونا چاہیے تا کہ امت مسلمہ کا ایک سواد عصری تعلیم سے محروم نہ رہ جائے۔ صنف نازک کی عصری تعلیم سے محرومی معاشرہ میں مختلف قسم کی دشواریوں کا سبب بن سکتی ہیں۔

2.8 نمونہ امتحانی سوالات

2.8.1 معروضی سوالات کے حامل جوابات

1. پہلی وحی میں کیا حکم دیا گیا ہے؟

(a). پڑھنے کا (b). لکھنے کا (c). بولنے کا (d). سننے کا

2. قرآن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے فرائض منصبی کا ذکر کیا گیا ہے؟

(a). 8 (b). 6 (c). 4 (d). 4

3. آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآنی فرائض منصبی میں شامل ہے:

(a). کتابت (b). تعلیم (c). خوش خطی (d). ان میں سے کوئی نہیں

4. کیا تعلیم بالغان ملک کے مادی وسائل میں توسیع کے لیے ناگزیر ہے؟

(a). جی ہاں (b). جی نہیں (c). کبھی نہیں (d). کبھی نہیں

5. عصر جدید میں تعلیم بالغان کا موجد کون ہے؟

(a). جان جیمس (b). جورج ببرک (c). پرنس چارلس (d). ان میں سے کوئی نہیں

6. تعلیم بالغان کا پہلا ادارہ کب قائم کیا گیا تھا؟

(a). 1924ء (b). 1828ء (c). 1826ء (d). 1824ء

7. حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو معلم بنا کر کہاں بھیجا گیا تھا؟

(a).مکہ (b).مدینہ (c).دمشق (d).طائف

8. حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو معلم بنا کر کہاں بھیجا گیا تھا؟

(a).مکہ (b).مدینہ (c).یمن (d).طائف

9. حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی استانی کا کیا نام تھا؟

(a).سلمہ بنت عبد اللہ (b).عاتکہ بنت عبد المطلب (c).شفاء بنت عبد اللہ (d).زبیدہ بنت عبد اللہ

10. عہد نبوی میں لکھنا پڑھنا جاننے والی خواتین کی تعداد کتنی تھی؟

5.(a) 7.(b) 9.(c) 11.(d)

2.8.2 مختصر سوالات کے حامل جوابات

1. قدیم وجدید تعلیم کا فرق واضح کیجیے۔
2. تعلیم بالغان کے مفہوم اور اس کے مقاصد پر ایک نوٹ لکھیے
3. ہندوستان میں تعلیم بالغان کے آغاز وارتقاء پر روشنی ڈالیے۔
4. تعلیم نسواں کے فروغ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار کو اجاگر کیجیے۔
5. صفہ کے معلمین اور شاگردان کے نام لکھیے۔

2.8.3 طویل سوالات کے حامل جوابات

1. تعلیم بالغان کے فروغ میں اسلام کے کردار کو اجاگر کیجیے۔
2. اولین درس گاہ "صفہ" پر ایک نوٹ لکھیے
3. تعلیم نسواں کے حوالہ سے اسلام کا نقطہ نظر واضح کیجیے۔

2.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. نظام حکومت نبویہ : علامہ عبد الحئی کتانی (اردو ترجمہ از محمد ابراہیم فیضی)، فرید بک سٹال، لاہور، 2005ء۔
2. خطبات بہاولپور : ڈاکٹر محمد حمید اللہ، اسلامک بک فاونڈیشن، نئی دہلی، 1997ء۔
3. اسلام کا تربیتی تعلیمی اور تدریسی نظام : ممتاز احمد عبد اللطیف، مرکز الاصلاح التعلیمی الخیری، بہار، 1997ء۔
4. تعلیم بالغان اور اس کی قومی اہمیت : مظہر الرحمن بچھرایونی، اکیڈیمی آف ایجوکیشن، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی، ایجوکیشنل پرنٹنگ پریس، کراچی، 1970-
5. اسلام میں عورت کا مقام : عبد الصمد رحمانی، دینی بک ڈپو، اردو بازار، دہلی۔

اکائی 3: تعلیمی ادارے اور کتب خانے

اکائی کے اجزا:

3.0 تمہید

3.1 مقاصد

3.2 تعلیمی ادارے

3.2.1 دیوبند

3.2.2 علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی

3.2.3 ندوۃ العلماء

3.2.4 جامعہ ملیہ اسلامیہ

3.3 کتب خانے

3.3.1 خدا بخش لائبریری

3.3.2 رضا لائبریری

3.3.3 آصفیہ لائبریری حیدر آباد

3.3.4 مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ

3.3.5 ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری

3.4 اکتسابی نتائج

3.5 نمونہ امتحانی سوالات

3.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

3.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

3.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

3.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

3.0 تمہید

کسی بھی قوم کی ترقی اور بلندی کا رازاس علاقے میں موجود تعلیمی اداروں اور کتب خانوں کی موجودگی سے پتہ چلتا ہے۔ تعلیمی ادارے اور کتب خانے ہی صحیح معنوں میں انسان کو ذہنی و فکری بلندی عطا کرتے ہیں۔ دنیا کے تمام حکماء، علماء اور ادباء کی چیزیں ہمیں بیک وقت تعلیمی اداروں اور کتب خانوں میں ہی میسر آسکتی ہیں۔ تعلیمی ادارے اور کتب خانے انسان کو ذہنی غذا فراہم کرتے ہیں۔ تعلیمی ادارے اور کتابیں ہی صحیح معنوں میں انسان کے اندر تخلیقی صلاحیت پیدا کرتے ہیں اور طلبا کی خفتہ صلاحیتوں کو پروان چڑھاتے ہیں۔

3.1 مقاصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبہ و طالبات کو معلوم ہو گا کہ ہندوستان کے کن کن علاقوں میں اہم تعلیمی ادارے اور کتب خانے موجود ہیں اور ان اداروں اور کتب خانوں کی کیا اہمیت ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو گا کی ان تعلیمی اداروں کتب خانوں میں کس کس طرح کی تاریخی قلمی نسخے اور کس کس دور کی کتابیں محفوظ ہیں۔ طلبا یہ بھی جان سکیں گے کہ ان تعلیمی اداروں کی کیا نوعیت ہے اور کن حالات میں یہ ادارے وجود میں آئے۔

3.2 تعلیمی ادارے

مذہب اسلام نے روز اول سے ہی تعلیم کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ قرآن کریم کی ابتدائی آیات جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئیں اس میں بھی پڑھنے پر زور دیا گیا ہے۔ رسول اللہ اور ان کے جانشینوں نے اور ان کے بعد کے خلفاء و سلاطین نے تعلیمی اداروں اور کتب خانوں کو کافی فروغ دیا۔ اللہ کے رسول نے ارقمؓ کے گھر کو پہلا مدرسہ بنایا اور ہجرت کے بعد مسجد نبوی کو درس و تدریس کا مرکز بنایا جہاں سے تمام صحابہ و تابعین نے رشد و ہدایت حاصل کی۔ ہر دور میں خلفاء و سلاطین نے عوام کے لیے تعلیم و تربیت کا انتظام کیا ہے۔ علم کے معاملے میں مسلمانوں کو بڑے باذوق سلاطین میسر آئے۔ جنہوں نے اپنے ذوق کے مطابق بڑے بڑے تعلیمی ادارے و کتب خانے قائم کیے۔ خلفائے راشدین نے قرآن کو کتابی شکل عطا کی اور اس کے بعد اللہ کے رسول کے اقوال کو جمع کرنے کے لیے صحابہ اور تابعین نے غیر معمولی خدمات انجام دیں۔

مساجد سے ملحق مدارس قائم کیے گیے اور دھیرے دھیرے جب پڑھنے لکھنے کا رواج عام ہوا تو بڑے مدارس کا بھی قیام عمل میں آیا۔ شروعاتی دور میں مساجد ہی پڑھنے لکھنے والوں کی اصل جگہ تھی۔ کسی کونے میں کوئی عالم دین، محدث، مفسر یا قاری بیٹھ جاتا اور اس کے ارد گرد اپنی علمی پیاس بجھانے والوں کا ہجوم لگ جاتا۔ مسجد نبوی اور جامع اموی میں اسی طرز پر تعلیم کا انتظام تھا۔

اسلام کے عہد زریں میں عراق، اندلس، مصر و شام میں کئی کتب خانے قائم تھے۔ عباسی خلفاء نے علم کی خوب سرپرستی کی مامون رشید نے ''بیت الحکمہ'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس میں اس دور کے تمام مروجہ علوم کی کتابوں کے ترجمے ہوئے اور اس نے ملک کے

کونے کونے میں مدارس قائم کیے۔ تعلیمی اداروں کے قیام میں سلجوقی دور کے وزیر نظام الملک طوسی نے غیر معمولی شہرت حاصل کی۔ اس کا بنایاہوا مدرسہ ''مدرسہ نظامیہ'' اپنی نوعیت کا ایک منفرد ادارہ تھا۔ امام غزالی، تبریزی اور عبد القادر جیسے نامور شیوخ نے اپنی علمی پیاس اسی ادارے سے بجھائی۔ فاطمی دور میں جامعہ ازہر کا قیام عمل میں آیاجو آج تک علم و فن کا مرکز بناہوا ہے۔ بیت الحکمہ کے ہی طرز پر فاطمیوں نے ''دار الحکمہ'' بھی قائم کیا۔

مسلم حکمرانوں نے مدارس کے ساتھ ساتھ بیمارستان، رصد گاہیں اور دوسری عمارتیں قائم کیں تاکہ اہل علم اور عوام اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اسلامی تاریخ میں عرب، عراق، ایران، مصر، اسپین، افریقہ، مراقش، افغانستان اور ہندوستان مدارس کی تاریخ کے لیے مشہور ہیں۔ ہندوستان میں مسلم حکمرانوں نے مساجد کے ساتھ ساتھ مدارس کا بھی انتظام کیا۔ ایک مصری سیاح کے مطابق تغلق دور میں دہلی میں تقریباایک ہزار مدارس تھے۔ مغلوں نے بھی تعلیم و تعلم پر کافی زور دیا، مغل حکمراں ہمایوں خود علم کا شیدائی تھا۔ اس نے پرانے قلعے میں شیر منزل میں اپنی ذاتی لائبریری قائم کی جو ''شیر منڈل'' کے نام سے مشہور ہے۔ اکبر کے زمانے میں فتح پور سیکری اور آگرہ میں کئی مدارس قائم ہوئے۔ اکبر کا کتب خانہ نادر کتابوں کے لیے مشہور تھا۔ اورنگ زیب کے زمانے میں پورے ہندوستان میں مدارس کا جال بچھ گیا۔ مغلوں کے علاوہ دیگر ریاستوں کے حکمرانوں نے بھی کتب خانے قائم کئے جیسے رضا لائبریری، آصفیہ لائبریری وغیرہ۔ کچھ اشخاص نے اپنی ذاتی کوششوں سے بھی کتب خانے قائم کرنے کی کوشش کی جس میں ایک بڑا نام بہار کے خدا بخش کا بھی ہے۔ تعلیمی اداروں کے قائم ہونے سے کتب خانوں کے قیام میں بھی تیزی آئی، آج بغیر کتب خانے کے کسی بھی تعلیمی ادارے کا تصور نہیں کیاجاسکتا ہے۔ مولانا آزاد لائبریری، ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری کا تعلق ہندوستان کی دو مرکزی جامعات علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ سے ہے۔

مغل حکومت کے خاتمہ اور انگریزوں کے عروج کے زمانے میں ہندوستان میں مدارس اسلامیہ اور مدرسہ علوم جدیدہ کے قیام میں اور تیزی آئی، اس کی وجہ انگریزی تعلیم اور انگریزوں سے نفرت بھی تھی اور لگاؤ بھی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ 1857 کے بغاوت کے بعد دیوبند، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ندوۃ العلماء اور جامعہ ملیہ اسلامیہ جیسے تعلیمی ادارے وجود میں آئے۔

3.2.1 دیوبند

یہ اہل اسلام کا ایک عظیم ادارہ ہے۔ 1866ء میں صوبہ اترپردیش کے ضلع سہارن پور کے شہر دیوبند میں یہ ادارہ قائم ہوا اوراسی شہر کی نسبت سے یہ ادارہ 'دارالعلوم دیوبند' کہلاتا ہے۔ ایشیاء کے عظیم اداروں میں اس کا شمار ہوتا ہے، اس ادارے کو ازہر ہند بھی کہا جاتا ہے۔

مغلیہ حکومت کے خاتمہ اور ہندوستان پر انگریزوں کے تسلط کے بعد مسلمانوں کی حالت خستہ ہو چلی تھی۔ بغاوت میں شامل ہونے کی وجہ سے انگریز حکومت کا عتاب مسلمانوں پر نازل ہو رہا تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں علماء شہید کر دیے گئے اور مسلم رہنماؤں کو قید و بند کی سزا سنائی گئی۔ اوقاف ضبط ہو جانے کی وجہ سے مسلمانوں کے قدیم مدرسے بند ہو گئے اور مسلمانوں کا تعلیمی نظام بالکل برباد ہو چکا تھا۔ لارڈ میکالے نے ہندوستانیوں کے لیے جو تعلیم کا نقشہ تیار کیا اس کا مقصد انگریزوں کے لیے ایسے نوجوان پیدا کرنا تھا جو رنگ و نسل میں ہندوستانی

ہو اور دل و دماغ کے اعتبار سے انگلستانی۔ انگریز اپنے ساتھ مشنریوں کی بھی ایک جماعت ساتھ لائے تھے جنہیں حکومت کی پوری پشت پناہی حاصل تھی۔ وہ کھلے عام عیسائیت کی تبلیغ کرتے تھے۔ کمزور اور لاچار مسلمان ان مشنریوں کے خدمات کے اثر سے عیسائیت قبول کرنے لگے۔ لادینیت، شرک و بدعات عام ہونے لگی، ایسے ماحول میں اللہ کے کچھ بندوں نے قوم وملت کی فکر کی جن میں مولانا قاسم نانوتوی، حاجی سید عابد حسین دیوبندی، مولانا ذوالفقار علی، مولانا فضل الرحمن عثمانی، مولانا محمد یعقوب نانوتوی، مولانا رفیع الدین دیوبندی، مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہ کے نام اہم ہیں۔

مسلمانوں کو تعلیمی پس ماندگی سے نکالنے، اسلام کی بقا اور مسلمانوں کے دین وامان کو کیسے بچایا جائے ان باتوں پر مذاکرے ہونے لگے۔ ان مذاکروں کا مرکزی مقام دیوبند کی چھتہ والی مسجد تھی۔ مولانا قاسم نانوتوی، حاجی سید عابد حسین دیوبندی، مولانا ذوالفقار علی، مولانا فضل الرحمن عثمانی اور مولانا رفیع الدین وغیرہ نے طے کیا کہ ایک مدرسہ قائم کیا جائے اور وہ مدرسہ دہلی کے بجائے دیوبند میں ہی قائم کیا جائے۔ مدرسہ کے قیام کے لیے عوامی چندے کی تحریک شروع کی گئی، پہلی ہی دن تیس روپے کا چندہ جمع ہو گیا۔

بروز جمعرات 30 مئی 1866ء کو چھتہ والی مسجد کے کھلے صحن میں انار کے چھوٹے سے درخت کے سائے میں نہایت ہی سادگی کے ساتھ اس مدرسے کا آغاز ہوا۔ اس مدرسے کے پہلے استاد اور شاگرد دونوں محمود تھے۔ استاد کا نام مولانا محمد محمود اور شاگرد کا نام محمود الحسن تھا جو بعد میں شیخ الہند کے نام سے مشہور ہوئے۔ مولانا قاسم نانوتوی اس مدرسے کے پہلے سرپرست بنائے گئے، حاجی عابد حسین کو مہتمم بنایا گیا اور مولانا محمد یعقوب نے صدر مدرس کا عہدہ سنبھالا۔ مدرسے کو صحیح ڈھنگ سے چلانے کے لیے مولانا قاسم نانوتوی نے کچھ اصول بنائے جو اصول ہشت گانہ کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ان اصولوں پر آج بھی اہل دیوبند کاربند ہیں۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(1) اصل اول یہ ہے کہ تا مقدور کارکنان مدرسہ کی ہمیشہ تکثیر چندہ پر نظر رہے، آپ کوشش کریں اوروں سے کرائیں خیر اندیشان کو یہ بات ہمیشہ ملحوظ رہے۔

(2) ابقاء طعام بلکہ افزائش طعام طلبہ میں جس طرح ہو سکے خیر اندیشان مدرسہ ساعی رہیں۔

(3) مشیران مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے کہ مدرسہ کی خوبی اور اسلوبی ہو، اپنی بات کی پچ نہ کی جائے، خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی کہ اہل مدرسہ اہل مشورہ کو اپنی مخالفتِ رائے اور اوروں کی رائے کے موافق ہونا گوارا ہو تو پھر اس مدرسہ کی بناء میں تزلزل آجائے گا۔ القصہ تہِ دل سے بروقت مشورہ اور نیز اس کے پس و پیش میں اسلوبیٔ مدرسہ ملحوظ رہے، سخن پروری نہ ہو، اور اس لیے ضروری ہے کہ اہل مشورہ اظہارِ رائے میں کسی وجہ سے متامل نہ ہوں اور سامعین بہ نیت نیک اس کو سنیں، یعنی یہ خیال رہے کہ اگر دوسرے کی بات سمجھ میں آجائے گی تو اگرچہ ہمارے مخالف ہی کیوں نہ ہو بدل و جان قبول کریں گے اور نیز اس وجہ سے یہ ضروری ہے کہ مہتمم امورِ مشورہ طلب میں اہل مشورہ سے ضرور مشورہ کیا کرے خواہ وہ لوگ ہوں جو ہمیشہ مشیر مدرسہ رہتے ہیں یا کوئی وارد و صادر جو علم و عقل رکھتا ہو اور مدرسوں کا خیر اندیش ہو، اور نیز اسی وجہ سے ضروری ہے کہ اگر اتفاقاً کسی وجہ سے کسی اہل مشورہ سے مشورہ کی نوبت نہ آئے اور بقدر ضرورت اہل مشورہ کی مقدار معتد بہ سے مشورہ کیا گیا ہو تو پھر وہ شخص اس وجہ سے ناخوش نہ ہو کہ مجھ سے کیوں نہ پوچھا، ہاں اگر مہتمم نے کسی سے نہ پوچھا

تو پھر اہل مشورہ معترض ہوسکتے ہیں۔

(4) یہ بات بہت ضروری ہے کہ مدرسین باہم متفق المشرب ہوں اور مثل علماء روزگار خود بیں اور دوسروں کے درپے توہین نہ ہوں۔ خدانہ خواستہ جب اس کی نوبت آئے گی تو پھر اس مدرسہ کی خیر نہیں۔

(5) خواندگی مقررہ اس انداز سے ہو جو پہلے تجویز ہو چکی ہو یا بعد میں کوئی انداز مشورے سے تجویز ہو ورنہ یہ مدرسہ اول تو خود آباد نہ ہوگا اور اگر آباد ہوگا تو بے فائدہ ہوگا۔

(6) اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں جب تک یہ مدرسہ ان شاء اللہ بشرط توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہوگئی جیسی جاگیر یا کارخانہ تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ تو پھریوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف و رجاء جو سرمایہ رجوع الی اللہ ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امداد غیبی موقوف ہو جائے گی اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہو جائے گا، القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی ملحوظ رہے۔

(7) سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے۔

(8) تامقدور ایسے لوگوں کا چندہ موجب برکت معلوم ہوتا ہے جن کو اپنے چندہ سے امید ناموری نہ ہو، بالجملہ حسن نیت اہل چندہ زیادہ پائیداری کا سامان معلوم ہوتا ہے۔

دیوبند کے نصاب تعلیم میں 'علوم عالیہ' جو مقاصد کا درجہ رکھتی ہیں اس میں قرآن عظیم، اصول تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم عقائد و کلام، علم الاحسان اور علم الفرائض شامل تھے۔ 'علوم آلیہ' یعنی جو علوم عالیہ کے لیے معاون ہوتے ہیں اس میں صرف، نحو، معانی، بیان، ادب عربی، منطق، فلسفہ، عروض و قوافی، مناظرہ، ہیئت ہندسہ، حساب، تجوید، و قراءت پڑھائے جاتے تھے۔ بعد میں کچھ کتابوں کا اور اضافہ کیا گیا۔

وقت کے ساتھ یہ مدرسہ عوامی چندوں سے چلتا رہا اور طلبا کی تعداد بھی بڑھتی گئی۔ اہل خیر حضرات کی مدد سے مدرسے کی عمارتیں بننے لگیں اور رواق میں اضافہ ہوا۔ دار العلوم دیوبند کی مسجد رشید کا شمار ہندوستان کی خوبصورت مساجد میں ہوتا ہے یہ مسجد تقریباً تیرہ سال میں بن کر تیار ہوئی۔ دارالحدیث کی عمارت اپنی بلندی اور شان شوکت میں دیوبند کی دوسری عمارتوں سے امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ اس ہال کی لمبائی 68 فٹ اور چوڑائی 35 فٹ ہے۔ ہندوستان میں دارالحدیث کے نام کی یہ پہلی عمارت ہے۔

دار لعلوم کو بہتر انداز میں چلانے کے لیے تقریباً بارہ شعبہ جات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ شعبہ تعلیم، دارلافتاء، شعبہ طب، شعبہ تبلیغ، شعبہ کتابت، شعبہ صنعت و حرفت، شعبہ نشریات، شعبہ تنظیم و ترقی، شعبہ اوقاف، کتب خانہ، شعبہ تعمیرات وغیرہ۔ یہاں کا نصاب تعلیم چار مرحلوں پر مشتمل ہے۔ درجات ابتدائی، درجات متوسط، درجات عالیہ اور درجات فضیلت و تخصص۔ 1415ھ میں دیوبند میں علماء کا اجتماع ہوا جس میں نصاب تعلیم پر غور خوض کرنے کی تجویز پاس ہوئی۔ دارالعلوم کے اساتذہ پر مشتمل ۹ رکنی ٹیم نے نصاب پر غور وخوض کے بعد کچھ ترمیم کیں اور نصاب کمیٹی کے سامنے پیش کی۔ طویل غور وخوض کے بعد نصاب تعلیم کا ایک خاکہ تیار کیا گیا اور اس مجوزہ نصاب کو کل ہند

اجلاس میں پاس کرا کر دارالعلوم اور اس سے ملحقہ مدارس میں اس نصاب کو جاری کر دیا گیا۔ یہ نصاب آٹھ سالہ کورس پر مشتمل ہے۔

3.2.2 علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی

یہ یونی ورسٹی اتر پر دیش کے مشہور شہر علی گڑھ میں واقع ہے اور اسی شہر کی نسبت سے علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کہلاتی ہے۔ 1857 کی بغاوت اور ہندوستان سے مغلیہ حکومت کے خاتمہ کے بعد مسلمانوں کی حالت بہت خستہ ہو گئی تھی۔ سر سید احمد خاں مسلمانوں کی بربادی کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کر رہے تھے۔ اس زمانے میں ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ چہار طرف سے مسلمانوں پر عتاب نازل ہو رہا ہو۔ کوئی مسلمانوں کا پرسان حال نہ تھا۔ کہیں سے بھی مسلمانوں کو انصاف نہیں مل رہا تھا اور نہ ہی کوئی ایسی جگہ بچی تھی جہاں مسلمانوں کی فریاد سنی جا سکے۔ انگریز مسلمان کو بغاوت کا ذمہ دار مانتے تھے، ان کے نزدیک مسلمان اور باغی ہم معنی استعمال ہوتے تھے۔ انگریز مصنفوں نے مسلمانوں کو 1857 کی شورش کا ذمہ دار ثابت کیا۔ سر سید احمد خان نے اس غلط فہمی کے رد میں 'اسباب بغاوت ہند' لکھی۔ سر سید احمد خاں اس بات کو محسوس کر رہے تھے کہ تعلیم کے ذریعے ہی اس خستہ حال قوم کی تقدیر کو بدلا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے دو کام کیے ایک تو اپنی تقریروں اور تحریروں سے انگریزوں کے نزدیک مسلمانوں کی دشمنی کم کی اور دوسری مسلمانوں میں جدید تعلیم کو فروغ دینے کی فکر کی۔

سن 1863ء میں سر سید احمد خاں نے غازی پور میں ایک سائنٹفک سوسائٹی قائم کی، جس کا مقصد مفید علوم کی کتابوں کو اپنی زبان میں منتقل کرنا تھا تا کہ جدید تعلیم کو عوام میں فروغ دیا جا سکے۔ سر سید ایک ایسے ادارے کا خواب دیکھ رہے تھے جہاں سے قوم اعلی تعلیم حاصل کر سکے اور وہ ادارہ کیمبرج اور آکسفورڈ کے طرز پر ہو، کیوں کی اعلی تعلیم ہی قوم کو اعلی مقام تک پہنچا سکتی ہے۔ اعلی تعلیم کی عدم موجودگی میں یہ قوم صرف چپراسی اور پیون کی نوکریوں تک محدود ہو جائے گی۔

جدید تعلیم کے لیے جس جدید یونی ورسٹی کا خواب وہ دیکھ رہے تھے اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ کیمبرج اور آکسفورڈ جا کر ان اداروں اور وہاں رائج طرز تعلیم کا بغور مطالعہ کریں۔ اللہ نے ان کی یہ خواہش بھی پوری کر دی اور وہ اپنے دونوں بیٹوں حامد اور محمود کے ساتھ انگلستان روانہ ہو گئے اور وہاں بڑے انہماک کے ساتھ کیمبرج اور آکسفورڈ کا بغور مطالعہ کیا۔ سر سید احمد خان آکسفورڈ کی بہ نسبت کیمبرج سے زیادہ متاثر ہوئے۔ سید احمد خاں نے اپنی دور اندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے وہیں ایک انجنیئر کی مدد سے یونیورسٹی کا خاکہ تیار کروالیا۔

24 مئی 1857 کو علی گڑھ چھاؤنی کے میس میں مدرسۃ العلوم کی بنیاد رکھی گئی، یہ دن ملکہ وکٹوریہ کے یوم پیدائش کا بھی دن تھا۔ 1875ء کی رپورٹ کے مطابق سات ماہ میں نواسی طلبا نے داخلہ لیا اور سال کے اختتام تک ان طلبا کی تعداد چھیاسٹھ رہ گئی۔ تعلیمی میدان میں سر سید کیمبرج اور آکسفورڈ کے بعد اگر کسی کی تقلید کو روا سمجھتے تھے تو وہ ترکی تھا۔ اسی لیے سر سید نے علی گڑھ کے طلبا کے لیے ترکی کوٹ اور ترکی ٹوپی کو یونی فارم کا حصہ بنایا۔ مدرسۃ العلوم میں دو صیغے قائم کیے گئے۔ ایک صیغہ میں تمام تعلیم انگریزی زبان میں ہوتی تھی جو صیغہ 'انگریزی کہلاتا تھا۔ اس صیغے میں عربی یا فارسی میں سے کسی ایک کو بطور دوسری زبان کے پڑھنا ہوتا تھا۔ دوسرا صیغہ 'صیغہ 'مشرقی' کہلاتا تھا۔ اس صیغہ میں عربی اور فارسی کو اسی زبان میں پڑھایا جاتا تھا۔

سر سید احمد خان نے اپنی تعلیمی مہم کو مستحکم کرنے کے لیے مئی 1882ء میں 'محمڈن ایجوکیشنل کانگریس کی بنیاد رکھی۔ 1890ء میں

سر دار محمد حیات خان نے الہ آباد کے اجلاس میں کانگریس کی جگہ 'کانفرس' کی ترمیم کی پیش کش کی جسے سر سید نے پسند کیا۔1896ء کے شاہ جہاں پور کے اجلاس میں محسن الملک کی صدارت میں سید محمود نے اینگلو اورینٹل کے اضافے کی پیش کش کی اور پھر اس کانگریس کا نام 'محمڈن اینگلو اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس' ہو گیا۔ سن 1923ء میں اس کانفرنس کے چھتیسویں اجلاس میں حبیب الرحمن خان شیر وانی کے ایماء پر محمڈن کو مسلم سے تبدیل کر دیا گیا اور یہ کانفرس اب 'آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرس' کے نام سے جانی جاتی ہے۔ اس کانفرنس کا مقصد تعلیم کو ترقی دینا تھا۔ اس کانفرنس کے بنیادی مقاصد میں مسلمانوں میں اعلی مغربی تعلیم کو فروغ دینے کے ساتھ مسلمانوں کے انگریزی مدرسوں میں مذہبی تعلیم کو مستحکم کرنا اور دینی مدرسوں میں تنزلی کے اسباب کو تلاشنا تھا۔

لارڈ لٹن کے ہاتھوں 8 جنوری 1877ء کو 'ایم اے او کالج' کی سنگ بنیاد رکھی گئی۔ اسی موقع سے سر سید احمد خان نے وائس رائے کے سامنے یہ رپوٹ پیش کی کہ اسی جگہ سر اسٹریچی لفٹنٹ گورنر یوپی کے نام سے مرکزی ہال بنے گا جنھوں نے مختلف مواقع پر ہماری ہمت افزائی کی ہے۔ کلکتہ یونی ورسٹی سے بی اے کا الحاق ہو جانے کے بعد باقاعدہ ایک جنوری 1878ء سے بی اے کی کلاسوں کا آغاز ہوا۔ اس کالج کے اساتذہ میں ٹی ڈبلیو آرنلڈ، ٹی ماریسن، سید کرامت حسین، بابو جادو چند چکرورتی، ضیاء الدین، شبلی نعمانی، سید عباس حسین، پنڈت شو شنکر ترپاٹھی وغیرہ کے نام اہم ہیں۔

تعلیم کے ساتھ ساتھ طلبا کی جسمانی وذہنی نشو نما کے لیے مختلف کھیلوں کے لیے کلب بنائے گئے۔ ان کلبوں کی نگرانی ہندوستانی وبیرونی اساتذہ کرتے تھے۔ ان اساتذہ کی نگرانی میں طلبا کرکٹ، فٹ بال، گھوڑ سواری، جمناسٹک اور لان ٹینس کے کھیلوں میں اپنی صلاحیت کا مظاہرہ دکھاتے اور کھیلوں کی مشق کرتے۔ کھیل کے کلبوں کے علاوہ یونین کلب کا بھی قیام عمل میں آیا، اس کلب کے زیر انتظام مباحثے اور جلسے منعقد ہوتے تھے۔ مدرسۃ العلوم کا بنیادی مقصد انگریزی تعلیم کو فروغ دینا تھا اس کے مد نظر ایک انگزیزی کا ڈیبٹنگ کلب بھی قائم کیا گیا جس کا نام 'انٹرنس ڈیبٹنگ کلب' تھا۔

اس ادارے میں بلا تفریق قوم وملت کے ہندوستان کے تمام لوگوں کو پڑھنے کی اجازت تھی۔ سر سید احمد خان نے اس مدرسہ کے ابتدا میں ہی اس بات کو واضح کر دیا تھا کہ تحصیل علم کے لیے ہندو مسلمان طالب علم میں تفریق نہ کی جائے گی۔ اس کالج میں ہندو طلبا پڑھتے بھی تھے اور ہندو اساتذہ پڑھاتے بھی تھے۔ سید احمد خان نے جب مدرسۃ العلوم کی رپورٹ پیش کی تھی اس میں کہا تھا کہ 158 طلبا میں سے 129 مسلمان ہیں اور 37 ہندو ہیں۔ کمال کی بات یہ ہے کہ اس ادارے کے پہلے گریجویٹ ایشوری پرشاد تھے۔

سن 1920ء میں ایم اے او کالج (محمڈن اینگلو اورینٹل کالج) کو یونی ورسٹی کا درجہ مل گیا۔ اس یونیورسٹی کی پہلی چانسلر بیگم بھوپال (سلطان جہاں) تھیں اور اس کے پہلے وائس چانسلر راجہ محمود آباد علی محمد خاں تھے۔

وقت کے ساتھ ساتھ اس یونیورسٹی میں عمارتوں اور کورسیز کا اضافہ ہوتا رہا، آج اس ادارے میں فیکلٹی آف لائف سائنس، فیکلٹی آف انجنیرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، فیکلٹی آف آرٹس، فیکلٹی آف سوشل سائنس، فیکلٹی آف ایجوکیشن، فیکلٹی آف لائف سائنس، فیکلٹی آف تھیولوجی، فیکلٹی آف کامرس، فیکلٹی آف یونانی میڈیسن، فیکلٹی آف لا، فیکلٹی آف اگریکلچر سائنس، فیکلٹی آف مینجمنٹ اسٹڈیز

اینڈ ریسرچ، ڈپلومہ کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کی تعلیم کے لیے گریجویشن تک الگ سے عبد اللہ کالج اور بچوں کی تعلیم کے لیے اسکول کا انتظام ہے

3.2.3 ندوۃ العلماء

یہ ادارہ صوبہ اترپردیش کے مشہور شہر لکھنؤ میں گومتی ندی پر واقع ہے۔ اسلامی علوم کے ساتھ عربی زبان و ادب میں اس ادارے نے اپنی ایک غیر معمولی شناخت بنائی ہے۔ اس ادارے کا قیام لکھنؤ میں 26 ستمبر 1898ء میں عمل میں آیا۔ مولانا محمد علی مونگیری اور ان کے رفقاء کی کوششوں سے یہ ادارہ قائم ہوا۔

ندوۃ العلماء کے قیام سے پہلے ہندوستان میں مسلمانوں کے دو تعلیمی ادارے وجود میں آچکے تھے اور دونوں اداروں کے مقاصد کا رخ ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھا۔ سرسید کے ذریعہ قائم کیے گئے محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کا مقصد مسلمانوں میں انگریزی اور جدید تعلیم کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ انگریزوں اور مسلمانوں کے درمیان نفرت کو کم کرنا تھا تو دوسری طرف دیوبند کے علماء انگریز اور انگریزی تعلیم کے بالکل مخالف تھے۔ ایسے دور میں تحریک ندوۃ العلماء کی داغ بیل پڑی، اس تحریک کے روح رواں مولانا محمد علی مونگیری اور ان کے رفقا تھے جو ایک ایسے تعلیمی ادارے کی بنیاد ڈالنا چاہتے تھے جس میں مشرق و مغرب کا امتزاج پایا جاتا ہو اور اس ادارے میں ہر مسلک کے لوگ تعلیم حاصل کر سکتے ہوں۔

اپنے انہیں مقاصد کے پیش نظر 1892ء میں مدرسہ فیض عام کے سالانہ دستار بندی کے جلسے میں مولانا مونگیری نے ندوۃ العلماء کے قیام کی تحریک پیش کی، مسلم علماء کی ایک جماعت نے ایک کمیٹی تشکیل دی جو اس بات پر راضی تھی کہ وہ اگلے سال ندوۃ کا پہلا اجلاس کرے گی۔ ندوۃ العلماء کا پہلا اجلاس 22 تا 24 اپریل 1894ء مدرسہ فیض عام میں ہوا اور یہیں ندوۃ العلماء کا قیام عمل میں آیا۔ مولانا محمد علی مونگیری اتفاق رائے اس کے پہلے ناظم بنائے گئے۔ ندوۃ العلماء کے بانیان میں مولانا محمد علی مونگیری، ثناءاللہ امرتسری، احمد حسن کانپوری، علامہ شبلی نعمانی، مولانا حکیم سید عبد الحی، نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن شیروانی کے وغیرہ کے نام اہم ہیں۔

تاریخ ندوۃ العلماء، جلد اول کے مطابق تحریک ندوۃ العلماء کے پانچ بنیادی مقاصد تھے جو حسب ذیل ہیں:

1) ترقی تعلیم: وہ تنزل جو زمانے کے انقلاب اور ہماری بد قسمتی سے علوم اسلامیہ میں ہو گیا ہے، اور روز بروز ہوتا جا رہا ہے وہ کسی طرح روکا جائے، پھر اس میں برگ و بار پیدا کئے جائیں اور جو علوم عرصہ سے ہمارے نصاب میں داخل نہیں ہیں، اور جن کے نہ جاننے سے تعلیم یافتہ گروہ علمائے حال کو بری نظروں سے دیکھتا ہے، اضافہ کئے جائیں تاکہ علماء اس خدمت کو انجام دے سکیں، جو ایک زمانہ میں ہمارے اسلاف نے انجام دی ہے، اسی خیال پر دار العلوم ندوۃ العلماء کی بنیاد ڈالی گئی ہے۔

2) طریقہ تعلیم کی اصلاح: ہماری ناواقفیت کا صرف نصاب درس ہی ذمہ دار نہیں بلکہ طرز تعلیم ایسا ناقص ہو گیا ہے کہ جس کو قائم رکھ کر کبھی اس بات کی توقع نہیں ہو سکتی کہ طلبہ میں حوصلہ، بلندی نظری، مذاق صحیح، زمانے کی ضرورتوں سے واقفیت پیدا ہو، اور ملک و قوم میں وہ ہر طرح کا اعتبار پیدا کر سکیں۔

3) رفع نزاع باہمی: اس سے مقصود ان بیہودہ نزاعوں کا روکنا ہے، جس کی وجہ سے مسلمانوں کے مختلف گروہ میں نہایت شرمناک جھگڑے اور فساد برپا رہتے ہیں۔

4) درستئی اخلاق: آج مسلمانوں کے اخلاق ایسے بگڑے ہوئے ہیں کہ اکثر برائیوں میں نظیر پیش کی جاتی ہے، صاحب اخلاق ہونے کے اب یہ معنی سمجھے جاتے ہیں کہ نمائش اور تصنع سے کام لیا جائے، بد اخلاقی روز بروز بڑھتی جاتی ہے، جھوٹ، غیبت، فریب، خود غرضی، ایذا رسانی اور بد معاملگی کا رواج ہمارے اندر بڑھتا جاتا ہے، لہٰذا ندوۃ العلماء کا یہ مقصد ہے کہ وہ واعظین کے ذریعہ سے اس خرابی کو بھی دفع کرنے کی کوشش کرے۔

5) مسلمانوں کی بہبودی عام: اس مقصد کے ضمن میں بہت سی چیزیں آسکتی ہیں، مثلاً مسلمانوں کو کسب معاش کے جائز اور عمدہ وسائل کی طرف متوجہ کرنا، اور رسوم قبیحہ سے ان کو باز رکھنے کی کوشش کرنا۔

تحریک ندوۃ العلماء کا بنیادی مقصد اصلاح نصاب تھا۔ نیا نصاب تعلیم تیار کرنا اور اسے مدارس میں نافذ کرنا ایک مشکل امر ہے۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ نمونہ کے طور پر ایک ایسا مدرسہ تیار کیا جائے جہاں نئے نصاب تعلیم کے ذریعے تعلیم دی جائے اور عوام کے سامنے ایک مثال پیش کی جاسکے۔ جہاں کا طالب علم اسلامی علوم کے ساتھ ساتھ علوم جدیدہ سے بھی آشنا ہو اور زمانے کے چیلنجیز کا سامنے کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اس کے پیش نظر مولانا مونگیری نے دارالعلوم کا ایک خاکہ پیش کیا جسے کافی پسند کیا گیا۔ میرٹھ میں ہوئے ندوۃ العلماء کے چوتھے اجلاس میں ندوۃ کو کہاں قائم کیا جائے اس پر اظہار خیال ہوا۔ دہلی اور لکھنؤ میں دارالعلوم کو قائم کرنے کی بات چلی، بالآخر علماء کے اتفاق رائے سے لکھنؤ کو پسند کیا گیا۔ محلہ گولہ گنج میں واقع خاتون منزل میں 26 ستمبر 1898ء کو اس ادارے کی شروعات ہوئی۔

علی میاں ندوی کے دور میں اس ادارے نے بہت ترقی کی۔ 18 جولائی 1961 کو آپ ندوۃ العلماء کے ناظم بنائے گئے۔ ان کی کتاب 'انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر' نے بڑی شہرت پائی اور کئی زبانوں میں اس کتاب کے ترجمے ہوئے، اصل کتاب عربی زبان میں ہے۔ مولانا درجنوں کتاب کے مصنف ہیں۔ مولانا کی کوششوں سے ہی آکسفورڈ یونی ورسٹی لندن میں اسلامک سینٹر فار اسلامک اسٹڈیز قائم ہوا۔

آج اس ادارے میں عالم، فاضل، تخصص کے ساتھ کالج اور اسکولوں سے آنے والے طلبا کے لیے 5 سال کا خصوصی کورس چل رہا ہے۔ دوسرے مدارس سے بھی طلبا یہاں آکر عالیہ ثالثہ اور رابعہ میں داخلہ لیتے ہیں اور عالم کی ڈگری حاصل کرتے ہیں۔ بین الاقوامی طلبا بھی یہاں کثیر تعداد میں آتے ہیں جنہیں عربی زبان میں تعلیم دی جاتی ہے۔ اس ادارے کی لائبریری میں لاکھوں کی تعداد میں بیش قیمتی کتابیں موجود ہیں۔ اس ادارے سے 'البعث الاسلامی'، 'الرائد' اور تعمیر حیات جیسے مشہور مجلات وجرائد نکلتے ہیں۔

3.2.4 جامعہ ملیہ اسلامیہ

جامعہ ملیہ اسلامیہ کا قیام 29 اکتوبر 1920ء میں علی گڑھ اتر پردیش میں عمل میں آیا۔ اس ادارے کو قائم ہوئے ایک صدی کا عرصہ گزر چکا ہے۔ مرکزی جامعات کے اہم اداروں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ یہ ادارہ عدم تعاون تحریک (Non Coperation

Movement) جسے ہم ترک موالات کی تحریک بھی کہتے ہیں، کی اپج ہے۔ گاندھی جی نے جب ترک موالات کی تحریک شروع کی تو ان کے کہنے پر بہت سے لوگوں نے انگریزی اداروں کو چھوڑنا شروع کر دیا۔ مولانا محمد علی جوہر اور گاندھی جی کی آواز پر علی گڑھ کے چند طلبا اور اساتذہ نے اپنے ادارے کو خیر باد کہہ کر جامعہ کی بنیاد رکھی۔ ابتدا میں یہ ادارہ خیموں میں قائم ہوا، کھلے آسمان کے نیچے ان خیموں میں موجود طلبا و اساتذہ نے بے سروسامانی کی حالت میں اپنے تعلیمی سفر کا آغاز کیا۔ شروعاتی پانچ سالوں میں جن اساتذہ نے تعلیمی ذمہ داریوں کو نبھایا ان میں مولانا محمد علی، مولانا رشید احمد، حسن محمد حیات لارڈ، مولانا خواجہ عبدالحئی، مولوی سید محمد شرف الدین، مولانا اسلم جیراج پوری، عبدالمجید خواجہ، سید نوراللہ، ڈاکٹر ذاکر حسین، اور کرپاندھی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنے ایک خط میں جامعہ کو تحریک ترک موالات کا ایک تندرست بچہ کہا تھا۔ قیام کے وقت جامعہ کے جو مقاصد پیش نظر تھے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

"تعلیمی آزادی، دینی و دنیاوی علوم کی ہم آہنگی، اردو زبان میں تعلیم، وطن دوستی اور متحدہ قومیت، صنعت و حرفت، سادگی کفایت شعاری اور میانہ روی"۔

جامعہ کو چلانے کے لیے مالی پریشانیاں درپیش تھیں۔ شروعاتی دور میں خلافت کمیٹی نے ۱۰ ہزار روپے ماہانہ سے جامعہ کی مدد کی۔ جامعہ کے بانیان اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ جامعہ خلافت کمیٹی کے ماتحت رہے یا ملی اداروں کے سامنے جواب دہ ہو۔ جامعہ ایک آزاد ادارے کی حیثیت سے اپنی شناخت بنائے رکھنا چاہتی تھی۔ خلافت تحریک کے کمزور ہونے سے مالی معاونت بھی ختم ہو گئی، حالات اس قدر خراب ہو گئے کہ یہ تجویز دی جانے لگی کہ جامعہ کو بند کر دیا جائے۔ جامعہ کے پہلے امیر جامعہ حکیم اجمل خاں نے جب اس کا تذکرہ گاندھی جی سے کیا تو گاندھی جی نے کہا اسے چلانا ہی ہو گا۔ اگر روپے کی ضرورت پڑی تو میں بھیک مانگ لوں گا۔ حبیب باغ علی گڑھ میں حکیم اجمل خاں نے مجلس تاسیس میں مالی دشواریوں کے مدنظر جامعہ کو 17 مارچ سن 1925ء میں قرول باغ دہلی منتقل کرنے کی تجویز پاس کرالی۔

دہلی میں طبیہ کالج کے قرب وجوار میں کچھ خالی پڑی کوٹھیوں اور مکانوں کو کرائے پر لیا گیا اور مئی جون کی چھٹیوں میں علی گڑھ سے جامعہ کا سامان دہلی منتقل کر دیا گیا۔ دہلی منتقل ہو جانے کے بعد بہت سے لوگوں نے جامعہ سے علیحدگی اختیار کر لی۔ لیکن پھر بھی جامعہ سے کچھ ایسے لوگ جڑے ہوئے تھے جو کسی بھی حالت میں جامعہ کو بند نہیں ہونے دینا چاہتے تھے۔ ان ہی میں سے ڈاکٹر ذاکر حسین اور ان کے رفقاء تھے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین جب جرمنی سے لوٹے تو واپسی پر دو ایسی شخصیت ساتھ لے کر آئے جو جامعہ کے لیے کسی امید کی کرن سے کم نہیں تھے۔ وہ دو حضرات پروفیسر محمد مجیب اور سید عابد حسین تھے۔ سید عابد حسین نے رجسٹرار کا عہدہ سنبھالا اور پروفیسر محمد مجیب تاریخ اور سیاست کے استاد کی حیثیت سے اپنی خدمات پیش کرنے لگے۔

جامعہ کو اس کی مالی مشکلات سے نکالنے اور استحکام پہنچانے کی غرض سے ڈاکٹر ذاکر حسین اور ان کے ساتھیوں نے چندہ جمع کرنے کا کام شروع کر دیا۔ چندے کی غرض سے ڈاکٹر ذاکر حسین، ڈاکٹر عابد حسین، پروفیسر محمد مجیب اور شفیق الرحمن قدوائی گاندھی جی سے ملاقات کرنے سابرمتی آشرم گئے۔ گاندھی جی نے ان لوگوں کی کافی حوصلہ افزائی کی اور کہا کہ کسی بھی صورت میں یہ ادارہ بند نہیں ہونا چاہیے۔ اور وہ اس ادارے کے لیے گھر گھر جا کر چندہ مانگنے کو تیار ہیں۔ گاندھی جی نے اس بات پر بھی زور دیا کہ جامعہ سے اسلامیہ کا نام نہ ہٹایا جائے ورنہ

وہ اپنا رشتہ اس سے الگ کر لیں گے۔ گاندھی جی سے ملاقات کے بعد جامعہ کے بانیوں نے ملک میں گھوم گھوم کر چندہ اکٹھا کرنا شروع کیا۔ حیدر آباد، مدھیہ پردیش اور بہار سے خاطر خواہ چندہ اکٹھا ہوا۔ حکیم اجمل خاں اپنی علالت کے باوجود بہار تشریف لے گئے اور جامعہ کے لیے چندے کی اپیل کی۔ تعلیم بالغان کے لیے قرول باغ میں ہی حافظ فیاض احمد اور عبد الغفار مدھولی کی سرپرستی میں رات کے مدرسے کی بنیاد پڑی جس نے تعلیم بالغاں کے میدان میں قابل قدر خدمت انجام دیں۔

سن 1925ء میں ہی جامعہ کے نوجوان کارکنوں نے انجمن تعلیم ملی قائم کی جس کا مقصد جامعہ کو صحیح ڈھنگ سے چلانا اور ہر طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا تھا اور کسی بھی طرح اس ادارے کو بند نہیں ہونے دینا تھا۔ ان اراکین نے یہ عہد کیا کہ وہ بیس سال تک ڈیڑھ سو روپے سے زیادہ مشاہرہ نہیں لیں گے۔ تقریباً گیارہ لوگوں نے اس عہد نامہ پر دستخط کیے جن میں ڈاکٹر ذاکر حسین، پروفیسر محمد مجیب، مولانا اسلم جیراج پوری، حافظ فیاض احمد اور ارشاد الحق وغیرہ شامل تھے۔ اسی دوران سیٹھ جمنا لال بجاج بھی جامعہ سے جڑ گئے اور انہیں مجلس منتظمہ کمیٹی کا خازن بنا دیا گیا۔

جامعہ کے قیام کے بارہویں سال میں ریاست حیدر آباد کی طرف سے پچاس ہزار روپے موصول ہوئے جس سے اوکھلا میں آگرہ کینال کے پاس زمین خریدی گئی۔ اب اوکھلا میں دھیرے دھیرے تعلیمی سرگرمیاں بڑھنے لگیں، سالانہ اجلاس ہونے لگے۔ سن 1933ء میں مدرسہ ابتدائی میں تجربے کے طور پر کنڈر گارٹن کی کلاسیں شروع کی گئیں۔ اس جماعت کا آغاز ایک جرمن خاتون گرڈا فلپس بورن کی سرپرستی میں ہوا۔ ایک مارچ 1935 کو اوکھلہ میں جامعہ کی عمارتوں کا سنگ بنیاد رکھ دیا گیا۔ 1936ء میں مدرسہ ابتدائی کے مقیم طلبا کو قرول باغ سے یہاں منتقل کر دیا گیا اور جامعہ کی مناسبت سے اس علاقے کا نام جامعہ نگر رکھ دیا گیا۔

سن 1949-50 کے آس پاس جامعہ کو دیہی یونی ورسٹی بنانے کی بھی کوشش کی گئی لیکن اس میں کامیابی نہیں ملی۔ 1954 میں دیہات میں اعلیٰ تعلیم کے لیے رورل انسٹی ٹیوٹ کھولے گئے۔ اس اسکیم کے تحت جامعہ میں رورل سروسز اور رورل انجنیئرنگ کا شعبہ قائم ہوا۔ جامعہ کو امید تھی کہ آگے چل کر اس انسٹی ٹیوٹ کو رورل یونی ورسٹی کا درجہ مل جائے گا، لیکن حکومت کی بدلتی پالیسیوں کی وجہ سے اس میں بھی کامیابی نہیں مل سکی۔ حکومت کا زور رورل یونی ورسٹی کے بجائے ایگری کلچر یونی ورسٹیوں کی طرف چلا گیا۔

جامعہ کے کارکنوں کی یہ کوشش تھی کہ جامعہ کو ایک قومی ادارہ بنا کر پیش کرنا ہے اور اس کے لیے جامعہ والوں نے اسے یونی ورسٹی کا درجہ دلانے کی مہم شروع کر دی۔ ایک یونی ورسٹی کو جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے اسے پورا کرنے کے لیے چندے جمع کیے گئے اور مختلف کمیٹیاں بنا کر جامعہ پر غور وخوض کیا جانے لگا۔ یونی ورسٹی گرانٹس کمیشن کو جامعہ کی طرف سے رپورٹ پیش کی گئی اور سن 1962ء میں یو جی سی کی طرف سے پانچ لوگوں کی ایک ٹیم نے جامعہ کو آکر دیکھا اور اپنی رپورٹ جمع کی۔ 22 جون 1962 کو یو جی سی نے جامعہ کو یو جی سی ایکٹ دفعہ 3 کے تحت یونی ورسٹی کا درجہ دے دیا۔

سن 1988ء میں ہندوستانی پارلیمنٹ کے ایکٹ کے تحت جامعہ کو مرکزی یونی ورسٹی کا درجہ ملا۔ مدرسہ ابتدائیہ سے اپنی شروعات کر کے آج یہ ادارہ ملک کا ایک عظیم ادارہ بن کر ابھرا ہے۔ نرسری سے لے کر پی ایچ ڈی تک کی تعلیم کا بہترین انتظام ہے، فی الوقت اس

ادارے میں 20 ہزار سے زائد طلبا زیر تعلیم ہیں۔اس ادارے میں چار اسکول کے ساتھ ساتھ 9 فیکلٹی ، 43 شعبے اور تقریباً 30 سینٹرس موجود ہیں۔ طلبا و طالبات کے لیے ہاسٹل کی بہترین سہولیات موجود ہیں۔ طلبا کے کھانے پینے کا معقول انتظام ہے۔ جامعہ کی کینٹینوں میں ایک کینٹین 'دستر خوان' بھی ہے جو اپنی نوعیت کی ایک منفرد کینٹین ہے۔اس کینٹین میں کام کرنے والوں کا عملہ عورتوں پر مشتمل ہے۔اس عملے میں زیادہ تر وہ خواتین شامل ہیں جو بیوہ، مطلقہ یا جن کے گھر میں کوئی مرد کمانے والا نہیں ہے۔

3.3 کتب خانے

3.3.1 خدا بخش لائبریری

خدا بخش اورینٹل لائبریری صوبہ بہار کی راجدھانی پٹنہ میں اشوک روڈ پر واقع ہے۔پٹنہ اسٹیشن سے اس کی مسافت تقریباً ۴ کلو میٹر ہے۔ خان بہادر خدا بخش کے ذریعے یہ کتب خانہ 29 اکتوبر 1891ء کو عوام کے لیے شروع کیا گیا تھا۔ مشرقی کتابوں اور مخطوطات (قلمی نسخوں) کے لیے یہ کتب خانہ دنیا بھر میں مشہور ہے۔ تقریباً 21 ہزار مخطوطات (قلمی نسخے) اس کتب خانے میں موجود ہیں۔

مولوی خدا بخش نے تقریباً 4000 کتابوں سے اس کتب خانے کی شرعات پٹنہ والوں کے لیے کی تھی جس میں 1400 کتابیں انہیں اپنے والد مولوی محمد بخش سے ورثہ میں ملی تھی۔ کتب خانہ کے لیے دو منزلہ عمارت 1888ء میں بن کر تیار ہوئی۔اس کتب خانے کی شروعات عربی، فارسی، اردو اور ترکی کے ان چار ہزار مخطوطات سے ہوئی جو خدا بخش کی ذاتی ملکیت میں تھی۔ یہ کتب خانہ ان کے والد مولوی محمد بخش کی دیرینہ خواہش پر شروع کی گئی تھی۔ دو منزلہ عمارت تیار ہو جانے کے بعد 1891ء کو بنگال کے گورنر سر چارلس الیٹ کے ہاتھوں اس لائبریری کا افتتاح عمل میں آیا۔

مولوی خدا بخش ان مخطوطات کی تاریخی و علمی اہمیت کو سمجھتے تھے، وہ چاہتے تھے کہ ان کتابوں سے اہل علم فائدہ اٹھائیں، اس کے مد نظر انہوں نے اپنی تمام کتابوں کو ڈیڈ آف ٹرسٹ کے تحت خدا بخش اورینٹل لائبریری کو عطیہ کر دیں۔ حکومت ہند نے سن 1969ء کے ایکٹ آف پارلیمنٹ کے تحت اس ادارے کو قومی اہمیت کا حامل ادارہ قرار دیا۔اب اس ادارے کی دیکھ ریکھ اور اخراجات وزارت ثقافت ہند کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔

اس کتب خانے کے اہم مخطوطات میں ہرن کی کھال پر خط کوفی میں لکھا ہوا قرآن مجید کا ورق ہے، جس کی نسبت حضرت علی کی طرف ہے۔اس کے علاوہ امیر تیمور سے لے کر جلال الدین محمد اکبر کے دور تک کے حالات پر مبنی 'تاریخ خاندان تیموریہ' بھی ہے۔اس مخطوطہ میں عہد اکبری کے مشہور مصوروں کے ذریعے بنائے گئے 133 تصاویر موجود ہیں۔اس مخطوطہ کی کوئی نقل یا دوسرا نسخہ دنیا کے کسی بھی کتب خانے میں موجود نہیں ہے۔ اسی طرح سولہویں صدی کا ایک مخطوطہ 'شہنشاہ نامہ' ہے جس میں ترکی سلطان محمد ثالث کا ذکر موجود ہے۔

اس کتب خانے کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے اپنے تمام مخطوطات کی فہرست سازی کے ساتھ ساتھ انہیں ڈیجٹلائز بھی کر دیا

ہے۔ اس کتب خانے میں مختلف زبانوں کی ڈھائی لاکھ سے زیادہ کتابیں موجود ہیں۔ یہ کتب خانہ اپنا ریسرچ جرنل بھی نکالتا ہے، جو پچھلے چالیس سالوں سے مسلسل شائع ہو رہا ہے اور اس کے تقریباً 150 شمارے شائع ہو چکے ہیں۔

مولوی خدا بخش:

مولوی خدا بخش کی پیدائش 2 اگست 1842ء میں صوبہ بہار کے ضلع سیوان سے 6 کلو میٹر دور اکھائی گاؤں میں ہوئی۔ خدا بخش کے جد امجد اورنگ زیب کے دربار سے وابستہ تھے۔ ان کا کام کتابوں کی دیکھ ریکھ اور مملکت کے کاموں کا ریکارڈ لکھ کر محفوظ کرنا تھا۔ خدا بخش کے والد محمد بخش پٹنہ کے مشہور وکلاء میں شمار ہوتے تھے۔ انہیں قلمی کتابوں کو جمع کرنے کا بڑا شوق تھا۔ انہوں نے اپنی آمدنی کا بڑا حصہ مخطوطات کے خریدنے پر صرف کیا۔ خدا بخش جب بڑے ہوئے تو ان کے والد انہیں گاؤں سے پٹنہ لے آئے اور انہیں ہائی اسکول میں داخل کر دیا۔ 1859 میں خدا بخش نے میٹرک کا امتحان امتیازی نمبروں سے حاصل کیا۔ لا کی تعلیم کے لیے ان کے والد نے انہیں کلکتہ بھیج دیا پر وہاں کا موسم انہیں راس نہیں آیا۔ مسلسل طبیعت خراب رہنے کی وجہ سے وہ پٹنہ واپس آ گئے اور پھر پٹنہ یونیورسٹی سے لا کی تعلیم سن 1868ء میں مکمل کی۔

لا کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد خدا بخش نے پٹنہ میں ہی وکالت شروع کر دی اور کچھ ہی دنوں میں ان کا شمار پٹنہ کے اچھے وکلاء میں ہونے لگا۔ سن 1876ء میں ان کے والد کا انتقال ہو گیا، مرنے سے پہلے ان کے والد نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ ان کے پاس جو گراں قدر کتابیں ہیں ان سے لوگ فائدہ اٹھائیں اور اس کے لیے ایک لائبریری قائم کی جائے۔ سن 1877ء میں وہ پٹنہ میونسپل کارپوریشن کے پہلے وائس چیرمین بنائے گیے اور سن 1891 میں تعلیم کے میدان میں ان کے کاموں کے اعتراف میں "خان بہادر" کے اعزاز سے بھی نوازے گیے۔

سن 1895ء میں ہائی کورٹ، نظام حیدرآباد میں چیف جسٹس کے عہدے پر فائز ہوئے۔ حیدر آباد میں تین سال گزارنے کے بعد وہ واپس پٹنہ لوٹ آئے اور پھر سے وکالت شروع کر دی۔ حیدر آباد سے واپسی کے بعد ان کی صحت نے ان کا ساتھ نہ دیا اور ایک روز وہ لقوے کا شکار ہو گئے۔ اس مرض کی وجہ سے انہوں نے اپنے آپ کو صرف لائبریری کے کاموں تک محدود کر لیا۔ انہیں لائبریری کا سکریٹری بنا دیا گیا اور 200 روپے ماہانہ ان کے پینشن کے طور پر باندھ دئے گئے۔ اس مرض سے وہ ابھر نہیں پائے اور 3 اگست 1908 کو اپنے رب سے جا ملے۔

3.3.2 رضا لائبریری

رضا لائبریری صوبہ اتر پردیش کے مشہور شہر رام پور میں واقع ہے۔ دہلی سے یہ لائبریری تقریباً 200 کلو میٹر اور رام پور ریلوے اسٹیشن سے 2 کلو میٹر کی مسافت پر واقع ہے۔ آزادی ہند سے قبل یہ شہر ریاست رام پور کے نام سے جانا جاتا تھا۔ اس ریاست کی بنیاد نواب فیض اللہ خان نے سن 1774ء میں رکھی تھی۔ رضا لائبریری کی بنیاد بھی ریاست رام پور کے نواب نے رکھی اور ان کے جانشینوں نے اسے فروغ دیا۔ یہ کتب خانہ تاریخی کتابوں، مخطوطات، تصاویر، خطاطی کے نمونوں، تاریخی دستاویزات اور مجسموں کے لیے مشہور ہے۔ اس

لائبریری میں تقریبا بیس ہزار مخطوطات، 5ہزار منی ایچر (Miniature) پینٹنگس، اسلامی خطاطی کے 3 ہزار نایاب نمونے اور اردو، فارسی، عربی، سنسکرت، ترکی، تمل اور ہندی کی 80 ہزار مطبوعہ کتابیں ہیں اور ایسے نوادرات بھی ہیں جن کی نظیر دنیا کے کتب خانوں میں نہیں ملتی۔

نواب فیض اللہ خان نے محل کے توشہ خانہ میں موجود اپنے ذاتی کتابوں سے اس کتب خانے کی شروعات کی۔ اکثر و بیشتر نوابین علمی و ادبی ذوق رکھتے تھے اس لیے انہوں نے اسکالرس، خطاطوں اور مصوروں کی خوب سرپرستی کی۔ اپنے ذوق کے مطابق انہوں نے اس کتب خانے کو آراستہ کیا۔ نواب فیض اللہ خان کے بعد نواب احمد علی خاں 1794-1840)) نے اس کتب خانے کے مجموعوں میں قابل قدر اضافہ کیا۔

اس کتب خانے کو مزید تقویت نواب محمد سعید خان (1840-1855) کے دور میں ملی۔ وہ بہت علم دوست انسان تھے۔ انہوں نے پہلی مرتبہ لائبریری کا ایک نیا شعبہ قائم کیا اور اسے ایک نئے روم میں منتقل کیا۔ کتابوں کو محفوظ رکھنے کے لیے لکڑی کی الماری تیار کرائی گئی۔ کتب خانے کے انتظام و انصرام کے لیے ایک افغانی اسکالر مولوی آغا یوسف علی کا تقرر ہوا، ان کے ذمہ کتابوں کو موضوع کے اعتبار سے صحیح ترتیب دینا اور ان کا ریکارڈ رکھنا تھا۔ کتابوں کی جلد سازی، خطاطی اور تزئین کاری کے لیے کشمیر اور ہندوستان کے دوسرے علاقوں سے مشہور و معروف خطاطوں اور جلد سازوں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ نواب سعید خان کے دور میں ہی کتابوں کے لیے مہر تیار کی گئی جس پر فارسی کہ یہ شعر لکھا تھا "ہست ایں مہرِ کتب خانہ ،والی رام پورفرزانہ"۔ جس کا مطلب (یہ کتب خانہ کی مہر ہے، رام پور کے نواب کی طرف سے)۔

سن 1855ء میں نواب یوسف علی خان تخت نشین ہوتے ہیں، نواب یوسف علی خان خود ادبی ذوق رکھتے تھے اور شاعری کیا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنا تخلص "ناظم" رکھا تھا۔ یہ غالب کے شاگردوں میں تھے۔ آب زر سے لکھا ہوا ان کا دیوان آج بھی رضا لائبریری میں موجود ہے۔ نواب کلب علی خان (1865-1887) کے دور میں مخطوطات، خطاطی کے نسخوں اور پینٹنگس میں قابل ذکر اضافہ ہوا۔ مغلیہ دور اور اودھ کے کتب خانوں سے مخطوطات، تصاویر اور دستاویزات جمع کرنے پر لوگوں کو معمور کیا۔ وہ خود مخطوطات کی جانچ پڑتال کرتے تھے اور اس کی اہمیت کو قلم بند کرتے تھے۔ دوران حج نواب صاحب نے قلمی نسخوں کو ڈھونڈا اور انہیں لائبریری میں جمع کیا حج کے دوران انہیں ساتویں صدی کا چمڑے پر لکھا قرآن کریم کا وہ نسخہ بھی ملا جس کی نسبت حضرت علی کی طرف ہے۔

نواب مشتاق علی خان کے دور میں جنرل اعظم خان کی دیکھ ریکھ میں لائبریری کی نئی عمارت قائم کی گئی اور توشہ خانے سے سن 1892ء میں نئی عمارت میں منتقل کر دیا گیا۔ لائبریری کی دیکھ ریکھ کے لیے علیحدہ بجٹ پاس کیا گیا اور اس لائبریری کو اسکالرس اور اہل علم کے استفادے کے لیے کھول دیا گیا۔

نواب حامد علی خان (1889-1930) اعلی تعلیم یافتہ تھے۔ ریاست کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد انہوں نے کئی عمدہ عمارتیں بنوائیں جن میں ایک حامد منزل بھی ہے۔ حامد منزل ہند یوروپی طرز پر بنی ایک شاندار عمارت ہے۔ سن 1904ء میں یہ عمارت بن کر تیار

ہوئی، سن 1957ء میں اسی حامد منزل میں لائبریری کو منتقل کر دیا گیا۔ نواب حامد علی خان نے کتب خانے کی دیکھ بھال کے لیے کئی اصلاحات کیں اور آرٹ کے بہت سے مجموعوں کا اضافہ کیا۔ نواب حامد علی کے دور میں حکیم اجمل خاں، مولانا نجم الغنی خان اور حافظ احمد علی خان ''شوق'' جیسے باکمال لوگوں نے اس کتب خانے کے انتظام کو چلایا۔ نواب رضا علی خان کو موسیقی سے بہت دلچسپی تھی، انہوں نے اس فن کی بہت سی نایاب کتابوں کو لائبریری کی زینت بنایا۔

آزادی ہند کے بعد رام پور ریاست کو سن 1949ء میں ہندوستان کی یونین میں شامل کر لیا گیا۔ لائبریری کے انتظام و انصرام کے لیے 6 اگست 1951ء میں ایک ٹرسٹ بنایا گیا اور سن 1975ء تک یہ ادارہ اسی ٹرسٹ کے تحت چلتا رہا۔ ایک جولائی سن 1975ء میں حکومت ہند نے پارلیمنٹ ایکٹ کے تحت اس ادارے کو اپنی تحویل میں لے لیا اور نواب سید مرتضی علی خان کو اس ادارے کا وائس چیرمین بنا دیا گیا۔ حکومت ہند نے سن 1982ء میں نواب سید مرتضی علی کی وفات کے بعد اس ادارے کو قومی اہمیت کا حامل ادارہ قرار دیا۔ اب اس ادارے کی دیکھ ریکھ اور اخراجات وزارت ثقافت ہند کے ذریعے کیا جاتا ہے۔

اس کتب خانے کی نوادرات میں چمڑے پر حضرت علی کے ہاتھوں سے لکھا ہوا کوفی رسم الخط میں قرآن کریم کا نسخہ، ابن مقلہ کے ہاتھوں سے لکھا ہوا قرآن، امام سفیان ثوری کی تفسیر، تفسیر طبری کے فارسی ترجمے کی پہلی جلد، کلیات سعدی، کلیات خسرو، شاہ نامہ فردوسی کے قدیم نسخے، ملک محمد جائسی کی پدماوت، راج کمار منوہر اور مدھومالتی کی عشقیہ داستان کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں مخطوطات موجود ہیں۔ امتیاز علی عرشی، حافظ احمد علی اور حکیم محمد حسین خان کے ذریعے تیار کردہ مخطوطات کی فہرست میں وہاں موجود مخطوطات کو دیکھا جا سکتا ہے۔

3.3.3 آصفیہ لائبریری حیدرآباد

آصف شاہی حکومت کی اس لائبریری کا شمار ہندوستان کے مشہور کتب خانوں میں ہوتا ہے۔ یہ کتب خانہ دریائے موسیٰ کے کنارے واقع محلہ افضل گنج، حیدر آباد دکن میں ہے۔ آصف شاہی حکومت میں اس کی بنیاد پڑنے کی وجہ سے اسے آصفیہ لائبریری کہا جاتا ہے۔ آصف شاہی حکومت کے خاتمہ کے بعد سن 1956ء میں اس کتب خانے کا نام آصفیہ لائبریری سے بدل کر 'حیدر آباد صوبائی مرکزی لائبریری' (State Central Library Hyderabad) کر دیا گیا۔ عربی فارسی و اردو کے نادر مخطوطات اور مختلف زبانوں کی طبع شدہ کتابوں کے وجہ سے اس کی شہرت عام ہے۔ نام پلّی حیدر آباد ریلوے اسٹیشن سے ساڑھے تین کلومیٹر اور سالار جنگ میوزیم سے ایک کلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے۔

میر محبوب علی خان کے عہد حکومت میں آل انڈیا مسلم لیگ کے مشہور لیڈر نواب سید حسین بلگرامی (عماد الملک بہادر) کی کوششوں سے سن 1891ء میں یہ کتب خانہ قائم ہوا۔ یہ کتب خانہ ان کی ذاتی کتابوں سے شروع ہوا اور اس کام میں مولانا عبد القیوم نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ آصف جاہی حکومت کے ساتویں حاکم میر عثمان علی خان نے سن 1932ء میں اس کتب خانے کی تعمیر کا حکم دیا۔ آصف جاہی حکومت کے مھندس عزیز علی کی سرپرستی میں اس کتب خانے کا کام شروع ہوا۔ 72،274 گز کے رقبے میں یہ پر شکوہ عمارت بن کر تیار

ہوئی،اس عمارت کی بناوٹ میں مسلم طرز تعمیر کا پورا خیال رکھا گیا ہے۔اس عمارت کا بیرونی مرکزی حصہ نصف دائرہ نما ہے۔ عمارت کے اطراف میں لوہے کی جالیاں اور ریلنگ لگائی گئی جس پر آصف جاہ سابع اور سلطنت کا مونوگرام لگا ہوا تھا۔ جو اس بات کی گواہی دیتے تھے کہ یہ عمارت آصف جاہی دور کی ہے جسے اب اکھاڑ دیا گیا ہے۔اس دو منزلہ عمارت کے تعمیر ہو جانے کے بعد 1936ء میں پرانی آصفیہ لائبریری کو نئی عمارت میں منتقل کر دیا گیا۔ 3 لاکھ کی لاگت سے بنی اس عمارت کا افتتاح خود میر عثمان علی خان نے کیا۔ میر عثمان علی خان کے زمانے تک اس کتب خانے میں کتابوں کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ اس کتب خانے کے پہلے انچارج مولوی سید علی طباطبائی تھے۔ طباطبائی کی وفات کے بعد سید تصدیق حسین کنتوری انچارج ہوئے۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ اس کتب خانے کہ اہمیت مخطوطات یعنی قلمی نسخوں کہ وجہ سے ہے۔ عربی وفارسی کے دس ہزار سے زائد قلمی نسخے اس کتب خانے میں موجود ہیں۔ عربی، فارسی اور اردو کے علاوہ تلگو، تمل، فرانسیسی، ہندی، انگریزی اور دسری زبانوں کی تقریباً پانچ لاکھ سے زائد کتابیں یہاں موجود ہیں۔ سید تصدیق حسین کنتوری نے سن 1332ھ میں کتب خانے میں موجود کتابوں کی فہرست تیار کر کے شائع کی تھی۔ اس کتب خانے میں گیارھویں صدی سے لے کر سولہویں صدی تک کے قدیم نسخے موجود ہیں۔ 1967ء میں اس کتب خانے کے تقریباً سترہ ہزار سے زائد مخطوطات کو آندھرا پردیش کے تحقیقاتی ادارے (Oriental Manuscripts & Research Institute) میں منتقل کر دیا گیا۔

اس کتب خانے کے اہم مخطوطات مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ تاریخ کابل: اس کے مؤلف شجاع الملک شاہ ہیں۔190 اوراق پر مشتمل یہ کتاب تیرہویں صدی میں لکھی گئی۔

2۔ فتح نامہ نادر شاہی: دہلی کی فتح کے بعد نادر شاہ کا اپنے بیٹے رضا قلی کے نام خط۔

3۔ تذکرہ اولیاء دہلی: 135 صفحات پر مشتمل دہلی کے مشائخ اور ادبی شخصیات کے حالات زندگی۔

4۔ طبقات شاہ جہانی: اس کے مؤلف ملا محمد صادق ہیں۔ یہ کتاب علمی، ادبی اور سیاسی شخصیات کے حالات پر مشتمل ہے۔

5۔ جادۃ العاشقین: اس کے مؤلف شرف الدین حسن سمرقندی ہیں۔ یہ کتاب کمال الدین خوارزمی کے حالات زندگی پر مشتمل ہے۔

6۔ طبقات المحدثین ممن اصبہان من الصحابۃ والتابعین: اس کے مؤلف ابو محمد عبد اللہ بن محمود ہیں۔ اس کتاب میں اصفہان سے آنے والے صحابہ اور تابعین کا ذکر کیا ہے۔

7۔ طبقات صوفیہ: اس کے مؤلف ابو العباس احمد بن محمد موسیٰ ہیں۔ اس کتاب میں اہل تصوف کے مشائخ کا تذکرہ موجود ہے۔

8۔ شذور العقیان فی تراجم الاعیان: اس کے مؤلف سید اعجاز حسین نیشاپوری ہیں۔

9۔ طبقات القراء: اس کے مؤلف محمد بن احمد صوفی ہیں۔ اس کتاب میں علم قراءت اور بعض قراء کا تذکرہ موجود ہے۔

10۔ تاریخ ترکستان: یہ کتاب فارسی میں ہے۔ اس کتاب میں ترکستان اور ماوراالنہر کے بارے میں بیان ہوا ہے۔

11۔ تاریخ ابو مسلم خراسانی: امیر علی شیر نوائی کے زمانے میں یہ کتاب لکھی گئی۔اس کتاب میں ابو مسلم خراسانی کے جنگوں کا تذکرہ موجود ہے۔

3.3.4 مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ

مولانا آزاد لائبریری ہندوستان کی عظیم یونی ورسٹی علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کی مرکزی لائبریری ہے۔اس لائبریری کی بنیاد 1877ء میں اس وقت پڑی جب لارڈ لٹن وائس رائے گورنر جنرل ہند علی گڑھ کی مرکزی عمارت اسٹریچی ہال کا سنگ بنیاد رکھنے آئے تھے۔اسی موقع سے سر سید نے اعلان کیا تھا کہ کالج کی لائبریری کا نام وائس رائے کے نام پر 'لٹن لائبریری' رکھا جائے گا۔اس لائبریری میں تقریباً چودہ لاکھ کتابیں موجود ہیں، اور اس کا شمار دنیا کی بڑی لائبریریوں میں ہوتا ہے۔

لٹن لائبریری کو سر سید ہال کی ایک منزل میں قائم کر دیا گیا۔کتابوں کے اضافے اور طلبا کی بڑھتی ہوئی تعداد اور ان کی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے ایک نئی عمارت بنانے کا پروگرام بنایا گیا۔1955ء میں ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہروں کے ہاتھوں اس نئی عمارت کا سنگ بنیاد رکھوایا گیا۔9 دسمبر 1956ء کو اس عمارت کا افتتاح ہوا اور اس لائبریری کا نام لٹن لائبریری سے بدل کر ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد کے نام پر 'مولانا آزاد لائبریری' رکھ دیا گیا۔

اس سات منزلہ عمارت کا صدر دروازہ اندلسی طرز پر بنا ہوا ہے۔دروازے کے دونوں جانب لمبے لمبے کشادہ ہال ہیں باہر سے دیکھنے پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ عمارت باہیں پھیلائے آنے والوں کا استقبال کر رہی ہے۔اس کتب خانے میں عربی، اردو و فارسی کے علاوہ سنسکرت اور ہندی کے بیش قیمتی مخطوطات موجود ہیں۔ اسلام اور ہندوازم پر مبنی تقریبا 16,117 قلمی نسخے اس کتب خانے کے مینو اسکرپٹ سیکشن میں محفوظ ہیں۔ مخطوطات کے علاوہ مذہب، سائنس، ادب، آرٹ اور دوسرے علوم جدیدہ پر مبنی لاکھوں کی تعداد میں کتابیں موجود ہیں۔اس لائبریری کی سب اہم بات یہ کہ اس لائبریری کے سر سید روم میں ایم اے او کالج کے زمانے کے تمام دستاویز، رجسٹر، تصاویر اور انسٹی ٹیوٹ گزٹ یونی ورسٹی کی تاریخ کے طور پر محفوظ ہیں۔اس کتب خانے کی تین لاکھ ستائیس ہزار کتابوں کا تعلق صرف مشرقی علوم سے ہے جس میں اردو، فارسی، عربی، ہندی اور سنسکرت کی کتابیں ہیں جو تمام رائج علوم کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

اٹھارویں اور انیسویں صدی کی طبع شدہ کتابیں اس لائبریری کے پاس کافی مقدار میں ہیں جو اب کمیاب ہیں۔ مخطوطات میں اس کتب خانے کے پاس سب سے اہم قرآن کریم کا وہ نسخہ ہے جس کی نسبت حضرت علی کی طرف منسوب ہے۔ٹیپو سلطان کا جامہ قرآن بھی اس لائبریری میں محفوظ ہے۔اس کتب خانے چند اہم مخطوطات مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ معز الانساب: اس قلمی نسخے میں تیموری خاندان اور ان کے نام و نسب کا ذکر ہے۔40 اورق کی کتاب ہے۔

2۔ نظام التواریخ: اس کے مؤلف ابو سعید عبد اللہ ابن علی بیضاوی ہیں۔اس 41 صفحے کی کتاب میں مؤلف نے قدیم زمانے سے لیکر اپنے زمانے تک کے ایرانی بادشاہوں کا تذکرہ کیا ہے۔یہ کتاب 1140ھ میں لکھی گئی۔

3۔ تاریخ الفی: محمد قاسم فرشتہ نے تاریخ فرشتہ کا مواد اسی کتاب سے حاصل کیا ہے۔

4۔ نصرت نامہ ترخان:اس کے مؤلف ابو سعید محمد بن بایز بورانی ہیں:234 ورق کی اس کتاب میں مؤلف نے دسویں صدی کے واقعات کو جمع کیا ہے خاص طور سے خراسان کا جائزہ لیا ہے۔ اس کتاب میں اس وقت کے ادباء و علماء کا تذکرہ بھی موجود ہے۔

5۔ تاریخ الفی:374 صفحے کی یہ کتاب تاریخ پر مبنی ہے جس میں مؤلف نے تاریخی ادوار کے لحاظ سے واقعات کو جمع کیا ہے۔ تاریخ فرشتہ کے مؤلف محمد قاسم فرشتہ نے تاریخ فرشتہ لکھتے وقت اسی کتاب کو تاریخی ماخذ کے طور پر استعمال کیا ہے۔

6۔ نصرت نامہ ترخان: ابو سعید محمد بن بایز بورانی اس کے مؤلف ہیں۔ اس کتاب میں دسویں صدی کے خراسان کے حالات کا جائزہ لیا ہے۔ اس کتاب میں مؤلف نے اس دور کے علماء اور ادباء کا بھی ذکر کیا ہے۔

7۔ خلاصہ عباسی:اس کتاب کے مؤلف محمود بن عبد اللہ ہیں۔ مؤلف نے اس کتاب میں شاہ طہماسپ کی وفات کے بعد کے حالات کا تذکرہ کیا ہے۔ صفوی دور کی معلومات کے لیے یہ ایک مستند کتاب ہے۔

8۔ تواریخ الحکماء:اس کے مؤلف عنایت علی حسینی دہلوی ہیں۔اس کتاب کی تالیف ۱۲۵۶ھ میں ہوئی جس میں اسلام سے قبل اور بعد کے حکیموں کا تذکرہ موجود ہے۔ یہ قلمی نسخہ نستعلیق رسم الخط میں ہے۔

9۔ مرآت البلاد:اس کتاب کے مؤلف ہاشم علی رضوی ہیں۔ اس کتاب میں مؤلف نے تاریخی شہروں اور قصبوں کے حالات کو قلم بند کیا ہے۔

10۔ مخزن الغرائب: اس کتاب کے مؤلف احمد علی ہاشمی ہیں۔ 561 اوراق پر مشتمل اس کتاب میں 3153 فارسی شعرا کے حالات قلم بند کئے گئے ہیں۔ یہ نسخہ نستعلیق رسم الخط میں ہے۔

3.3.5 ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری

ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری جامعہ ملیہ اسلامیہ ، نئی دہلی کی مرکزی لائبریری ہے۔ اس کتب خانے کا قیام 1922ء میں عمل میں آیا۔ ہندوستان کی اہم لائبریریوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ 1973ء میں جامعہ کے شیخ الجامعہ اور ہندوستان کے سابق صدر جمہوریہ 'ڈاکٹر ذاکر حسین' کے نام پر اس لائبریری کا نام رکھا گیا۔ اہم مخطوطات کے ساتھ لاکھوں کی تعداد میں اس کتب خانے میں کتابیں موجود ہیں۔

اس لائبریری کا آغاز علی گڑھ میں ایک الماری میں موجود مولانا محمد علی جوہر کی ذاتی کتابوں سے شروع ہوا۔ بعد میں جامعہ کے اساتذہ اور طلبا نے اپنی کتابیں اس لائبریری کو دیں اور اہل خیر حضرات سے کتابیں دلوائیں۔ سن 1922ء میں جامعہ نے اس ملک کے لوگوں سے ایک اپیل شائع کی کہ وہ جامعہ کی لائبریری کی مدد فرمائیں۔ اس اپیل کا خاطر خواہ فائدہ نظر آیا اور بہت سے اہل خیر حضرات نے اس کتب خانے کو کتابوں کی عطیات بھیجیں۔ کتابوں کی عطیات بھیجنے والوں میں مفتی انوار الحق، جناب سیف اللہ بھٹی رئیس گجرانوالہ، عبد المجید خواجہ، صاحب زادہ ساجد علی صاحب علی گڑھ، عبد القیوم نقوی سہسوان (بدایوں)، بیگم ڈاکٹر انصاری، نصرت میر خاں فرخ آباد، بیگم پادری احمد شاہ، محمد اکرام مصنف موج کوثر، امانت سید جالب ایڈیٹر ہمدم وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

کتابوں کی عطیات کے ساتھ جامعہ لائبریری کو مالی امداد بھی ملی۔ تقریباً ایک ہزار روپے کی مالی مدد سے جامعہ نے عربی کی

دینی کتابیں خریدیں۔ پیسے دینے والے شخص نے اپنا نام مخفی رکھنے کی درخواست کی تھی اور کسی بھی صورت میں اس کے نام کو ظاہر کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ ان عطیات سے کتب خانے میں کتابوں کا قابل قدر اضافہ دیکھنے کو ملا۔ فروری 1923ء تک جامعہ نے اپنے بجٹ سے آٹھ ہزار روپے کی کتابیں خریدیں اور ہر سال کتابوں کی خرید پر کچھ روپے صرف کیے جانے لگے۔ جامعہ کے جشن سیمیں کے موقع پر جامعہ لائبریری کی کتابوں کی تعداد 25 ہزار تک پہنچ گئی تھی۔

جامعہ لائبریری کی تمام کتابیں قرول باغ میں ایک کرائے کے مکان میں رکھی ہوئی تھیں۔ سن ۱۹۴۰ء میں مدرسہ ثانوی اور جامعہ کالج کو جب جامعہ نگر منتقل کیا گیا تو یہاں بھی لائبریری کا ایک شعبہ قائم کر دیا گیا۔ اس لائبریری کو مدرسہ ثانوی کے ایک ہال میں قائم کیا گیا اور تقریباً ایک ہزار ضروری کتابیں اس لائبریری میں منتقل کر دی گئیں۔ جامعہ کے اساتذہ، طلبا اور جامعہ کے مقامی لوگ اس لائبریری سے فائدہ اٹھانے لگے۔ اس لائبریری کی حیثیت ایک پبلک لائبریری جیسی تھی۔ اس لائبریری میں ایک انتظام یہ بھی کیا گیا تھا کہ ضروری کتابوں کو روزانہ صدر لائبریری قرول باغ سے جامعہ نگر لانے اور لے جانے کا انتظام تھا۔ اساتذہ اور مقامی لوگ اپنی مطلوبہ کتابیں لکھوا دیتے اور ایک دن کی دیری سے انہیں کتابیں مل جاتی۔

اس لائبریری میں دینی علوم کی کتابوں کے ساتھ ساتھ دوسرے مضامین کی بکثرت کتابیں موجود تھیں، مثلاً فلسفہ، لسانیات، فنون لطیفہ، اردو، فارسی، عربی، انگریزی، جرمن، فرانسیسی، اطالوی، روسی ادب، اور دنیا کے مختلف ملکوں کی تاریخ وغیرہ۔ عربی، فارسی اور اردو کے اہم مخطوطات اس لائبریری کے پاس موجود ہیں جن کی مجموعی تعداد 2237 ہیں۔ 14 ویں سے 20 ویں صدی تک کی اہم پینٹنگس بھی اس لائبریری کے پاس موجود ہے۔ اس لائبریری میں ایک گوشہ 'محمد علی میوزیم' کے نام سے تھا جس میں مولانا کے مکتوبات، روزنامچے، قلمی نظمیں ان کی تصنیف 'اسلام دی کنگ ڈم آف گاڈ' کا مسودہ موجود تھا۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے تبرکات بھی اسی میوزیم میں رکھے گئے تھے۔

1946ء تک اس لائبریری کی اپنی کوئی عمارت نہیں تھی پر لائبریری کا اثاثہ دولاکھ سے زائد تھا۔ لائبریری دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ لائبریری کا ایک حصہ مدرسہ ثانویہ جامعہ نگر میں قائم تھا تو دوسرا حصہ قرول باغ کے ایک کرائے کی عمارت میں تھا۔ جامعہ کے تعلیمی ضروریات کے بڑھنے سے لائبریری کی اپنی عمارت کی شدید ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ اس ضرورت کے مد نظر جامعہ کی منتظمہ کمیٹی نے جامعہ کے جشن سیمیں کے نئے منصوبوں میں لائبریری کی عمارت کو بھی شامل کیا۔ دہلی کے فسادات میں جامعہ کی لائبریری کو کافی نقصان پہنچا، بچی ہوئی کتابیں اور اثاثے کو 1947ء میں جامعہ نگر منتقل کر دیا گیا اور اور جامعہ کے مختلف عمارتوں میں رکھ دیا گیا۔ طلبا اور اساتذہ کی روزمرہ کی کتابوں کی ضروریات شعبہ جاتی لائبریریوں سے پوری ہوتی تھیں۔ کتب خانے کی عمارت بن جانے کے بعد تمام شعبہ جاتی لائبریریوں کو مرکزی لائبریری میں شامل کر دیا گیا۔

لائبریری کی موجودہ عمارت حکومت سعودی عرب کی اعانت سے تعمیر ہوئی۔ 2006ء میں سعودی عرب کے سلطان سلمان بن عبدالعزیز نے جامعہ کی آمد پر جامعہ کو تین ملین ڈالر کا نذرانہ پیش کیا تھا جس سے ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری کی چار منزلہ شاندار عمارت بنائی

گئی۔ 2009ء میں اس عمارت کا افتتاح ہوا فی الوقت یہ لائبریری ایک لاکھ اسکائر فٹ میں بنی ہوئی ہے۔ طلبا کی بڑھتی ہوئی تعداد کا خیال رکھتے ہوئے پرانی لائبریری کو ریڈنگ روم بنا دیا گیا ہے۔ ہزاروں طلبا ایک ساتھ بیٹھ کر اس لائبریری میں پڑھ سکتے ہیں۔ طلبا کی آسانی کے لیے ریڈنگ روم میں ریفرنس سیکشن اور ریسرچ اسکالر کے لیے علیحدہ ریڈنگ روم کی سہولیات موجود ہیں۔

ذاکر حسین لائبریری نے اپنی تمام کتابوں کی فہرست سازی کر کے آن لائن اور آف لائن دونوں طریقے کی سہولیات فراہم کرائی ہے۔ لائبریری میں رکھے کمپیوٹر اور اپنے گھر سے بھی ہم لائبریری میں موجود کتابوں کو با آسانی تلاش کر سکتے ہیں۔ 17 ہزار سے زائد جرنلس اور کتابیں لائبریری کے ڈاٹا بیس میں موجود ہے جسے آن لائن ہم کہیں سے بھی پڑھ سکتے ہیں۔ یہ لائبریری ریسرچ اسکالرس کے لیے ریسرچ کے طریقہ کار اور لائبریری کے استعمال کے طریقوں پر ورک شاپ اور لیکچرس کا بھی اہتمام کرتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ لائبریری بیچلر ان لائبریری اینڈ انفارمیشن سائنس (BLISc) اور ماسٹرس ان لائبریری اینڈ انفارمیشن سائنس (MLISc) کا کورس بھی کراتی ہے۔

3.4 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- 1857 کی بغاوت کے بعد ہندوستان میں بہت سارے تعلیمی ادارے وجود میں آئے۔ مثلاً دیوبند، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، ندوۃ العلماء، جامعہ ملیہ اسلامیہ وغیرہ۔ تعلیمی اداروں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں نے کتب خانوں کی طرف بھی توجہ دی۔ تعلیم و تعلم میں کتابوں کی اہمیت کے پیش نظر انہوں نے کتب خانوں کی تعمیر کی اور اچھی کتابوں کو جمع کرنے میں کافی کوشش کی اسی لیے ہندوستان کے تقریباً ہر صوبہ میں نادر کتب خانے موجود ہیں۔
- دیوبند کے قیام سے مسلمانوں کی مذہبی ضروریات پوری ہوئیں۔ خاص طور سے مشنریوں کے جال سے مسلمانوں کو بچایا اور جنگ آزادی میں مسلمانوں کو انگریزوں کے خلاف مضبوطی سے کھڑا کیا۔ دیوبند کے قیام سے مسلمانوں کو استحکام نصیب ہوا اور اس ادارے نے برصغیر میں اسلامی علوم کے میدان میں ایک کلیدی رول انجام دیا۔
- علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے قیام سے مسلمانوں کو ایک زندہ قوم بن کر ابھرنے کا موقع ملا۔ اس ادارے نے مسلمانوں میں انگریزی تعلیم اور عصری علوم کو پروان چڑھایا۔ سرسید نے جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کا بھی شعبہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں کھولا۔ سرسید اپنے ادارے سے ایسے اشخاص تیار کرنا چاہتے تھے جس کے ایک ہاتھ میں دینی علوم دوسرے ہاتھ میں سائنس اور سر پر کلمہ طیبہ کا تاج ہو۔
- ندوۃ العلماء کے قیام نے مدارس کے اصلاح نصاب میں ایک نئے باب کا آغاز کیا۔ ندوۃ العلماء نے اپنے نصاب میں دینی تعلیم کے ساتھ انگریزی اور دوسری زبانوں کو بھی شامل کیا۔ مولانا محمد علی مونگیری اس تحریک کے روح رواں تھے۔
- جامعہ ملیہ اسلامیہ، عدم تعاون تحریک (Non Cooperation Movement) جسے ہم ترک موالات کی تحریک بھی کہتے ہیں کی اپج ہے۔ مولانا محمد علی جوہر اور گاندھی جی کی آواز پر علی گڑھ کے چند طلبا اور اساتذہ نے اپنے ادارے کو خیر باد کہہ کر جامعہ کی

بنیاد رکھی۔26اکتوبر1920کو جامعہ کی تاسیس عمل میں آئی۔ سن 1988ء میں اس ادارے کو مرکزی یونیورسٹی کا درجہ ملا۔

- مولوی خدا بخش نے تقریباً4000کتابوں سے خدا بخش لائبریری کی شرعات پٹنہ والوں کے لیے کی تھی۔ کتب خانہ کے لیے دو منزلہ عمارت 1888ء میں بن کر تیار ہوئی۔ اس کتب خانے کی شروعات عربی، فارسی، اردو اور ترکی کے ان چار ہزار مخطوطات سے ہوئی جو خدا بخش کی ذاتی ملکیت میں تھی۔
- رامپور رضا لائبریری نواب فیض اللہ خان نے محل کے توشہ خانہ میں موجود ذاتی کتابوں سے اس کی شروعات کی۔ انہوں نے اسکالرس، خطاطوں اور مصوروں کی خوب سرپرستی کی۔ اپنے ذوق کے مطابق انہوں نے اس کتب خانے کو آراستہ کیا۔ نواب فیض اللہ خان کے بعد نواب احمد علی خاں1794-1840))نے اس کتب خانے کے مجموعوں میں قابل قدر اضافہ کیا۔
- آصف شاہی حکومت کی اس لائبریری کا شمار ہندوستان کے مشہور کتب خانوں میں ہوتا ہے۔ یہ کتب خانہ دریائے موسیٰ کے کنارے پر واقع افضل گنج، حیدرآباد دکن میں ہے۔ آصف شاہی حکومت کے خاتمہ کے بعد سن 1956ء میں اس کتب خانے کا نام آصفیہ لائبریری سے بدل کر 'حیدرآباد صوبائی مرکزی لائبریری' کر دیا گیا۔
- مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کی مرکزی لائبریری ہے۔ اس لائبریری کی بنیاد ۱۸۷۷ء میں اس وقت پڑی جب لارڈ لٹن وائس رائے گورنر جنرل ہند علی گڑھ کی مرکزی عمارت اسٹریچی ہال کا سنگ بنیاد رکھنے آئے تھے۔ 1955ء میں ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کے ہاتھوں اس نئی عمارت کا سنگ بنیاد رکھوایا گیا۔ 9دسمبر 1956ء کو اس عمارت کا افتتاح ہوا اور اس لائبریری کا نام لٹن لائبریری سے بدل کر ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد کے نام پر 'مولانا آزاد لائبریری' رکھ دیا گیا۔
- ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی کی مرکزی لائبریری ہے۔ اس کتب خانے کا قیام 1922ء میں عمل میں آیا۔ جامعہ کے شیخ الجامعہ اور ہندوستان کے سابق صدر جمہوریہ 'ڈاکٹر ذاکر حسین' کے نام پر اس لائبریری کا نام رکھا گیا ہے۔

3.5 نمونہ امتحانی سوالات

3.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. مولانا قاسم نانوتوی کا تعلق کس ادارے سے ہے؟

(a). ندوۃ العلماء (b). دارالعلوم دیوبند (c). دارالعلوم دیوبند وقف (d). مدرستہ الاصلاح

2. سرسید نے کس یونیورسٹی کے طرز پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی تعمیر؟

(a). آکسفورڈ (b). کیمبرج (c). جامع ازہر (d). مدرسہ نظامیہ

3. مولانا محمد علی مونگیری نے کس ادارے کی بنیاد رکھی؟

(a). علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (b). دارالعلوم دیوبند (c). مدرسہ فیض عام (d). ندوۃ العلماء

4. جامعہ ملیہ اسلامیہ کا قیام کس سن میں عمل میں آیا؟

1930.(a) 1920.(b) 1925.(c) 1935.(d)

5. جامعہ کے کون سے چانسلر صدر جمہوریہ رہے؟

(a). حکیم اجمل خان (b). ڈاکٹر ذاکر حسین (c). طاہر بھائی خوراکی والا (d). نجمہ ہبۃ اللہ

6. خدابخش لائبریری کہاں واقع ہے؟

(a). ٹونک (b). ممبئی (c). پٹنہ (d). کلکتہ

7. رضا لائبریری کس نواب نے قائم کی؟

(a). نواب بھوپال (b). نواب رام پور (c). نواب فیض آباد (d). نواب لکھنؤ

8. آصفیہ لائبریری کس حکومت میں قائم ہوئی؟

(a). مغل دور (b). آصف الدولہ (c). آصف جاہی (d). بہمنی سلطنت

9. ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری کا قیام کس سن میں عمل میں آیا؟

1920.(a) 1922.(b) 1925.(c) 1935.(d)

10. مولانا آزاد لائبریری کس یونیورسٹی میں واقع ہے؟

(a). حیدرآباد (b). جامعہ ملیہ اسلامیہ (c). علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (d). مانو

3.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. دیوبند کے قیام پر مختصر نوٹ لکھیں۔
2. علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے قیام میں سرسید کی کوششوں کو مختصراً بیان کریں۔
3. ندوۃ العلماء کے لکھنؤ منتقل ہونے سے پہلے کے واقعات بیان کریں۔
4. خدابخش کے حالات زندگی پر روشنی ڈالیں۔
5. آصفیہ لائبریری پر ایک نوٹ لکھیں۔

3.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قیام پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیں۔
2. دیوبند اور ندوۃ العلماء کا تجزیہ پیش کریں۔

3. رضالائبریری پر ایک مضمون لکھیں۔

3.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1.	1947ء کے بعد ہندوستان میں اسلامی تحریکیں	:	پروفیسر اقتدار محمد خاں
2.	سوانح قاسمی	:	نواز دیوبندی
3.	احاطہ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن	:	مولانا مناظر احسن گیلانی
4.	سرسید احمد خاں اور ان کا عہد	:	ثریہ حسین
5.	سرسید ااور ان کے کارنامے	:	نورالحسن نقوی
6.	قومی تعلیمی تحریک	:	شمس الرحمن محسنی
7.	جامعہ کی کہانی	:	عبدالغفار مدہولی

اکائی 4: عصری تعلیم اور اسلام

اکائی کے اجزا:

4.0 تمہید

4.1 مقاصد

4.2 تعلیم کی اہمیت وضرورت

4.3 اسلام میں تعلیم کی اہمیت

4.4 اسلامی نظریہ تعلیم اور مغربی نظریہ تعلیم

4.5 اسلامی نظام تعلیم

4.6 علوم وفنون-عہد اسلامی میں

4.7 عصری تعلیم اور اسلام

4.8 موجودہ عصری علوم کی اصطلاح

4.9 اکتسابی نتائج

4.10 نمونہ امتحانی سوالات

4.10.1 معروضی سوالات کے حامل جوابات

4.10.2 مختصر سوالات کے حامل جوابات

4.10.3 طویل سوالات کے حامل جوابات

4.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

4.0 تمہید

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس نے انسانی زندگی کے ہر پہلو کا خیال رکھا ہے اور اس سلسلہ میں واضح ہدایات دی ہیں۔ انسان کے حوالہ سے جب اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو یہ بات مکمل طور پر ابھر کر سامنے آتی ہے کہ انسانی زندگی سے تعلق رکھنے والی تمام

تعلیمات اور ہدایات بہت ہی متوازن اور سائنٹفک ہیں کہ ان میں انسان کی نفسیات کا بھرپور خیال رکھا گیا ہے۔ تعلیم کسی بھی انسان کے لیے بنیادی ضرورت ہے لہذا تعلیم کے حوالہ سے بھی اسلام میں واضح ہدایات ملتی ہیں۔

4.1 مقاصد

اس اکائی کے مقاصد میں انسانی زندگی میں تعلیم کی اہمیت وضرورت، اسلام میں تعلیم کی اہمیت اور اسلامی نظریہ تعلیم کو اجاگر کرنا شامل ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس پہلو پر بھی روشنی ڈالی جائے گی کہ اسلامی دور کا نظام تعلیم کیا تھا اور اس عہد میں کون کون سے علوم وفنون پروان چڑھے تھے۔ تعلیم کی تقسیم یعنی دینی اور عصری تعلیم کا قضیہ کب شروع ہوا؟ عصری تعلیم کا کیا مفہوم ہے اور اسلام کے نظام حیات میں اس تعلیم کا کیا مقام ومرتبہ ہے؟ اور انسانی نفسیات پر جدید تعلیم کے کیا کیا اثرات ۔ مثبت و منفی ۔ مرتب ہوئے ہیں؟۔

4.2 تعلیم کی اہمیت وضرورت

کسی بھی سماج کو ترقی یافتہ بنانے اور کسی بھی معاشرہ کے افراد کو باوقار بنانے میں تعلیم ہی بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ اس کی اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر اسے انسان کے بنیادی حقوق کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔ انسان کی تخلیق کی بنیادی وجہ "تعلیم یافتہ" ہونا ہے کہ قرآنی آیات کے مطابق جب اللہ تبارک وتعالی نے "انسان" کی تخلیق کا فیصلہ کیا تو فرشتوں نے اعتراض کیا کہ زمین میں خون بہانے والے اور فساد پھیلانے والے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا ہم تیری تسبیح، تحمید اور تقدیس کے کافی نہیں ہیں؟ ان کے اعتراض کو دور کرنے کے لیے اللہ تبارک وتعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کو پہلے زیور تعلیم سے آراستہ کیا پھر انہیں ملائکہ کے سامنے پیش کرتے ہوئے ان سے کچھ سوالات پوچھے۔ انہوں نے جب اپنی عاجزی کا اعتراف کر لیا تو باری تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان سوالات کا جواب دینے کا حکم دیا اور انہوں نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ان سوالات کے صحیح جوابات دے دیے۔

قرآن کی نظر میں انسان کا صرف "تعلیم یافتہ" ہونا کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اسے کچھ ہدایات وتعلیمات بھی دی گئی ہیں کہ "تعلیم یافتہ" ہونے کے ساتھ ساتھ ان پر عمل پیرا بھی ہونا ضروری ہے۔ ان ہدایات کا اندازہ حضرت آدم علیہ السلام کی تعلیم کے دوسرے مرحلہ سے ہوتا ہے کہ انہیں کچھ کام کرنے اور کچھ نہ کرنے کی ہدایات دی گئیں لیکن وہ ابلیس کے بہکاوے میں آکر خالق باری کا پڑھایا ہوا سبق بھول گئے اور وہ کر بیٹھے جنہیں نہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا لہذا انہیں جنت سے نکل کر زمین پر آنا پڑا۔ زمین پر نزول آدم سے ہی انسانی زندگی کا آغاز ہوتا ہے اور تعلیم وتربیت کا سلسلہ ہو جاتا ہے۔ قرآن میں مذکور تعلیم کے تیسرے مرحلہ کا تعلق حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں سے ہے۔ اس مرحلہ میں براہ راست تعلیم نہیں دی گئی ہے بلکہ "عمل" کے ذریعہ تدفین کا ڈھنگ سکھایا جاتا ہے گویا اسے "عملی تعلیم" کا نمونہ کہا جا سکتا ہے۔

قرآن کریم میں حضرت آدم علیہ السلام کے علاوہ دیگر انبیاء کا "تعلیم یافتہ" ہونا اور انہیں مختلف علوم وفنون کے سکھائے جانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن کریم کی وضاحتوں کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک کے

تمام انبیاء کی تعلیم وتربیت کا سماوی انتظام کیا گیا تھا، ساتھ ہی ساتھ ان کی تعلیم وتربیت کا ایک غیر سماوی انتظام بھی کیا گیا تھا تاکہ وہ اپنے دینی اور دنیاوی امور کو بخوبی انجام دیں سکیں۔ اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں بھی تعلیم وتربیت کی اہمیت اور ضرورت کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ انسان کی بنیادی ضرورت ہے اور اس سے آراستہ ہونے کے بعد وہ اپنے تمام امور بخوبی انجام دے سکتا ہے۔ تعلیم ہی انسان اور حیوان کے درمیان حد فاصل ہے اور وہی اس کے شرف وکمال اور امتیاز کا سبب بھی ہے۔ بقول مولانا شہاب الدین ندوی رحمہ اللہ "اگر انسان سے علم اور عقل وشعور کی یہ صفات سلب کرلی جائیں تو پھر اس میں اور ایک جانور میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا ہے"۔

تاریخ انسانی کا کوئی عہد ایسا نہیں ہے جس میں تعلیم کو نظر انداز کیا گیا ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ انسانی تاریخ کے مختلف ادوار میں تعلیم کا مفہوم ونظریہ الگ الگ تھے اور اس کے حصول کے وسائل بھی جدا جدا تھے۔ انسان چونکہ اپنے زمانہ کا اسیر ہوتا ہے لہذا اسے محسوس ہوتا ہے کہ اس کے زمانہ کا نظام تعلیم سب سے بہتر ہے اور وہ اس نظام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نتیجہ میں وہ ترقی کے مدارج طے کرتا چلا جاتا ہے۔ ہر عہد کا نظام تعلیم اپنے سے پہلے والے عہد کا خوشہ چیں ہوتا ہے لہذا وہ گذشتہ عہد کے نظام تعلیم سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے عہد کو بہتر بناتا ہے اس طرح گویا ابتدائے آفرینش سے لے کر اب تک کے نظام تعلیم میں ایک تسلسل پایا جاتا ہے اور وہ مسلسل آگے بڑھتے ہوئے اور ترقی کے مدارج طے کرتے ہوئے ہمارے عہد تک جا پہنچتا ہے۔ موجودہ عہد کا نظام تعلیم اپنی بلندیوں پر نظر آتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ اپنی آخری منزل پر پہنچ چکا ہے۔ غالبا یہی احساس ہر عہد کے افراد میں پایا جاتا رہا ہو گا لیکن ہماری یا ان کی سوچ غلط ہے کہ تعلیم کا قافلہ ہمیشہ ایک تسلسل کے رواں دواں رہتا ہے اور وہ کہیں رکتا نہیں ہے۔

موجودہ زمانہ میں تعلیم کی اہمیت اور ضرورت کچھ زیادہ ہی بڑھی ہوئی نظر آتی ہے اس زمانہ کی تمام ترترقیاں تعلیم کی ہی مرہون منت ہیں۔ تعلیم نے ہی انسانی زندگی کو اعلی ترین مقام پر پہنچا دیا ہے۔ انسان اپنی تعلیم کی بنیاد پر روزانہ نت نئے تجربات کر رہا ہے اور ان حقائق کو سامنے لا رہا ہے جو کل تک خواب وخیال کی بات سمجھی جاتی تھی۔ تعلیم نے ہی اسے اس قدر صلاحیت سے نواز دیا ہے کہ وہ ایک طرف آسمانوں میں اڑتا پھر رہا ہے تو دوسری طرف سمندروں میں غوطہ زن ہو رہا ہے، کہیں ان جنگلوں میں خیمہ زن ہو رہا ہے جہاں تک سورج کی روشنی بھی پہنچنے سے قاصر ہے تو کہیں ان بے آب وگیاہ سرزمین اور برفیلے مقامات کی خاک چھان رہا ہے جہاں انسانی زندگی تو دور کی بات کسی بھی قسم کی زندگی کے آثار نہیں پائے جاتے ہیں۔ آسمان، سمندر، جنگل وبیابان، صحرا اور ریگستان میں پیش آنے والی تمام مشکلات پر اس نے صرف اپنی تعلیم کی بنیاد پر ہی قابو پایا ہے اور ان میں چھپے ہوئے قدرت کے خزانے کو کھوج نکالا ہے اور وہاں کے عجائبات کو آشکارا کر دیا ہے۔ انسان کی ان جانفشانیوں نے جہاں کائنات کی مختلف جہتوں کو وا کیا ہے وہیں کائنات کے مختلف حصوں میں پائی جانے والی مختلف قسم کی معدنیات سے استفادہ کی راہ ہموار کر دی ہے۔ ان معدنیات کی بازیافت نے انسانی زندگی میں ایک انقلاب برپا کر دیا ہے۔

4.3 اسلام میں تعلیم کی اہمیت

اسلام میں تعلیم کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے انسان کو جو سب سے پہلا حکم دیا ہے وہ پڑھنے کا ہے۔" اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ○ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ○ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ " قرآن کی پہلی وحی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھنے کا حکم دیا جارہا ہے۔ اس اولیں آیت کریمہ کے ذریعہ دیے جانے والے حکم سے اس بات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام میں تعلیم کی کتنی اہمیت ہے۔ قرآن کی صرف پہلی وحی میں ہی تعلیم کی اہمیت کو اجاگر نہیں کیا گیا ہے اور اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے بلکہ متعدد آیات کریمہ میں تعلیم اور اس ہمیت کا ذکر کیا گیا ہے جیسے "إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ "(سورہ فاطر:28)اور" هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ "(سورہ زمر:9)وغیرہ۔ قرآن کریم کے علاوہ احادیث نبویہ کی خاصی تعداد میں بھی تعلیم اور اس کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے" طلب العلم فریضة علی کل مسلم "۔ ان احادیث کی معتد بہ تعداد کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حدیث کے تقریباً ہر مجموعہ میں "کتاب العلم" کے نام سے ایک باب پایا جاتا ہے۔

اسلام میں تعلیم کی اہمیت کا ذکر بار بار ملتا ہے۔ ایک طرف جہاں اسے "کار نبوت" قرار دیا گیا ہے تو دوسری طرف اسے اعلی اخلاق وصفات سے مزین کرنے کا ایک اہم ذریعہ بتایا گیا ہے۔ قرآن کریم کی آیات اس بات کی شاہد ہیں کہ انبیاء کرام نے دیگر کار نبوت کے ساتھ ساتھ "معلم" کے فرائض بھی انجام دیے تھے۔ ان کے ان کردار کو کہیں واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے تو کہیں بین السطور۔ قرآن میں مذکور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار بنیادی فرائض منصبی میں "تعلیم" بھی شامل ہے۔ ارشاد باری ہے "هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ "(سورہ جمعہ:2)۔ ایک طرف جہاں قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "معلم" قرار دیتا ہے تو دوسری طرف خود زبان رسالت سے "انما بعثت معلما" اور "انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق" جیسے ارشادات صادر ہوتے ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصد صرف اور صرف "معلم" ہونا بتایا ہے "ان اللہ لم یبعثنی معنتا ولا متعنتا، ولکن بعثنی معلما میسرا "(صحیح مسلم، کتاب الطلاق، 11)۔ غالباً پورے ذخیرہ احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دیگر کار نبوت کا ذکر اتنے واضح الفاظ کے ساتھ نہیں کیا ہے۔ حضرت معاویہ بن حکم سلمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی پوری زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا "استاد" نہیں دیکھا "ما رایت معلما قبله ولا بعده احسن تعلیما منه "(مسند احمد حنبل)۔

ایک طرف جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا اہم کار نبوت درس و تدریس کو قرار دیا ہے وہیں اس بات کی عملی کوششیں بھی کی ہیں کہ امت مسلمہ میں تعلیم و تعلم کو فروغ حاصل ہو۔ متعدد احادیث اس بات پر شاہد ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو تعلیم حاصل کرنے اور تعلیم دینے پر ابھارا ہے اور "اصحاب صفہ" کے مختلف جماعتوں میں سے اس جماعت کو زیادہ پسند فرمایا تھا جو تعلیم و تعلم میں مصروف

رہتی تھی۔ مذکورہ بالا قرآنی آیات، احادیث نبویہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام میں تعلیم کو کتنی اہمیت دی گئی۔

4.4 اسلامی نظریہ تعلیم اور مغربی نظریہ تعلیم

اسلام نے حیات انسانی کی فلاح و بہبود کے پیش نظر ایک مکمل اور جامع نظام حیات پیش کیا ہے جس میں حیات انسانی کی تمام تر ضروریات کا بھرپور خیال رکھا گیا ہے۔ اسلام نے اپنے نظام حیات میں "مسئلہ تعلیم" کو بہت زیادہ واضح اور دوٹوک انداز میں پیش کیا ہے۔" تعلیم" کے حوالہ سے اس کے پیش کردہ نظام میں جہاں ایک طرف تعلیم حاصل کرنے اور دوسروں کو تعلیم دینے پر ابھارا گیا ہے تو وہیں دوسری طرف اسے فروغ دینے کے مختلف ذرائع، مختلف ڈھنگ اور طریقوں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ تعلیم حاصل کرنے کے فوائد اور نہ کرنے کے نقصانات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ علم حاصل کرنے والوں اور نہ کرنے والوں کے درمیان فرق کو واضح کرتے ہوئے تعلیم و تعلم کے دیگر پہلوؤں کے حوالہ سے رہنما اصول وضوابط کو بھی باقاعدہ طور پر مرتب کیا گیا ہے۔

اسلام کا نظریہ تعلیم بہت سیدھا سادہ ہے اس میں کسی قسم کی پیچیدگی نہیں پائی ہے۔اس میں انسانی نفسیات ،اس کی بنیادی ضروریات کے ساتھ ساتھ دیگر ضروریات ،کارزار حیات کام آنے والے دیگر امور اور انسانی زندگی میں پیش آنے والی مشکلات اور ان کے حل کا بھرپور خیال رکھا گیا ہے۔ اسلام کے نظریہ تعلیم کی بنیاد "انسان کو اپنے رب کو پہچاننے اور اس کے اوامر واحکامات کو بجالانے" پر رکھی گئی ہے۔ اسی وجہ سے قرآنی آیات میں بار بار اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ کائنات کے نظام پر غور وفکر کریں تاکہ وہ اپنے رب کو آسانی سے پہچان سکیں۔ قرآنی آیات میں انسان کو کائنات کے نظام پر بار بار غور وفکر کرنے دعوت اس لیے دی گئی ہے کہ باری تعالی نے کائنات کے نظام میں کچھ ایسی نشانیاں رکھ دی ہیں کہ معمولی عقل وشعور والا شخص بھی اپنے رب کو آسانی کے ساتھ پہچان سکتا ہے اور اس کی وحدانیت اور مطلق العنان ہونے کا ادراک کر سکتا ہے۔

اسلامی نظریہ تعلیم کے مقابلہ میں اس وقت مغرب کے نظریہ تعلیم کو قبول عام حاصل ہو چکا ہے اور پوری دنیا میں مغربی نظام تعلیم رائج ہے۔ مغربی نظریہ تعلیم ،اسلام کے نظریہ تعلیم سے بالکل الگ اور جداگانہ ہے کہ اس کا مقصد اپنے رب کو نہ پہچاننا اور اس کے احکامات پر عمل نہ کرنا ہے۔ مغربی نظام تعلیم کی بنیاد صرف "مادہ اور اس کا حصول" پر قائم ہے جس کے نتیجہ میں مختلف قسم کی برائیاں سماج اور معاشرہ میں پیدا ہو گئیں ہیں۔

اسلامی نظریہ تعلیم اور مغربی نظریہ تعلیم میں بنیادی فرق یہ کہ اول الذکر میں مذہب کو تعلیم سے یا تعلیم کو مذہب سے الگ نہیں کیا گیا ہے جب کہ مؤخر الذکر کے مطابق مذہب کا تعلیم سے یا تعلیم کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے اور مذہب اور تعلیم دو الگ الگ دھارے ہیں جو الگ الگ بہہ رہے ہیں جن آپس میں ملنا ممکن نہیں ہے۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین علیہ الرحمہ کے بقول یہی وجہ ہے کہ مغرب کے کسی بھی تعلیمی ادارہ میں مذہب کو نصاب تعلیم کا جز نہیں بنایا جاتا ہے۔ اسلامی نظریہ تعلیم اور جدید نظریہ تعلیم کے فرق کو واضح کرتے ہوئے ممتاز احمد

عبد اللطیف نے لکھا ہے:

"دنیا کی دو بڑی طاقتیں جہاں دوسرے عالمی امور پر قابض ہیں وہیں تعلیم کے میدان میں ان کا سکہ رائج ہے۔امریکہ جمہوریت کا علمبردار ہے اس لیے اس کے زیر اثر ممالک اپنا نظام تعلیم اس کے نظریے کے مطابق مرتب کرتے ہیں۔جن کے نزدیک تعلیم کا مقصد قومیت کی بنیاد پر افراد کو مملکت کا اچھا شہری بنانا ہے،جہاں افراد کو تحریر وتقریر، تعلیم و تبلیغ،جلسہ وجلوس،مذہب وعقیدہ اور اپنی رائے کے اظہار کا پورا پورا حق حاصل ہوتا ہے۔اس کے برعکس روس اشتراکیت کا علمبردار ہے اس لیے اس کے زیر اثر ممالک اپنا تعلیمی نظام اس کے نظریہ تعلیم کے مطابق ڈھالتے ہیں جن کے نزدیک تعلیم کا مقصد "افراد کو سماج کا بے لوث خادم بنانا ہے"۔دوسرے الفاظ میں "افراد کو مادہ پرست،مذہب دشمن،اخلاق اور روحانی قدروں کا بیخ کن اور خدا کا باغی بنانا ہے"۔

چونکہ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے،پوری انسانیت کی کامیابی اس کے دامن سے وابستہ ہے اس لیے اسلامی تعلیم کا مقصد افراد کو صالح بنانا ہے یعنی سماج کے افراد کی عقلی،فکری اور اخلاقی قوتوں کو اجاگر کر کے صحیح رخ پر ڈالنا ہے جس کی روشنی میں انسان اپنے خالق ومالک کو پہچانے اور خدا کی عائد کردہ ذمہ داریوں کو نبھا سکے"۔

سوال یہ اٹھتا ہے کہ اسلامی نظریہ تعلیم اور مغربی نظریہ تعلیم کے درمیان اتنا بڑا فرق کیوں پایا جاتا ہے کہ دونوں کا مطمح نظر ہی الگ ہو کر رہ گیا ہے؟اسی طرح یہ بھی سوال اٹھتا ہے کہ اسلامی نظریہ تعلیم ہی کیوں صحیح ہے اور مغربی نظریہ تعلیم کیوں غلط ہے؟۔ڈاکٹر محمد رفیع الدین علیہ الرحمہ بقول اس کا جواب یہ ہے کہ 'اس فرق کی بنیادی وجہ انسان اور کائنات کے حوالہ سے پائے جانے والے نظریات کا اختلاف ہے۔انسان وکائنات کے حوالہ سے جس کا جو نظریہ ہوگا اسی نظریہ کے حساب سے وہ اپنا نظام تعلیم مرتب کرے گا لہذا جو جس کا مقصد زندگی ہوگا وہی اس کا مقصد تعلیم بھی ہوگا۔چونکہ ہر قوم کا نظریہ حیات وکائنات الگ الگ ہوتا ہے لہذا ان کا نظریہ تعلیم بھی الگ الگ ہوگا جس کی وجہ سے زندگی اور تعلیم کے حوالہ سے متعدد نظریات پائے جاتے ہیں۔ان نظریات میں سے صرف اسی نظریہ کو صحیح قرار دیا جائے گا جو صحیح نظریہ زندگی پر مبنی ہوگا اور باقی ماندہ تمام نظریات غلط قرار دیے جائیں گے کہ وہ انسانی زندگی کے تعلق سے صحیح نظریہ نہیں پیش کرتے ہیں۔لہذا جب تک ہمارا نظریہ زندگی صحیح نہ ہو،ہم زندگی کا صحیح مقصد نہیں جان سکتے ہیں اور نہ تعلیم کا صحیح مقصد معین کر سکتے ہیں۔دراصل نظریہ زندگی، نظریہ کائنات، مقصد زندگی اور مقصد تعلیم ایک ہی چیز کے مختلف نام ہیں جسے کبھی ہم مختصر طور پر بیان کرتے ہیں اور کبھی مفصل طور پر اور ان کا عقدہ حقیقت انسان کے علم سے کھلتا ہے۔اگر ہم جان لیں کہ انسان کی فطرت کیا ہے تو گویا ہم نے یہ جان لیا کہ صحیح نظریہ کائنات، صحیح نظریہ زندگی، صحیح مقصد زندگی یا صحیح مقصد تعلیم کو جان لیا۔

صحیح نظریہ زندگی، صحیح مقصد زندگی یا صحیح مقصد تعلیم تک پہنچنے کے لیے وہ یہ سوال قائم کرتے ہیں کہ کیا اس کے حصول کے لیے ہمیں مغربی مفکرین کی مدد لینی ہوگی؟پھر خود ہی جواب دیتے ہیں کہ خود اس بات کے شاکی ہیں کہ انسانی فطرت سے محدود واقفیت کی بنا پر وہ ابھی تک صحیح نظریہ زندگی، صحیح مقصد زندگی یا صحیح مقصد تعلیم تک نہیں پہنچ سکے ہیں لہذا ہماری رہنمائی کا فریضہ انجام نہیں دے سکتے ہیں لہذا اس مقصد کے حصول کے لیے لا محالہ اسلام کے نظریہ زندگی اور نظریہ تعلیم کو تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ واحد مذہب ہے جو انسان کی زندگی کا صحیح

مقصد بیان کرتا ہے اور اس کے حصول کے راستے ہموار کرتا ہے اور اس کی فطرت کے عین مطابق احکامات صادر کرتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے فرموادت کے مطابق چونکہ اسلام میں زندگی کے نظریہ کو صحیح طور پر بیان کیا گیا ہے لہذا اس کا نظریہ تعلیم بھی صحیح قرار پائے گا اور دیگر تمام نظریات غلط قرار دیے جائیں گے جس میں مغربی نظریہ تعلیم بھی شامل ہے لہذا وہ مغربی نظریہ تعلیم اور اس کے رائج کردہ تعلیمی نظام کی پیروی کو صحیح نہیں سمجھتے ہیں اور اس کے بالمقابل ایک ایسے نظام تعلیم کو قائم کرنے کی وکالت کرتے ہیں جو زندگی اور تعلیم کے صحیح نصب العین کے مطابق ہو۔ وہ مغربی نظام تعلیم کی پیروی کو غلط رویہ اور رجحان قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"تعلیم کے معاملہ میں ایسے لوگوں کا تتبع کرنے کے لئے ہمارے پاس کوئی جواز نہیں، جنہوں نے گو فن تعلیم اور فلسفہ تعلیم کے متعلق بہت سا لٹریچر پیدا کیا ہے لیکن اس کے باوجود جو لوگ تعلیم کے صحیح مقصد اور مدعا سے بے خبر ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص ایک خاص سفر کیلئے مہینوں سے تیاریاں کر رہا ہو لیکن یہ نہ جانتا ہو کہ اس نے جانا کہاں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ایک ایسی ٹرین میں بیٹھ جائے جو اس کی منزل مقصود سے بالکل برعکس سمت میں جاتی ہو۔ جب تک تعلیم کا مقصد معلوم نہ ہو اس وقت تک اگر تعلیم کے موضوع پر ہزاروں کتابیں بھی لکھی جائیں تو بے کار ہے۔

مغرب کے لوگوں نے اگر تعلیم کو مذہب سے الگ کر دیا ہے تو ان کے پاس اس کے سوائے اور چارہ بھی نہیں تھا۔ مذہب جب مغرب کی کسی قوم کے نصب العین حیات کا جزو نہیں تو کس طرح ممکن تھا کہ وہ ان کے نظام تعلیم کا جزو ہوتا۔ مذہب کو سیاست سے الگ کرنے کے بعد مغربی قوموں کے لئے ممکن نہیں تھا کہ وہ اسے زندگی کے کسی شعبہ میں اپنے ساتھ رکھتے۔ ان کے ہاں مذہب اور تعلیم کا افتراق مذہب اور سیاست کے افتراق کا لازمی نتیجہ ہے اور مذہب کو سیاست سے الگ کرنے پر وہ اس لئے مجبور ہوئے تھے کہ ان کا مذہب عیسائیت ان منظم جماعتوں کی ضروریات کو پورا کرنے سے قاصر تھا جنہیں ریاست کہا جاتا ہے۔ انہوں مذہب کو سیاست سے اس وقت مجبورا الگ کیا جب کلیسا اور ریاست کے طویل جھگڑوں نے یہ بات پوری طرح سے ثابت کر دی تھی کی دونوں کا یکجا رکھنا بے سود بلکہ ناممکن ہے۔۔۔ لیکن زندگی کا وہ تصور جو ہمیں اسلام نے دیا ہے، عیسائیت کے تصور سے بہت مختلف ہے۔ اسلام زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ سیاست نہ صرف اس سے مطابقت رکھتی ہے بلکہ وہ اس سے الگ نہیں ہو سکتی۔ پھر ہمیں کیا مصیبت پڑی ہے کہ ہم تعلیم کے بارے میں وہی نقطہ نظر اختیار کریں جو مغربی قوموں کو عیسائیت کے نقائص کی وجہ سے اختیار کرنا پڑا ہے۔ مغرب کے ماہرین تعلیم کے لئے مذہب اور تعلیم کو بہم رکھنا ایسا ہی مضحک ہے جیسا کہ ہمارے لئے مذہب اور تعلیم کو جدا رکھنا۔۔۔ یورپ کے نظریات تعلیم جو مختلف یورپی قومیتوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے وجود میں آئے ہیں ہمارے نظریہ زندگی کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔ جس طرح ان کے نظریات زندگی غلط ہیں اسی طرح ان کے نظریات تعلیم بھی غلط ہیں۔ خودی کے نظریہ حیات بلند تر (ہکذا) اور صحیح تر نظریہ حیات انسان کے ذہن میں نہیں آسکتا کیونکہ حق تعالی کی ذات تمام کمالات معنوی کا مجموعہ ہے اور اس کے حسن و کمال کی انتہا نہیں۔ لہذا جو نظریہ تعلیم خودی کے تصور پر قائم کیا جائے گا وہی صحیح ترین ہو گا۔۔۔۔ کس قدر افسوس ہے کہ ہم اقوام عالم کی رہنمائی کے اس معزز مقام کو جس پر قدرت نے ہمیں فائز کیا ہے، دوسروں کے سپرد کر دیں اور تعلیم اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں خود ان کی دستگیری کرنے کی بجائے یہ آس لگائے بیٹھے

رہیں کہ وہ ہماری دستگیری کریں گے۔ جو لوگ انسانی زندگی کے مقصد سے نا آشنا ہیں وہ تعلیم کے بارے میں ہماری رہنمائی کیوں کر کرسکتے ہیں"۔

4.5 اسلامی نظام تعلیم

مغربی نظام تعلیم اپنی تمام تر خامیوں کے باوجود ظاہری طور پر مسلسل ترقی کے مدارج کر رہا ہے اور انسان خواہ وہ مغرب کا رہنے والا ہو یا مشرق کا، وہ اس کی زلفوں کا اسیر ہو کر رہ گیا ہے اور اسی نظام تعلیم کو وہ اپنی کامیابیوں کی جڑ سمجھتا ہے اور اس سے دور ہونے کو اپنی ناکامی کا سبب سمجھتا ہے۔ مغربی نظام تعلیم کا پروردہ شخص چونکہ عام طور پر دین بے زار اور مادہ پرست ہوتا ہے، اس کے سامنے کوئی صرف اور صرف مادہ کا حصول ہوتا ہے اور اسی کی تگ ودو میں اپنی ساری زندگی کو تج کر دیتا ہے اور جب وہ اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے بالکل تہی دامن ہوتا ہے۔ مغربی نظام تعلیم کا دوسرا پہلو بھی انسانیت کے لیے سم قاتل کی حیثیت رکھتا ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے نتیجہ میں ہونے والی ترقیوں کا معتد بہ حصہ انسانیت کے لیے نقصان دہ ہے خواہ وہ ہتھیاروں کی شکل میں یا کسی اور شکل میں۔ تاہم اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے ان ایجادات کا ایک حصہ ایسا ہے جو انسانیت کی فلاح وبہبود میں معاون ومددگار ثابت ہورہا ہے اور وہ انسان کو مختلف مشکلات ومصائب سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ بن رہا ہے۔ یہاں سوال یہ اٹھتا ہے کہ انسان کو مغربی نظام تعلیم سے کیسے چھٹکارا دلایا جائے؟ اس کا جواب یہ کہ اس کے مقابلہ میں اسلامی نظام تعلیم کو متعارف کرایا جائے اور لوگوں کے ذہنوں میں بیٹھی ہوئی اس بات کو دور کیا جائے کہ اسلام کا نظام تعلیم کوئی فرسودہ نظام تعلیم نہیں ہے بلکہ وہ آج بھی وقت اور حالات کا ساتھ دینے کے قابل ہے جیسا کہ اسلامی تاریخ کے عہد وسطی میں تھا کہ اس وقت کی سائنسی تحقیقات آج بہت سی ایجادات کی بنیاد قرار دی جاتی ہیں۔

اسلامی نظام تعلیم کا جو خاکہ آج کل کے ذہنوں میں بیٹھا ہوا ہے وہ یہ کہ وہ محض اسلامیات کا احاطہ کرتا ہے جدید علوم وفنون سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو نہ ہونے کے برابر۔ لوگوں کے ذہنوں میں بیٹھا ہوا یہ خیال بے جا بھی نہیں ہے کہ دینی مدارس کے ارباب حل وعقد کے ذریعہ ہمہ وقت یہ ثابت کیا جاتا ہے عصری تعلیم کے مقابلہ میں دینی تعلیم کی اہمیت بہت زیادہ ہے، عصری علوم کا حاصل کرنا گویا صرف دنیا کو حاصل کرنا ہے اور دین کو ضائع کرنا ہے کہ انسان کی حقیقی زندگی تو اخروی زندگی ہے اور وہ تو صرف دینی علوم کو حاصل کرکے ہی حاصل کی جاسکتی ہے۔

اسلامی نظام تعلیم کی یہ تعریف بالکل صحیح نہیں ہے کیونکہ اسلام میں محض علم کے حصول پر ابھارا گیا ہے اور اسے دینی اور عصری علوم میں تقسیم نہیں کیا گیا ہے حتی کہ عہد نبوی میں جب شریعت اسلامی پروان چڑھ رہی تو اس وقت بھی آپ ﷺ نے جہاں دینی علوم کو حاصل کرنے کا حکم دیا تھا وہیں اس وقت کے دنیاوی علوم کو سیکھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس حوالہ سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ علیہ الرحمہ نے اپنے خطبات بہاول پور میں نبوی درس گاہ "صفہ" کے حوالہ سے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ "قرآن وسنت کے ہمہ گیر نصاب کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ نشانہ بازی، پیراکی، تقسیم ترکہ کی ریاضی، مبادئ طب، علم ہیئت، علم انساب اور علم تجوید کی

تعلیم دی جایا کرے"۔

اسلامی نظام تعلیم کے حوالہ سے ڈاکٹر محمد رفیع الدین علیہ الرحمہ نے لکھاہے کہ اسلامی نظام تعلیم سے مراد وہ نظام تعلیم نہیں ہے جس میں "اسلامی نظریہ حیات، دینیات یا اسلامیات کے نام سے ایک جزو کے طور پر موجود ہو بلکہ ایسانظام تعلیم جو خود اسلامی نظریہ زندگی کا ایک جزو ہو، جس کا مقصد اسلامی نظریہ زندگی کی تائید اور اعانت کے سوا کچھ نہ ہو، جس میں علم سے مراد اسلامی نظریہ انسان و کائنات ہو اور علم کی تینوں شاخیں یعنی مادی علوم، حیاتیاتی علوم اور نفسیاتی علوم اس نظریہ کی شاخیں سمجھی جائیں۔۔۔۔۔ اسلامی نظام تعلیم کی مکمل تعمیر کے لیے ضروری ہو گا ہم موجودہ انسانی اور نفسیاتی علوم پر نظر ثانی کر کے ان کو قرآن کی روشنی میں نئے سرے سے مدون کریں کیونکہ ان علوم کی صحیح تدوین کا دارومدار فطرت انسانی کے صحیح نظریہ پر ہے جس سے مغرب کے حکماء بے خبر ہیں۔۔۔ میں نے ان کے ساتھ مادی اور حیاتیاتی علوم کو شامل نہیں کیا کیوں نہ ان علوم میں کسی کافر کے لئے بہکنے کی گنجائش نسبتاً کم ہے تاہم جب ہم نفسیاتی علوم کی تدوین سے فارغ ہو جائیں تو ہمیں حیاتیاتی علوم پر بھی نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہو گی تاکہ وہ بھی صحیح اور اسلامی زاویہ نگاہ سے مدون ہو جائیں"۔

4.6 علوم و فنون - عہد اسلامی میں

قبل اس کے اسلام میں عصری علوم کے مقام و مرتبہ کو واضح کیا جائے بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عہد اسلامی میں فروغ پانے والے علوم و فنون کا ذکر کر دیا جائے تاکہ ذہنوں میں بیٹھی ہوئی یہ غلط فہمی دور ہو سکے کہ اسلامی علوم سے مراد صرف وہ علوم ہیں جن کا تعلق قرآن ، حدیث اور فقہ سے ہے یا دوسرے الفاظ میں جن کا تعلق شریعت اسلامیہ سے ہے۔ عہد اسلامی میں پروان چڑھنے والے علوم فنون کو شرعی علوم یا اسلامی علوم، سماجی علوم جیسے تاریخ و جغرافیہ وغیرہ، ادبی علوم جیسے شاعری اور نثر نگاری اور سائنسی علوم جیسے کیمیاء، طبیعیات، معدنیات اور علم نجوم و ہیئت وغیرہ میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ان علوم و فنون کی فہرست پر نظر ڈالنے سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ علوم جنہیں آج عصری علوم کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے وہ سب اسلامی علوم و فنون ہی ہیں۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ علیہ الرحمہ کے قول کے مطابق عہد نبوی میں پائے جانے والے علوم و فنون میں نشانہ بازی، پیراکی، تقسیم ترکہ کی ریاضی، مبادئ طب، علم ہیئت اور علم انساب شامل تھے۔

عہد خلافت راشدہ کے حوالہ سے کوئی واضح حوالہ نہیں ملتا ہے کہ اس زمانہ میں کیا کیا علوم پائے جاتے تھے لیکن قیاس یہ کہتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی عہد نبوی کے علوم و فنون موجود رہے ہوں گے۔

اسلامی ادوار میں اموی دور کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس عہد میں پہلی مرتبہ باقاعدہ طور پر سماجی اور سائنسی علوم کی بنا ڈالی گئی ہے۔ اس عہد میں فروغ پانے والے علوم و فنون کا موازنہ جب عباسی عہد میں فروغ پانے والے علوم و فنون سے کیا جاتا ہے تو حقیقت سامنے آتی ہے کہ وہ علوم جو عباسی عہد کے علماء بطور ورثہ ملے تھے ان کی تعداد ان علوم و فنون سے کہیں زیادہ ہے جن کی بنا عہد عباسی میں رکھی گئی تھی گویا عہد اموی میں ہی اکثر اسلامی علوم و فنون کی بنا رکھی جا چکی تھی تاہم ان کو مکمل عروج عہد عباسی میں حاصل ہوا تھا۔

عہد عباسی کے علماء کو اپنے اسلاف سے علوم وفنون کی ایک معتد بہ تعداد بطور ورثہ ملی تھی جسے انہوں نے اپنی جانفشانیوں سے اعلی مقام ومرتبہ تک پہنچا دیا تھا۔ عہد عباسی کو اسلامی تاریخ کا سنہری دور قرار دیا جاتا ہے کہ اس عہد میں اسلامی تہذیب وثقافت اپنے پورے عروج پر نظر آتی ہے اور علوم وفنون اپنے ارتقائی مراحل سے گذرتے ہوئے اپنے آخری درجہ تک پہنچ چکے تھے۔ ان علوم وفنون میں عہد عباسی کے علماء کی مہارت کا لوہامانا جاتا تھا۔ اس عہد کے علوم وفنون میں شرعی اور ادبی علوم وفنون کے علاوہ تاریخ وجغرافیہ وفلسفہ وغیرہ (سماجی علوم)، ریاضی، الجبرا، حساب، علم ہیئت ونجوم، کیمسٹری، فزکس، زولوجی، زیالوجی، بوٹنی، میڈیسن اور دیگر سائنسی علوم شامل تھے۔

بعض مغربی مفکرین کا یہ کہنا بالکل بجاہے کہ آج کی سائنسی ترقیوں کی بناعہد عباسی میں رکھی گئی تھی جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مغرب نے حیرت انگیز ترقی کرلی ہے گویا یہ علوم وفنون کا ایک تسلسل ہے جو نسل در نسل منتقل ہوا ہے بس منتقل کرنے والے افراد اور قومیں بدلتی رہتی ہیں۔ جب یہ بات طے ہوگئی کہ آج کے سائنسی اور سماجی علوم، عہد عباسی کے سائنسی اور سماجی علوم کی ترقی یافتہ شکل ہیں تو یہ قضیہ ہی ختم ہو جاتا ہے کہ عصری اور جدید تعلیم کا تعلق اسلامی علوم وفنون سے نہیں ہے اور وہ کوئی نئے علوم وفنون ہیں جو عصر حاضر میں پروان چڑھے تھے۔

4.7 عصری تعلیم اور اسلام

اسلامی نظریہ تعلیم کے مطابق تعلیم کو قدیم تعلیم یا جدید تعلیم میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا ہے۔ جدید تعلیم کا قضیہ مغربی نظام تعلیم کا پیدا کردہ ہے۔ اسلام نے تو مطلق علم حاصل کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کا مقصد اپنے رب کو پہچاننا اور اس کے احکامات کو بجالانا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جہاں ایک طرف دینی علوم کی ضرورت پڑتی ہے تو دوسری طرف اس مقصد کے حصول میں جدید علوم / عصری علوم کی اہمیت کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ مؤخر الذکر کے حصول کی خاطر ہی قرآن میں بار بار کائنات اور اس کے نظام پر غور وفکر کرنے پر ابھارا گیا ہے۔

اسلامی عہد کے مختلف ادوار میں پائے جانے والے علوم وفنون سے یہ بات پایہ تکمیل کو پہنچ چکی ہے کہ آج کے زیادہ تر عصری علوم اسلامی ادوار کے پروردہ ہیں۔ چونکہ علم کا کارواں مسلسل آگے بڑھ رہا ہے لہذا ان میں تغیر و تبدیلی بالکل فطری امر ہے۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ علوم وفنون کی مختلف شاخوں کو آج عصری علوم وفنون سے کیوں موسوم کیا جاتا ہے جب کہ وہ دراصل اسلامی علوم وفنون ہیں؟۔

اس سوال کا پہلا جواب یہ ہے کہ اسلامی نظریہ تعلیم اور اسلامی نظام تعلیم اور مغربی نظریہ تعلیم اور مغربی نظام تعلیم میں بہت زیادہ فرق پایا جاتا ہے۔ دونوں کا نقطہ نظر اور مقاصد الگ الگ ہیں جن کی وجہ سے وہ دو ایسے دھاروں میں تبدیل ہوگئے ہیں جو کبھی بھی یکجا اور اکٹھا نہیں ہوسکتے ہیں۔ اسلامی نظریہ تعلیم ونظام تعلیم انسان کو اپنے رب کو پہچاننے کی راہیں ہموار کرتا ہے اور اسے دنیا کے ساتھ ساتھ دین کا بھی شعور بخشتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں مغربی نظریہ تعلیم ونظام تعلیم انسان کو مذہب بے زار اور مادہ پرست بناتا ہے۔ چونکہ موجودہ نظام تعلیم انسان کی روحانی غذا کو فراہم نہیں کرپارہا ہے اور وہی اس وقت رائج ہے لہذا یہ سمجھ لیا گیا کہ یہ علوم اسلامی علوم وفنون نہیں ہیں اسی وجہ سے

ان کو حاصل کرنے والوں کی اکثریت رب بے زار، دین بے زار اور مادہ پرست ہوتے ہیں۔

مذکورہ سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اسلامی علوم وفنون کے دائرہ کو سمیٹ کر صرف شرعی علوم وفنون تک محدود کر دیا گیا ہے لہذا یہ عام طور سمجھا جاتا ہے کہ عصری علوم وفنون کا کوئی بھی تعلق اسلامی علوم وفنون سے نہیں ہے۔

تیسرا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ دنیا پر جس قوم کا غلبہ ہوتا ہے اسی کا بنایا ہوا نظام دیگر تمام نظام پر حاوی ہو جاتا ہے اور انہیں فرسودہ اور قدیم گردانا جاتا ہے۔ اس وقت مغربی اقوام کا غلبہ ہے لہذا انہیں کا بنایا ہوا نظام بھی جاری وساری ہے اور حیات انسانی کے تمام شعبوں پر کچھ اس طرح محیط ہو چکا ہے کہ انسان یہ سوچ بھی نہیں پا رہا ہے کہ اس نظام سے پہلے دنیا کس نظام کے تحت چل رہی تھی۔

موجودہ عصری علوم کی اصل وبنا اسلامی علوم وفنون کی مرہون منت ہے لہذا انہیں موجودہ زمانہ کے "عصری علوم" کہنا بہت زیادہ صحیح نہیں ہوگا اور نہ ہی یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اسلام ان علوم وفنون کا مخالف ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ مغربی تہذیب کے غلبہ کی وجہ سے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی ہے یا کی گئی ہے۔ اس غلط فہمی کو فروغ دینے میں جہاں دینی حلقہ ذمہ دار ہے تو وہیں جدید تعلیم یافتہ افراد کو بھی اس غلط فہمی کو فروغ دینے سے بری نہیں کیا جاسکتا ہے۔ دینی حلقوں کی جانب سے بار بار دینی تعلیم کی اہمیت وافادیت کو اجاگر کیا جاتا ہے اور دنیاوی اور عصری تعلیم کی برائیاں بیان کی جاتی ہیں۔ ان کے مقابلہ میں عصری علوم کے پروردہ دینی علوم سے بے بہرہ بلکہ کسی حد تک بے پرواہ نظر آتے ہیں جس کی وجہ سے وہ نہ تو دینی تعلیم کی اہمیت کو سمجھ پاتے ہیں اور نہ ہی اس کی ضرورت وافادیت کے قائل ہوتے ہیں۔ دونوں طبقوں میں خلیج اس قدر بڑھ گئی کہ دونوں ایک دوسرے کے متحارب نظر آنے لگے حالانکہ اسلام علوم کی تقسیم کا قائل نہیں ہے بلکہ وہ ان تمام علوم کو حاصل کرنے کا حکم دیتا ہے جس سے تعلیم کا بنیادی مقصد پورا ہو جائے۔

قدیم اور جدید تعلیم کے حوالہ سے امام زرنوجی، امام غزالی، ابن خلدون، طاش کوپری زادہ جیسے ماہرین تعلیم نے اپنی اپنی تصانیف میں بھرپور بحث کی ہے۔ عصر جدید میں قدیم وجدید تعلیم سے واقفیت رکھنے والوں نے بھی جیسے ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور مولانا محمد شہاب الدین ندوی علیہا الرحمہ وغیرہ نے بھی اس موضوع پر گفتگو کی ہے۔ ان تمام حضرات کی گفتگو کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام علوم کی تقسیم کا قائل نہیں ہے۔ اس کی نظروں میں ''علم'' ایک خالص اور اصل اکائی ہیں جس کا بنیادی مقصد ''معرفت رب'' ہے۔ اس اکائی کے مختلف حصوں کو مختلف نام سے موسوم کیا جاتا ہے تاکہ ان کا مفہوم ومقصود کو آسانی سے سمجھا جاسکے گویا یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی تقسیم بھی انسانی گروہ کی تقسیم کی طرح تھی تاکہ وہ پہچانے جاسکیں۔

عہد نبوی سے تعلیم وتعلم کا جو سلسلہ دراز ہوا جو روز بروز آگے بڑھتا جا رہا ہے۔ اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ کے مقالہ نگار کے بقول 'خوارزمی جیسے اہل علم اس بات کے قائل تھے کہ دینی علوم کی تدوین کے ساتھ ساتھ ہی علوم عقلیہ وصناعیہ (جسے عصری علوم سے موسوم کیا جاسکتا ہے) کے درس وتدریس کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا'۔

دینی تعلیم کے پہلو بہ پہلو اس زمانہ کے عصری علوم کی درس تدریس کی وجہ سے بقول مقالہ نگار اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ مسلمانوں میں دو طرح کے علوم رائج ہوئے:

1- وہ علوم جو بالتخصص دینی ضرورتوں کے لیے مسلمانوں نے پیدا کیے جیسے تفسیر، حدیث واصول حدیث، فقہ واصل وفقہ، علم کلام، سیرت نبوی وغیرہ۔ یہ علوم عہد صحابہ اور تابعین میں کم وبیش منظم صورت میں پڑھائے جانے لگے تھے بلکہ ان تدوینات کا آغاز بھی ہو چکا تھا

2- وہ علوم جو دوسری اقوام سے حاصل کیے گئے اور مسلم ماحول کے مطابق ڈھال لیے گئے'۔

فن تعلیم کے موضوع پر امام زرنوجی کی کتاب "تعلیم المتعلم لتعلم طریق التعلیم" کو سب سے قدیم کتاب قرار دیا جاتا ہے۔ ان کے بقول "ہر مسلم ومسلمہ ہر علم کا حصول فرض نہیں، صرف علم حال کا حصول فرض ہے کیونکہ حفظ الحال افضل العمل ہے"۔ بقول مقالہ نگار اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ 'انہوں نے علم حال کی جو تشریح کی ہے اس پر غور کیا جائے تو یہ صلوۃ وزکوۃ کے مسائل تک محدود نہیں، بلکہ اس میں سب علوم شامل ہیں جو دینی ودنیوی لحاظ سے بنیادی ہونے کی وجہ سے ہر مسلم ومسلمہ کے لیے فرض ہیں۔ اس اصول میں قابل غور امر یہ ہے کہ علم کوئی وقتی یعنی کسی ایک حالت، ایک وقت اور ایک مقام تک محدود شئے نہیں، یہ صرف ماضی کا معاملہ نہیں۔ یہ ہمیشہ بڑھتا اور پھیلتا ہوا سلسلہ ہے جو ہر دور کی ضرورتوں اور تقاضوں کو اپنی لپیٹ میں لے آتا ہے اور ہر حال اور ہر حالت میں کام آتا ہے۔ اس اصول پیش نظر آج کل کی یہ نزاع ختم ہو جاتی ہے کہ علوم قدیمہ وجدیدہ میں ترجیح کس کو حاصل ہے۔ دراصل سب علوم جو حال کی ضرورتوں کو پورا کریں وقیع ہیں۔

امام غزالی علیہ الرحمہ نے بھی فن تعلیم پر عمدہ گفتگو کی ہے۔ انہوں نے بھی علم کی اکائی کو تقسیم نہیں کیا ہے بلکہ اس کو من حیث المجموع سامنے رکھتے ہوئے اپنے نظریات کو پیش کیا ہے۔ ان کے تعلیمی نظریات کا خلاصہ اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ کے مقالہ نگار نے ان الفاظ میں کیا ہے کہ 'مخلوق کے مقاصد دین اور دنیا دونوں کی تنظیم وتکمیل کا مجموعہ ہیں اور اصولی بات یہ بیان کی ہے کہ نظام دین، نظام دنیا کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ جس کے معنی یہ ہوئے دین کے عمل سے یہ مراد نہیں کہ دنیا ترک کر دی جائے یا مصالح دنیوی کی صحیح تکمیل نہ ہو سکے'۔ امام غزالی علیہ الرحمہ کے نزدیک اہمیت کے لحاظ سے علم کی تین انواع ہیں: وہ علم جو فرض عین ہیں۔ وہ علم جو فرض کفایہ ہیں۔ وہ علم جو مذموم ہیں۔

بقول مقالہ نگار اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ انہوں نے مذموم ومحمود کی نہایت مدلل بحث کی ہے اور علوم کی تفصیل کے لیے ایک پوری فصل وقف کی ہے اور مختلف علوم کی تقابلی قدر وقیمت کا تجزیہ کیا ہے۔ ان کے بقول تعلیم کا اہم مقصد تصفیہ باطن اور آخرت میں قرب الٰہی ہے نہ کہ طلب جاہ ومال۔ لہٰذا وہ جب علوم الآخرۃ پر زور دیتے ہیں تو اس سے ان کی مراد یہ نہیں کہ باقی علوم (یعنی علوم دنیا جو فرض کفایہ ہیں) حقیر یا ناقابل اعتناء ہیں۔ درحقیقت علوم سبھی قابل توجہ ہیں۔ صرف تقابل بربنائے اشرفیت وافادیت ہے۔

ابن خلدون کا شمار ماہرین عمرانیات میں ہوتا ہے۔ ان کے تعلیمی نظریات کے مطابق علوم کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا ہے۔ بقول مقالہ نگار اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ ان کے نزدیک تعلیم میں کشف وادارک، اکتساب بذریعہ مشاہدہ اور تجربی وصناعتی تنظیم کا ملکہ تینوں شامل ہیں چنانچہ علم کی دو بنیادی صورتوں – فطری (الہامی) واکتسابی – کا ذکر کر کے وہ صنائع (Professional Skill) کو بھی ایسا اکتساب قرار

دیتے ہیں جو انسانی تمدن کے لیے ضروری ہے۔ان کے نزدیک اسلامی تصور تعلیم کے مطابق علم، تعلیم اور تعلم تینوں کا اولین مقصود معرفت ایزدی ہے اور دوسرا بڑا مقصود حصول سعادت ابدی ہے اور سعادت میں فلاح دنیوی شامل ہے۔بعض مقاصد ضمنی اور عملی ہیں مگر ابقائے حیات سے وابستہ ہیں۔

ابن خلدون کے حوالہ سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مناسب معلوم ہوتا کہ انہوں نے "فی اصناف العلوم الواقعة فی العمران لهذا العهد" کے عنوان سے اپنے زمانے کے مروج علوم کی تفصیل بیان کی ہے اور اس میں منقولی اور غیر منقولی دونوں طرح کے علوم کا ذکر کیا ہے۔

طاش کوپری زادہ کا شمار متاخرین ماہر تعلیم میں ہوتا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ ذوق وصلاحیت کے مطابق جو علم بھی سیکھا جا سکتا ہے اسے سیکھنا چاہیے اور کسی علم کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ تعلیم و تعلم کے موضوع پر ان کی "کتاب مفتاح السعادۃ" کا شمار اس فن کی اہم ترین کتب میں ہوتا ہے۔اس کتاب کی ابتدائی دو جلدیں علوم ظاہریہ اور تیسری جلد علوم باطنیہ پر مشتمل ہے۔انہوں پہلے دو حصوں میں 316 علوم ظاہریہ کا ذکر کیا ہے۔ان میں دینی، نقلی اور عقلی ہر طرح کے علوم شامل ہیں۔علوم کی اس قدر تعداد کو دیکھتے ہوئے یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی علوم وفنون صرف انہیں علوم وفنون پر مشتمل ہیں جن کا تعلق دین وشریعت سے ہے۔طاش کوپری زیادہ نے اپنی کتاب میں اہم علوم کی بھی نشاندہی کی ہے۔ بقول مقالہ نگار اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ ان کی رائے کے مطابق اہم ترین علوم وہ ہیں جو معرفت ایزدی پیدا کریں، فوز وفلاح اور حصول سعادت کا ذریعہ بنیں، یقین وایمان کو قوی کریں اور تشکیک وبے عملی کا ازالہ کریں۔ مصنف کی رائے میں حکمت وفلسفہ کا ایک حصہ بالکل مناسب بشر طیکہ وہ تشکیک کا باعث نہ ہوں اور اسکے ذریعہ شریعت کی تائید مقصود ہو، نیز عملی زندگی میں معاون ثابت ہوں۔

انہوں نے علوم حکمیہ کو پانچ حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے اس بات کی وضاحت کی ہے علوم حکمیہ کا ایک حصہ نظری ہے جو باعث تشکیک بھی ہو سکتا ہے، دوسرا ریاضاتی، جو تعداد ومقدار سے متعلق ہے اور قطعی ہے، تیسرا طبیعیاتی جو مشاہدے سے متعلق ہے اور اس میں غلطی کا امکان ہے، چوتھا تجرباتی جو قطعی ہے اور صنائع کی بنیاد اس پر ہے، پانچواں طب جو دین کے بعد سب سے بڑا علم ہے اور علوم شریفہ سے تعلق رکھتا ہے۔ متعلم ان میں سے یقینی اور شریف علوم پر زور دے۔

موجودہ زمانہ کے محققین میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ علیہ الرحمہ کا مقام ومرتبہ بہت اونچا ہے۔انہوں نے اسلامیات کے حوالہ سے بہت ہی اہم اور قابل قدر سرمایہ بطور یادگار چھوڑا ہے۔ خطبات بہاول پور کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بھی جدید اور قدیم کی موجودہ تقسیم کے قائل نہیں تھے۔ان کے خطبات کے بین السطور سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ تمام علوم کو سیکھنا چاہیے تاکہ انسانیت کی فلاح وبہبود میں اپنا کردار ادا کیا جا سکے۔ تعلیم و تعلم کے حوالہ سے خطبات بہاول پور میں ان کی آراء جابجا موجود ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"تعلیم کے متعلق یہ میرا استنباط ہے، اس کے متعلق میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ وہ امر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف علوم کی اہمیت سے واقف تھے اور چاہتے تھے کہ مسلمان ان علوم کو سیکھیں۔ان کے لیے الگ الگ درسی کتاب دینے کی بجائے ایک ہی درسی کتاب

دیناپسند فرماتے اور چاہتے ہیں کہ ہر شخص اس درسی کتاب کو ہمیشہ پڑھتا رہے چاہے اس فن کی چیزوں سے اسکو دلچسپی ہو یا نہیں۔۔۔۔ قرآن مجید میں نظر ڈالی جائے تو پتہ چلے گا کہ اس میں بے شمار علوم کا ذکر ہے۔ قرآن مجید میں صرف دین وعقائد، عبادات اور متعلقہ اخلاق جیسی چیزوں ہی کا ذکر نہیں ہے بلکہ اس میں بہ کثرت اور علوم بھی نظر آتے ہیں۔۔۔۔۔ بہر حال ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ قرآن مجید میں مختلف علوم ہیں۔اس میں تاریخ کا بھی ذکر ہے۔اس میں ان علوم کا ذکر بھی ملتا ہے جنہیں ہم سائنس کا نام دیتے ہیں مثلاً علم نباتات، علم حیوانات، علم حجر، علم بحر، علم ہیئت یہاں تک علم جنین کا بھی ذکر ملتا ہے۔ قرآن شریف میں علم جنین کی اتنی مفصل تشریحات آئی ہیں کہ ان کا اس جدید ترین دور تک بھی اثر ہو رہا ہے۔۔۔۔۔ اسی طرح قرآن مجید میں ہمیں سمندری طوفان کا ذکر ملتا ہے۔ جہاز رانی، موتی اور مرجان کا بھی خاصا ذکر ملتا ہے۔۔۔۔۔ غرض میرا گمان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ ہر مسلمان کو کچھ تعلیم بنیادی دی جائے جو لازمی ہو اور دیگر علوم کے بارے میں اس کے پاس کچھ نہ کچھ معلومات ہوں جو کسی بھی وقت اس کے کام آسکتی ہیں۔اس لیے فیصلہ کیا گیا کہ قرآن مجید کو پڑھو کیونکہ اس میں تقریباً تمام کا ذکر کیا گیا ہے۔۔۔۔۔۔ عہد نبوی میں علوم وفنون زیادہ نہیں تھے لیکن جو فنون تھے، ترقی پذیر تھے اور ان کی ضرورت بھی تھی۔ان میں سے ایک چیز طبابت ہے۔اس کے متعلق ہمیں بہت سی معلومات ملتی ہیں۔عہد نبوی میں طبیبوں کی حالت اور جراحی کرنے والے سرجنوں کے حالات پر بھی کچھ روشنی پڑتی ہے۔

مولانا محمد شہاب الدین ندوی مرحوم کا شمار ہندوستان کے ان علماء میں ہوتا ہے جنھوں قرآن اور سائنس کے موضوع پر بہت اچھا مواد اکٹھا کر دیا ہے۔وہ موجودہ نصاب تعلیم کے حوالہ سے علوم کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"علم کی دو قسمیں ہیں۔ایک تو وہ علم ہے جس کو انسان اپنے مشاہدات وتجربات سے حاصل کرتا ہے مثلاً طب، ریاضی، سائنس، فلسفہ، انجنیئرنگ، نفسیات اور عمرانیات وغیرہ تمام نیچرل اور شوسل علوم اسی ذیل میں میں آتے ہیں اور دوسرا علم وہ ہے جس کو انسان اپنے مشاہدات وتجربات سے حاصل نہیں کرسکتا بلکہ وہ انبیائے کرام کی معرفت عطا کیا جاتا ہے اس کو آسمانی یا الہامی علم کہتے ہیں جو انسان کے اخلاق وکردار کی تعمیر کرتا اور اس کی زندگی کے ضوابط متعین کرتا ہے۔علم اول سے اگر انسان کی معاشی ضروریات پوری ہوتی ہیں، اس کے جسم کا نشوونما ہوتا ہے اور تہذیب وتمدن کی ترقی ہوتی ہے تو علم ثانی سے اس کی اخلاقی قوتیں متحرک ہوتی ہیں اور ایک صالح وپاکیزہ معاشرہ جنم لیتا ہے"۔

مذکورہ بالا متقدمین، متاخرین اور عصر جدید کے علماء وفضلاء کی ان آراء سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اسلام میں "مطلق علم" حاصل کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ علم کی مختلف علوم وفنون کی تقسیم ان کے موضوعات ومباحث کی روشنی میں کی گئی ہے۔ تمام مروجہ علوم انسانیت کی فلاح وبہبود کے لیے مفید ہیں لہٰذا انہیں جدید اور قدیم علوم میں تقسیم کرنا غیر مناسب ہوگا۔ تاہم ان علوم وفنون کے حوالہ سے اس بات کا دھیان دیا جائے گا کہ ان سے علم کا بنیادی مقصد "رب کی معرفت" حاصل ہو رہی ہے کہ نہیں۔ غالباً اس نقطہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے امام غزالی علیہ الرحمہ نے علوم کو "محمود علوم" اور "مذموم علوم" کے زمروں میں تقسیم کیا ہے۔اسی طرح یہ نقطہ بھی ذہن میں رکھنا ہوگا کہ کسی علم کو کسی دوسرے علم کے مدمقابل فروتر نہیں قرار دیا جائے گا تاہم مذہبی علوم کو تھوڑی سی ترجیح دی جاسکتی ہے کہ ان سے علم

کے بنیادی مقصد "رب کی معرفت" کو کسی قدر آسانی کے ساتھ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

ماہرین تعلیم کے افکار و نظریات کے بعد جب مختلف زمانہ میں پڑھائے جانے والے علوم وفنون کے نصاب پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ سترہویں صدی سے پہلے علوم کی موجودہ تقسیم یعنی عصری علوم اور دینی علوم نہیں ملتی ہے۔ مختلف ادوار میں پائی جانے والی یونیورسٹیوں کے نصاب تعلیم میں قرآن وحدیث کے ساتھ ساتھ سائنس اور سماجی علوم بھی شامل ہوتے تھے۔ اردو دائرۃ المعارف الاسلامیۃ کے مقالہ نگار کے بقول بغداد میں نظام الملک کی قائم کردہ یونیورسٹیز کے نصاب تعلیم میں قرآن، فن کتابت اور خطاطی، صرف ونحو، شعر، حدیث، حساب، الجبر والمقابلہ، ہندسہ، جغرافیہ، ہیئت، فقہ وکلام، علم الانساب، سیرت، تاریخ، طب اور کیمیا جیسے علوم شامل تھے۔ بلاد مشرقیہ کے مقابلہ میں اندلس میں تعلیمی مضامین میں تنوع کچھ زیادہ معلوم ہوتا ہے اور علوم عملی وتجربی کا عنصر غالب نظر آتا ہے مثلا ڈریپر (معرکہ مذہب وسائنس، مترجمہ ظفر علی خاں) لکھتا ہے کہ مسیحی دنیا میں علم جب برسر زوال تھا، عین اسی وقت قرطبہ، غرناطہ، طلیطلہ، اشبیلیہ وغیرہ میں عظیم مدارس علمی قائم ہو چکے تھے جہاں حساب، ہندسہ، علم مثلثات، حیاتیات، طب، علم جراحی اور علم اللغۃ وغیرہ کی تدریس کا بازار گرم تھا۔

4.8 موجودہ عصری علوم کی اصطلاح

جدید تعلیم کی شروعات کے حوالہ سے اردو دائرۃ المعارف الاسلامیۃ کے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ "اٹھارویں صدی میں اور اس کے بعد مغربی تصورات کے تحت علوم اسلامیہ کی تدریس کے کچھ نئے طریقے رائج ہوئے، ان میں زیادہ زور اس پر دیا جاتا رہا کہ پرانے علوم کے ساتھ مغرب کے علوم جدید (سائنسی ونیم سائنسی) بھی لازما پڑھائے جائیں اور نصابوں میں تبدیلیاں کی جائیں۔ اس قسم کی امتزاجی کوششوں میں عرب وترک ممالک کے علاوہ برصغیر میں مدرسہ عالیہ، کلکتہ، اورینٹل کالج لاہور، مدرسہ حمیدیہ، لاہور، ندوۃ العلماء (لکھنؤ) شامل ہیں۔ خود مدرسۃ العلوم علی گڑھ میں امتزاجیت کی کوشش ہوئی لیکن کامیاب نہیں ہوئی۔۔۔ اس ضمن میں یہ لائق ذکر ہے کہ قدیم طرز کے مدارس مثلا دیوبند اور مظاہر العلوم سہارن پور وغیرہ نے یہ امتزاجیت کم سے کم قبول کی۔ اس کے برعکس عہد حاضر میں مسلم ممالک میں تعلیمی نظامات اکثر وبیشتر مغربی اثرات کے حامل ہیں"، جس کی وجہ سے عصری علوم کو سیکھنے کا رجحان بہت تیزی سے بڑھتا چلا گیا اور اسی رجحان نے آگے چل کر قدیم علوم اور عصری علوم قضیہ کھڑا کر دیا۔ دونوں علوم کے حاصل کرنے والے دھیرے دھیرے ایک دوسرے سے الگ ہوتے چلے گئے اور دونوں کے انداز فکر میں نمایاں تبدیلیاں پیدا ہوئی اور ان میں کوئی نقطہ اتحاد باقی نہ رہا بلکہ وہ ایک دوسرے کے متحارب گروپ بن گئے اور ایک دوسرے کی کمیوں اور خامیوں کو اجاگر کرنے میں اپنی اپنی توانائیاں صرف کرنے لگے۔

عصری علوم سیکھنا اور ان کا حاصل کرنا کوئی بری بات نہیں ہے کہ نہ صرف اسلام ان کی اجازت دیتا ہے بلکہ وہ انہیں حاصل کرنے پر ابھارتا بھی ہے اور ان کی ہمت افزائی اور ستائش بھی کرتا ہے لیکن عصر حاضر میں جدید علوم وفنون کا جو نصاب بنایا گیا ہے اس میں سے اس کی روح سلب کر لی گئی ہے کہ اس علم کا بنیادی مقصد "معرفت رب" نہیں پایا جاتا ہے لہذا اس نصاب کے پروردہ افراد خدا بےزار اور مذہب

بے زار بن گئے ہیں اور انہوں نے "مادہ کے حصول" کو اپنی زندگی کا واحد نصب العین اور مقصد بنالیا ہے۔ اسی خرابی کی وجہ سے دینی حلقوں کی جانب سے ان علوم کو حاصل کرنے والوں کو پذیرائی نہیں ملتی ہے۔

تعلیم کے مغربی تصورات نے قدیم علوم اور جدید علوم کے قضیہ کو جنم دیا ہے اور یہ قضیہ اس قدر بڑھ گیا ہے کہ ان کا اتحاد ہونا بظاہر مشکل نظر آتا ہے۔ سوال یہ اٹھتا ہے کہ کیا امت مسلمہ کے ساتھ ساتھ دنیا کی اکثر آبادی کو کیا یونہی چھوڑ دیا جائے اور وہ تاحیات زندگی مذہب بیزار بنے رہیں، خدا کے وجود کا انکار کرتے رہیں اور ہر وقت مادہ کی تلاش میں سرگرداں رہیں یا ایسی کوئی سبیل نکالی جائے جس سے جدید علوم کا وہ تصور دوبارہ پیدا ہو جائے جو قرون وسطی تک باقی رہا ہے۔ قدیم وجدید کے قضیہ کو حل کرنے کے لیے ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم نے پاکستان کے حوالہ سے ایک لائحہ عمل پیش کیا ہے جس پر تمام اسلامی ممالک میں عمل کیا جاسکتا ہے۔ جب اس کی افادیت سامنے آئے گی تو دیگر ممالک میں بھی اس ماڈل پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ ان کے لائحہ عمل کو درج ذیل سطور میں نقل کیا جارہا ہے:

"اسلامی نقطہ نظر سے تدوین علوم کی مہم کے آغاز کے طور ہماری یونیورسٹیوں کو فی الفور اس بات کا اعلان کرنا چاہیئے تمام علوم جو اس میں پڑھائے جاتے ہیں، اسلامی نظریہ کائنات کی شاخیں ہیں اور ہر طالب علم اور استاد کو انہیں اسی نقطہ نگاہ سے دیکھنا اور پڑھنا اور پڑھانا چاہیئے۔ اس سے ایک حیرت انگیز نفسیاتی انقلاب ہو گا اور قرآن کے متعلق ہمارا جامد اور سخت نقطہ نظر فورابدل جائیگا اور ہم قرآن کو ایک نئی روشنی، صحیح روشنی میں دیکھنے لگیں گے۔ اس قسم کے اسلامی نظام تعلیم میں اسلامیات ایک الگ مضمون کے طور پر رکھنا ضروری ہو گا۔۔۔۔ اس قسم کا اسلامی نظام تعلیم علمی تحقیق اور انکشاف کیلئے ایک نہایت ساز گار ماحول پیدا کرے گا۔۔۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا نظام تعلیم علمی اور عقلی لحاظ سے صحیح ہو تو ضروری ہے کہ اس کی بنیاد صحیح ہو اور صحیح بنیاد اسلامی نظریہ کائنات سوائے اور کوئی نہیں ہو سکتی ہے"۔

اگر مذکورہ بالا منصوبہ پر عمل کرلیا جائے تو جدید وقدیم تعلیم کا قضیہ ہی ختم ہو جائے گا اور صرف اس تعلیم کو حاصل کرنا مقصود ہو گا جس کا مقصد صرف اور صرف انسانیت کی فلاح و بہبود ہو گا اور اانسان کا اپنے رب سے تعلق کو قائم کرنا ہو گا۔

4.9 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- تعلیم کا آغاز "تخلیق انسانی" کے ساتھ ہوتا ہے۔
- تعلیم انسان کی بنیادی ضرورت ہے اور ہر زمان ومکان میں پائی جاتی رہی ہے اور آئندہ بھی پائی جاتی رہے گی۔
- اسلام میں تعلیم کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے جس کی شہادت قرآن وحدیث میں پائی جاتی ہے۔ تعلیم دینا انبیاء کے کار نبوت کا حصہ ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی بنیادی صفت "معلم ہونا" بتایا ہے۔
- اسلامی نظریہ تعلیم اور نظام تعلیم کی بنیاد اپنے رب کو پہچاننا اور اس کے احکامات پر عمل کرنا ہے۔
- مغربی نظریہ تعلیم اور نظام تعلیم کی بنیاد صرف "مادہ اور اس کا حصول" ہے۔

- اسلامی نظریہ تعلیم صحیح بنیادوں پر مشتمل ہے اور وہی ہماری رہنمائی کے فرائض انجام دے سکتا ہے۔
- علم ایک خالص اکائی ہے جسے تقسیم نہیں کیا جاسکتا ہے۔ مختلف علوم وفنون کا پایا جانا علم کے ایک خالص اکائی کے متضاد نہیں ہے وہ علوم وفنون مختلف ناموں سے اس لیے موسوم کیے جاتے ہیں تا کہ ان کو پہچانا جاسکے اور ان کے مابین امتیاز کیا جاسکے۔
- اسلام میں علوم وفنون کو قدیم وجدید کے زمرہ میں نہیں بانٹا گیا ہے، متقدمین ومتاخرین علماء اور عصر جدید کے محققین علم کی تقسیم یعنی قدیم وجدید ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ اور اسلام آج کے عصری علوم کے حصول کو منع نہیں کرتا ہے۔
- موجودہ عصری علوم کی اصطلاح کا آغاز اٹھارویں صدی میں ہوا۔ - عصری علوم کا قضیہ مغرب کا پیدا کردہ ہے۔

4.10 نمونہ امتحانی سوالات

4.10.1 معروضی سوالات کے حامل جوابات

1. انسان اور حیوان کے درمیان کیا حد فاصل ہے؟

(a). کتابت (b). تعلیم (c). شکل (d). کوئی نہیں

2. اسلام میں پہلا حکم کیا دیا گیا تھا؟

(a). لکھنے کا (b). بولنے کا (c). سننے کا (d). پڑھنے کا

3. اصحاب صفہ میں سے آپ ﷺ کو کون سے افراد زیادہ پسند تھے؟

(a). عبادت کرنے والے (b). زراعت کرنے والے

(c). تعلیم حاصل کرنے والے (d). جنگ کرنے والے

4. آپ ﷺ کی بنیادی صفت کیا تھی؟

(a). مجاہد ہونا (b). متعلم ہونا (c). معلم ہونا (d). کوئی بھی نہیں

5. اسلامی نظریہ تعلیم کی بنیاد کیا ہے؟

(a). معرفت رب اور احکام الٰہی کو ماننا (b). عدم معرفت رب اور احکام الٰہی کو نہ ماننا

(c). دنیا کا حصول (d). سچ کی تلاش

6. مغربی نظام تعلیم کی بنیاد کیا ہے؟

(a). مادہ کا حصول (b). معرفت رب (c). احکام الٰہی کو ماننا (d). تلاش ذات

7. وہ کون سا مذہب ہے جو انسان کی زندگی کا صحیح مقصد بیان کرتا ہے؟

(a). عیسائیت (b). اسلام (c). یہودیت (d). ہندو دھرم

8. کیا اسلام جدید تعلیم کا مخالف ہے؟

(a). نہیں (b). ہاں (c). کچھ صورت حال میں (d). کبھی ہاں کبھی نہیں

9. امام زرنوجی کس میدان کے ماہر تھے؟

(a). اسلحہ سازی (b). جہاز سازی (c). زراعت (d). تعلیم و تعلم

10. امام غزالی کی نظر میں علم کی کتنی انواع ہیں؟

3.(a) 5.(b) 7.(c) 8.(d)

4.10.2 مختصر سوالات کے حامل جوابات

1. تعلیم کی وجہ سے انسان کہاں تک پہنچ گیا؟ ایک نوٹ لکھیے۔
2. ہر قوم کا نظریہ تعلیم کیوں الگ ہوتا ہے؟
3. مغربی نظام تعلیم کی پیروی کو غلط رویہ اور رجحان کیوں قرار دیا جاتا ہے؟
4. اسلامی نظام تعلیم کی تعریف کیجیے۔
5. عہد اسلامی میں پائے جانے والے علوم وفنون پر ایک نوٹ لکھیے۔

4.10.3 طویل سوالات کے حامل جوابات

1. تعلیم کی اہمیت اور ضرورت پر ایک نوٹ لکھیے۔
2. اسلام میں تعلیم کی اہمیت پر ایک نوٹ لکھیے۔
3. اسلامی نظریہ تعلیم اور مغربی نظام تعلیم پر ایک نوٹ لکھیے اور ان کے مابین پائے جانے والے فرق کو واضح کیجیے۔

4.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. اسلام کا نظریہ تعلیم : ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم اے، پی ایچ ڈی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، 1955ء۔
2. ہماری تعلیم کا مسئلہ : از محمد شہاب الدین ندوی، فرقانیہ اکیڈمی، پولیس روڈ، بنگلور، 1973ء۔
3. عہد نبوی میں نظام تعلیم : مولانا محمد عبد المعبود، فرید بک ڈپو، نئی دہلی، 2004ء۔
4. الرسول المعلم واسالیبہ فی التعلیم : عبد الفتاح ابو غدہ، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، حلب، 1997ء، طبع دوم۔
5. اسلام کا تربیتی تعلیمی اور تدریسی نظام : ممتاز احمد عبد اللطیف، مرکز الاصلاح التعلیمی الخیری، اموا مدینۃ الشیخ پیرا ھی بازار، شیوھر، بہار، 1997ء۔

اکائی 5: حقوق انسانی کا اسلامی تصور

اکائی کے اجزا:

5.0 تمہید

5.1 مقاصد

5.2 حقوق انسانی کا مفہوم

5.2.1 حقوق و فرائض

5.2.2 حقوق اللہ اور حقوق العباد

5.2.3 حقوق کی ہمہ گیریت

5.2.4 حقوق انسانی کا تعین وحی کی بنیاد پر

5.3 تکریم انسانیت کا تصور

5.3.1 مساوات

5.3.2 عدل وانصاف کا قیام

5.4 بنیادی حقوق انسانی

5.5 انفرادی حقوق

5.5.1 جان کا تحفظ

5.5.2 عزت و احترام کا حق

5.5.3 آزادی کا حق

5.5.4 حق ملکیت اور معاشی حقوق

5.5.5 تعلیم کا حق

5.6 مذہبی آزادی اور اسلام کی مذہبی رواداری

5.6.1 مذہبی شعار اور مذہبی نمائندوں کا احترام

5.7 اجتماعی و معاشرتی حقوق

5.8 ملازمین اور متعلقین کے حقوق

5.9 اکتسابی نتائج

5.10 نمونہ امتحانی سوالات

5.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

5.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

5.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

5.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

5.0 تمہید

انسان بغیر معاشرہ اور سماج کے نہیں رہ سکتا۔ سماج اور معاشرہ میں پر امن طور پر رہنے کے لیے حقوق و فرائض اور اصول ہوتے ہیں۔ بنیادی طور پر ہر انسان کے حقوق ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ واجبات اور فرائض بھی ہوتے ہیں اگر انسان ان کا لحاظ کرتا ہے اور ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت کرتا ہے تبھی ایک صالح معاشرہ تشکیل پاتا ہے ورنہ سماج میں فساد عام ہو جاتے ہیں۔

اس زمن میں اسلامی تعلیمات ہمیں بتاتی ہیں کہ اللہ نے انسان کو بہترین سانچے میں تخلیق کیا اور اس کے لیے پوری کائنات کے نظام کو جاری کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام مخلوقات میں اشرف مقام عطا کیا۔ اور بنی نوع انسان کو تکریم دی انہیں زمین پر اتار کر دنیا آباد کی اور ایک سماج وجود میں لایا۔ اس سماج و معاشرے میں بسنے کے لیے واجبات حقوق و فرائض کی تعلیم و تربیت اور رہنمائی کے لیے انبیاء اور آسمانی کتب کا سلسلہ جاری کیا تھا۔ قرآنی تعلیمات بتاتی ہیں کی انسانی حقوق کی تعین اور ادائیگی کے رہنمایانہ اصول مذہب اسلام کا لازمی جز ہیں۔

5.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد قرآنی تعلیمات کی روشنی میں حقوق انسانی کے اسلامی تصورات کو سمجھنا ہے، اس میں حقوق انسانی کے مفہوم اور حقوق و فرائض کی اہمیت اور دونوں کے درمیان توازن کو بیان کیا جائے گا۔ حقوق اللہ اور حقوق انسانی اور دونوں کے درمیان گہرے تعلقات کو بیان کرنے کے ساتھ حقوق انسانی کی ہمہ گیریت اور حقوق کے تعین میں وحی کی راہنمائی اور حقوق انسانی کی اہم بنیادوں جیسے مساوات، تکریم انسانی اور عدل و انصاف کے متعلق اسلامی تصورات کو بیان کرتے ہوئے بنیادی حقوق پر روشنی ڈالی جائے گی۔

5.2 حقوق انسانی کا مفہوم

حقوق عربی میں حق کی جمع ہے جس کے معنی موافقت، ہم آہنگی، درست اور واجب کے ہیں۔ قرآن مجید میں حق باطل کے مقابلے میں بھی استعمال ہوا ہے جیسے :وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ۔ اسی طرح باہمی حقوق اور افراد کے درمیان متعدد معاملات اور تعلقات میں ایک دوسرے کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے بھی حق کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

اصطلاح میں حقوق ان ذمہ داریوں اور واجبات و مطالبات کو کہا جاتا ہے جن کا بعینہ پورا کرنا ضروری ہے، خواہ ان کا تعلق عقیدہ، نظریہ اور ایمان سے ہو یا دنیاوی معاملات سے ہو۔ ایسی ثابت شدہ چیز کو حق کہا جاتا ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ حقوق انسانی دراصل ان معیارات اور طرز ہائے عمل کا نام ہے جو انسان کو دنیوی اور اخروی ہر طرح کی خوشگوار زندگی فراہم کرنے اور لوگوں کے تمام مصالح کے تحفظ کے لئے ضروری ہیں اور جن کے بغیر انسان کو شرف و عزت، امن و انصاف اور آزادی و مساوات پر مبنی زندگی میسر نہ ہو سکے۔

5.2.1 حقوق و فرائض

اسلامی تعلیمات میں حقوق کے ساتھ فرائض کو بھی بیان جاتا ہے اور دونوں کو ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم قرار دیا جاتا ہے، کیوں کہ معاشرہ میں لوگوں کو صرف حقوق ہی حاصل ہوتے رہیں اور ان پر کسی طرح کی کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوں تو معاشرہ جمود و تعطل اور انتشار و بدامنی کا شکار ہو کر رہ جائے گا، اسی طرح صرف لوگوں پر فرائض ہی عائد کیے جائیں اور ان کے حقوق کو نظر انداز کر دیا جائے تو معاشرہ میں غلامی، جبر واستبداد اور ظلم وزیادتی کا خوفناک رجحان غالب آجائے گا۔ اس طرح دونوں صورتوں میں معاشرہ کو حقیقی استحکام حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ جب کہ معاشرے کی تعمیر و ترقی اور استحکام کا دارومدار ہی اس بات پر ہے کہ معاشرہ میں فرائض و حقوق کے درمیان توازن و تناسب قائم رہے۔ اس کے بغیر افراد کو اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنے اور اپنی شخصیت کو پروان چڑھانے کے مناسب مواقع دستیاب نہیں ہو سکتے اور نہ ہی مثالی معاشرہ کے قیام کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکتا ہے۔ اس لئے اسلام حقوق و فرائض کا تعین اور ان کے درمیان توازن کو ضروری قرار دیتا ہے۔ کیوں کہ انسان کی تخلیق اس فطرت پر ہوئی ہے کہ وہ تنہا اس دنیا میں زندگی نہیں گزار سکتا، بلکہ اپنی ضروریات زندگی اور مشکلات کے حل کے لیے باہمی تعاون کا محتاج ہے۔ جس کے پیش نظر انسانوں پر یہ فرائض اور ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں اور ہر ایک کے لئے خوشگوار زندگی فراہم کرنے کی کوشش کرے۔ اس کے علاوہ حقوق و فرائض کی ادائیگی کے لیے دو فریق کا ہونا ضروری ہوتا ہے، جن میں سے ایک حق ہوتا ہے اور دوسرے کا فریضہ۔ اس لیے اسلام اس مزاج کو پروان چڑھاتا ہے کہ حق لینے کے ساتھ ساتھ فریضہ کی ادائیگی پر بھی اسی قدر توجہ ہو۔ چنانچہ اسلامی تعلیمات میں حقوق کے ساتھ فرائض وواجبات اور ذمہ داریوں کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کی ادائیگی کی بار بار تاکید کی گئی ہے اور حقوق انسانی کے اسلامی تصور میں حقوق و فرائض دونوں کو لازم وملزوم قرار دیا گیا ہے اور دونوں کے درمیان توازن و تناسب کو ملحوظ رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔

5.2.2 حقوق اللہ اور حقوق العباد

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کا آغاز ہی حقوق انسانی کے تصور سے فرمایا اور خالق و مخلوق کے درمیان تعلقات کی حیثیت سے متعارف کرایا اور انسانوں کو مخلوق کے حقائق و معارف اور ان کے اسرار و رموز کو سمجھنے کی ترغیب دی۔ قرآن و سنت میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں حقوق کی بات کی گئی ہے۔ انسانی حقوق اللہ اور بندوں کے درمیان عبدیت کے تعلقات کی بنیاد پر اخذ کیے جاتے ہیں جس کا پہلا حق یہ ہے کہ عبد اپنے معبود کے احکامات کو بجالانے کے ساتھ انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے تمام میدان میں اقدامات کو یقینی بنائے۔ حقوق انسانی کے متعلق اسلام جہاں حقوق العباد اور حقوق اللہ دونوں کی اہمیت کو بیان کرتا ہے وہیں دونوں کے درمیان توازن و تناسب کی بھی ہدایت کرتا ہے۔ اسلام کا مطلوبہ رویہ ہرگز بھی یہ نہیں ہے کہ انسان حقوق اللہ پر سختی سے عمل پیرا ہوں لیکن حقوق العباد سے غافل رہے اور حقوق انسانی کی رعایت کا حامی ہو لیکن اپنے خالق کے حقوق سے غافل رہے۔ اسلامی تعلیمات میں یہ دونوں تصورات ناپسندیدہ ہیں بلکہ اسلام دونوں کے درمیان توازن و تناسب قائم کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ چنانچہ متعدد مقامات پر حقوق اللہ اور حقوق انسانی دونوں کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے:وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا-(سورۃ النساء:36)"اور اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور رشتہ دار ہمسایوں اور اجنبی ہمسایوں اور رفقائے پہلو اور مسافروں اور جو لوگ تمہارے قبضے میں ہوں سب کے ساتھ احسان کرو کہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے بڑائی مارنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔"

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی تربیت میں اس پہلو کو خصوصی طور پر ملحوظ رکھتے ہوئے حقوق اللہ اور حقوق انسانی کے درمیان بہترین توافق و توازن قائم فرمایا اور اس کی تاکید کی کہ حقوق اللہ کی بنیاد پر حقوق انسانی کی اور حقوق انسانی کی بنیاد پر حقوق اللہ کی نفی نہیں کی جاسکتی، بلکہ دونوں کو ایک دوسرے کی تکمیل کا ذریعہ قرار دیا۔ حقوق انسانی کو دستاویزی شکل میں تو بیان کیا جاسکتا ہے لیکن دستاویز سے اوپر اٹھ کر زمینی سطح پر انسان کی عملی زندگی میں نفاذ کے لیے ضروری ہے کہ انسان کو دونوں قسم کے حقوق کا پابند بنایا جائے۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ حقوق اللہ کے دائروں کو نظر انداز کرنے والا انسان حقوق العباد کی مکمل رعایت کر سکے گا، کیونکہ اللہ نے انسان کو پیدا کیا اور کائنات کو اس کے موافق کر کے اس پر ان گنت احسانات و کرامات کی بارش کر دی جن کا انسان ہر لمحہ محتاج ہوتا ہے۔ ان عظیم احسانات کو فراموش کرنے اور حقوق اللہ کے خلاف ورزی کرنے سے انسان کی طبیعت اور مزاج میں نافرمانی، ظلم، نفس پرستی اور طرح طرح کی فکری و عملی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں، جو حقوق انسانی کی رعایت کے لیے زبردست رکاوٹ ہیں۔ اس کے برخلاف انسان جب اپنے خالق کے احسانات کو یاد رکھتا ہے تو اس کے اندر خالق کی مخلوق کے تئیں محبت و شفقت، رأفت و رحمت اور احترام و اکرام کے جذبات پروان چڑھتے ہیں جو حقوق انسانی کے اصل محرکات ہیں۔ اسلام میں حقوق سے زیادہ فریضے کی ادائیگی پر زور دیا جاتا ہے اور تمام انسانوں پر یہ فریضہ عائد کیا جاتا ہے کہ وہ تمام بنی آدم سے محبت کرے اور ان کے تمام حقوق کو ادا کرے۔

5.2.3 حقوق کی ہمہ گیریت

اسلام حقوق کی ہمہ گیریت کا قائل ہے، اس لئے اسلام میں ہر انسان کے حقوق متعین کئے گئے ہیں اور ایسا تصور پیش کیا گیا ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے اور جس میں انسان کے باہمی تعلقات اور باہمی روابط سے لے کر نفسیاتی تقاضوں اور جذبات کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے۔ حقوق میں نہ تو قومی و نسلی اور علاقائی بنیادوں پر تفریق کی گنجائش ہے اور نہ ہی فریضے کی ادائیگی سے کسی کو مستثنیٰ رکھا گیا ہے ، بلکہ ہر شخص کو اس کے دائرے اور اس کی ذمہ دارانہ حیثیتوں کے اعتبار سے ذمہ دار بنایا گیا اور ہر ایک کو ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کا پابند بنایا گیا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک نگراں ہے اور اس کے ماتحتوں کے متعلق اس سے سوال ہو گا۔ امام نگراں ہے اور اس سے سوال اس کی رعایا کے بارے میں ہو گا۔ انسان اپنے گھر کا نگراں ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہو گا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگراں ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہو گا۔ خادم اپنے آقا کے مال کا نگراں ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہو گا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ انسان اپنے باپ کے مال کا نگراں ہے اور اس کی رعیت کے بارے میں اس سے سوال ہو گا اور تم میں سے ہر شخص نگراں ہے اور سب سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہو گا۔ (صحیح بخاری۔893)

اسلام میں حقوق انسانی کی عمومیت اس حد تک ہے کہ رحم مادر میں موجود بچوں کے حقوق کا بھی لحاظ رکھا گیا اور جنین کو حق زندگی عطا کرنے کے ساتھ ساتھ اسے میراث کا بھی حقدار بنایا گیا۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق حقوق انسانی انسان کے رحم مادر میں قیام سے شروع ہو کر موت تک اور موت کے بعد تک قائم رہتے ہیں۔ رحم مادر کے قیام کے وقت جنین کا حق اور والدین کی ذمہ داری ہے کہ اس کا ضیاع نہ ہو اور جنین کی مکمل حفاظت کا خصوصی اہتمام کیا جائے۔ چنانچہ اسلامی قانون کے مطابق بچوں کے پیدا ہوتے ہی والدین سے وابستگی، وراثت میں حصہ داری وغیرہ جیسے لازمی حقوق ثابت ہو جاتے ہیں جن سے انہیں محروم نہیں کیا جاسکتا ہے۔ حضرت سعد بن عبادہ نے اپنی ساری جائیداد اپنی اولاد میں تقسیم کر دی اور ملک شام کے سفر پر چلے گئے، پھر ان کی وفات ہو گئی۔ وفات کے وقت ان کی بیوی حاملہ تھی لیکن حضرت سعد کو اس کی خبر نہیں تھی۔ جب بچہ پیدا ہوا تو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر نے حضرت سعد کے بیٹے حضرت قیس کو کہلا بھیجا کہ سعد کو اپنی وفات کے وقت اس بچے کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا۔ اب ہمارا خیال یہ ہے کہ ان کی جائیداد میں اس نوزائیدہ کا بھی حصہ ہونا چاہیے جو اسے دے دیا جائے۔ (عبد الرزاق، المصنف)

5.2.4 حقوق انسانی کا تعین وحی کی بنیاد پر

حقوق انسانی کے اسلامی تصور کی اہم بنیاد وحی پر ہے۔ یعنی انسانی زندگی کے مختلف شعبے اور متنوع فرائض و معاملات ہوتے ہیں جن میں حقوق کی پاسداری ضروری ہے۔ اسلام کی نظر میں حقوق کے تعین کا دارومدار وحی پر ہے اور وحی کی روشنی میں حقوق و فرائض کا تعین کیا جاتا ہے نہ کہ سوسائٹی اور معاشرے کے پسند و ناپسند پر۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس کو بطور اصول بیان کیا گیا ہے کہ جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے اُسی کے مطابق فیصلہ کیا جائے اور لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کی جائے۔ کیوں کہ اگر سوسائٹی کے پسند و ناپسند کو معیار بنا کر

حقوق کا تعین ہو گا تو اکثریت کی طرف سے اقلیت پر ظلم واستبداد کا خوفناک سلسلہ قائم ہو سکتا ہے اور ہمیشہ اکثریت کے مفاد میں حقوق کا تعین ہو گا، قانون سازی اکثریت کے مفاد اور مقاصد کے تابع ہو گی اور اقلیت سماج کے کمزور طبقات مظلوم و مقہور زندگی گزارنے پر مجبور ہوں گے۔ اس لیے حقوق کا تعین وحی کی بنیاد پر ہونا ضروری ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ اکثریت کے مفادات اور خواہشات کو کچل دیا جائے، بلکہ سوسائٹی کے وہ مفادات اور خواہشات جو عدل وانصاف کی معارض ہوں گی انہیں رد کر دیا جائے گا اور جو حق وانصاف کے تابع ہوں گی ان کا احترام کیا جائے گا۔ لہٰذا وحی کی بنیاد پر حقوق کے تعین کا مطلب یہ ہے کہ انسانوں کے تمام طبقات کے حقوق کا مساویانہ طریقے سے احترام کیا جائے۔

5.3 تکریم انسانیت کا تصور

حقوق انسانی کے متعلق اسلامی تصور یہ ہے کہ تمام انسان قابل احترام ہے اور تمام معاملات میں انسانی اقدار اور انسانیت کے احترام کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ تکریم انسانیت اور انسانیت کی تعظیم اسلامی تعلیمات کا اہم موضوع ہے، قرآن مجید میں اس کو اہمیت کے ساتھ بیان کیا گیا تا کہ انسان خود انسانیت کے مقام و مرتبہ کو سمجھتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ عزت و تکریم کا رویہ اختیار کرے اور ایسے کسی بھی طرز عمل اختیار کرنے سے بچے جو انسانیت کی عزت و عظمت اور مقام و مرتبہ کو متاثر کر سکے۔ انسانوں کا اعزاز ہے کہ ان کے لیے اعضاء وجوارح اور عقل و خرد کے اعتبار سے نہایت حسین اور بے حد خوبصورت ساخت کا انتخاب کیا گیا چنانچہ قرآن مجید میں شرف انسانیت کا احساس دلاتے ہوئے کہا گیا کہ ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر بنایا ہے اور کائنات میں پھیلی تمام چیزیں انسانوں کے فائدے کے لئے تابع کی گئی ہیں۔ دنیا کو تکریم انسانی کا تصور در حقیقت اسلام نے ہی دیا ورنہ تمام ادوار میں انسانوں کو طاقت و قوت کی بنیاد پر مختلف خانوں میں تقسیم کیا گیا اور کمزوروں پر ہر طرح کے مظالم پرپا کرنا طاقت وروں کا حق مانا جاتا تھا۔ لیکن اسلام نے انسان کی عظمت کا یہ تصور دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بہترین ساخت میں پیدا کیا، دنیا کی تمام مخلوقات پر فضیلت دی، تمام مخلوقات کو اس کی خدمت میں لگا دیا انسان کو عظیم منصب پر فائز کر کے اپنی نیابت اور زمین کی خلافت کے لئے منتخب کیا۔ کریم انسانیت کا اہم پہلو یہ ہے کہ اللہ نے انسانوں کو عام مخلوق کے بجائے عقلمند، دانا اور ذی علم مخلوق بنایا اور خلافت ارضی کی صلاحیت سے نواز کر فرشتوں کا بھی مسجود بنا کر پیش کیا۔ انسانیت کی تکریم کا یہ تقاضا بھی ہے کہ انسان کو عام مخلوقات کی طرح بے سروپا آزاد نہ رکھا جائے بلکہ انسان کا شعور اور عقل اور زمین کے انتظام وانصرام کی صلاحیت کا مطالبہ ہے کہ انسان ذمہ دار مخلوق بنے اور اپنی ذمہ دارانہ حیثیتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر وقت اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے بے قرار رہے۔

5.3.1 مساوات

قرآن وسنت کے مطابق حقوق انسانی کی بنیاد مساوات انسانی ہے۔ دنیا کی تاریخ میں حقوق انسانی کی پامالی کا معاملہ جہاں بھی پیش آیا سب کی کلیدی وجہ عدم مساوات ہی ہے، اپنے ہی جیسے انسان کو کمتر سمجھ کر اس کو ظلم و جبر کا شکار بنایا جاتا ہے۔ اس لئے اسلام نے حقوق انسانی کے لیے مساوات کو سب سے مقدم رکھا اور مساوات کو عام کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ چنانچہ انسان کو بحیثیت انسان مکمل مساوات

کی تعلیم دی اور ان کے درمیان حقوق انسانی اور استحقاق میں برابری کے جذبات پر مشتمل انسانی معاشرہ کی تشکیل کی اور اس تصور کو عام کیا کہ سارے انسان بہ حیثیت انسان برابر ہیں،لہذا سارے انسان جینے، آزاد رہنے، کھانے پینے، رہن سہن، شادی بیاہ اور دیگر تمام معاملات میں مکمل طور پر آزاد ہیں۔ چنانچہ تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ مساوات کے آفاقی تصور کو پیش کیا گیا اور پورے زور و شور سے اعلان کیا گیا کہ تمام انسان ایک ماں باپ سے پیدا کئے گئے ہیں۔ اس تصور کو قرآن مجید نے جس اہمیت کے ساتھ متعدد آیات میں بیان کیا ہے وہ اپنے آپ میں عظیم مثال ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا -(سورۃ الحجرات:13)

"لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔"

احادیث میں اس حقیقت کو بڑی اہمیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے تا کہ مساوات کی راہ میں حائل تمام تعصبات کو ختم کرنے کی ترغیب ہو جائے اور نسلی، لسانی، علاقائی اور جنسی یہاں تک کہ افکار و نظریات کی بنیاد پر سماج میں پیدا ہونے والے تعصبات کو بھی ختم کیا گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے ایامِ تشریق کے خطبے میں ارشاد فرمایا"اے لوگو، سنو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا والد ایک ہے، سنو کسی عربی کو عجمی پر، نہ ہی کسی عجمی کو عربی پر اور نہ ہی کالے کو گورے پر اور نہ کسی گورے کو کالے پر فضیلت ہے سوائے تقویٰ کے"۔(مسند احمد 6/570)

تکریم انسانی اور ربانی انعامات و نوازشات کے تمام پہلوؤں میں سارے انسان برابر کی حیثیت رکھتے ہیں، نسلی، علاقائی، قومی، مذہبی اور امیری و غریبی کسی کو بھی کائنات میں پھیلی قدرت کی فیاضیوں سے استفادہ کرنے اور اس کی عنایت کردہ ساخت اور جسمانی ڈھانچوں کی تشخیص میں کوئی امتیازی حیثیت نہیں رکھی گئی، بلکہ سب کو برابر مقام دیا گیا اور ان امور میں کسی کو بھی ذرہ برابر کوئی اختیار نہیں دیا گیا تا کہ کوئی انسان خواہشات و سرکشی کے جذبات سے مغلوب ہو کر دوسرے کی زندگی کو مشکل میں نہ ڈال سکے۔

5.3.2 عدل وانصاف کا قیام

حقوق انسانی کا اہم اسلامی تصور یہ ہے کہ اسلام عدل پر مبنی ایسا نظام حیات پیش کرتا ہے جس میں عدل وانصاف کو تمام انسانوں کا بنیادی حق قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء ورسل اور کتاب و میزان بھیجنے کا مقصد ہی یہ بتایا کہ معاشرہ میں عدل وانصاف قائم ہو اور یہ حکم دیا گیا کہ اپنی امانتیں اور ذمہ داریاں امین افراد کے سپرد کرو اور فیصلے عدل وانصاف کے ساتھ کرو، یہاں تک کہ دشمنوں کے ساتھ بھی عدل وانصاف کرنے کی تاکید کی گئی۔ اسلام میں عدل و مساوات کا یہی بنیادی تصور اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں میں کارفرما ہے۔ کیوں کہ دین اسلام میں کسی کے لیے کوئی امتیاز نہیں ہے، بلکہ قانون کے سامنے سب برابر ہیں۔ قبیلہ بنی مخزوم کی فاطمہ نامی عورت سے جب چوری کا عمل سرزد ہو گیا اور لوگوں کی طرف سے معافی کی سفارش کرائی گئی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں وہ اس لیے تباہ ہوئیں کہ وہ لوگ کمتر درجے کے لوگوں کو قانون کے مطابق سزا دیتے تھے اور اونچے درجے والوں کو چھوڑ دیتے تھے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہِ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے، اگر میری اپنی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی پکڑی جاتی تو میں ضرور اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔(صحیح بخاری۔ حدیث نمبر:1688)

حقوق انسانی کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے عدل و انصاف کا قیام بنیادی حیثیت رکھتا ہے، اسلام نے اس کے قیام کو یقینی بنایا اور کبھی بھی اس کو طاقت و قوت، امیری و غریبی اور دیگر تفریقات سے متاثر ہونے نہیں دیا اسلام کا عادلانہ مساوات جس کی ضرورت آج کی سسکتی انسانیت کو ہے جہاں انصاف ملنے کے بجائے بکتے ہیں اور جہاں طاقت و قوت، مال و دولت اور ربط و تعلق کی بنیاد پر عدل وانصاف کے ڈھانچوں کے پرخچے اڑادیے جاتے ہیں۔

5.4 بنیادی حقوق انسانی

حقوق انسانی کے متعلق اسلام نظریاتی بیانات کے ساتھ ان بنیادی مسائل کو بھی تفصیل سے بیان کرتا ہے جو انسان کو پرامن اور خوشحال زندگی فراہم کرتے ہیں۔ ان میں سے چند ایسے حقوق کا تذکرہ کیا جارہا ہے جن کو اسلامی تعلیمات میں بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور جو انسان کی تعمیر اور فلاح و بہبود اور خوشگوار زندگی کے لیے بے حد اہم ہیں۔

5.5 انفرادی حقوق

انسانی اجتماعیت کی سب سے اہم اکائی انسانی گروہ کے افراد ہیں۔ جب تک ہر فرد ایک دوسرے کے حقوق کا محافظ اور ہر ایک کے حقوق کی فراہمی کے لئے نہایت فعال حصہ نہیں ہوگا انسانی سماج میں ترقی و ارتقاء، امن و امان اور تحفظ و بقا کا تصور کرنا محال ہے، اس لیے اسلامی تعلیمات میں فرد کی ہمہ گیر تعمیر پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ فکر و نظر کی اصلاح، عمل و کردار کی بلندی اور اخلاق واقدار کی درستگی کو اسلامی تعلیمات میں مرکزی اہمیت دی گئی ہے، تاکہ صالحیت وصلاحیت سے معمور افراد پر مشتمل انسانی گروہ تیار کیا جاسکے۔ چنانچہ اسلام نے فرد کے ان تمام حقوق متعین کیے ہیں جو فرد کی ارتقاء اور فلاح و بہبود میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔

5.5.1 جان کا تحفظ

فرد کے حقوق کے بہت سے گوشے ہیں ان میں سب سے بنیادی حق جان کے تحفظ اور زندہ رہنے کا حق ہے۔ اسلامی تعلیمات میں فرد کے اس حق کو بے پناہ اہمیت دی گئی اور اس حق کے چھیننے کی کوشش کرنے والوں کے لیے خوفناک سزا بیان کی گئی ہے تاکہ فرد کا یہ حق مکمل طور پر محفوظ رہے کیوں کہ جس معاشرہ میں فرد کے زندہ رہنے کا حق تلف کر دیا جائے یا اس کا یہ حق محفوظ نہ رہ پائے تو وہاں دوسرے حقوق کی ادائیگی کا تصور بھی محال ہے۔ گویا تمام حقوق دراصل فرد کے اسی حق کے تحفظ پر مبنی ہیں۔ اسلامی تعلیمات میں انسانی زندگی کے تحفظ کو پوری انسانیت کا مسئلہ قرار دیا گیا اور بتایا گیا کہ ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کے قتل کے برابر ہے اور ایک انسان کو بچانا پوری انسانیت کو زندگی فراہم کرنے کے مانند ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع سے ہر فرد کی جان کے تحفظ کو حرم مکرم کے تقدس سے جوڑ کر نہ یہ کہ صرف ضروری قرار دیا گیا بلکہ لوگوں کی جان کو تحفظ فراہم کرنے کو نہایت مقدس عمل بھی قرار دیا۔ تاکہ حفاظت جان صرف قانونی حیثیت سے اختیار کرنے کے بجائے اس کی تقدیس کا تصور بھی قائم کیا جاسکے اور یہ تصور بھی پیدا کیا جائے کہ انسانی زندگی کی حفاظت نہایت مقدس اور پاکیزہ عمل ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ بیشک تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر اسی طرح

حرام ہیں جیسے تمہارا یہ دن (یوم النحر) تمہارے اس مہینے (ذوالحجہ) اور تمہارے اِس شہر (ام القریٰ مکہ) کی حرمت ہے۔ (صحیح مسلم)

جان کی حفاظت ہر انسان کا مساوی حق ہے۔ اس میں نسل وعلاقہ، امیر وغریب اور مسلم وغیر مسلم کی تفریق کی گنجائش نہیں ہے۔ بطور خاص اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کی جان ومال کو تحفظ فراہم کرنے کی بار بار تاکید کی گئی، اس کی سزائیں مقرر کی گئیں اور سنگین وعید بیان کی گئی۔ مثال کے طور پر ایک موقع سے اللہ کے رسول صلی اللہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی معاہد کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پاسکے گا۔ (بخاری)

5.5.2 عزت واحترام کا حق

عزت و احترام بھی ہر فرد کا بنیادی حق ہے اور دیگر تمام افراد معاشرہ اور ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر فرد کے حق کا احترام کرے۔ ایسا کوئی رویہ اور قانون سازی عمل میں نہ آسکے جس سے کسی بھی فرد کی عزت کی پامالی کی راہ نکلتی ہو اور کسی کی عزت و شہرت اور وقار مجروح ہوتا ہو۔ رنگ، نسل، عقیدہ، مال ودولت، سماجی مرتبہ اور سیاسی عزت ووقار سے قطع نظر ہر شخص کو وہ عزت اور مقام حاصل ہے جسے کوئی فرد یا معاشرہ پامال نہیں کر سکتا۔ اسلام نہ صرف حکومت کا فرض قرار دیتا ہے، بلکہ معاشرے کے ہر فرد کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے کہ وہ کوئی ایسا کام سرانجام نہ دے جس سے معاشرے کے کسی بھی فرد کی عزت ووقار مجروح ہو۔ عیوب نکالنا، عیب جوئی کرنا، ناموں کو بگاڑنا، غیبت اور شخصی رازداری میں مداخلت اور تمسخر وغیرہ سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں اور اپنے (مومن بھائی) کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا بُرا نام رکھو ایمان لانے کے بعد بُرا نام (رکھنا) گناہ ہے اور جو توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔ اے اہلِ ایمان! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو کہ بعض گمان گناہ ہیں اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اس سے تو تم ضرور نفرت کروگے (تو غیبت نہ کرو) اور اللہ کا ڈر رکھو بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔" (سورۃ الحجرات: 11 تا 12)

مذکورہ بالا آیات میں ان برائیوں کی نشاندہی کی ہے جن کی وجہ سے افرادِ معاشرہ کی عزت و آبرو متاثر ہوتی ہے، اسلامی قانون کے مطابق ریاست اس بات کی پابند ہے کہ وہ معاشرے میں عزت وآبرو کے تحفظ کے لیے مذکورہ قوانین پر عمل کا اہتمام کرے اور اس میں کسی لاگ لپیٹ کی گنجائش نہ ہو۔ عیوب کی پردہ داری رکھنا فرد کی عزت واحترام کے تحفظ وبقا کا اہم ذریعہ ہے، اس لئے ایک طرف جہاں غیبت و بہتان اور الزام تراشی جیسے قبیح فعل سے منع کیا گیا وہیں ایک دوسرے کے عیوب پر پردہ ڈالنے کی تاکید کی گئی۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق عزت نفس اور احترام ہر فرد کا بنیادی حق ہے، اس لیے ہر ایک کے مقام ومرتبہ کے اعتراف کے ساتھ اس کو مطلوبہ عزت واحترام دیناضروری ہے۔ اس سے معاشرہ کو پرامن اور خوشگوار ماحول حاصل ہوتا ہے۔

5.5.3 آزادی کا حق

انسانی حقوق کے تصور میں آزادی کا تصور بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ حریت وآزادی کے متعلق اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ انسان نہ تو ایک جانور ہے جو آزادانہ طریقے سے اس دنیا میں جو چاہے کرے اور نہ ہی وہ مجبورِ محض ہے کہ اس کا اختیار ہی نہ ہو۔ اسلام ایسے جانور نما آزادی کو تسلیم نہیں کرتا کہ کوئی انسان اپنی خود سری میں مگن ہو کر دوسرے انسانوں کے حقوق کا استحصال کرنے لگے۔ بلکہ اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ تمام انسان محترم ہے اور تمام مخلوقات پر اسے فضیلت دی گئی ہے لہذا انسانی حریت وآزادی اس کی عزت وعظمت کے ساتھ انسانی اقدار سے مزین ہوتی ہے، اخلاق و کردار اور روحانیت پہ مبنی ان حدود و قیود کی پابند ہوتی ہے جو پاکیزہ انسانی معاشرے کی تشکیل کے لیے درکار ہوتی ہیں۔ اسلامی تعلیمات میں انسان کی آزادی کو انسان کا سب سے اہم حق قرار دیا گیا اور واضح طور پر بتایا گیا کہ انسان تمام مخلوقات میں سب سے اشرف اور معزز ہے اور دنیا میں اسے خدا کا نائب بنا کر بھیجا گیا ہے۔ وہ صرف اپنے ایک خدا کی مرضیات کی پابندی کے ساتھ زندگی کے دیگر تمام معاملات میں بالکل آزاد ہے۔ چنانچہ اسلام نے تفریق وامتیاز کی تمام شکلوں پر پابندی لگادی اور واضح پیغام دیا کہ کوئی اپنی برتری ثابت کرتے ہوئے دوسروں کو اپنی مرضیات کا اسیر نہ بنائے۔ ایک حدیث میں آزادی کا حقیقی تصور بیان کرتے ہوئے ارشاد ہے کہ اے لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے اور تم سب کا باپ ایک ہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے۔ تم میں سے جو شخص تقویٰ اور پرہیز گاری میں جتنا بڑھا ہوا ہو گا اللہ کے نزدیک اتنا ہی عزیز ہو گا۔ کسی عرب کو غیر عرب پر کسی غیر عرب کو کسی عربی پر فضیلت و برتری نہیں ہے اور نہ کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی برتری ہے۔ مزید فرمایا کہ آدمی کی برتری کا معیار تقویٰ اور برائیوں سے بچنا ہے۔ (مسند احمد)

یہ محض ایک اعلان نہیں تھا، بلکہ اسلامی معاشرہ میں اس کو قانونی حیثیت حاصل ہوئی اور مسلمانوں نے کسی پر اپنی مرضی نہیں چلائی بلکہ احکام الٰہی کے دائرے میں رہتے ہوئے سب کو آزاد سمجھا گیا۔ جب کہ غلامی جو کہ انسانی شرف وعزت کے لئے بدترین حالت ہے، ایک عرصہ تک تمام انسان سماج کا حصہ رہی اور دور جدید کے سرمایہ دارانہ استحصال نے انسان کو کسی نہ کسی پہلو سے غلامی اختیار کرنے پر مجبور کر رکھا ہے۔ اسلام نے انسانوں کے بدترین استحصال کے خاتمہ کا اعلان کیا اور باضابطہ قانون بنا دیا کہ گرفتار کیے گیے قیدیوں کو بہر صورت آزاد کیا جائے گا۔

5.5.4 حق ملکیت اور معاشی حقوق

اسلام نے سرمایہ دارانہ اور اشتراکیت کے بر خلاف ہر چیز پر اصلی ملکیت کا حق خود خالق کائنات کا ہے، قرآن مجید میں بار بار اس حقیقت کی یاد دہانی کرائی گئی ہے کہ زمین وآسمان کی تمام چیزیں اللہ کی مملوک اور ماتحت ہیں۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں اللہ کی ملکیت کا مختلف انداز و اسلوب میں تذکرہ کیا گیا ہے، جس کا واضح مقصد یہ ہے کہ انسان کے ذہن و دماغ میں یہ بات مکمل طور پر نقش کر جائے کہ کائنات میں اللہ کے علاوہ کسی کی ادنی ملکیت بھی نہیں ہے اور نہ ہی اس ملک میں کسی کی معمولی شرکت ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے:

"اللہ وہ ذات ہے جو آسمانوں اور زمین کی بادشاہت کی تنہا مالک ہے اور جس نے نہ تو کوئی بیٹا بنایا ہے اور نہ اُس کی بادشاہت میں کوئی

شریک ہے اور جس نے ہر چیز کو پیدا کر کے اُس کو ایک نپا تلا انداز عطا کیا ہے"

انسان کو دنیا میں موجود اللہ کی نعمتوں سے استفادہ کا مساوی حق دیا گیا ہے اور فرد کو آزادانہ اختیار دیا گیا ہے کہ اپنی محنت کی بنیاد پر عام استعمال کی چیزوں کے جس قدر حصّے کو بھی چاہے صرف کرے بشر طیکہ اس میں کسی دوسرے کا استحصال نہ ہو۔ کیوں کہ معاشی مساوات کا قیام انسانی سماج کے وجود و بقا کے لیے خشت اول کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے اسلام میں ترجیحی بنیاد پر تمام لوگوں کے معاشی حقوق و فرائض کا واضح تعین کرتے ہوئے ایک دوسرے کے معاشی حقوق کا مکمل احترام کیا گیا اور کائنات کے مالک نے ہی یہ اصول بیان کیا ہے کہ اللہ کی ملکیت میں اُس کے سارے بندے برابر کے حقدار ہیں اور کرہ ارض میں موجود تمام قسم کے اسباب معیشت پر سب انسان برابر کا حق رکھتے ہیں۔

5.5.5 تعلیم کا حق

تعلیم حاصل کرنا ہر انسان کے بنیادی حقوق میں شامل ہے۔ حکومت کے لیے لازم ہے تمام افراد کے لیے معیاری و عصری ضرورتوں کے مطابق تعلیم و تربیت کا بندبست کرے کیونکہ قوموں کی ترقی کا راز علم حاصل کرنے میں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تعلیم ہی وہ قیمتی جوہر ہے جس پر ملک و معاشرے کی بنا قائم کی جاتی ہے اور جس سے ملک و قوم اور معاشرے کو مناسب رخ فراہم ہوتی ہے۔ تعلیم سے جہاں معاشرے کو فلاح و بہبودگی اور گراں قدر بلندی حاصل ہوتی ہے وہیں یہ تمام مفاسد و مضرات اور زوال و تخلف کا علاج بھی بتاتی ہے اور مادی ترقیات سے لے کر اخلاقی و روحانی اصلاحات میں کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ شریعت اسلامیہ ہر شخص کے لیے تعلیم کو ضروری بلکہ فریضہ قرار دیتی ہے اور ریاست پر لازم ہے کہ تمام افراد کو بلا تفریق مواقع فراہم کرے۔ آنحضرت ﷺ تعلیم کو اتنا لازم قرار دیتے ہیں کہ آپ نے مسجد نبوی میں پہلی اسلامی یونیورسٹی کی ابتداء کی جہاں پر ملکی اور بین الاقوامی طلبہ کو تمام دینی اور دنیاوی علوم سکھائے جاتے تھے اور اسی طریقے پر تمام خلفاے راشدین نے بھی عمل کیا۔

5.6 مذہبی آزادی اور اسلام کی مذہبی رواداری

دین ومذہب کی آزادی انسان کے ان بنیادی حقوق میں سے ہے جو انسانی فطرت کا تقاضا ہے، مذہب وعقیدہ کا تعلق دل سے ہوتا ہے اور دل میں رچی بسی فکر کو طاقت و قوت اور دھوکہ اور فریب کے ذریعہ بدلا نہیں جاسکتا۔ بلکہ دل میں نقش کردہ نظریات کے تئیں مزید احترام اور یقین کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اور ان کے تعلق سے یقین واعتماد مزید بڑھ جاتا ہے، کیوں کہ مذہب انسان کی دانشورانہ صحت کا آئینہ دار ہوتا ہے اور ماننے والے کے اندر درست انداز میں سوچنے کی حس بیدار کرتا ہے۔ ہر عہد کا انسان اپنی فطرت اور ضرورت کے تحت خدا کا طالب ہوتا ہے۔ اس لئے انسان کے اس حق کو تسلیم کرنا اور اسے مذہبی آزادی فراہم کرنا کسی بھی سماج اور ملک کے استحکام کے لیے ضروری ہے۔ قرآن مجید میں نہایت واضح لفظوں میں بیان کر دیا گیا ہے کہ دین میں کسی قسم کی زور زبردستی کی گنجائش نہیں ہے، کیوں کہ دین کی راہ دل کے اعتقاد ویقین کی راہ ہے اور اعتقاد دعوت وموعظت سے پیدا ہو سکتا ہے نہ کہ جبر واکراہ سے۔ اس لیے ایمان قبول کرنے کے باب میں

کسی کو مجبور کرنے کا تصور بھی نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ مجبور کرنے کا مطلب ہے کسی کے سر ایسا کام تھوپ دینا جس کو وہ ناپسند کرتا ہے۔ لہٰذا یہ چیز افعال وجوارح میں تو پائی جاسکتی ہے لیکن ایمان جو تصدیق قلب اور انقیاد محض کا نام ہے دباؤ کے ساتھ نہیں پایا جاسکتا ہے۔ مذہبی عصبیت کے مقابلے میں دنیا کو مذہبی رواداری کی سخت ضرورت ہے۔ رواداری سے مراد تحمل وبرداشت ہے۔ رنگ ونسل، فکر واعتقاد، زبان ووطن اور مذہب کی بنیاد پر عصبیت کا شکار ہوئے بغیر ایک دوسرے کو برداشت کرنا رواداری کہلاتا ہے۔ مذہبی رواداری کا واضح مطلب یہ ہے کہ مذہبی بنیاد پر آراء و نظریات کے اختلافات کا احترام کیا جائے اور مذہبی، دینی اور معاشرتی معاملات میں فراخ دلی اور وسعت نظری کا مظاہرہ کیا جائے۔ اسلام مذہبی عصبیت اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی شدت پسندی اور جارحیت کا سخت مخالف ہے۔ مذہبی رواداری کی ضد مذہبی انتہا پسندی ہے جس کی بڑی وجہ فرقہ واریت ہے جو عدم برداشت اور شدت پسندی کو فروغ دیتی ہے۔ قرآن وحدیث کی تشریحات میں ہر طرح کی فرقہ واریت سے اجتناب کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور مذہبی رواداری اور مذہب سے اوپر اٹھ کر باہمی تعاون پر ابھارا گیا ہے۔ حتی کہ اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر انبیاء پر اپنی برتری کا تذکرہ کرنے سے بھی منع فرمایا۔ ایک موقع سے آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت مت دو اس لئے کہ لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہو جائیں گے اور میں بھی ان لوگوں کے ساتھ بے ہوش ہو جاؤں گا۔ سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا۔ میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کا کونہ پکڑے ہوئے ہوں گے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ بے ہوش ہو کر مجھ سے پہلے ہوش میں آجائیں گے یا اللہ عزوجل نے ان کو بے ہوشی سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ (بخاری)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام رفعت پر فائز ہونے کے باوجود اس طرح کی فضیلت بیانی اور ترجیحی طرز عمل اختیار سے منع فرمایا۔ کیوں کہ یہ طرز عمل معاشرے میں مذہبی انتہاپسندی، عدم برداشت اور فرقہ واریت کو بڑھاوا دیتا ہے اور مذہبی رواداری اور باہمی الفت ومحبت پر مبنی رویوں کو ختم کر کے انسانی معاشرہ کو فساد وغارت گری کا اڈہ بنا دیتا ہے۔

5.6.1 مذہبی شعار اور مذہبی نمائندوں کا احترام

مذہبی رواداری کو بڑھاوا دینے کے لئے دوسروں کے مذہبی شعار اور مذہبی نمائندوں کو برا بھلا کہنے سے سختی سے منع کیا گیا کیوں کہ اس سے مذہبی منافرت، انتشار اور عدم برداشت کی صورت حال جنم لیتی ہے اور معاشرے میں جارحیت کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں۔ قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد ہے: وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (سورۃ الانعام:108) ”یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انہیں برا بھلا مت کہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ لاعلمی کی وجہ سے اللہ کو برا بھلا کہنے لگے“

1. مذہبی رواداری کی عملی مثالیں

اسلام کی مذہبی رواداری ایسی مسلمہ حقیقت ہے جس کی شہادت نہ یہ کہ صرف اسلام کے ماننے والوں کی زبان وقلم سے بیان ہوتی ہے بلکہ ان لوگوں نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے جو ہمیشہ اسلام کی تعلیمات پر تنقید کرتے رہے ہیں۔

مثال کے طور پر مشہور مستشرقہ "Dr Laura VecciaVaglieri" اسلامی رواداری کا تذکرہ کرتی ہوئی لکھتی ہیں:

"قرآن مجید اعلان کرتا ہے کہ اسلام میں جبر نہیں ہے۔ محمد خدائی تعلیمات پر سختی سے کاربند تھے۔ بالعموم تمام مذاہب کے ساتھ اور توحیدی مذاہب کے ساتھ خصوصی رواداری کا معاملہ کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کفار کے ساتھ صبر و تحمل کا رویہ اختیار کرتے۔ عیسائی اداروں کی حفاظت کی تاکید فرماتے۔ ساتھ ہی یہودیوں کو ان کے مذہب کی وجہ سے کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچے اس کے لئے آپ بے تحاشا فکر مند رہتے تھے۔" (An interpretation of Islam)

مذہبی رواداری کے متعلق جہاں قرآن وسنت میں بار بار تلقین کی گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا شاندار عملی نمونہ پیش کیا وہیں آپ کے جانشینوں نے ہر زمانے میں اس کو اپنے نظام حکومت کا بنیادی حصہ بنائے رکھا اور اس پر سختی سے کاربند رہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کے عہد میں غیر مسلموں کے حقوق اور مذہبی امور کی حفاظت کے لیے باضابطہ معاہدے تحریر کرائے گئے۔ ان معاہدوں میں مندرجہ ذیل امور پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی کہ غیر مسلموں کی عبادت گاہیں مسمار نہ کی جائیں اور نہ وہ قلعے گرائے جائیں جن میں دشمنوں سے حفاظت کے لیے پناہ لیتے ہیں، ناقوس بجانے اور تہوار و تقریب کے موقع سے علامتی جھنڈے، صلیب وغیرہ نکلنے سے نہ روکا جائے۔" (کتاب الخراج)

خلیفہ ثانی حضرت عمر نے بھی اس طرح کے معاہدوں کو خوب اہمیت دی اور غیر مسلموں سے دیگر متعدد معاہدے کیے۔ مثال کے طور پر اہل ایلیاء سے کیا گیا معاہدہ کافی مشہور ہے جس میں بطور خاص کہا گیا کہ یہ امان ہے جو اللہ کے بندے امیر المومنین عمر نے اہل ایلیاء کو دی۔ یہ امان جان و مال، گرجا، صلیب، تندرست و بیمار اور ان کے تمام اہل مذاہب کے لئے ہے۔ نہ ان کے گرجے گرائے جائیں، نہ ان کے گرجوں میں سکونت اختیار کی جائے، نہ ان کے احاطوں کو نقصان پہنچایا جائے۔ مذہب کے بارے میں ان پر کوئی جبر نہیں کیا جائے اور نہ کسی کو کسی بھی طرح کا نقصان پہنچایا جائے۔ (الفاروق)

خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کے عہد میں غیر مسلموں کے مذہبی معاملات کو خصوصی تحفظ فراہم کیا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ غیر مسلموں کی شکایت پر حضرت عثمان نے اپنے گورنر ولید بن عتبہ کو ایک تادیبی خط لکھا، جس میں اس کی صراحت کی کہ عراق میں مقیم نجران کے باشندوں کے سرداروں نے میرے پاس آکر شکایت کی ہے اور مجھے وہ معاہدہ دکھایا ہے جو حضرت عمر نے ان کے ساتھ کیا تھا۔ میں نے ان کے جزیہ میں سے تین جوڑوں کی تخفیف کر دی ہے، انہیں میں نے اللہ جل شانہ کی راہ میں بخش دیا ہے اور وہ ساری زمین دے دی جو عمر نے انہیں یمنی زمین کے عوض عطا کی تھی۔ اب تم ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو کیوں کہ یہ ایسے لوگ ہیں جنہیں ذمہ حاصل ہے۔ عمر نے ان کے لئے جو معاہدہ تیار کیا تھا اسے غور سے دیکھ لو اور اس میں جو کچھ درج ہے وہ پورا کرو۔ (کتاب الخراج)

دنیا کے ذخیرہ اخلاق میں مذہبی رواداری اور مذہبی توسع کے تعلق سے یہ بات نادرالوجود ہے کہ مذہب وعقیدہ کی بنیاد پر جانی دشمنوں کے ساتھ عفوو در گزر اور ہمدردی و غمخواری اور ان کے حقوق کی رعایت کو لازم قرار دیا گیا ہو اور اس پر سختی سے عمل کرنے کی تاکید کی گئی ہو۔ اسلامی تعلیمات میں اس طرح کے ہزاروں عملی ثبوت تاریخ کے صفحات پر جلی قلم سے درج ہیں۔ خود قرآن مجید اس طرح کی

تاکیدات سے بھرا پڑا ہے۔ مثلا ایک جگہ ناپسندیدہ رویوں اور بدسلوکی کے بدلے خیر و بھلائی کا رویہ اختیار کرنے کی تاکید کی گئی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات جو صحیح ترین سند سے ہم تک پہنچی ہیں ان میں دشمنوں کے ساتھ عفوو درگزر اور حسن سلوک کی جو عملی مثالیں موجود ہیں وہ قدیم دنیا کی تاریخ تو دور معاصر دنیا کے تصور میں بھی نہیں آسکتی ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے سخت ترین دشمنوں کے ساتھ بھی کبھی انتقامی کارروائی نہیں کی۔ اہل مکہ نے جو زیادتیاں آپ کے ساتھ کیں وہ تاریخ کے کسی بھی طالب علم کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ متعدد مرتبہ آپ پر قاتلانہ حملے کیے گئے، تمام قبائل کے منتخب افراد آپ کو قتل کر دینے کے لئے آپ کے گھر میں حملہ آور ہوئے۔ اس کے علاوہ آپ پر اس قدر زیادتیاں کی گئیں کہ آپ کو ترک وطن کرنا پڑا، لیکن نو سال بعد جب اسی شہر میں آپ فاتحانہ داخل ہوئے اور سامنے وہی ظالم و جابر صف بستہ کھڑے تھے جنہوں نے آپ کو پورے خاندان سمیت شعب ابی طالب میں محصور کر کے آپ کا مکمل بائیکاٹ کیا تھا اور بے پناہ مظالم ڈھا کر ترک وطن پر مجبور کر دیا تھا۔ آپ نے ان لوگوں کے توقعات کے خلاف ان کے لیے معافی عام کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ آج تم پر کوئی گرفت نہیں ہے تم سب آزاد ہو۔ مورخین لکھتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ سینا کے راہبوں اور تمام عیسائیوں کے حقوق کے تحفظ کے متعلق باضابطہ قانون سازی کی اور مسلمانوں کو تاکید کی کہ گرجاگھروں اور دیگر مذہبی مقامات کی مکمل حفاظت کی جائے، کسی بھی صورت میں گرجاگھروں اور عبادت گاہوں کو مسمار نہ کیا جائے، ان سے بے جا ٹیکس نہ لیے جائیں اور نہ ہی کسی کو مذہبی جبر کا نشانہ بنایا جائے۔

5.7 اجتماعی و معاشرتی حقوق

جس طرح ہر انسان کے انفرادی حقوق اور انفرادی ذمہ داریاں ہوتی ہیں اسی طرح اسلام ہر انسان کو اجتماعی حق دیتا ہے اور ہر ایک پر اجتماعی ذمہ داریاں بھی عائد کرتا ہے۔ اجتماعی سطح پر حقوق و فرائض کی ادائیگی انسانی زندگی کی ہمہ جہت خوشگواری کے حصول کے لیے ضروری ہے۔ اسلام معاشرے کے تمام افراد، معاشرتی اداروں اور معاشرے سے متعلق تمام امور کے لئے معاشرتی حقوق و فرائض کا تعین کرتا ہے تاکہ ایک متوازن، معتدل اور انسانی حقوق کا احترام کرنے والے معاشرہ کی تشکیل عمل میں آسکے۔ اسلام کے معاشرتی نظام میں دو چیزوں کی خاص اہمیت ہے، رشتہ داروں کا پاس و لحاظ اور حقوق کی ادائیگی۔ چنانچہ اسلام کے بنیادی مراجع میں صلہ رحمی، رشتہ داری کا پاس و لحاظ اور رشتہ داروں کے حقوق کی رعایت کی متعدد مقامات پر تاکید کی گئی ہے اور قطع رحمی سے سختی سے روکا گیا ہے۔ قرابت کے احترام کو ملحوظ رکھنے اور صلہ رحمی کے رویوں کو اختیار کرنے سے معاشرہ میں پیار و محبت کے جذبات عام ہوتے ہیں، باہمی عداوت و دشمنی کا خاتمہ ہوتا ہے اور مشکلات کے وقت ایک دوسرے کے کام آنے اور باہمی تعاون کے جذبات کو مہمیز ملتی ہے۔ اس طرح معاشرے کے تمام افراد باہری خطرات اور شرارتوں سے حد درجہ مامون ہو جاتے ہیں اور ہر طرف خوشحالی کا ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔

1. اہل قرابت اور رشتہ دار کے حقوق

معاشرتی زندگی کا اہم ترین ستون اہل قرابت اور رشتہ دار ہیں، جن کے بغیر سماج کی خوبصورتی بے معنی ہو جاتی ہے۔ اسلامی اجتماعی نظام میں اہل قرابت کے ساتھ حسن تعامل کو خاص اہمیت حاصل ہے، اس لئے اہل قرابت کے ساتھ حسن سلوک، ہمدردی، خیر خواہی اور غم

گساری کی تاکید کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا (بنی اسرائیل:26) ''اور رشتہ داروں اور محتاجوں اور مسافروں کو اُن کا حق ادا کرو اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ۔''

رشتہ دار خواہ غلط رویہ اختیار کریں بلکہ الزام تراشی کریں تب بھی انہیں معاف کر دینا چاہیے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو جاری رکھنا چاہیے۔ حضرت عائشہؓ کے متعلق منافقین کی طرف سے پھیلائے گئے پروپیگنڈوں میں حضرت ابو بکرؓ کا ایک غریب اور محتاج رشتہ دار بھی شامل ہو گیا تھا، اس وجہ سے حضرت ابو بکرؓ نے اس کی مالی معاونت سے انکار کر دیا تھا، ایسے حالات میں تنبیہ کی گئی کہ اسے معاف کر دینا چاہیے اور معاونت اور حسن سلوک کو بدستور جاری رکھنا چاہیے۔(النور:22)

یہاں تک کہ قرابت کے پاس ولحاظ رکھنے میں مذہبی تفریق کو بھی آڑے آنے دینا اسلام میں ناپسندیدہ ہے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کی مشرکہ ماں کا ایک مرتبہ ان کے پاس آنا ہوا، حضرت اسماءؓ نے اللہ کے رسول سے پوچھا کہ کیا میں ان کے ساتھ حسن سلوک کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا ضرور ان کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔(بخاری)

قران مجید کی متعدد آیات میں رشتوں کو جوڑنے کا حکم دیا گیا ہے، رشتہ داری کی اہمیت کو ملحوظ رکھنے اور رشتہ داری کے تقاضوں کو ہر پل نبھانے کی تاکید کی گئی ہے اور اس سے پہلو تہی کرنے والوں اور رشتہ داروں کے حقوق کی رعایت نہ کرنے والوں کو سخت وعید کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔

5.8 ملازمین اور متعلقین کے حقوق

وہ تمام افراد سماج کا اہم حصہ ہوتے ہیں جن سے ہمارا کسی بھی طرح کا معاملہ ہوتا ہے، جیسے ملازمین، احباب، خیر خواہ اور دیگر متعلقین۔ اسلام ان تمام لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور باہمی تعاون کی تلقین کرتا ہے۔ یتیموں، بیواؤں، مساکین، مقروض اور سماج کے کمزور افراد کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی خیر خواہی کی بار بار تاکید کی گئی اور باضابطہ ان کے حقوق متعین کئے گئے، جو قرآن وسنت میں تفصیل سے درج ہیں۔

5.9 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- حقوق عربی میں حق کی جمع ہے جس کے معنی موافقت، ہم آہنگی، درست اور واجب کے ہیں۔
- اصطلاح میں حقوق ان ذمہ داریوں اور مطالبات کو کہا جاتا جن کا بعینہ پورا کرنا ضروری ہے، خواہ ان کا تعلق عقیدہ، نظریہ اور ایمان سے ہو یا دنیاوی معاملات سے ہو۔
- اسلامی تعلیمات میں حقوق کے ساتھ فرائض کو بھی بیان جاتا ہے اور دونوں کو ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم قرار دیا

جاتاہے، کیوں کہ معاشرہ میں لوگوں کو صرف حقوق ہی حاصل ہوتے رہیں اور ان پر کسی طرح کی کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوں تو معاشرہ جمود و تعطل اور انتشار و بدامنی کا شکار ہو کر رہ جائے گا، اسی طرح صرف لوگوں پر فرائض ہی عائد کیے جائیں اور ان کے حقوق کو نظر انداز کر دیا جائے تو معاشرہ میں غلامی، جبر واستبداد اور ظلم وزیادتی کا خوفناک رجحان غالب آ جائے گا۔

- قرآن و سنت میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں حقوق کی بات کی گئی ہے۔
- حقوق انسانی کے متعلق اسلام جہاں حقوق العباد اور حقوق اللہ دونوں کی اہمیت کو بیان کرتا ہے وہیں دونوں کے درمیان توازن و تناسب کی بھی ہدایت کرتا ہے۔
- اسلام حقوق کی ہمہ گیریت کا قائل ہے، اس لئے اسلام میں ہر انسان کے حقوق متعین کئے گئے ہیں اور ایسا تصور پیش کیا گیا ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے اور جس میں انسان کے باہمی تعلقات اور باہمی روابط سے لے کر نفسیاتی تقاضوں اور جذبات کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے۔
- اسلام کی نظر میں حقوق کے تعین کا دارومدار وحی پر ہے اور وحی کی روشنی میں حقوق و فرائض کا تعین کیا جاتا ہے نہ کہ سوسائٹی اور معاشرے کے پسند و ناپسند پر۔
- حقوق انسانی کے متعلق اسلامی تصور یہ کہ تمام انسان قابل احترام ہے اور تمام معاملات میں انسانی اقدار اور انسانیت کے احترام کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔
- قرآن و سنت کے مطابق حقوق انسانی کی بنیاد مساوات انسانی ہے۔ دنیا کی تاریخ میں حقوق انسانی کی پامالی کا معاملہ جہاں بھی پیش آیا سب کی کلیدی وجہ عدم مساوات ہی ہے ۔
- حقوق انسانی کا اہم اسلامی تصور یہ ہے کہ اسلام عدل پر مبنی ایسا نظام حیات پیش کرتا ہے جس میں عدل وانصاف کو تمام انسانوں کا بنیادی حق قرار دیتا ہے۔

5.10 نمونہ امتحانی سوالات

5.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. حقوق کا واحد کیا ہے؟

(a) حق   (b) حقوق   (c) فرض   (d) ہر ایک

2. اصطلاح میں حقوق۔۔۔۔ کہا جاتا ہے؟

(a) احسانات کو   (b) پسند اور ناپسند کو   (c) ذمہ داریوں اور مطالبات کو   (d) نماز ادا کرنے کو

3. اسلامی تعلیمات میں حقوق کے ساتھ۔۔۔ بھی بیان جاتا ہے؟

(a)نماز روزے کو (b)انسانیت کی خدمت کو (c)حسن سلوک کو (d)فرائض کو

4. حقوق کے تعین کا دارومدار کس چیز پر ہے؟

(a)وحی پر (b)سوسائٹی پر (c)سماج کی ضرورتوں پر (d)انسانی پسند وناپسند پر

5. ایسا کون سا نظام حیات ہے جو حقوق کی ہمہ گیریت کا قائل ہے؟

(a)مغربی نظام (b)سامراجی نظام (c)کمیونزم (d)اسلامی نظام

6. حقوق انسانی کی بنیاد کیا ہے؟

(a)پیار ومحبت (b)عبادت وریاضت (c)مساوات انسانی (d)عقیدت

7. دنیا میں حقوق انسانی کی پامالی کی کلیدی وجہ کیا ہے؟

(a)عدم مساوات (b)باہمی محبت کا فقدان (c)دولت کی فراوانی (d)لوگوں کی مشغولیت

8. فرد کے بنیادی حقوق میں سب سے بنیادی حق کیا ہے؟

(a)مال کا تحفظ (b)عبادت کا حق (c)کھانے پینے کا حق (d)جان کا تحفظ

9. قوموں کی ترقی کا راز کس چیز کو حاصل کرنے میں ہے؟

(a)حکومت واقتدار (b)مال ودولت (c)عمارت سازی کا فن (d)علم

10. دوسروں کے مذہبی شعار اور مذہبی نمائندوں کو برا بھلا کہنے سے کیا صورت حال جنم لیتی ہے؟

(a)سیاسی انتشار (b)معاشی افراتفری (c)اخلاقی گراوٹ (d)مذہبی منافرت اور عدم برداشت

5.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. حقوق کا مفہوم اور اصطلاح میں حقوق سے کیا مراد ہے؟ لکھیے۔
2. حقوق کے ساتھ فرائض کیوں ضروری ہیں؟ قلمبند کیجیے۔
3. حقوق انسانی کا تعین وحی کی بنیاد پر کیوں ہونا چاہیے؟ مفصل لکھیے۔
4. اسلام میں تکریم انسانیت کا تصور کیا ہے؟ بیان کیجیے۔
5. مساوات مرد وزن کے متعلق اسلام کا انفرادی تصور کیا ہے؟ تحریر کیجیے۔

5.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. حقوق انسانی کے اسلامی تصور میں حقوق و فرائض اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی اہمیت پر تفصیل سے روشنی ڈالیں۔

2. حقوق انسانی میں تکریم انسانیت، مساوات اور عدل وانصاف کی ضرورت کو تفصیل سے تحریر کریں۔

3. بنیادی حقوق انسانی کیا ہیں اور اسلام میں ان کی کیا اہمیت ہے؟ قلمبند کیجیے۔

5.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. اسلام حقوق انسانی کا پاسباں	:	مولانا سید جلال الدین عمری
2. اسلام اور انسانی حقوق اقوام متحدہ کے عالمی منشور کے تناظر میں	:	ابو عمار زاہد الراشدی
3. قرآن حکیم کی روشنی میں حقوق انسانی	:	رقیہ بنت علامہ خلیل عرب
4. اسلام میں انسانی حقوق	:	ڈاکٹر سلیمان بن عبد الرحمٰن
5. اسلام کا نظام حقوق و فرائض	:	ابو حمزہ عبد الخالق
6. حقوق العباد	:	سید بدیع الدین شاہ راشدی

اکائی 6: اسلام میں بنیادی انسانی حقوق (حصہ اول)

اکائی کے اجزا:

6.0 تمہید

6.1 مقاصد

6.2 مساوات کا حق

6.3 دفاع کا حق

6.4 تعلیم کا حق

6.5 محنت کا حق

6.6 لباس کا حق

6.7 امن کا حق

6.8 کھانے پینے کا حق

6.9 اکتسابی نتائج

6.10 نمونہ امتحانی سوالات

6.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

6.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

6.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

6.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

6.0 تمہید

بنیادی انسانی حقوق کی ہمیشہ بڑی اہمیت رہی ہے، کیوں کہ ان حقوق سے واقفیت اور ان کی ادائیگی کے بغیر سماج میں امن و آشتی کا قائم ہونا ناممکن ہے۔ اسی لئے اسلام نے آج سے تقریباً پندرہ صدی قبل انسان کے بنیادی حقوق کو بہت واضح انداز میں بیان کر دیا ہے اور اس

بات کو یقینی بنایا کہ ہر شخص کو اس کا بنیادی حق ضرور دیا جائے۔اس اکائی میں اسلام کے عطا کردہ سات اہم بنیادی انسانی حقوق کا تذکرہ کیا جائے گا۔

6.1 مقاصد

اس اکائی کو پڑھ کر طلبہ جہاں اسلام کے عطا کردہ بنیادی انسانی حقوق سے واقف ہوں گے وہیں انسانی حقوق کی اہمیت سے بھی بہرہ ور ہوں گے ۔ اس اکائی میں سات بنیادی انسانی حقوق کا تذکرہ کیا گیا ہے جو اس طرح ہیں ۔ مساوات کا حق، دفاع کا حق، تعلیم کا حق، محنت کا حق، لباس کا حق، امن کا حق، کھانے پینے کا حق۔

6.2 مساوات کا حق

مساوات انسان کے بنیادی حقوق کا پہلا زینہ ہے، کیوں کہ حقوق انسانی کی پامالی جب بھی اور جہاں بھی ہوئی، عدم مساوات کے سبب ہی سے ہوئی۔ تاریخ ہمیں بتاتی کہ انسان نے اپنے ہی جیسے دوسرے انسان کو اپنے سے کمتر، بلکہ بسا اوقات جانور یا جانور سے بھی بدتر سمجھ کر برتاؤ کیا۔ لیکن اسلام کے نزدیک دنیا کے تمام انسان برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر کوئی فوقیت اور برتری حاصل نہیں ہے۔ہاں اپنی شکل وصورت، رنگ ونسل اور طبیعت وخصلت کے اعتبار سب مختلف ہیں۔ مگر بشریت اور انسانیت کے رشتہ سے سب یکساں ہیں۔ سب ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً (النساء:1) "اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان (یعنی آدمؑ) سے پیدا کیا (کیوں کہ سب آدمیوں کی اصل وہی ہیں) اور اس (ہی) جاندار سے اس کا جوڑا (یعنی ان کی زوجہ حواء) کو پیدا کیا اور پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں (دنیا میں) پھیلائیں۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا کے تمام انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ان کا مادہ تخلیق اور طریقہ تخلیق ایک ہے، خواہ کوئی غریب کا بچہ ہو، یا امیر کا مزدور کا ہو یا سرمایہ دار کا، بحیثیت انسان ان میں کسی طرح کا کوئی فرق نہیں ہے۔ البتہ اپنے خالق و مالک کی اطاعت و فرمانبرداری اور تقوی و خدا ترسی کی بنیاد پر انسان کو فضیلت ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات:13) "لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیاہ پرہیزگار ہو۔

اس آیت میں پہلی بات یہ بتائی گئی کہ سارے انسانوں کی اصل ایک ہے۔ مختلف قوموں، نسلوں، زبانوں اور رنگوں کے درمیان ان کی تقسیم کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔دوسری بات یہ بتائی گئی کہ قوموں اور قبیلوں کی تقسیم صرف تعارف کے لیے ہے۔ فخر وفضیلت اور امتیاز کے لیے نہیں ہے۔اس حقیقت کو رسول اللہ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں انتہائی بلیغ انداز میں آشکارا کیا ہے، جس میں قومی اور نسلی برتری

کے احساسات کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا اور بتایا کہ آدم کی اولاد سب ایک حیثیت کی مالک ہے، ہاں تقوی، خدا ترسی اور رفعت کردار سے انسان عزت و سر بلندی کے مقام پر پہنچتا ہے اور وہ دوسروں کے لیے قابل احترام ٹھہرتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یاایھاالناس! الا! إن ربکم واحد و إن اباکم واحد الا! لافضل لعربی علی العجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولالاسود علی أحمر إلا بالتقوی۔ (البیہقی، شعب الایمان) "اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے۔ سنو! کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کسی عجمی کو عربی پر نہ کسی گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر ماسوا تقوی کے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے دنیا کے تمام انسانوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا: انا شہید ان العباد کلہم اخوۃ۔ (سنن ابی داؤد، کتاب تفریع ابواب الوتر، باب مایقول الرجل اذا سلم) "میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ سارے انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

ان آیات واحادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بحیثیت انسان کوئی کسی سے کم نہیں ہے۔ البتہ بعض خارجی اسباب کی بنا پر فرق مراتب ہیں۔ ایک کو دوسرے پر ترجیح حاصل ہے اور یہ ایک فطری بات ہے۔ جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ مثلاً کوئی نیک اور پرہیز گار ہے تو اسے بد اور برے پر برتری یا ایک پڑھا لکھا شخص ہے تو اسے دوسرے جاہل شخص پر فوقیت حاصل ہونا فطری ہے۔ اس فرق کا اعتراف نہ کرنا اور دونوں کے ساتھ مساویانہ طرز عمل ہر معاملہ میں اختیار کرنا ایک پر ہی نہیں بلکہ دونوں پر ظلم ہے۔

اگر جاہل کو وہی کام اور ذمہ داریاں دے دی جائیں، جو پڑھے لکھے کو تو اس کا نتیجہ سواء بد نظمی اور بگاڑ و فساد کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ بالکل اسی طرح جو لوگ صنفی برابری اور مرد و عورت کی کامل مساوات کی بات کرتے ہیں وہ بھی بگاڑ کو دعوت دے رہے ہیں کیوں کہ جو کام مرد کر سکتا ہے وہ عورت نہیں کر سکتی اور جو عورت کر سکتی ہے وہ مرد نہیں کر سکتا۔ اس طرح امیر، غریب اور آقا و غلام کا انسانی فرق اسلام کے تصور مساوات نے ختم کر دیا۔ معاشرہ میں اپنی حیثیت کے اعتبار سے جس کا جو بھی رتبہ ہو، انسان کی حیثیت سے سب برابر ہیں اور اپنی صلاحیت ولیاقت کی بنیاد پر آگے بڑھنے کے مواقع سب کے لئے یکساں ہیں۔ قیادت کی بنیاد لیاقت و خدمت قرار پائی، نہ کہ نسل و خاندان۔ غلاموں کو رئیسوں کی دامادی تک کا شرف حاصل ہوا۔ سلطنت مملوک یا غلام خاندان کی سلطنت تاریخ عالم میں اسلام کا ایک امتیازی نشان ہے۔ غرض یہ کہ اسلام نے مساوات انسانی کا وہ تصور دیا جو دنیا کے کسی مذہب کے پاس نہیں ہے۔ اس نے تمام بنی نوع انسان کو سماجی، سیاسی، معاشی اور قانونی مساوات کا حق عطا کیا ہے۔ اور اس میں نسب، رنگ و نسل، زبان و وطن، عقیدہ و خیال کی کوئی تمیز نہیں کی۔

انسانوں کے درمیان فرق و امتیاز اور ان پر ظلم و زیادتی خدا کی آتش غضب کو بھڑکاتی ہے اور جس قوم کو یہ مرض لگ جائے وہ بالآخر تباہ ہو جاتی ہے۔ فرعون اور اس کی قوم نسلی تعصب اور احساس برتری میں مبتلا تھی اور وہ بنی اسرائیل کو اپنے مساوی حیثیت دینے کے لیے تیار نہ تھی، اس نے انہیں غلام بنائے رکھا تھا اور انہیں محض خدمت گار کی حیثیت سے دیکھتی تھی، نسل کشی کے ذریعہ ان کی افرادی قوت گھٹانے اور انہیں کم زور کرنے کی مسلسل تدبیریں کر رہی تھی اور ان کے ابھرنے کے تمام مواقع اس نے مسدود کر رکھے تھے۔ کسی قوم کے ایک طبقہ کو اس طرح دبانا اور کچلنا سنگین جرم تھا۔ قرآن مجید نے اس ظلم و زیادتی کو جگہ جگہ بیان کیا ہے اور واضح کیا ہے کہ اللہ تعالی فرعون کی اس روش کے مقابلہ میں بنو اسرائیل جیسی کم زور قوم کو اوپر اٹھایا اور فرعون اور اس کی قوم کو تباہ و برباد کر دیا: ارشاد ربانی ہے: إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا

فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ○وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ○وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ(القصص:6-4)" بے شک فرعون نے ارض مصر میں سرکشی کی راہ اختیار کی اور وہاں کے باشندوں کو فرقوں میں تقسیم کیا۔ ان میں سے ایک فرقہ (بنی اسرائیل) کو کمزور بنائے رکھا۔ ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا۔ بے شک وہ فساد کرنے والوں میں سے تھا۔ ہم ان لوگوں پر احسان کرنا چاہتے تھے جو زمین میں کم زور بنا کر رکھے گئے تھے، ان کو امام بنانا چاہتے تھے اور ان کو زمین میں اقتدار دینا چاہتے تھے اور فرعون، ہامان اور ان کے لشکروں کو ان کے ذریعہ وہی کچھ دکھانا چاہتے تھے جس سے وہ ڈر رہے تھے۔

اس آیت سے پتا چلتا ہے کہ حکومت واقتدار کسی طبقہ پر ظلم وزیادتی کرنے یا انہیں اپنا غلام بنانے کے لیے نہیں ہے۔ ریاست کا ہر شخص اور ہر آدمی اپنے حقوق رکھتا ہے۔ اسے اس ان حقوق کو ختم کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔ اللہ تعالی اس ظلم وزیادتی کو برداشت نہیں کرتا۔ اور ظالموں کو کیفر کردار (اپنی کرنی کی سزا) تک پہنچا کر رہتا ہے۔ مساوات کا عملی نمونہ دیکھنے کے لیے چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں۔

آپ ﷺ کی نظر میں امیر وغریب، چھوٹا وبڑا، آقا وغلام سب برابر تھے، سلمانؓ فارسی، صہیبؓ رومی اور بلالؓ حبشیہ سب لوگ غلام رہ چکے تھے۔ آپ ﷺ کی بارگاہ میں روسائے قریش سے کم رتبہ والے نہ تھے۔ ایک دفعہ حضرت سلمان وبلالؓ ایک موقع پر جمع تھے، اتفاق سے ابوسفیان آپہنچے، ان لوگوں نے کہا کہ ابھی تلوار نے اس دشمن خدا کی گردن پر پورا قبضہ نہیں پایا۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان لوگوں سے کہا: سردار قریش کی شان میں یہ الفاظ! پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور واقعہ بیان کیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہیں تم نے ان لوگوں کو ناراض تو نہیں کیا، ان لوگوں کو ناراض کیا تو خدا کو ناراض کیا، حضرت ابو بکرؓ نے فورا جا کر ان بزرگوں سے کہا: بھائیو! آپ لوگ مجھ سے ناراض تو نہیں ہوئے؟ ان لوگوں نے کہا: نہیں خدا تم کو معاف کرے۔

مجلس میں جو چیزیں آتیں آپ ﷺ ہمیشہ داہنی طرف سے ان کی تقسیم شروع فرماتے اور ہمیشہ اس میں امیر وغریب، آقا وغلام سب کی مساوات کا لحاظ ہوتا۔ ایک دفعہ خدمت اقدس ﷺ میں صحابہ کرامؓ کا مجمع تھا، اتفاق سے داہنی طرف حضرت عبد اللہ بن عباسؓ بیٹھے ہوئے تھے جو بہت کم سن تھے۔ بائیں جانب بڑے بڑے معمر صحابہؓ تھے، کہیں سے دودھ آیا۔ آپ ﷺ نے نوش فرما کر عبد اللہ بن عباسؓ سے کہا: تم اجازت دو تو میں ان لوگوں کو دے دوں، انہون نے عرض کیا: اس عطیہ میں ایثار نہیں کر سکتا۔ چوں کہ وہ داہنی جانب تھے اور ترتیب مجلس کی رو سے ان ہی کا حق تھا آپ ﷺ نے انہیں کو ترجیح دی۔

غزوہ بدر میں سواریوں کا سامان بہت کم تھا، تین تین آدمیوں کے بیچ میں ایک ایک اونٹ تھا، باری باری سے چڑھتے اترتے تھے۔ آپ ﷺ بھی عام آدمیوں کی طرح ایک اونٹ میں دو اور آدمیوں کے ساتھ شریک تھے، ہمراہی جاں نثارانہ اپنی باری پیش کرتے اور عرض کرتے کہ یارسول اللہ ﷺ آپ سوار رہیں، حضور ﷺ کے بدلہ میں ہم پیدل چلیں گے، ارشاد ہوتا کہ نہ تم مجھ سے زیادہ پیادہ چل سکتے ہو اور نہ میں تم سے کم ثواب کا محتاج ہوں۔

صحابہ کرامؓ جب سب مل کر کوئی کام کرتے تو ہمیشہ آں حضرت ﷺ ان کے ساتھ شریک ہو جاتے اور معمولی مزدور کی طرح کام انجام دیتے۔ مدینہ آکر سب سے پہلا کام مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر تھی۔ اس مسجد اقدس کی تعمیر میں دیگر صحابہؓ کی طرح خود آپ ﷺ بھی بہ نفس نفیس شریک تھے، خود اپنے دست مبارک سے اینٹ اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ صحابہ عرض کرتے تھے کہ ہماری جانیں آپ پر قربان! آپ کیوں زحمت کرتے ہیں ؟لیکن آپ ﷺ اپنے فرض سے باز نہ آتے، غزوہ احزاب کے موقع پر بھی جب صحابہ مدینہ کے چاروں طرف خندق کھودرہے تھے آپ ﷺ بھی ایک ادنی مزدور کی طرح کام کررہے تھے، یہاں تک کہ شکم مبارک پر مٹی اور خاک کی تہ جم گئی تھی۔

ایک سفر میں کھانا تیار نہ تھا، تمام صحابہ نے مل کر کھانا پکانے کا سامان کیا۔ لوگوں نے ایک ایک کام بانٹ لیا، جنگل سے لکڑی لانے کا کام رسول اللہ ﷺ نے اپنے ذمہ لے لیا، صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ یہ کام ہم خدام کرلیں گے۔ فرمایا: ہاں سچ ہے؛ لیکن مجھے پسند نہیں کہ میں تم سے اپنے کو ممتاز کروں، خدااس بندہ کو پسند نہیں کرتا جو اپنے ہمراہیوں میں ممتاز بنتا ہے۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میرے مکان پر آپ ﷺ تشریف لائے اور پینے کا پانی مانگا۔ میں نے بکری کا دودھ پیش کیا، مجلس کی ترتیب یہ تھی کہ حضرت ابو بکرؓ بائیں جانب، حضرت عمرؓ سامنے اور ایک بدو داہنی جانب تھا۔ آپ ﷺ نے پانی پی لیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کی طرف اشارہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا پہلے داہنی طرف والے کا حق ہے۔ یہ کہہ کر بچا ہوا دودھ بدو کو عنایت فرمایا۔

اسلام میں مساوات کی اسی تعلیم کی وجہ سے آپ ﷺ نے مختلف جیوش کی قیادت سیدنا بلالؓ، سیدنا زید بن حارثہؓ اور سیدنا اسامہ بن زیدؓ وغیرہ کو سونپی۔ تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اسلام میں محمود و ایاز نہ صرف ایک صف میں کھڑے ہوتے ہیں بلکہ ایاز امام ہوتا ہے اور محمود مقتدی۔ پھر اسلامی مساوات کے اسی جذبہ کے تحت آپ ﷺ نے انتقال سے پہلے یہ اعلان فرمایا: الا من كنت جلدت له ظهرا فهذا ظهري فليستقد، ومن كنت شتمت له عرضا فهذا عرضي فليتقد۔(جمہرۃ خطب العرب فی عصور العربیۃ الزاہرۃ، احمد زکی صفوت، ص۱۵۸) "سن لو! میں نے اگر کسی کی پیٹھ پر کوئی چھڑی یا ضرب لگائی ہے تو میری پیٹھ حاضر ہے وہ مجھ سے بدلہ لے لے، اور جس کو میں نے عزت و آبرو کے بارے میں کوئی نازیبا بات کہی ہے تو وہ بھی مجھ سے بدلہ لے لے۔

مساوات کے تعلق سے خلفاء راشدین کے یہاں بھی ایسے نادر نمونے ملتے ہیں، جن کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ اس کی ایک مشہور مثال وہ تاریخی واقعہ ہے جس پر حضرت عمرؓ نے وہ حکیمانہ جملہ ارشاد فرمایا تھا: متی تعبدتم الناس وقد ولدتهم امهاتهم احرارا۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ مصر کے گورنر کے لڑکے نے ایک عام مصری کو کوڑے سے پیٹا، اس نے حضرت عمر کے پاس شکایت کی، حضرت عمرؓ نے اس لڑکے اور اس کے باپ کو (جو گورنر تھے) دونوں کو بلا بھیجا، اور گورنر باپ کی موجودگی میں اس مصری کو جسے پیٹا گیا تھا، حکم دیا کہ وہ بدلہ لے، چنانچہ گورنر نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے بیٹے کو اسی عام مصری کے ہاتھوں پٹتا دیکھا۔ (المسؤولیۃ الجماعیۃ فی العدل والحریۃ فی القرآن والسنۃ النبویۃ، أ، نبیل محمد مقبل النشمی، ص28)

اسی طرح حضرت زید بن ثابتؓ کی عدالت میں حضرت عمرؓ کا مدعاعلیہ کی حیثیت سے حاضر ہونا، ان کی تعظیم پر اظہار ناراضگی فرمانا اور یہ کہنا کہ: یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔ مدعی مقدمہ حضرت ابی بن کعب کے برابر بیٹھنا اور پیش نہ کرنے پر قسم کے لیے رضامند ہو جانا اور پھر ابی بن

کعبؓ کو حضرت زید بن ثابتؓ کے اس مشورے پر کہ امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو، آپ کا برہم ہونا اور یہ فرمانا کہ زید! جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر دونوں برابر نہ ہوں تم منصب قضا کے قابل نہیں سمجھے جاسکتے۔

حضرت عمرؓ کا ایک دوسرا واقعہ یہ ہے کہ آپ نے مردوں کو عورتوں کے ساتھ گھومنے پھرنے اور نماز پڑھنے سے منع کر دیا تھا۔ ایک شخص کو عورتوں کے ساتھ نماز پڑھتے دیکھا تو اس کو درے لگائے اس نے کہا: "خدا کی قسم اگر میں نے اچھا کام کیا تو تم نے مجھ پر ظلم کیا اور اگر یہ برا کام ہے تو تم نے مجھے اس کی اطلاع کیوں نہ دی۔ آپؓ نے فرمایا: "کیا تو میری ہدایت کے وقت موجود نہ تھا؟ اس نے کہا: "نہیں آپ نے درہ اس کے سامنے ڈال دیا اور کہا" مجھ سے بدلہ لے لو اس نے کہا" آج نہیں لیتا آپ نے فرمایا" اچھا تو معاف کر دے اس نے کہا" معاف بھی نہیں کرتا اس کے بعد دونوں جدا ہو گئے۔ اگلے دن وہ شخص ملا تو حضرت عمرؓ کا رنگ اڑا ہوا تھا اس نے کہا: "امیر المومنین! شاید آپ پر میری بات کا اثر ہوا ہے؟ آپ نے کہا" ہاں اس نے کہا: "میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے آپ کو معاف کر دیا۔

مذکورہ بالا آیات ،احادیث اور واقعات اس بات کا کھلا ثبوت پیش کرتے ہیں کہ اسلام کی نظر میں ہر شخص برابر ہے اور اسے سماجی، معاشی، سیاسی اور قانونی حقوق مساوی طور پر حاصل ہیں خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، امیر ہو غریب، حاکم ہو یا محکوم۔

6.3 دفاع کا حق

اسلام کی نظر میں جان ،مال، عزت و آبرو، اور ملک و وطن وغیرہ کی بڑی اہمیت ہے۔ اس کی حفاظت کرنا نہایت ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص حملہ کرتا ہے تو اسلام نے اس شخص کا مقابلہ کرنے کا حکم دیتا ہے اور ہر شخص کو ان چیزوں کی حفاظت کے لیے دفاع کا حق بھی دیتا ہے۔ اس حق کو نہ تو کوئی معقول شخص غلط کہتا ہے اور نہ کسی حکومت نے اس کا انکار کیا ہے۔ دفاع سب کے نزدیک ایک تسلیم شدہ حق ہے۔ اس حق سے کسی کو محروم نہیں کیا جاسکتا۔ جب بھی کسی نے ظلم کے سامنے خود سے گھٹنے ٹیک دیے یا اسے اس پر مجبور کیا گیا تو تاریخ بتاتی ہے کہ ظالم کے حوصلے بڑھے اور ظلم میں اضافہ ہوا۔ ایسا ہر زمانہ میں ہوا اور آج بھی ہو رہا ہے۔ اس کا بڑا نقصان یہ ہے کہ خود مظلوم کی نفسیات بدل جاتی ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ ظلم سہنا اور جور و ستم برداشت کرنا اس کا مقدر ہے۔ وہ بعض اوقات یہ ماننے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتا کہ ظلم وزیادتی کا جواب دینے کا بھی اسے حق حاصل ہے۔ وہ اس سے زیادہ اپنے آپ کو بے بس اور مجبور سمجھنے لگتا ہے جتنا فی الواقع بے بس اور مجبور نہیں ہوتا۔

اسلام نے جہاں دفاع کا حق دیا ہے وہیں اس کے اصول و آداب بھی متعین کئے ہیں؛ کیوں کہ دفاع ایک نازک عمل ہے۔ اس میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔ بسا اوقات دفاع کے نام پر ظلم وزیادتی اور ناحق کشت وخون ہونے لگتا ہے اور اس کے متعینہ حدود و قیود کا پاس و لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ اسلام نے ہر شخص کو دفاع کا حق دیا ہے لیکن دفاع کے نام پر ظلم کی بھی قطعا اجازت نہیں دی ہے۔ اس کی ہدایت ہے کہ انسان نہ تو خود کسی پر ہاتھ اٹھائے اور نہ کسی دوسرے کو اپنے اوپر دست درازی کرنے کی اجازت دے۔ ظالم کے سامنے سپر نہ ڈالے بلکہ پامردی اور جرأت کے ساتھ اس کا مقابلہ کرے۔ وہ اس بزدلی کو پسند نہیں کرتا کہ آدمی دست بستہ اپنی جان، مال اور عزت و آبرو سب کچھ

دشمن کے حوالہ کردے اور کوئی مزاحمت نہ کرے۔ بلکہ اسلامی حدود و قیود کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے دشمنوں کا آخری دم تک مقابلہ کرے۔ فرمایا: وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ (الانفال:60) ''اور (اے مسلمانو!) تم اپنی استطاعت کے مطابق ان (سے مقابلہ) کے لیے ہتھیار تیار رکھو اور بندھے ہوئے گھوڑے، اور ان سے تم اللہ کے دشمنوں کو مرعوب کر سکو اور ان کے سوا دوسرے دشمنوں کی جنہیں تم نہیں جانتے، اللہ انہیں جانتا ہے۔

اسلامی تعلیمات کی رو سے انسان اپنے دین وایمان، جان ومال، مکان وزمین اور بیوی بچوں کی حفاظت میں جان بھی دے سکتا ہے اور یہ جان دینا شہادت ہے۔ حضرت سعید بن زیدؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں: من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون دينه فيو شهيد، ومن قتل دون دمه فهو شهيد، ومن قتل دون اهله فهو شهيد(ترمذی، ابواب الدیات، باب ماجاء فی من قتل دون ماله فهو شهيد) ''جو اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے، جو اپنے دین کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے اور جو اپنی جان کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے اور جو اپنے گھر والوں کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا۔ اگر کوئی شخص میرا مال چھینے تو مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنا مال اسے مت دو۔ اس نے کہا اگر وہ مقابلہ پر اتر آئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم بھی مقابلہ کرو۔ اس نے عرض کیا اگر وہ مجھے مار ڈالے؟ ارشاد فرمایا ''شہادت پاؤ گے اس نے کہا اگر میں اسے قتل کر دوں؟ فرمایا: ''وہ جہنم میں جائے گا۔ (صحیح مسلم)

انسان اپنی جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے آخری حد تک کوشش کرے۔ بوقت ضرورت وہ پاس پڑوس، دوست یار، معاشرہ اور حکومت کی مدد حاصل کرے۔ چنانچہ نسائی وغیرہ کی روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ اگر کچھ لوگ میرا مال چھیننا چاہیں تو مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: انہیں اللہ کا حوالہ دو اور سمجھاؤ۔ اس نے عرض کیا۔ اس پر بھی اگر وہ نہ مانے تو کیا کریں، آپ ﷺ نے فرمایا آس پاس کے مسلمانوں سے مدد طلب کرو۔ اس نے کہا اگر قریب میں کوئی مسلمان نہ ہو تو کیا کیا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا حکومت سے مدد طلب کرو۔ اس نے عرض کیا اگر حکومت تک میں پہنچ نہ سکوں تو میں کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے مال کی حفاظت کے لیے تنہا کھڑے ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ یا تو تمہاری جان چلی جائے اور تمہارا شمار شہیدوں میں ہو جائے یا تمہارا مال محفوظ رہے۔ (نسائی)

ان احادیث سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ آدمی اپنی جان، مال، عزت و آبرو، بیوی بچوں اور اپنے دین وایمان کے دفاع کی کوشش میں جان بھی دے سکتا ہے اور یہ جان دینا شہادت ہے۔ دفاع کا حق ہر شخص کا ایک قانونی حق ہے۔ اس سے کوئی بھی شخص اسے باز نہیں رکھ سکتا۔ تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ دفاع کے سلسلہ میں حملہ آوار کا جو بھی نقصان ہو گا اس کی ذمہ داری دفاع کرنے والے پر نہ ہو گی۔ اسے نہ تو کسی قسم کی سزا دی جائے گی اور نہ کوئی تاوان اسے ادا کرنا پڑے گا۔

اسلام نے دفاع کے آداب بھی بیان کیے ہیں۔ اس سلسلے میں اس کی ایک تعلیم یہ ہے کہ اگر کسی کی جان، مال، عزت وآبرو پر حملہ ہو، تو

معاشرہ کی یہ اخلاقی ذمہ داری ہے کہ جو شخص اس حملہ کو روک سکتا ہو روکے اور مظلوم کے دفاع میں جو بھی مدد کر سکتا ہو کرے۔ اس سے آگے وہ اس کی بھی اجازت دیتا ہے کہ مظلوم کو بچانے کے لیے اگر حملہ آور کی جان بھی لینی پڑے تو وہ لے سکتا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ اس کا ہر اقدام قانون کے دائرہ میں ہو۔ اس سلسلے میں علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

کوئی شخص کسی کی جان اور مال پر دست درازی کرے یا کسی عورت کی عصمت دری کرنا چاہے تو جس پر حملہ نہیں ہوا ہے اسے ان کو بچانے میں مدد کرنی چاہیئے۔ اسی طرح اگر چور اور ڈاکو کسی قافلہ سے تعرض کریں تو جو لوگ قافلہ میں نہیں ہیں انہیں اس کی اجازت ہے کہ قافلہ والوں کا دفاع کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم ایک اور حدیث میں ہے: فتنہ پردازوں کے خلاف مومن ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اگر ظلم کے خلاف ایک دوسرے کا تعاون نہ ہو تو لوگوں کی جان اور مال سب ہی کچھ لٹ سکتا ہے۔ چور اور ڈاکو کسی کا مال چھین سکتے ہیں اور دوسرا اس کی مدد نہ کرے تو یکے بعد دیگرے سب ہی کا مال چھین لیے جائیں گے۔ اسی طرح دوسروں کا معاملہ ہے۔ (ابن قدامہ، المغنی،)، فقہ حنفی میں کہا گیا ہے: کوئی شخص کسی پر تلوار اٹھائے اور دوسرا شخص حملہ آور کو قتل کر دے تو قانونا اس کی گرفت نہ ہو گی۔ (در المختار مع رد المختار)

لیکن اس کے ساتھ قانون یہ بھی دیکھے گا کہ بلاوجہ کسی کی جان نہ لی گئی ہو۔ اگر کوئی شخص حملہ کے بعد اس طرح بھاگ کھڑا ہو کہ دوبارہ اس کی طرف حملہ کا اندیشہ نہ ہو تو جس پر حملہ ہوا ہے وہ یا کوئی دوسرا فرد اسے قتل کر دے تو وہ مجرم قرار پائے گا اور اسے قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ جب کوئی شخص یہ دیکھے کہ چور کسی کے گھر سوراخ کر رہا ہے اور چیخنے چلانے کے باوجود بھاگ نہیں رہا ہے۔ تو اس کے لئے اس کا قتل کر دینا واجب ہو گا۔ اگر کوئی آدمی یہ دیکھے کہ کوئی شخص کسی نامحرم عورت کے ساتھ ہے اور اسے یقین ہو جائے کہ وہ شور کرنے، ڈرانے دھمکانے یا لاٹھی وغیرہ غیر مہلک ہتھیار استعمال کرنے سے عورت کو نہیں چھوڑے گا تو وہ اسے قتل کر سکتا ہے۔ لیکن اگر قتل کئے بغیر اس کا بھگانا ممکن ہو تو قتل کرنا صحیح نہ ہو گا۔ یہی حکم ان بڑے بڑے جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کا ہے جن سے دوسروں کو نقصان پہنچے۔ کھلم کھلا اور علانیہ ظلم و زیادتی کرنے والوں کا بھی یہی حکم ہے۔ عام افراد کے لئے اس کی حیثیت جواز کی ہے۔ اور حکومت کے لیے اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

یہ ایک فرد کی بات تھی۔ اگر کوئی شخص کسی جگہ عام مسلم آبادی کے خلاف تلوار اٹھائے اور علانیہ لوٹ مار اور قتل و غارت گری شروع کر دے تو قطع نظر اس کے کہ اس نے کس پر حملہ کیا اور کون اس کے حملہ سے محفوظ رہا یہ سب کا فرض ہے کہ اسے اس سے باز رکھنے کی کوشش کریں۔ اس میں کسی طرح کی کامیابی نہ ہو تو اسے قتل کر دیں۔ جو شخص اسے قتل کرے اس پر دیت یا قصاص واجب نہیں ہو گی۔

مذکورہ بالا فقہی بحثوں سے پتا چلتا ہے کہ اسلام مظلوم کے اندر یہ عزم و حوصلہ پیدا کرتا ہے کہ وہ اپنی جان، مال، عزت وآبرو، بیوی بچوں، اہل خاندان اور اپنے دین و ایمان کو دوسروں کے رحم و کرم پر نہ چھوڑے، بلکہ ظلم و زیادتی جس طرف سے بھی ہو اس کا مردانہ وار مقابلہ کرے۔ اسلام معاشرہ کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ ظلم کے دفاع کے لئے خود بھی کھڑا ہو، دفاع میں مظلوم کا ساتھ دے اور ظلم کو مٹانے اور مظلوم کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ پھر یہ کہ ظلم کے روکنے کے لیے مظلوم اور اس کے ساتھ پورا معاشرہ جو قدم اٹھائے اسے وہ

قانونا سند جواز عطا کرتا ہے تاکہ وہ کسی وقت بھی قانونی لحاظ سے خود کو بے بس و بے سہارا نہ محسوس کرے۔ اسی کے ساتھ وہ اس بات کی بھی نگرانی کرتا ہے کہ خود مظلوم کسی مرحلہ میں ظالم نہ بننے پائے اور دفاع کے نام پر ظلم نہ کرنے لگے۔

6.4 تعلیم کا حق

علم کا حصول ہر شخص کا بنیادی حق ہے۔ اسلام میں ذات پات کی بنیاد پر تحصیل علم کا دائرہ محدود نہیں کیا ہے، ہر شخص کے لیے خواہ اس کا تعلق اونچے طبقے سے ہو یا نیچے طبقے سے علم حاصل کرنا اس کا حق ہی نہیں بلکہ فرض ہے۔ اسلام میں علم اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ پہلی وحی علم حاصل کرنے کے بارے میں نازل ہوئی: اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ○ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ○ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (علق:1-5) "پڑھو (اے نبیؐ) اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔

علم کی اسی اہمیت کے پیش نظر اللہ تعالی نے رسول اللہ ﷺ کا تعارف معلم کی حیثیت سے کرایا: كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (البقرۃ: 151) "جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول تمہیں میں سے بھیجا، وہ تم پر ہماری آیات پڑھتے ہیں اور تمیں پاک کرتے ہیں اور وہ تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور تمیں ایسی باتیں سکھاتے ہیں جنہیں تم نہیں جانتے تھے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنا تعارف بحیثیت معلم کرایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: انما بعثت معلما "میں تو صرف معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (سنن ابن ماجہ)

قرآن مجید نے علم اور اہل علم کی فضیلت و برتری ان الفاظ میں بیان کی: قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ (الزمر: 9) "کہو! کیا علم رکھنے والے اور علم نہ رکھنے والے دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ نصیحت تو صرف عقل والے ہی پکڑتے ہیں۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالی کا ارشاد ہے: إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (الفاطر: 28) "اللہ کے بندوں میں صرف علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔

احادیث میں بھی رسول اللہ ﷺ نے علم حاصل کرنے اور دوسروں کو علم سکھانے کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کہ آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: مامن رجل یسلک طریقا یطلب فیه علما الا سہل الله له به طریقا الی الجنة۔ (سنن ابی داؤد) "جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے کسی راستے پر چلتا ہے، اللہ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان بنا دیتے ہیں۔

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ طالب علم کی رضا طلب کرنے کے لیے فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ (کنز العمال) حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص علم کی طلب میں کسی راستہ پر گیا، اللہ جنت کے راستوں کو اس کے لیے آسان کر دیتا ہے، اور فرشتے طالب علم کی رضا کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں، اور آسمانوں اور زمینوں کی تمام مخلوق طالب علم کی

مغفرت کے لیے دعا کرتی ہیں حتی کہ پانی کی مچھلیاں بھی، اور بے شک عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہے، اور بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء کسی کو دینار اور درہم کا وارث نہیں بناتے وہ علم کا وارث بناتے ہیں، سو جس نے علم حاصل کیا اس نے عظیم حصہ کو حاصل کیا۔" (سنن ابی داؤد)

سیدنا ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جس طرح چاند کی فضیلت ستاروں پر ہے۔ (سنن الترمذی) ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے عالم اور عابد کا فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ جس کے راوی ابو امامہ باہلی ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے دو شخصوں کا ذکر کیا گیا، ان میں سے ایک عابد تھا دوسرا عالم تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جس طرح میری فضیلت تم میں سے کسی ادنی شخص پر ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے اور تمام آسمانوں اور زمینوں والے حتی کہ چیونٹیاں بھی اپنے بلوں میں اور حتی کہ مچھلیاں بھی پانی میں نیکی کی تعلیم دینے والے پر صلاۃ بھیجتے ہیں۔ (یعنی اللہ تعالی اپنی رحمت نازل کرتا ہے اور باقی چیزیں رحمت کی دعا کرتی ہیں۔) (معجم کبیر، طبرانی)

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالی کے لیے علم کو طلب کرنے والا، اللہ کے نزدیک مجاہد فی سبیل اللہ سے افضل ہے۔ اسی طرح دوسری حدیث ہے جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے علم اور علما دونوں کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور وہاں مسجد میں دو مجلسیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ آپ ﷺ نے ان دونوں کو دیکھ کر فرمایا: دونوں بہتر ہیں لیکن ایک دوسری سے بہتر ہے۔ یہ مجلس تو اللہ سے دعا اور التجا میں مشغول ہے اور اس کی طرف رغبت دلا رہی ہے۔ اب اس کی مرضی ہے کہ انہیں ان کی دعا کے موافق عطا فرمائے یا نہ فرمائے۔ لیکن یہ دوسری مجلس لوگوں کو فقہ و علم کی تعلیم دے رہی ہے اور جاہلوں کو زیور علم سے آراستہ کر رہی ہے، پس یہ افضل ہے اور میں بھی دنیا میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، پھر آپ ﷺ اس مجلس میں بیٹھ گئے۔

اسلام نے جہاں علم سیکھنے پر زور دیا ہے وہیں علم سکھانے کی بھی فضیلت بیان کرتا ہے۔ اور یہ ضروری قرار دیتا ہے کہ ایک شخص جو کچھ جانتا ہے وہ دوسروں کو بھی سکھائے۔ سکھانے کے عمل میں بخل سے کام نہ لے اور نہ کچھ چھپائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خيركم من تعلم القرآن و علمه۔ (صحیح بخاری) "تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔

علم کی اسی اہمیت اور فضیلت کی وجہ سے اس کو چھپانے اور اس کی نشر و اشاعت نہ کرنے پر سخت ممانعت آئی ہے:۔ اس تعلق سے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: من كتم علما الجم الله بلجام من نار يوم القيامة۔ "جو علم کو چھپائے (اور اس کی نشر و اشاعت نہ کرے) اس کو قیامت کے روز جہنم کی لگام پہنائی جائے گی۔ علم ہر شخص کے لئے لازمہ زندگی ہے اسی لیے اسے چھپانے کی سخت ممانعت ہے اور اسلامی عہد حکومت میں اس کے سیکھنے سکھانے کا مفت انتظام کیا جاتا تھا۔ اور ہر شخص آزاد تھا کہ جو علم دین و دنیا کے لیے مفید ہو اسے سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔ اسلام علم کو مختلف خانوں میں بانٹ کر بعض کو پسندیدہ اور بعض کو ناپسندیدہ قرار نہیں دیتا، بلکہ وہ ہر اس علم کی تحصیل کی ترغیب دیتا ہے جس سے خلق خدا کو فائدہ پہنچے، لیکن وہ علم برائے علم کا قائل نہیں، وہ صرف علم کی دو تقسیم کرتا ہے۔ علم نافع اور

علم ضار۔ اس تقسیم کی لحاظ سے موجودہ دور کا ہر وہ علم اس میں شامل ہے جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ اس لحاظ سے موجودہ سائنس کے تمام شعبے اس میں داخل ہیں۔ مثلاً علم ہیئت، علم طبیعیات، علم الارض، علم کیمیا، علم حیاتیاتی، علم کیمیا، علم حیوانات، علم نباتات، زرعی تعلیم، میڈیکل سائنس، علم صنعت وغیرہ۔ الغرض وہ تمام علوم جدیدہ جو اپنی اور انسانیت کی زندگی بہتر بنانے اور عام انسانوں کو نفع پہنچانے کے ارادے سے حاصل کیا جائے وہ کار ثواب ہے۔ حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: اللہم انی اعوذ بک من علم لا ینفع۔ (صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعا، باب التعوذ من شر ما عمل) "اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں ایسے علم سے جس سے کسی کو فائدہ نہ پہنچے۔

آپ ﷺ نے بے فائدہ علم کو بے مصرف خزانہ سے تشبیہ دی ہے۔ فرمایا: ان مثل علم لا ینفع کمثل کنز لا ینفق فی سبیل اللہ۔ (مسند احمد، 499:2) "جس علم سے کسی کو فائدہ نہ پہنچے وہ اس خزانہ کے مثل ہے جسے راہ خدا میں خرچ نہ کیا جائے۔ اسلام کی نظر میں علم کا حاصل کرنا کسی خاص گروہ یا نسل سے مخصوص نہیں ہے اور نہ مرد اور عورت کی کوئی تقسیم ہے۔ بلکہ ہر انسان کے لئے اس کے دروازے کھلے ہیں اسے چاہیئے کہ وہ جہالت ونادانی کی تاریکی سے نکلنے کے لیے علم حاصل کرے۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں اللہ تعالی لوگوں کو علم حاصل کرنے اور کائنات کے اسرار ورموز کی شناخت کی دعوت دے کر لوگوں کے سامنے معرفت کے نئے دریچے کھول دیے اور علم ہی سے اللہ تعالی کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اسی لئے اسلام نے والدین کی یہ ذمہ داری قرار دی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو علم کے زیور سے آراستہ کریں، ان کی اچھی تربیت کریں اور انہیں حسن اخلاق کا بہترین نمونہ بنائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: علموا اولادکم و اہلیکم الخیر و ادبوہم۔ اپنے اہل وعیال کو بھلائی کی تعلیم دو اور باادب بناؤ۔

خلاصہ کے طور پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ایک متمدن اور صالح معاشرہ کو ہر علم وفن کے حامل افراد کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی سماج میں کوئی ڈاکٹر یا طبیب نہ ہو تو اس کے افراد کی پریشانی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح کسی بھی حکومت کو اپنا نظام چلانے کے لئے ہر شعبہ میں ماہرین علم وفن کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہذا اسلام نے اسی ضرورت کے تحت ہر شخص کو گود سے گور تک علم حاصل کرنے کی تاکید کی۔

6.5 محنت کا حق

اسلام نے بلا کسی تفریق کے ہر شخص کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنا کوئی کام تلاش کرے یا کوئی ہنر سیکھ لے جس پر اس کو قدرت ہو اور وہ کام یا ہنر اس کی زندگی کی گذر اوقات کے لیے معاون ہو۔ اس لیے انسان کو مختلف کاموں، تجارت، زراعت اور صناعت میں سے کوئی کام اپنے مناسب حال منتخب کرلے جس سے وہ اپنے لئے رزق حلال تلاش کر سکے پھر اللہ کے نام سے اس کام کا آغاز کرے۔ اللہ تعالی اس میں برکت عطا فرمائے گا اور کام میں مدد فرمائے گا۔ اسلام معاشی جدوجہد اور محنت مزدوری کرکے اپنی اور اپنی اہل خانہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ رزق حلال کی تلاش کو اللہ کے فضل کو ڈھونڈنے کے مترادف قرار دیتا ہے۔ کچھ مسلمان بعض متصوفانہ نظریات کی

بدولت دنیا اور حصول دنیا سے کنارہ کشی تقوی اور پرہیز گاری کی علامت سمجھتے ہیں۔ اسلام اس بات کی سختی سے تردید کرتا ہے۔ قرآن مجید حلال ذرائع سے کمانے اور اسراف نہ کرنے کی پابندی کے ساتھ دنیاوی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے اور لطف اندوز ہونے کی ترغیب دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ (الاعراف: 31) "اے بنی آدم! ہر نماز کے لیے اپنے آپ کو مزین کیا کرو اور کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو۔ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

دوسری جگہ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ دنیا کے وسائل رزق سے فائدہ اٹھانا اور اسے اپنے استعمال میں لانا یہ تو مومن کا حق ہے۔ فرمایا: قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (الاعراف: 32) "ان سے پوچھیے یہ زیب و زینت کی چیزیں اور پاکیزہ رزق جو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے مہیا کیے ہیں انہیں کس نے حرام قرار دیا ہے۔ کہہ دیجیے کہ یہ چیزیں دنیا میں ایمان والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے دن تو خاص انہیں کے لیے ہوں گی۔

اس آیت میں پاک چیزوں کا کھانے کا حکم دیا گیا اور پاک چیزوں سے مراد حلال چیزیں ہیں اور سب سے زیادہ حلال چیز وہ ہے جسے انسان اپنے کسب و محنت سے حاصل کرے۔ حدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی گذر اوقات کے لیے ہر پیغمبر نے بکریاں چرائی ہیں۔ محنت و مشقت سے اپنی روزی روٹی کا انتظام کرنے کو اسلام پسند کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اور اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ حضرت مقدامؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کسی شخص نے اپنی کمائی سے بہتر کھانا نہیں کھایا، اور اللہ کے نبی حضرت داؤدؑ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔ (صحیح بخاری)۔ دوسری حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص لکڑیاں کاٹ کر اس کا گٹھا اپنی پشت پر لاد کر لائے وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے وہ اس کو دیں یا منع کریں۔

حضرت عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حلال کمائی کی تلاش ایک فرض کے بعد دوسرا فرض ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے قرآن مجید لکھنے کی اجرت کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں، یہ لوگ تو نقش باندھنے والے ہیں اور اپنے ہاتھ کے کام سے کھاتے ہیں۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہر شخص اپنی کمائی کھائے، کوئی کسی پر بوجھ نہ بنے، اسی اہمیت کے پیش نظر اس نے عید، جمعہ اور ایام حج میں بھی کاروبار کرنے کی اجازت دی ہے۔ سورۃ الجمعہ میں فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ○ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (الجمعۃ: 9-10) "اے مومنو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور تجارت چھوڑ دو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ پس جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا خوب خوب ذکر کرو تاکہ کامیاب ہو جاؤ۔

اسی طرح ایام حج میں روزی کمانے کی اجازت دی گئی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَبْتَغُوا فَضْلًا

مِنۡ رَبِّكُمۡ (البقرة:198)"(حج کے دوران) اپنے رب کا فضل (روزی) تلاش کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

محنت مزدوری سے نہ صرف آدمی اپنی دنیا بناتا ہے اور اپنی دنیوی زندگی کے لیے روزی کماتا ہے۔ بلکہ محنت مزدوری کرنے سے اس کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ اور یہ گناہوں کے کفارے کے اسباب میں سے ایک بہت بڑا سبب ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ "جو شخص رات تک محنت مزدوری کرتا ہے رات کو اللہ تعالی اس کی مغفرت فرمادیتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے ارشاد فرمایا: "کئی گناہ ایسے ہیں جن کا کفارہ نماز و روزہ بھی نہیں ہے اور نہ حج و عمرہ اس کا کفارہ ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا۔ یارسول اللہ! پھر ان گناہوں کا کفارہ کیا ہے؟ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے جواب میں فرمایا: "روزی کمانے کے غم (کسب معاش میں جو پریشانیاں لاحق ہوتی ہیں وہ ان کا کفارہ ہیں۔ ایک اور روایت میں فرمایا: "بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں جن کو اہل وعیال کی روزی کمانے کی جدوجہد ہی پاک کر سکتی ہے یعنی ان کا کفارہ اہل وعیال کی روزی کمانے کی کوشش اور محنت ہے۔

اسلام محنت مزدوری کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور مانگنے کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے۔ چنانچہ سیدنا انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص سرکار دوعالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ سے سوال کیا۔ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے فرمایا: تیرے گھر میں کوئی چیز ہے؟ اس نے کہا کیوں نہیں؟ ایک چادر ہے جس کا ایک حصہ ہم اوڑھ لیتے ہیں اور دوسرا حصہ بچھا دیتے ہیں، اور ایک پیالہ ہے جس میں ہم پانی پیتے ہیں۔ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے فرمایا: "یہ دونوں میرے پاس لے آؤ۔ وہ دونوں لے آیا۔ آپ نے ان دونوں چیزوں کو اپنے دست مبارک میں پکڑا اور فرمایا: ان دونوں کو کون خریدے گا۔ ایک شخص نے کہا میں ان کو ایک درہم میں خریدوں گا۔ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے پوچھا، کوئی اس سے زیادہ دے گا؟ ایک اور شخص نے کہا کہ میں دو درہم دوں گا، آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے دو درہم میں اس کو وہ دونوں چیزیں دے دیں اور وہ دو درہم اس انصاری کو دے دیے اور فرمایا کہ ایک درہم کی کھانے کی چیزیں اپنے اہل وعیال کو دے آ۔ اور دوسرے درہم کی ایک کلہاڑی خرید کر لا۔ وہ کلہاڑی خرید کر لایا۔ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے اس میں اپنے دست مبارک سے لکڑی کا دستہ ڈالا اور فرمایا: جنگل سے جا کر لکڑیاں کاٹ کر اس کو بازار میں فروخت کر اور اب پندرہ روز تم کو یہاں نہ دیکھوں۔ پندرہ روز کے بعد وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس کے پاس کئی درہم تھے۔ بعض سے اس نے کپڑا خریدا ہوا تھا اور بعض سے گھر کے لیے کھانا۔ پھر آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے اس سے فرمایا: یہ تیرے لیے مانگنے سے بہت بہتر ہے۔ کیوں کہ مانگنے کی وجہ سے قیامت کے روز تیرے منہ پر سیاہ دھبے ہوں گے۔ پھر آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ فرمایا: مانگنا جائز نہیں ہے مگر اس کے لیے جس کو خاک میں ملا دینے والی محتاجی ہو، یا تکلیف دینے والی قرض داری ہو یا پھر اس شخص کے لیے جو دوسرے کی جان بچانے کے لیے دیت کا ضامن ہوا ہو۔

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے فرمایا: "کہ تم میں سے کوئی شخص صبح کے وقت نکلے اور اپنی پشت پر جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لائے تاکہ وہ صدقہ کرے اور لوگوں سے بے نیاز ہو جائے یہ اس کے لیے بہتر ہے اس سے کہ وہ کسی آدمی سے کچھ مانگے وہ چاہے تو اس کو دے چاہے تو نہ دے۔ اس لیے کہ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ مسند احمد میں عبد الرحمن بن عوفؓ سے روایت ہے کہ نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے فرمایا کہ بندہ جوں ہی دوسروں سے مانگنے کا دروازہ کھولتا ہے اللہ تعالی اس پر فقر و فاقہ کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

اسلام کی اسی تعلیم کے نتیجہ میں امت کے اکابر کا بھی کوئی نہ کوئی ذریعہ معاش رہاہے۔، چنانچہ حضرت ابو بکرؓ بھی خلیفہ بننے سے قبل تجارت کا پیشہ اختیار کیے ہوئے تھے۔ حضرت خباب بن ارتؓ لوہار تھے۔ زبیر بن عوام خیاط تھے۔ حضرت سلمان فارسیؓ حلاق تھے۔ اسلام کسی شخص کے عمل کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھتا اور نہ کام کے چھوٹے بڑے ہونے کی وجہ سے انسان کی شخصیت کا وزن ہو تاہے کہ اس شخص کا کام چوں کہ چھوٹا ہے اس وجہ سے یہ آدمی قدر و منزلت کے لحاظ سے چھوٹا ہے۔ بلکہ وہ انسان کی صفات اور خصوصیات کی وجہ سے اس کے مقام اور اس کی شخصیت کا اندازہ لگاتا ہے۔

علامہ یوسف القرضاوی مستدرک حاکم کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہر زمانہ کے علما و ائمہ نے اپنے اپنے ذوق و شوق کے لحاظ سے مختلف پیشے اختیار کیے: ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ داؤدؑ زرہ ساز تھے۔ آدمؑ کاشت کار تھے۔ نوحؑ بڑھئی تھے۔ ادریسؑ درزی تھے۔ اور موسیٰؑ گڈریا تھے۔ تاریخ اسلام کے بڑے بڑے ائمہ اور علماء جن کی شہرت چار دانگ عالم پھیلی ہوئی تھی اور جن کو ان کی علمی و ادبی تالیفات نے زندہ جاوید بنا دیا ہے ان میں سے بیشتر اپنے آباؤاجداد کی نسبت سے مشہور نہیں تھے۔ بلکہ ان پیشوں سے مشہور تھے جو ان کے یا ان کے آباؤ اجداد کے ذریعہ ہائے معاش تھے اور اسلامی معاشرے میں اسے بالکل معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا مثلاً اکثر علماء و ائمہ کے نام کتابوں میں بزار، قفال، جصاص، خیاط، صبان، اور قطان وغیرہ ملتے ہیں۔ یہ سب پیشوں کے نام ہیں۔ (علامہ یوسف القرضاوی، اسلام اور معاشی تحفظ)

تاہم بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی روزی روٹی کمانے کے لیے پوری جدوجہد کرتا ہے لیکن اس کی تمام کوششیں ناکام ہو جاتی ہیں۔ اب اس صورت میں حکومت کے لیے واجب اور ضروری ہے کہ اس کی مالی امداد و اعانت کرے تاکہ وہ اپنی اور اپنے بال بچوں کی کفالت کر سکے۔ اسی وجہ سے اسلام نے اہل مال کو اہل حاجت کو قرض حسنہ دینے کی ترغیب دی ہے تاکہ وہ قرض کی رقم سے اپنی معیشت کے اسباب فراہم کر سکیں اور سوال کرنے اور مانگنے سے اپنے آپ کو بچا سکیں۔ اسلام نے قرض حسنہ کے ثواب کو صدقہ کے ثواب سے کئی گنا افضل قرار دیا ہے۔ مالداروں کو یہ ہدایت کی ہے کہ وہ ضرورت پڑنے پر لوگوں کو فراخدلی سے قرض دیں اور کوئی چیز ان سے عاریتاً مانگی جائے تو اسے دینے سے انکار نہ کریں۔ کنز العمال میں ہے۔ ”کسی بندے کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ اس کا بھائی اس سے قرض مانگنے آئے اور وہ اس کو دینے کی گنجائش رکھتا ہو پھر بھی انکار کر دے۔

6.6 لباس کا حق

لباس بھی انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ایک ہے۔ اسلام نے ہر انسان کو لباس پہننے کا حق دیا ہے تاکہ وہ اپنے ستر کو چھپائے اور لوگوں کے درمیان اپنی زینت کا اظہار کرے۔ لباس، لبس سے مشتق ہے اور لبس کا اصلی معنی کسی چیز کو چھپالینا ہے۔ ہر وہ چیز جو انسان کی قابل ستر چیز کو چھپائے اس کو لباس کہتے ہیں۔ میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس کہا گیا ہے۔ اسی لیے کہ شوہر اپنی بیوی اور بیوی اپنی شوہر کی قبیح چیزوں کو چھپالیتی ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی عصمت و عزت کی حفاظت کرتے ہیں۔

پردہ پوشی انسان کی فطرت میں ہے۔ وہ برہنہ نہیں رہ سکتا۔ اسی لیے ہم قرآن مجید میں پاتے ہیں کہ جب آدمؑ نے اللہ تعالی کے

ممنوعہ درخت کا پھل کھالیا تو وہ برہنہ ہو گئے اور اپنے جسم کو اس کے پتوں سے ڈھکنے لگے جس کا ذکر درج ذیل آیت میں کیا گیا ہے۔ فَأَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ(طہ:121)"پس ان دونوں نے اس سے کھایا، توان کے سامنے ان کی شرمگاہیں ظاہر ہو گئیں اور وہ دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے ڈالنے لگے۔

اس لباس کو قرآن نے انسان کے لیے زینت قرار دیا ہے۔ فرمایا:يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف:31)اے بنی آدم ہر نماز کے وقت اپنی زینت اختیار کر۔ دوسری جگہ اس لباس کا مقصد بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا وَلِبَاسُ التَّقْوَى ذَلِكَ خَيْرٌ ذَلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ (الاعراف:26)"اے اولاد آدم !بے شک ہم نے تم پر لباس نازل کیا جو تمہاری شرم گاہوں کو چھپاتا ہے اور وہ تماری زینت بھی ہے۔ اور تقوی کا لباس وہی سب سے بہتر ہے۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ جس طرح تقوی کا لباس انسان کو برے عقائد، برے خیالات، غلط نظریات، اور برے اعمال سے بچاتا ہے۔ اسی طرح یہ ظاہری لباس زینت کے ساتھ ساتھ سردی، گرمی، اور موسموں کی شدت اور برسات وغیرہ سے بچاتا ہے۔

لباس انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی نعمت ہے۔ کیوں کہ اس سے انسان اپنی شرم گاہوں کو چھپاتا ہے جس سے وہ حیوان سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ شیطان جب انسان پر حملہ کرتا ہے تو اس کے حملے کا پہلا اثر انسان پر یہ ہوتا ہے کہ وہ لباس اتار دیتا ہے جیسا کہ آج کل مغربی اور یورپی ممالک میں نظر آرہاہے۔ قرآن مجید نے لباس کے دو مقصد بتائے۔ ایک شرم گاہ کا چھپانا دوسرا زیب و زینت۔ احادیث میں بھی لباس کے تعلق سے کافی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ لباس پہننے کی دعا، کس رنگ کا لباس ہونا چاہیئے۔ رسول اللہ ﷺ کس رنگ کو زیادہ پسند فرماتے تھے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کھاؤ، پیو اور لباس پہنو اور صدقہ کرو بغیر فضول کرچی اور تکبر کے۔ لباس اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور بخشش ہے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ جب کوئی نیا کپڑا پہنتے تو اس کا نام لیتے خواہ قمیص ہو یا عمامہ، پھر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ دعا فرماتے۔ اے اللہ! تیرے لیے حمد ہے کہ تونے مجھے یہ کپڑا پہنایا، میں تجھ سے اس کپڑے کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور جس کے لیے یہ بنایا گیا ہے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں، اور میں اس کپڑے کے شر سے جس کے لیے یہ بنایا گیا ہے اس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔(سنن ابی داؤد 4025، سنن ترمذی 1773)

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس شخص کو تہ بند میسر نہ ہو وہ شلوار پہنے اور جس کو جوتے میسر نہ ہوں وہ موزے پہنے۔(صحیح بخاری) حضرت معتمرؒ کے والد بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ کو زرد رنگ کی اونی ٹوپی پہنے ہوئے دیکھا۔(صحیح بخاری) جعفر بن عمرو بن حریث کے والد بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرماتھے اور آپ نے سیاہ رنگ کا عمامہ باندھا ہوا تھا اور عمامہ کی ایک طرف (شملہ) کو دونوں کندھوں کے درمیان ڈالا ہوا تھا۔(سنن ابی داؤد)

لباس کے رنگوں میں رسول اللہ ﷺ کو سفید رنگ بہت پسند تھا۔ چنانچہ سیدنا ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم سفید لباس پہنو، وہ تمہارا بہترین لباس ہے اور اسی میں اپنے مردوں کو کفن دو۔(سنن ابی داؤد)۔ حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ

نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم متوسط قامت کے تھے۔ میں نے آپ کو سرخ حلہ (ایک قسم کی دو چادریں ایک تہبند کے طور پر باندھی جائے اور ایک اوپر بدن پر لپیٹی جائے) میں دیکھا۔ میں نے آپ سے زیادہ حسین کوئی چیز نہیں دیکھی۔(صحیح بخاری)۔ حضرت ابو رمثہؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ سرکار دوعالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں گیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر دو سبز رنگ کی چادریں تھیں۔(سنن ابی داؤد)

اسلام نے لباس صاف ستھرا، اجلا اور عمدہ پہننے کی تلقین فرمائی ہے لیکن ریا اور تکبر سے منع کیا ہے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کی جوتی اچھی ہو۔ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ جمیل ہے اور جمال سے محبت کرتا ہے۔ تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔(صحیح مسلم، سنن ابی داؤد)

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے یہ اچھا لگتا ہے کہ میرے کپڑے دھلے ہوئے ہوں اور میرے سر میں تیل لگا ہوا ہو اور میری جوتی نئی ہو، اس نے اور بھی کئی چیزیں ذکر کیں حتی کہ اپنے چابک کی ڈوری کا بھی ذکر کیا اور پوچھا: کیا یہ چیزیں تکبر میں سے ہیں؟ فرمایا نہیں، یہ جمال ہے بے شک اللہ جمیل ہے، اور جمال سے محبت کرتا ہے، لیکن تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔(مسند احمد)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اسلام عمدہ اور اچھے لباس پہننا پسند کرتا ہے۔ بس صرف لباس زیب تن کرنے والا اس بات کا خیال رکھے کہ اس کے ذریعہ سے وہ نمائش اور ریا مقصود نہ ہو؛ کیوں کہ اسلام اسے ناپسند کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: من جر ثوبه خيلاء لم ينظر الله اليه يوم القيامة۔(صحیح بخاری) "جو شخص غرور اور تکبر کی وجہ سے اپنا کپڑا لٹکائے تو اللہ تعالی قیامت کے دن اس کی طرف نظر نہیں فرمائے گا۔

6.7 امن کا حق

اسلام نے ہر شخص کو امن کا حق دیا، اس کی نظر میں ہر انسان کی جان، مال، عزت و آبرو محترم ہے۔ اسلام سے پہلے دنیا میں ہر طرف ظلم و زیادتی کا دور دورہ تھا، امن و امان نام کی کوئی چیز نہیں تھی، کبھی رنگ و نسل کے نام پر، کبھی زبان و تہذیب کے نام پر اور کبھی وطنیت و قومیت کے نام پر انسانیت کو اتنے ٹکڑوں میں بانٹ دیا گیا تھا کہ آدمیت چیخ پڑی تھی۔ اس وقت کی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ پوری دنیا بدامنی و بے چینی کی آگ کی لپیٹ میں تھی۔ اسلام سے پہلے بہت سے مذہبی پیشواؤں اور نظام اخلاق کے علم برداروں نے اپنے اپنے طور پر امن و محبت کے گیت گائے اور اپنے اخلاقی مواعظ و نصائح سے اس آگ کو سرد کرنے کی کوشش کی جس کے خوشگوار نتائج بھی سامنے آئے مگر اس عالمی آتش فشاں کو پوری طرح ٹھنڈا نہیں کیا جاسکا۔

جب اسلام آیا، اس نے پہلی بار دنیا کو امن و سلامتی کا باقاعدہ درس دیا اور اس کے سامنے ایک پائیدار ضابطہ اخلاق پیش کیا، جس کا نام ہی اسلام رکھا گیا جس کے معنی امن و سلامتی کے ہیں۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ دین اسلام امن و سلامتی کا دین ہے، جس کے ہر امر و

نہی کے پیچھے امن و سلامتی کا راز مضمر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا میں امن و سلامتی کا جو رجحان پایا جاتا ہے اور ہر طبقہ اپنے اپنے طور پر کسی گہوارہ سکون کی تلاش میں ہے یہ بڑی حد تک اسلامی تعلیمات کی دین ہے۔

امن و سلامتی کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جو دعائیں کی ہیں، ان میں سے ایک اہم دعا یہ ہے وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا (ابراہیم:35) "اے اللہ! اس شہر (مکہ) کو امن والا بنا دے۔ ناسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے چاند دیکھ کر جو دعا پڑھا کرتے تھے اس میں امن و سلامتی کا ذکر ایمان و اسلام سے پہلے کیا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ چاند کو دیکھ کر یہ دعا پڑھا کرا کرتے تھے: اللہم اہلہ علینا بالامن و الایمان و السلامۃ و الاسلام ربی وربک اللہ۔ (سنن ترمذی، 3451) "اے اللہ! ہمیں اس چاند میں امن و سلامتی عطا فرما اور ایمان و اسلام کے ساتھ رکھ۔ میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔ اس سے پتا چل رہا ہے کہ امن ایک نعمت خداوندی ہے جس کے لیے حضرات انبیاء کرام دعا کیا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے سورہ قریش میں اس کو ایک نعمت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے: فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ ○ الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ (قریش:3-4) "پس چاہیے کہ عبادت کریں اس گھر کے رب کی جس نے ان کو کھانا دیا بھوک میں اور امن دیا ڈر میں۔

اسلام کا کوئی تعلق دہشت گردی یا تشدد سے نہیں ہے۔ جہاں تشدد ہو وہاں اسلام کا تصور نہیں کیا جاسکتا، اور جہاں اسلام ہو وہاں تشدد اور دہشت گردی کی ہلکی پرچھائیں بھی نہیں پڑ سکتی۔ اسلام تو امن و سلامتی کا سرچشمہ اور انسانوں کے مابین خیر سگالی کو فروغ دینے والا مذہب ہے۔ جس کی بابت اللہ تعالی خود فرماتا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ (البقرۃ:208) اے مومنو! امن و سلامتی میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی تابعداری نہ کرو۔ بلاشبہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ اسی طرح دوسرے مقام پر کچھ یوں حکم دیا: وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا (الاعراف:56) اور زمین میں اس کی درستگی کے بعد فساد مت پھیلاؤ۔ جس سماج کا شیرازہ امن بکھیرتا ہے اس کی پہلی زد انسانی جان پر پڑتی ہے۔ اسلام سے قبل انسانی جانوں کی کوئی قیمت نہ تھی مگر اسلام نے انسانی جان کو وہ عظمت و احترام بخشا کہ ایک انسان کے قتل کو ساری انسانیت کا قتل قرار دیا: مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ كَتَبْنَا عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا (المائدہ:32) اسی لیے ہم نے بنی اسرائیل کے لیے یہ حکم جاری کیا کہ جو شخص کسی انسانی جان کو بغیر کسی جان کے بدلے یا زمینی فساد برپا کرنے کے علاوہ کسی اور سبب سے قتل کرے اس نے گویا ساری انسانیت کو قتل کیا اور جس نے کسی انسانی جان کی عظمت و احترام کو پہچانا اس نے گویا پوری انسانیت کو نئی زندگی بخشی۔

انسانی جان کا ایسا عالم گیر اور وسیع تصور اسلام سے پہلے کسی مذہب و تحریک نے پیش نہیں کیا تھا۔ اسی آفاقی تصور کی بنیاد پر قرآن مجید اہل ایمان کو امن کا سب سے زیادہ مستحق اور علم بردار قرار دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے: فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (81) الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ (الانعام:81-82) دونوں فریقوں (مسلم اور غیر مسلم) میں امن کا کون زیادہ حقدار ہے؛ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ جو لوگ صاحب ایمان ہیں اور جنھوں نے

اپنے ایمان کو ظلم و شرک کی ہر ملاوٹ سے پاک رکھا ہے امن انہیں لوگوں کے لیے ہے اور وہی حق پر بھی ہیں۔

اسلام قتل و خونریزی کے علاوہ فتنہ انگیزی، دہشت گردی اور جھوٹی افواہوں کی گرم بازاری کو بھی سخت ناپسند کرتا ہے وہ اس کو ایک جارحانہ اور وحشیانہ عمل قرار دیتا ہے، جس سے معاشرے کے امن کو خطرہ لاحق ہوتا ہے۔ اسی طرح جب ہم آپ ﷺ کی سیرت طیبہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں آپ ﷺ کی تعلیمات اور پاکیزہ کردار میں امن و سلامتی کے بے مثال نمونے ملتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ۔ " صحیح معنی میں مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے محفوظ رہیں"۔ دوسری روایت میں ہے۔ المسلم من سلم الناس من لسانہ و یدہ، والمومن من امنہ الناس علی دمائہم واموالہم۔ "کامل مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے پوری انسانیت محفوظ رہے اور کامل مومن وہ ہے جس انسانیت کی جانیں اور مال محفوظ رہیں"۔ جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ کا لایا ہوا پیغام اسلام اور آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا اصل مقصد انسانی سماج کو بلا امتیاز امن اور سلامتی فراہم کرنا ہے۔ ایک اور موقعہ پر ظلم و تنگ نظری سے بچنے کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اتقوا الظلم ، فان الظلم ظلمات یوم القیامۃ واتقوا الشح فان الشح اہلک من کان قبلکم ۔(صحیح مسلم)" ظلم سے بچو اس لیے کہ ظلم قیامت کی بدترین تاریکیوں کا ایک حصہ ہے، نیز بخل و تنگ نظری سے بچو اس چیز نے تم سے پہلے بہتوں کو ہلاک کیا ہے۔"

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! وہ شخص مومن نہیں ہو سکتا، اللہ کی قسم! وہ شخص مومن نہیں ہو سکتا، اللہ کی قسم! وہ شخص مومن نہیں ہو سکتا، کسی نے دریافت کیا یا رسول اللہ! کون مومن نہیں ہو سکتا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ وہ شخص جس کے شر سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں۔ (بخاری) حضرت جریر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لا یرحم اللہ من لا یرحم الناس۔ " اللہ اس شخص پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا"۔ اسی طرح ایک موقعہ پر فرمایا: خیرکم من یرجی خیرہ یومن شرہ، وشرکم من لا یرجی خیرہ ولا یومن شرہ۔ تم میں بہتر وہ شخص ہے جس سے خیر کی امید کی جائے اور جس کے شر سے محفوظ رہا جائے، اور تم میں بدترین وہ ہے جس سے بھلائی کی امید نہ ہو اور جس کے شر سے محفوظ نہ رہا جائے۔ (ابو داؤد) اہل معاہدہ اور کمزوروں پر ظلم کی نکیر کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: خبر دار! جو کسی معاہد پر ظلم کرے گا، اس کے حقوق میں کمی کرے گا، یا طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈالے گا، یا اس کی مرضی کے بغیر اس سے کوئی چیز لے گا، تو قیامت کے دن میں خود اس کے خلاف دعوی کروں گا۔ (ابو داؤد)

اسی طرح کی متعدد احادیث ہیں جن میں ظلم وجبر سے بچنے، پرامن زندگی گذارنے، دوسروں کے حقوق ادا کرنے، فتنہ و شر انگیزی سے اجتناب اور خیر کی اشاعت، عمل خیر میں زیادہ سے زیادہ شرکت اور فراخدلی و رواداری اور ہر مذہب و قوم کے مذہبی روایات و شخصیات کے احترام کرنے کی پرزور تلقین کی گئی ہے۔ اسی کے ساتھ اسلام کی تعلیم یہ بھی ہے کہ مسلمان نہ صرف ان تعلیمات پر خود عمل کریں بلکہ دنیا کو اسلام کی تعلیمات امن کی دعوت دیں۔ قیام امن کے لیے جدوجہد کریں اور مظلوم کا ہر طرح سے ساتھ دیں اور ظالم کا ہاتھ روکنے کی پوری کوشش کریں۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ صحابہؓ

نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم مظلوم کی تو مدد کر سکتے ہیں، لیکن ظالم کی مدد کیسے کریں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ظلم سے اس کا ہاتھ روک دینا ہی اس کی مدد ہے۔

حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپرؒ بھی ظلم کو حرام کر رکھا ہے اور تمہارے لیے بھی اس بات کو حرام کر دیا ہے کہ تم کسی پر ظلم کرو۔ حضرت عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب معاذ بن جبل کو یمن کی طرف روانہ کیا تو فرمایا، مظلوم کی بد دعا سے بچتے رہنا کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص کا ظلم کسی دوسرے کی عزت پر ہو یا کسی بھی طریقہ سے ظلم کیا ہو تو اس دن کے آنے سے پہلے پہلے معاف کرالے جس دن نہ دینار ہوں گے اور نہ درہم بلکہ اگر اس کا کوئی نیک عمل اس کے پاس ہو گا تو اس کے ساتھی (مظلوم) کی برائیاں اس پر ڈال دی جائیں گی۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ظالم و سرکش (فساد کرنے والے) کو دنیا میں چند روز مہلت دیتے رہتے ہیں، لیکن جب پکڑتے ہیں تو پھر نہیں چھوڑتے۔ راوی نے بیان کیا کہ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی (اور تیرے رب کی پکڑ اس طرح ہے جب بستی والوں کو پکڑتا ہے جو جو ظلم کرتے ہیں۔ بے شک اس کی پکڑ بڑی تکلیف دہ اور بڑی سخت ہے۔ مذکورہ بالا احادیث سے صاف معلوم ہو رہا کہ اسلام تو سراسر امن و سلامتی کا داعی ہے، اس میں ذرہ برابر کسی پر ظلم و تشدد کی اجازت نہیں دی گئی۔ اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا وضع کردہ دین ہے، جس کا مقصد دنیا کی زندگی کو پر امن اور خوشحال بنانا ہے اور جس کے نتیجہ میں آخرت میں کامیابی سے ہم کنار ہونا ہے۔ اس لیے یہ نظام عدل و انصاف اور امن کے قیام کا واحد ضامن ہے، جس میں انسانیت سے لے کر حیوانات، نباتات اور جمادات کے ساتھ بھی زیادتی اور ظلم کے ارتکاب سے منع کیا گیا ہے۔ بلاشبہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس میں ہر شخص کو امن کا حق حاصل ہے۔ اسی نے پر امن بقائے باہم درس بھی دیا ہے۔

6.8 کھانے پینے کا حق

جیسے ہوا کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا اسی طرح زندہ رہنے کے لیے کھانا پینا بھی ضروری ہے۔ اسی لیے اسلام نے انسان کے اس بنیادی حق کو پوری صراحت اور آداب و مسائل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ** (الاعراف: 31) "اور کھاؤ، پیو، اور اسراف مت کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔"

اس بارے میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کھانے اور پینے کو حلال فرمایا اور انسان کا حق بھی فرمایا جب تک کہ فضول خرچ نہ ہو اور تکبر نہ کرے۔ جتنا کھانے سے رمق حیات باقی رہ سکتی ہے اتنا کھانا پینا فرض ہے۔ رزق حلال کمانے اور بدنی عبادات انجام دینے کے لیے جتنی صحت اور توانائی کی ضرورت ہے اور اس کو حاصل کرنے کے لیے جس قدر کھانے کی ضرورت ہے اتنا کھانا بھی ضروری ہے۔ صحت کے تحفظ کے لیے پرہیزی کھانا اور نقصان دہ چیزوں کو ترک کرنا واجب اور ضروری ہے۔ نبی ﷺ نے

شعبان کے روزے رکھنے سے اس لیے منع فرمایا تاکہ رمضان کے فرض روزے رکھنے کے لیے آدمی کمزور نہ ہو جائے۔ اسی طرح عام مسلمانوں کو وصال کے روزے رکھنے سے روکا گیا ہے تاکہ انسان لاغر اور کمزور نہ ہو جائے اور اس کی صحت بر قرار رہے۔ جتنا کھانے سے انسان کی توانائی اور طاقت بحال رہتی ہے، اس سے کم کھانا کوئی نیکی کا کام نہیں بلکہ ناجائز ہے۔ یہ جان انسان کی ملکیت نہیں ہے بلکہ امانت ہے ۔ ہر امانت کی حفاظت کے لیے ہر اس چیز سے پرہیز واجب ہے جو مضر بدن ہے۔

کھانے کا پہلا ادب یہ ہے اللہ کا نام لے کر کھایا جائے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کھانا شروع کرے تو اللہ کا نام لے۔ اور اگر کوئی شخص شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تو اس کو چاہیئے کہ کھانا کھانے کے دوران جب بھی بسم اللہ پڑھنا یاد آجائے، یہ الفاظ کہے: بسم الله اوله و آخره (اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں، اول میں بھی اللہ کا نام اور آخر میں بھی اللہ کا نام) ایک اور حدیث میں حضرت عمر بن ابی سلمہؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ کھانے کے وقت اللہ کا نام لو، یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر کھانا شروع کرو اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور برتن کے اس حصے سے کھاؤ جو تم سے قریب تر ہے۔ آگے ہاتھ بڑھا کر دوسری جگہ مت کھاؤ۔ اس حدیث میں تین آداب بتائے گئے ہیں (1) بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ (2) اپنے سامنے سے کھاؤ (3) سیدھے ہاتھ سے کھاؤ۔ (ابو داؤد)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اکھٹے ہو کر کھاؤ۔ الگ الگ نہ کھاؤ کہ برکت جماعت کے ساتھ ہے۔ دوسری حدیث پاک میں آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ کو یہ بات سب سے زیادہ پسند ہے کہ اس کا کوئی مومن بندہ اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھے اور کھائے تو اللہ ان کو رحمت کی نظر سے دیکھتا ہے اور الگ ہونے سے قبل ان کی بخشش کر دیتا ہے۔ (ابن ماجہ، نزہۃ المجالس)۔ کھانے سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھنے سے کھانے میں بے برکتی ہوتی ہے۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ بیان کرتے ہیں: ہم حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھے، کھانا پیش کیا گیا۔ شروع میں اتنی برکت ہم نے کسی کھانے میں نہیں دیکھی مگر اخیر میں بے برکتی دیکھی۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ایسا کیوں ہوا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہم سب نے کھانا کھاتے وقت بسم اللہ پڑھا تھا، پھر ایک شخص بغیر بسم اللہ پڑھے کھانے کو بیٹھ گیا اس کے ساتھ شیطان نے کھانا کھالیا۔ دوسری حدیث حضرت جابرؓ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت اللہ کا نام لیتا ہے اور کھانے کے وقت بھی اللہ کا نام لیتا ہے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ اس گھر میں نہ تو تمہارے لیے رات کو رہنے کی گنجائش ہے اور نہ ہی کھانے کے لئے گنجائش ہے۔ اس لیے کہ اس گھر میں داخل ہوتے وقت بھی اللہ کا نام لے لیا اور کھانا کھاتے وقت بھی اللہ کا نام لے لیا۔ اس لیے نہ تو یہاں قیام کا انتظام ہے اور نہ طعام کا۔ اور اگر کسی شخص نے گھر میں داخل ہوتے وقت اللہ کا نام نہیں لیا اور ایسے ہی گھر میں داخل ہو گیا تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ لو بھائی تمہارے لیے قیام کا انتظام ہو گیا۔ تم یہاں رات گزار سکتے ہو؛ کیوں کہ یہاں پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اور جب وہ شخص کھانا کھاتے وقت بھی اللہ کا نام نہیں لیتا تو اس وقت شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے۔ تمہارے طعام کا بھی انتظام ہو گیا۔ (ابو داؤد)

حضرت ابو حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کھانے کے وقت ہم حضور ﷺ کے ساتھ حاضر تھے اتنے میں ایک نو عمر بچی بھاگتی

ہوئی آئی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بھوک سے بیتاب ہے۔ اور ابھی تک کسی نے کھانا شروع نہیں کیا تھا۔ اس لیے کہ حضور ﷺ نے اب تک کھانا شروع نہیں فرمایا تھا۔ مگر اس بچی نے آکر جلدی کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا تو حضور ﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کو کھانے سے روک دیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ایک دیہاتی آیا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بھی بھوک سے بہت بیتاب ہے اور کھانے کی طرف لپک رہا ہے۔ اس نے بھی آکر کھانے کی طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا تو حضور ﷺ نے اس کا بھی ہاتھ پکڑ لیا اور اس کو بھی آکر کھانے سے روک دیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے خطاب فرماتے ہوئے کہا: شیطان اس کھانے کو اس لیے اپنے لیے حلال کرنا چاہتا ہے کہ اس کے کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے۔ چنانچہ اس نے اس لڑکی کے ذریعہ کھانا حلال کرنا چاہا۔ مگر میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اللہ کی قسم شیطان کا ہاتھ اس لڑکی کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے۔ (صحیح مسلم)

اسلام جہاں کھانا پینا انسان کی بنیادی ضرورت قرار دیتا ہے وہیں اسے کھانے پینے کے تعلق سے رزق حلال کی زبردست تاکید بھی کرتا ہے۔ آدمی کو حلال و حرام میں تمیز کی سخت ضرورت ہے۔ حلال و حرام کے احکام قرآن و احادیث میں وضاحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پیغمبروں کو مخاطب کر کے حلال اور پاکیزہ چیزیں کھانے کی ہدایت کی ہے۔ فرمایا: يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ (المومنون:51) "اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھا کام کرو، میں تمہارے کاموں کو جانتا ہوں۔"

اسی طرح اہل ایمان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ (البقرۃ:172) "اے مومنو! ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔" حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا جب کوئی اس بات کی پرواہ نہ کرے گا کہ اس نے جو مال حاصل کیا ہے، کھایا ہے، حلال ہے یا حرام۔"

اسی طرح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کا کھانا پینا حرام ہو، اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ سنن ترمذی میں ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کا ذکر کیا۔ "جو لمبا سفر کرتا ہے، پریشان حال ہے، اور اس کے بال خاک آلود ہیں وہ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر کہتا ہے۔ یارب! یارب یعنی دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر پکار رہا ہوتا ہے، اس کی ظاہری حالت سے مسکنت عیاں ہے اور وہ قابل رحم شخص لگتا ہے۔ ایسی حالت میں اس کی دعا قبول ہونی چاہیئے، قبولیت کے سارے اسباب جمع ہیں اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسافر کی دعا رد نہیں کی جاتی، اس سب کے باوجود آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا حال یہ ہے کہ روٹی اس کی حرام، کپڑے اس کے حرام، اور جسم اس کا حرام کی روٹیوں سے پلا ہوا، اب کس طرح ایسے شخص کی دعا قبول ہو؟ (ترمذی)

حرام غذا سے پرہیز کرتے ہوئے حلال چیزوں کا حد اعتدال کے ساتھ کھانا بھی ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ حلال کھانا کو پیٹ بھر کر کھایا جائے یہ بھی غلط ہے۔ اس سے صحت خراب ہوتی ہے۔ بسیار خوری بھی بدپرہیزی میں شامل ہے اور انسانی بدن کے لیے مختلف بیماریوں کا باعث ہے۔ اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے بسیار خوری کی مذمت کی ہے۔ چنانچہ حضرت مقدام بن معدی کربؓ فرماتے ہیں کہ میں نے

سرکار دوعالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آدمی کے پیٹ سے بڑھ کر کسی برتن کا بھرنا برا نہیں ہے۔ ابن آدم کے لیے چند لقمے کافی ہیں جن سے اس کی کمر قائم رہ سکے۔ اور اگر اسے زیادہ کھانا ہی ہے تو پیٹ کا تہائی حصہ کھانے کے لیے رکھے اور تہائی حصہ پانی کے لیے اور تہائی حصہ سانس لینے کے لیے۔ (ترمذی)۔ حاصل کلام یہ ہے اسلام نے کھانے پینے کو انسان کا بنیادی حق قرار دیا ہے۔ لیکن کھانے پینے میں حلال وحرام کی تمیز بھی ضروری ہے اور کھانے کے جو آداب واصول بتائے ہیں ان کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔

6.9 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- اسلام کے نزدیک دنیا کے تمام انسان برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر کوئی فوقیت اور برتری حاصل نہیں ہے۔ البتہ اپنی شکل وصورت، رنگ ونسل اور طبیعت وخصلت کے اعتبار سب مختلف ہیں۔ اسلام نے مساوات انسانی کا وہ تصور دیا جو دنیا کے کسی مذہب کے پاس نہیں ہے۔ اس نے تمام بنی نوع انسان کو سماجی، سیاسی، معاشی اور قانونی مساوات کا حق عطا کیا ہے۔ اور اس میں نسب، رنگ ونسل، زبان ووطن، عقیدہ وخیال کی کوئی تمیز نہیں کی۔
- اسلام میں ہر شخص کو دفاع کا حق حاصل ہے اور جہاں اس نے دفاع کا حق دیا ہے وہیں اس کے اصول وآداب بھی متعین کئے ہیں؛ کیوں کہ دفاع ایک نازک عمل ہے۔ اس میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔
- اسلام نے حصول علم کو ہر شخص کا بنیادی حق قرار دیا ہے۔ اسلام میں ذات پات کی بنیاد پر تحصیل علم کا دائرہ محدود نہیں ہے؛ بل کہ ہر شخص کے لیے خواہ اس کا تعلق اونچے طبقے سے ہو یا نیچے طبقے سے، خواہ مرد ہو یا عورت، علم حاصل کرنا اس کا حق ہی نہیں بل کہ فرض ہے اور ہر انسان کے لئے اس کے دروازے کھلے ہیں اسے چاہیئے کہ وہ جہالت ونادانی کی تاریکی سے نکلنے کے لیے علم حاصل کرے۔
- اسلام معاشی جدوجہد اور محنت مزدوری کر کے اپنی اور اپنی اہل خانہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہر شخص اپنی کمائی کھائے، کوئی کسی پر بوجھ نہ بنے، اسی اہمیت کے پیش نظر اس نے عید، جمعہ اور ایام حج میں بھی کاروبار کرنے کی اجازت دی ہے۔
- اسلام نے ہر شخص کو امن کا حق دیا، اس کی نظر میں ہر انسان کی جان، مال، عزت وآبرو مامون ومحفوظ ہے۔ اسلام کا کوئی تعلق دہشت گردی یا تشدد سے نہیں ہے۔ جہاں تشدد ہو وہاں اسلام کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اور جہاں اسلام ہو وہاں تشدد اور دہشت گردی کی ہلکی پرچھائیں بھی نہیں پڑ سکتی۔

6.10 نمونہ امتحانی سوالات

6.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. اسلام میں تمام-----------------------برابر ہیں۔
2. ------------------مذہب مکمل امن وسلامتی کا داعی ہے۔
3. "اور زمین میں اس کی درستگی کے بعد-----------------------مت پھیلاؤ۔
4. رسول اللہ ﷺ نے اپنا تعارف-------------------------کی حیثیت سے کرایا۔
5. اللہ اس شخص پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر------------------نہیں کرتا۔

6.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. مساوات کا مفہوم بتاتے ہوئے آنحضرت ﷺ کے مساوات کے دو عملی نمونے پیش کریں۔
2. اسلام میں علم کی اہمیت پر روشنی ڈالیے۔
3. محنت مشقت کر کے اپنی اور اپنے بال بچوں کی گذر اوقات بیان کرنے والی حدیث لکھیے۔
4. حق لباس کی اہمیت واضح کیجیے۔
5. اسلام کے عطا کردہ حق دفاع کی اہمیت اور اس کے آداب بیان کیجیے۔

6.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. اسلام کے عطا کردہ حق مساوات پر روشنی ڈالیے۔
2. اسلام کے بیان کردہ تصور تعلیم اور عطا کردہ حق تعلیم کے بارے میں تفصیل سے لکھیے۔
3. اسلام میں کھانے پینے کے بارے میں جو ہدایات دی گئی ہیں انہیں بیان کیجیے۔

6.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. بنیادی حقوق : محمد صلاح الدین
2. محسن انسانیت اور انسانی حقوق : ڈاکٹر حافظ محمد ثانی
3. اسلام اور بنیادی انسانی حقوق : ڈاکٹر حافظ محمد اشرف
4. اسلام میں انسانی حقوق : ڈاکٹر محمد طاہر القادری
5. اسلام اور انسانی حقوق اقوام متحدہ کے عالمی منشور کے تناظر میں : ابو عمار زاہد الراشدی

اکائی 7: اسلام میں بنیادی انسانی حقوق (حصہ دوم)

اکائی کے اجزا:

7.0 تمہید

7.1 مقاصد

7.2 ملکیت کا حق

7.3 نجی زندگی کا حق

7.4 اظہار رائے کا حق

7.5 تنقید کا حق

7.6 مذہبی آزادی کا حق

7.7 انصاف کا حق

7.8 ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے کا حق

7.9 اکتسابی نتائج

7.10 نمونہ امتحانی سوالات

7.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

7.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

7.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

7.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

7.0 تمہید

بنیادی انسانی حقوق کی ہمیشہ بڑی اہمیت رہی ہے، کیوں کہ ان حقوق سے عدم واقفیت اور ان کی ادائیگی کے بغیر سماج میں امن وآشتی کا قائم ہونا ناممکن ہے۔ اسی لئے اسلام نے آج سے تقریباً پندرہ صدی قبل انسان کے بنیادی حقوق کو بہت واضح انداز میں بیان کر دیا

ہے اور اس بات کو یقینی بنایا کہ ہر شخص کو اس کا بنیادی حق ضرور دیا جائے۔ اس اکائی میں اسلام کے عطا کردہ سات اہم بنیادی انسانی حقوق کا تذکرہ کیا جائے گا۔

7.1 مقاصد

اس اکائی کو پڑھ کر طلبہ جہاں اسلام کے عطا کردہ بنیادی انسانی حقوق سے واقف ہوں گے وہیں انسانی حقوق کی اہمیت سے بھی بہرہ ور ہوں گے۔ اس اکائی میں سات بنیادی انسانی حقوق کا تذکرہ کیا گیا ہے جو اس طرح ہیں۔ ملکیت کا حق، نجی زندگی کا حق، اظہار رائے کا حق، تنقید کا حق، مذہبی آزادی کا حق، انصاف کا حق، ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے کا حق۔

7.2 ملکیت کا حق

مال و دولت اور اسباب و املاک انسان کی بنیادی حق ہے۔ کیوں کہ انسانی زندگی کے لیے بہت یہ ناگزیر ہیں۔ ان کے بغیر آدمی امن وسکون اور عزت کی زندگی بسر نہیں کر سکتا ہے اور ہمیشہ دوسروں کا دست نگر بنا رہتا ہے۔ اسی لیے اسلام نے اسے بہت اہمیت دی ہے اور اسے حاصل کرنے کی بھی ترغیب دی ہے۔ اس لیے کہ یہ اسباب واملاک اور مال و دولت دنیوی زندگی کے لیے سامان زیست بھی ہیں اور سامان زینت بھی۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا ۔ (النساء:5) ''(اور کم عقلوں کو اپنے وہ مال نہ دو) جن کو اللہ نے تمہاری گذر اوقات کا ذریعہ بنایا ہے۔'' اسی طرح اسے زینت قرار دیتے ہوئے فرمایا: الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (الکھف:46) ''مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں''۔

اسی اہمیت کے پیش نظر اسلام ہر انسان کو ملکیت کا حق دیتا ہے اور جائز طریقے سے جو مال و دولت، املاک و جائداد بناتا ہے اسے اس میں تصرف کا بھی پورا پورا حق حاصل ہے۔ وہ اپنے مفادات کے تحت اور اپنی ضرورتوں کی تکمیل کی خاطر انھیں استعمال کر سکتا ہے۔ اسے اس بات کا حق حاصل ہے کہ مزید نفع کمانے کے لیے اپنے کاروبار میں لگا سکتا ہے۔ ان کی حفاظت کے لیے موجود وسائل وذرائع سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں اس نے مرد و عورت میں کسی طرح کی کوئی تفریق نہیں کی ہے۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (النساء:32) ''اور تم اس چیز کی تمنا نہ کیا کرو جس میں اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ مردوں کے لئے اس میں حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے اس میں حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور اللہ سے اس کا فضل مانگا کرو بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔''

اس موقع پر اسلام کی تعلیمات کی اہمیت مزید واضح ہو جاتی ہے کہ اس نے عورت اور مرد کی حق ملکیت کا الگ الگ ہونے کا احساس دلایا اور دونوں میں کسی طرح کی کوئی تفریق نہ کی۔ بیسویں صدی قبل مغرب میں عورتوں کو ذاتی ملکیت کا حق حاصل نہیں تھا۔ اسلام نے چودہ صدی قبل عورتوں کی ملکیت تسلیم کیا اور اسے مردوں کی طرح املاک و جائداد بنانے کا اختیار دیا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالی نے وراثت

میں خواتین کا حصہ مقرر کیا ہے۔لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا ۔(النساء:7)"جو مال ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑیں اس میں مردوں کا حصہ ہے اور جو مال ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں اس میں خواتین کا بھی حصہ ہے، چاہے تھوڑا ہو یا زیادہ، یہ حصے اللہ کے مقرر کیے ہوئے ہیں۔"

اسلام نے انسان کو کئی طرح سے حق ملکیت عطا کیا ہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ ہر شخص اپنی زیر ملکیت اشیاء و املاک کو اپنے یا دوسرے انسانوں کے فائدے کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ اپنی زیر ملکیت چیزوں میں ترمیم و اضافہ کر سکتا ہے۔اس کا یہ حق منقولہ، غیر منقولہ ہر طرح کی املاک و اسباب پر ہے۔ اپنی صلاحیت اور لیاقت کی بنیاد پر اسے نئے نئے پروجیکٹس پر استعمال کر سکتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اپنی نجی ملکیت کو مزید ترقی دینے کے لیے ذاتی کاروبار کر کے نفع حاصل کر سکتا ہے۔ اسلام ایسا نہیں کرتا بلکہ صاحب مال کو پورا اختیار دیتا ہے کہ پوری آزادی کے ساتھ اپنے مال سے کاروبار کرے اور اپنے اوپر خرچ کرے۔ اسی طرح حق ملکیت کی تیسری صورت یہ ہے کہ اپنے مال میں کسی شخص کو شریک کر کے نفع کمائے۔ شراکت کا مطلب یہ ہے کہ ایسا کاروبار اختیار کیا جائے جس میں دو یا دو سے زیادہ افراد متعین سرمایہ کے ساتھ نفع کے حصول اور نقصان کی ذمہ داری برداشت کرنے پر راضی ہوں اور نفع و نقصان کی شرح کا تعین حصہ داروں میں واضح کر دیا گیا ہو۔

انسان کی حق ملکیت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ اپنے مال و اسباب میں تصرف کے لئے پوری طرح آزاد ہو اور اسے اپنی مرضی سے خرچ کر سکے۔ چنانچہ اسلام جس طرح مال کمانے پر اکساتا ہے اسی طرح اسے راہ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب بھی دیتا ہے اور اسے خیر و برکت کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: وَأَنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (البقرة:195)"اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہی ہاتھوں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی اختیار کرو، بے شک اللہ نیکوکاروں سے محبت کرتا ہے۔" دوسری جگہ اہل ایمان کو مخاطب کر کے انفاق کا حکم دیا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ إِلَّا أَن تُغْمِضُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ (البقرة:267)"اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو، اور اس میں سے گندے مال کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے کا ارادہ مت کرو کہ (اگر وہی تمہیں دیا جائے تو) تم خود اسے ہرگز نہ لو سوائے اس کے کہ تم اس میں چشم پوشی کر لو اور جان لو کہ بے شک اللہ لائق ہر حمد ہے۔" دوسرے مقام پر ایک عمدہ مثال کے ذریعہ خرچ کرنے پر ابھارا: مَّثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (البقرة:261)"جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے کی طرح ہے جس نے سات ایسے خوشے اگائے کہ ہر خوشے کے ساتھ سو دانے ہیں۔ اور اللہ جس کے لیے چاہے اس کو دگنا کر دیتا ہے اور بڑی وسعت والا بہت علم والا ہے۔"

اس آیت میں اور قرآن مجید کی دوسری آیات میں مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے پر ابھارا گیا ہے۔ ضرورت مندوں اور محتاجوں

کی ضرورت کو پوری کرنے کے لیے مال کو خرچ کرنا اہل ایمان کی صفت قرار دیا گیا ہے۔ اسلام نے صدقہ وخیرات اور راہ خدا میں خرچ کرنے کو باعث اجر وثواب بتایا ہے۔ موجودہ دور میں راہ خدا کی کئی صورتیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً دین کا کام کرنے والوں پر خرچ کرنا، مدارس ومساجد کی تعمیر پر خرچ کرنا، یتیم بچوں کی کفالت اور ان کی تعلیم وتربیت پر خرچ کرنا، اسلامی لائبریری کے قیام پر خرچ کرنا، بے سہارا لوگوں کا مالی تعاون کرکے ان کے لیے دوکان ومکان فراہم کرنا۔ بیماروں کے لیے ڈاکٹروں کی فیس اور ادویات کا انتظام کرنا وغیرہ۔ اسی طرح اور بھی کئی صورتیں ہیں جہاں مال خرچ کیا جاسکتا ہے۔

مال کمانے اور خرچ کرنے کے ساتھ ساتھ مال کی حفاظت کی تعلیم بھی اسلام دیتا ہے۔ کسی شخص کو یا کسی حکومت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی کے املاک واسباب پر دست اندازی کرے اور ناجائز طریقے سے اس پر قبضہ کرے۔ اسلام نے ان تمام طریقوں کا سد باب کیا ہے جن سے لوگوں کا مال ہڑپ لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ -(البقرہ:188) ’’اور تم لوگ نہ تو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقہ سے کھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے ان کو اس غرض کے لیے پیش کرو کہ تمہیں دوسروں کے مال کا کچھ حصہ قصداً ظالمانہ طریقہ سے کھانے کا موقع مل جائے۔‘‘

اس آیت نے ناجائز طریقے سے دوسروں کے مال پر قبضہ کرنے کے جتنے ذرائع ہو سکتے تھے سب پر نہایت بلیغ طریقے سے قدغن لگادی ہے۔ دوسروں کے مال ہڑپ کرنے کے کئی طریقے ہیں۔ مثلاً چوری، رہزنی، ڈاکہ، خیانت، دھوکہ، رشوت، سود، سٹہ، قمار بازی، ناپ تول میں کمی بیشی وغیرہ ان سب کو اسلام نے مذموم اور حرام قرار دیا اور اس طرح کے حرام کاموں میں ملوث لوگوں کے لیے دردناک سزا کا اعلان بھی کیا۔ چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا بتایا ہے۔ اسی طرح جو لوگ یتیم بچوں کے مال ہڑپ کر جاتے ہیں انہیں جہنم کی آگ میں ڈالے جانے کی سخت سزا سنائی ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا (النساء:10) ’’جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طور سے کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ ڈالتے ہیں اور وہ عنقریب جہنم کی آگ میں جائیں گے۔‘‘ رشوت جیسی گھناؤنی چیز کی ممانعت ان الفاظ میں کی: وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (البقرہ:188) ’’آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے مت کھاؤ اور نہ مال کو حاکموں تک پہنچاؤ، تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ جانتے بوجھتے حق تلفی کرکے کھا جاؤ۔‘‘

رشوت بڑا گناہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے رشوت لینے اور دینے والے دونوں کی مذمت کی ہے اور حاکموں کو خاص طور سے اس سلسلے میں ہدایات دی ہیں یہاں تک کہ رعایا اور ماتحتوں سے تحائف وہدایا لینے کی بھی اجازت نہیں دی۔ اسی طرح ناپ تول میں کمی بیشی کرنا بھی مال کو ہڑپ کر لینے کے مترادف ہے، تاجروں اور دوکانداروں کی عام ذہنیت یہ ہوتی ہے کہ جب وہ خود کوئی چیز فروخت کرتے ہیں تو وزن میں کمی کرتے ہیں اور جب دوسروں سے چیزیں لیتے ہیں تو زیادہ تول کر لیتے ہیں۔ قرآن کریم نے اس ناجائز کاروبار کی بڑی شدت سے ممانعت کی، کیوں کہ اس سے غریبوں کی حق تلفی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ○

وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ○ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ(الشعراء:-183 181)"ناپ پوری کرو اور (اس میں) کم کرنے والے نہ بنو اور تولو سیدھی ترازو سے اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو۔"

الغرض ناجائز اور غلط طریقے سے مال کو لینا اسلام کی نظر میں انتہائی ناپسندیدہ عمل ہے۔ جو شخص بھی اس طرح کے ذرائع آمدنی اختیار کرتا ہے وہ اللہ تعالی کی ٹھہرائی ہوئی حدوں کو توڑتا ہے جس کے لیے وہ سزا کا مستحق ہے۔ اسلام نے نہ صرف دوسروں کے املاک و اسباب پر قبضہ کرنے سے منع کیا ہے، بلکہ اگر کوئی زبردستی کسی کی ملکیت پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو مالک کو اسلام نے پورا حق دیا ہے کہ وہ اس کی حفاظت کی راہ میں اپنے خون کا آخری قطرہ بہا سکتا ہے۔ اس صورت میں وہ شہید کے درجہ میں ہوگا۔ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا:"من قتل دون ماله فهو شهيد"(جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے)

بطور خلاصہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ "اسلام کے عطا کردہ حق ملکیت میں کمانے، مال رکھنے، مال و متاع سے نفع حاصل کرنے اور مال و متاع کو قانونی طور پر فروخت کرنے، تحفہ دینے، تبادلہ کرنے یا اس کے بارے میں وصیت کرنے کا حق بھی شامل ہے۔ اسلام نے ملکیت کے باب میں انسان کو یہ حقوق آج سے چودہ سو سال قبل عطا کئے جب ابھی انسانی تہذیب نے ارتقا کا یہ سفر طے نہیں کیا تھا۔"

7.3 نجی زندگی کا حق

اسلام نے زندگی کے تمام گوشوں کی طرف رہنمائی کی ہے، چاہے انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی۔ انفرادی زندگی سے جڑا ہوا ایک اہم حق انسان کا نجی اور پرائیوٹ زندگی کا ہے۔ اسلام نے اس سلسلے میں بھی مکمل رہنمائی کی ہے۔ چنانچہ وہ انسان کے بنیادی انسانی حقوق میں سے ایک حق نجی زندگی کا بھی قرار دیتا ہے۔ وہ بلا کسی تفریق کے ہر انسان کی عزت و کرامت کے لیے اسے ضروری سمجھتا ہے اور تمام مسلمانوں کو اس کا احترام کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ اسلام کی نظر میں انسان کا ہر عمل نجی ہے جب تک کہ وہ خود اپنے کسی عمل پر دوسروں کو مطلع نہ کرے۔ اسلام گھر کے اندر اور باہر ہر انسان کی نجی اور شخصی زندگی میں آزادی کا قائل ہے۔ اور تاکید کرتا ہے کہ کوئی شخص اپنے گھر یا گوشہ تنہائی میں کیا کر رہا ہے اس کی تحقیق یا تفتیش نہ کی جائے۔ اگر وہ گھر کی چہار دیواری کے اندر غلط کام بھی کر رہا ہے تو یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے۔ وہ اپنے رب کے سامنے جواب دہ ہے۔ اسلام کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کسی شخص کے نجی معاملات میں دخل اندازی کی جائے اور ان کی ٹوہ میں لگا جائے۔ سورہ حجرات میں فرمایا گیا:ولا تجسسوا (حجرات:12)"اور تجسس نہ کرو"۔

آدمی تجسس کے ذریعہ دوسروں کے عیب تلاش کرتا ہے اور پھر جو عیوب اور کمزوریاں اس کے علم میں آتی ہیں انھیں مزے لے لے کر دوسروں سے بیان کرتا ہے۔ جس سے متعلق شخص کی بدنامی اور رسوائی ہو، قرآن مجید نے اس طرح کے تجسس سے سختی سے منع کیا ہے۔ اس معاملہ کا قرآن مجید اس قدر لحاظ کرتا ہے کہ بلا اجازت کسی کے گھر میں داخل ہونے یا باہر سے تاک جھانک کرنے سے سختی سے منع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ

أَهْلِهَا (النور: 27)۔"اے لو گو جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے سوا دوسرے کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں کی رضا نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسم نے خود اپنے گھر میں بھی آواز دے کر داخل ہونے کی تاکید کی ہے، تاکہ ماں، بہن اور بیٹیوں پر ایسی حالت میں نظر نہ پڑ جائے جس میں نظر پڑنا بد اخلاقی اور شرم و حیا کا باعث بنے۔ حضرت سہل بن سعد فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے گھر میں دروازے کے سوراخ سے جھانک رہا تھا اس وقت آپ ﷺ کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جس سے سر کھجا رہے تھے، آپ ﷺ نے اسے دیکھا تو فرمایا: "لو انک تنظر لطعنت به في عينيك ، انما جعل الاستئذان من اجل البصر "(صحیح بخاری) اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم دیکھ رہے ہو، تو اس سے تمہاری آنکھ پھوڑ دیتا، اجازت لینے کی حکم اسی لئے تو دیا گیا ہے کہ قابل ستر چیزوں پر نگاہ نہ پڑے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے حکمرانوں کو بھی اس سے متنبہ کیا ہے اور انہیں لوگوں پر بلاوجہ شک و شبہ کرنے اور جاسوسی کروانے سے روکا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: " ان الامير اذا ابتغى الريبة في الناس افسدہم "(سنن ابو داؤد) اگر حکمران اپنی رعایا کے ساتھ شک و شبہ کا معاملہ کریں گے تو انہیں بگاڑ کر رکھ دیں گے۔ دوسری حدیث جس کے راوی حضرت معاویہ بن ابی سفیان ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: " انک ان اتبعت عورات الناس افسدتہم او كدت ان تفسدہم " (سنن ابو داؤد) اگر تم لوگوں کے پوشیدہ امور کی ٹوہ میں رہو گے تو انہیں بگاڑ دو گے یا بگاڑ کے قریب پہنچا دو گے۔

"اس سلسلے کا ایک واقعہ حضرت عمرؓ کا ہے جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی ریاست میں ایک حکمران کی حدود مداخلت کیا ہیں، اور ایک شہری کو اس مداخلت سے کتنا وسیع تحفظ حاصل ہے۔ ایک مرتبہ رات کے وقت آپ نے ایک شخص کی آواز سنی جو اپنے گھر میں گا رہا تھا۔ آپ کو شک گزرا اور دیوار پر چڑھ گئے، دیکھا کہ وہاں شراب بھی موجود ہے اور ایک عورت بھی۔ آپ نے پکار کر کہا "اے دشمن خدا! کیا تو نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تو اللہ کی نافرمانی کرے گا اور اللہ تیرا پردہ فاش نہ کرے گا؟ اس نے جواب دیا "امیر المومنین! اگر میں نے ایک گناہ کیا ہے تو آپ نے تین گناہ کئے ہیں۔ اللہ نے تجسس سے منع کیا تھا اور آپ نے تجسس کیا۔ اللہ نے حکم دیا تھا کہ گھروں میں ان کے دروازے سے آؤ اور آپ دیوار پر چڑھ کر آئے۔ اللہ نے حکم دیا تھا کہ اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں اجازت کے بغیر نہ جاؤ اور آپ میری اجازت کے بغیر میرے گھر میں تشریف لائے۔" یہ سن کر حضرت عمرؓ نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور اس کے خلاف کوئی کاروائی نہ کی۔ البتہ اس سے وعدہ لیا کہ وہ بھلائی کی راہ اختیار کرے گا۔"(تفہیم القرآن۔ جلد پنجم)

اس نجی زندگی کو یقینی بنانے کے لیے اسلام نے نہ صرف بغیر اجازت گھر میں داخل ہونے سے منع کیا ہے بلکہ مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ اجازت لیتے وقت دروازے کے دائیں یا بائیں ہو کر کھڑے ہوں۔ اس حکم کی دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ اگر انسان بغیر اجازت گھر میں داخل ہو جائے تو ممکن ہے کہ انسان کے سامنے ایسے مناظر و حالات آجائیں جسے وہ دیکھنا کبھی گوارا نہ کرے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ میں اپنی ماں کے گھر جاؤں تو کیا وہاں بھی اجازت لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اس نے عرض کیا میرے علاوہ میری ماں کا کوئی خدمت گزار بھی نہیں ہے تو پھر بھی اجازت لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ

اپنی ماں کو برہنہ دیکھو۔ اس حدیث سے بہ آسانی انسان کی نجی زندگی کی اہمیت سمجھی جاسکتی ہے۔

اسلام نے شخصی اور نجی معاملات کی پردہ داری کی تاکید کے ساتھ اس کا پاس و لحاظ رکھنے والوں کے لیے فضیلت بیان کی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: ''من نفس عن مؤمن كربة من كرب الدنيا نفس الله عنى كربة من كرب الآخرة ، ومن ستر على مسلم ستره الله في الدنيا و الآخرة ''جس نے کسی مومن کی دنیا میں تکلیف دور کی اللہ تعالی اس کی آخرت میں تکلیف دور کرے گا۔ اور جس نے کسی مسلمان کی دنیا میں ستر پوشی کی اللہ تعالی دنیا و آخرت میں اس کی ستر پوشی کرے گا۔'' اسلام انسان کی نجی زندگی کی مکمل حفاظت کرتا ہے۔ خواہ گھر کے اندر کی زندگی ہو یا اس سے باہر کی۔ وہ اس میں کسی کو مداخلت کی اجازت نہیں دیتا۔ وہ اس بات کو بھی پسند نہیں کرتا کہ خواہ مخواہ لوگوں کی جاسوسی کی جائے اور خفیہ طور پر ان کی ذاتی زندگیوں میں جھانکنے کی کوشش کی جائے۔ ملکی مفاد میں انتہائی ناگزیر حالات میں کسی فرد کی ضروری حد تک نگرانی کی اجازت ہے مگر عمومی حالات میں اس طرح کی کاروائی کی ہر گز اجازت نہیں ہے۔ اس سلسلے میں اس کی حساسیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے اس نے مخصوص اوقات میں اپنے گھر کے اندر بھی اجازت لے کر داخل ہونے کی تاکید کی ہے۔ کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ گھر کے دوسرے افراد عام حالت میں نہ ہوں۔ ارشاد ربانی ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِّن قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُم مِّنَ الظَّهِيرَةِ وَمِن بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَّكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَوَّافُونَ عَلَيْكُم بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (النور:58) ''اے ایمان والو! مناسب یہ ہے تمہارے زیرے دست (نوکر وغیرہ) اور تمہارے ہی وہ بچے جو ابھی جوان نہیں ہوئے، اندر آنے کے لیے تین اوقات میں اجازت لیا کریں، نماز فجر سے پہلے، دوپہر کے وقت، جب تم آرام کے لیے کپڑے اتارتے ہو اور تیسرے نماز عشا کے بعد، یہ تینوں اوقات تمہارے پردے کے ہیں۔ ان اوقات کے علاوہ نہ تم پر گناہ ہے اور نہ ان پر، وہ تمارے پاس کثرت سے ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تمہارے لیے آیات واضح کرتا ہے اور خوب جاننے والا حکمت والا ہے۔'' ان ہدایات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام نے نجی زندگی کی کتنی اہمیت دی ہے اور اس میں کسی کو مداخلت نہ کرنے کی کتنی تاکید کی ہے۔

7.4 اظہار رائے کا حق

بنیادی انسانی حقوق میں سے اظہار رائے کا حق بھی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی بھلائی کی خاطر خلوص نیت اور نیک جذبہ کے تحت اپنے خیالات کا اظہار کیا جائے۔ قرآن مجید بھلائی پھیلانے کے لیے اظہار رائے کا صرف حق ہی نہیں دیتا بلکہ اسے مسلمانوں کا ایک فریضہ قرار دیتا ہے، چنانچہ اس نے ان کی یہ صفت بیان کی ہے: يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ (التوبۃ:71) ''بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔'' اسلامی حکومت کا مقصد وجود قرآن مجید یہ قرار دیتا ہے: الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ (الحج:41) ''یہ وہ لوگ ہیں جنھیں اگر ہم زمین میں اقتدار

بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے۔"

اس کے بالمقابل منافقین کی صفت یہ بیان کی ہے: يَأْمُرُونَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ (توبہ:67) "برائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے منع کرتے ہیں۔ اسلام نے مسلمانوں کو اظہار رائے کی پوری آزادی دی ہے، کیوں کہ اس کے بغیر معاشرے میں جمہوری اقدار اور عدل و انصاف کی روایت قائم نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے اسلام نے نہ صرف ہر فرد کو اظہار رائے کی آزادی کا حق دیا ہے بلکہ اہل اسلام کو اپنے اجتماعی معاملات میں دوسروں سے رائے لینے اور مشورہ کرنے کی تعلیم دی ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ۔ (آل عمران:159) "اور آپ (اہم) کاموں میں ان سے مشورہ کیا کریں پھر جب آپ پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کیا کریں۔ بے شک اللہ توکل والوں سے محبت کرتا ہے۔" دوسرے مقام پر اپنے معاملات میں مشورہ کرنے کو اہل ایمان کی صفت قرار دیا ہے: وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ (الشوری:38) "اور جو اپنے پروردگار کا حکم مانتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں۔ اور ان کا کام آپس میں مشورے سے ہوتا ہے اور جو رزق ہم نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔" کسی سے مشورہ لینا یا کسی کو مشورہ دینا ایک طرح کی آزادی رائے کا اظہار ہی ہوتا ہے جس سے کام میں بہتری کی امید ہوتی ہے۔

اسلام دین فطرت ہے، اس کی ہر تعلیم اعتدال پر مبنی ہے۔ چنانچہ اس نے اظہار رائے کے سلسلے میں یہ فلسفہ پیش کیا کہ انسان رائے دینے میں حیوانوں کی طرح بے مہار نہیں ہے، بلکہ اس کی اظہار رائے کی آزادی کے کچھ حدود اور قیود ہیں جس کا پاس و لحاظ رکھنا ضروری ہے اسلام نے جو حدود بیان کئے ہیں ان میں سے تین یہاں ذکر کئے جا رہے ہیں۔

1۔ اظہار رائے میں انسان اخلاقی حدود کا پابند ہو، ایسا اظہار رائے جس سے دوسروں کا مذاق اڑایا جائے، دل آزاری کی جائے، بہتان یا الزام تراشی کی جائے، غیبت یا چغلی کھائی جائے اسلام کی نظر میں ناپسندیدہ ہیں اس سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ سورہ حجرات میں اظہار رائے کی آزادی کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَى أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ (الحجرات:11-12) "اے ایمان والو! مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور عورتیں بھی دوسری عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں، ہو سکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں، اور ایک دوسرے کو طعنہ نہ دو اور برے القاب سے نہ پکارو۔ ایمان کے بعد فسق کا نام لگنا برا ہے۔ جو لوگ (ان حرکتوں سے) توبہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔ اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان سے بچو۔ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور تجسس نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ تم اس سے گھن کرتے ہو۔ اللہ تعالی سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے"۔ اظہار رائے کی

آزادی میں اسلام نے بہترین اخلاقی قدریں فراہم کی ہیں۔ اپنی رائے کا اظہار کرتے وقت ہر شخص کو اس بات کا خیال رکھنا ہو گا کہ کسی کا مذاق نہ اڑائے، اس کے جملے سے کسی کی توہین نہ ہو، اس کی بات سے کسی کی عزت و آبرو کو ٹھیس نہ پہنچے وغیرہ۔

2۔ اظہار رائے کے نام پر بے حیائی اور بدکاری کے فروغ کی اجازت نہ ہو گی۔ جو معاشرہ اخلاق واقدار کا علم بردار ہو گا وہ کسی قیمت پر اخلاق باختگی کی تعلیم نہیں دے گا، بلکہ اس طرح کی تمام باتوں سے وہ روک دے گا۔ ارشاد خداوندی ہے: إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (النور:19) ''بے شک جو لوگ چاہتے ہیں کہ اہل ایمان کے درمیان بدکاری کا چرچا ہو تو ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

3۔ تیسری پابندی یہ ہے کہ ملک میں بے چینی اور بدامنی پھیلانے کی اجازت نہ ہو گی۔ منافقین اور یہود اسلامی ریاست کے خلاف ہر وقت سرگرم رہتے تھے۔ ان کا ایک خاص مشغلہ تھا کہ مسلمانوں کے درمیان غلط افواہیں پھیلائیں اور حالت جنگ میں ان کی ناکامی کی پیشین گوئی کرتے رہیں اور کسی وقتی اور ہنگامی نقصان کا اس طرح چرچا کریں جیسے اس کی تلافی ممکن نہیں ہے، تاکہ مسلمانوں کی ہمت پست ہو جائے اور وہ اپنا عزم و حوصلہ کھو بیٹھیں۔ اس کا تعلق ملک کی سلامتی سے تھا اس لیے ان کے خلاف سخت قدم اٹھانے کی ہدایت کی گئی۔ ارشاد الٰہی ہے: لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا () مَلْعُونِينَ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا ○ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا (الاحزاب:60-62) ''اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے اور مدینہ میں جھوٹی خبریں پھیلانے والے (اپنی حرکتوں سے) باز نہ آئے تو ہم ضرور آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے اور پھر وہ مدینہ میں آپ کے قریب چند دن سے زیادہ نہیں ٹھہر سکیں گے۔ لعنت ہے ان پر، وہ جہاں کہیں پائے جائیں پکڑے جائیں اور بری طرح مارے جائیں۔ یہی اللہ کا طریقہ رہا ہے ان لوگوں میں جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں۔ تم اس طریقہ میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔''

اسلامی تاریخ میں اظہار رائے کی مثالیں عہد نبوی سے لے کر مسلمانوں کی تاریخ کے ہر دور میں ملتی ہیں۔ یہاں چند مثالیں بیان کی جاتی ہیں۔ غزوۂ بدر میں آپ نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ فلاں فلاں مقام پر قیام کریں اور پڑاؤ ڈالیں۔ ''حضرت حباب بن منذر نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ جو مقام انتخاب کیا گیا ہے وحی کی رو سے ہے؟ یا فوجی تدبیر ہے؟ ارشاد ہوا کہ وحی نہیں ہے، حضرت حباب نے کہا تو بہتر ہو گا کہ آگے بڑھ کر چشمہ پر قبضہ کر لیا جائے اور آس پاس کے کنویں بے کار کر دیے جائیں۔ آپ ﷺ نے یہ رائے پسند فرمائی اور اس پر عمل کیا گیا۔''

جنگ احد کے موقع پر آپ ﷺ کی اور معمر اور تجربہ کار صحابہ کرام کی یہ رائے تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے مگر حضرت حمزہؓ اور نوجوانوں کی رائے یہ ہوئی کہ باہر نکل کر جنگ کی جائے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ اکثریت باہر نکل کر جنگ کرنے کے حق میں ہے تو اسی کے مطابق عزم جنگ کیا اور ہتھیار بندی کے لئے حجرہ میں تشریف لے گئے۔ اس دوران معمر صحابہؓ نے نوجوانوں کو عار

دلائی کہ تم نے پیغمبر خدا کی رائے کا لحاظ کئے بغیر آپ ﷺ کو تکلیف میں ڈالا۔ یہ سن کر نوجوان متاثر ہوئے اور معذرت کے لیے حجرہ کے سامنے جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ باہر آئے اور ان کی معذرت سنی تو فرمایا: "عزم کے بعد اب نبی کی شان نہیں ہے کہ مقصد کو حاصل کیے بغیر غیر مسلح ہو جائے۔ چلو اب مدینہ کے باہر ہی میدان جنگ قائم ہو گا۔

ایک بار آپ ﷺ مال غنیمت تقسیم فرمارہے تھے کسی نے کہا: "تقسیم غنیمت مرضی الٰہی کے خلاف ہو رہی ہے" یہ بات بہت سخت تھی مگر آپ ﷺ نے معاف کر دیا۔ کسی اور کی آواز آئی "آپ ﷺ نے عدل سے کام نہیں لیا" فرمایا: اگر میں عدل نہ کروں گا تو اور کون کرے گا؟ پھر کہنے والے سے کوئی باز پرس نہیں کی۔ حضرت زبیرؓ اور ایک انصاری کا کوئی معاملہ آپ کی خدمت میں پیش ہوا آپ ﷺ نے حضرت زبیر کے حق میں فیصلہ کیا۔ انصاری نے غصہ میں آکر کہا "اپنے پھوپھی زاد بھائی کے حق میں فیصلہ کر دیا؛ آپؐ اس گستاخی سے درگذر کیا اور کچھ نہ فرمایا۔

مشورہ اور اظہار رائے کی آزادی کا عملی مظاہرہ ہمیں سیرت نبوی ﷺ میں جابجا ملتا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کے اصحاب اور خلفاء راشدین بھی لوگوں سے رائے لیتے اور اظہار رائے کے لیے حوصلہ افزائی فرماتے، تاریخ کے اوراق میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے تو اپنے خطبہ خلافت میں اظہار رائے کی باقاعدہ دعوت دی۔ حضرت عمرؓ خلیفہ بنے تو حضرت ابو عبیدہ اور حضرت معاذ بن جبلؓ نے انہیں ایک مشترکہ خط لکھا جس میں انہیں خلافت کی ذمہ داریوں اور آخرت کی جوابدہی کا احساس دلایا۔ جس پر حضرت عمرؓ نے ان دونوں کا شکریہ ادا کیا۔

حضرت سعد بن عبادہؓ نے خلیفہ اول حضرت ابو بکرؓ اور خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی، لیکن دونوں نے ان سے تعرض نہ کیا، اس لئے کہ ان کی طرف سے کسی باغیانہ روش کا اظہار نہیں ہوا تھا۔ حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں خوارج نے ان کی اطاعت قبول نہیں کی، لیکن حضرت علیؓ نے بزور قوت انہیں سر تسلیم خم کرنے پر مجبور نہیں کیا، بلکہ فرمایا: "جہاں چاہو رہو، شرط یہ ہے کہ کسی کا ناحق خون نہیں کرو گے، ڈاکہ زنی نہیں کرو گے اور ذمیوں کو قتل نہیں کرو گے۔ اگر تم نے ایسا کیا، تو پھر میں تم سے اعلان جنگ چھیڑ دوں گا۔ (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، دار الریان للتراث، طبع اول، 1988ء، 7/ 291-292) حضرت عمرؓ کے دور میں اظہار رائے کی آزادی کا یہ عالم تھا کہ ایک آدمی راہ چلتے یا بھری مجلس میں سر منبر جہاں چاہتا آپ کو ٹوک سکتا تھا۔ آپ سے اپنی شکایت بیان کر سکتا تھا۔ اور اظہار رائے کی اس آزادی کو برقرار رکھنے لئے آپ ہمیشہ شکایت کرنے والے کی بات پوری توجہ سے سنتے۔ اگر کوئی دوسرا درمیان میں ٹوکتا تو سخت ناراض ہوتے اور کہنے والے کو پوری بات کہنے کا موقع دیتے۔ اس کی حوصلہ افزائی کرتے اور اگر شکایت درست ہوتی تو فورا کاروائی کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس نے سب سے پہلے اظہار رائے کا مکمل تصور پیش کیا، اس کے حدود و آداب سکھائے۔ اور مسلمانوں نے دنیا کے سامنے اس کا عملی نمونہ پیش کیا۔

7.5 تنقید کا حق

انسان کے بنیادی حق میں تنقید کا حق بھی شامل ہے۔ تنقید کے معنی کھرے اور کھوٹے کی پہچان کرنا کے ہیں۔ اس کے ذریعہ افراد واشخاص اور حکومت وریاست کے کاموں کے منفی اور مثبت پہلوؤں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ اسلام نے اس پہلو پر توجہ دی ہے اور ہر شخص کو تنقید کا حق دیا ہے؛ کیوں کہ اس سے معاشرے پر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں اور مسائل کو سلجھانے میں مدد ملتی ہے۔ اللہ تعالی کے رسولوں نے ہر زمانے میں اس حق کا بھرپور استعمال کیا ہے اور تنقید کے ذریعہ معاشرہ کی اصلاح کا کام بغیر کسی خوف وخطر کے انجام دیا ہے۔ ارشاد الہی ہے: الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا(الاحزاب:39)"وہ لوگ (پیغمبر) جو اللہ کے پیغامات پہچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں اور سوائے اللہ کے کسی سے خوف نہیں کھاتے۔ اللہ حساب لینے والا کافی ہے"۔

سماج میں جب برائیاں پھیل جاتی ہیں اور لوگ اچھائیوں اور خرابیوں کے درمیان فرق کرنا چھوڑ دیتے ہیں تو اس وقت ان خرابیوں کا ازالہ کرنا ضروری ہے اور حق بات کو بلا کسی لاگ لپیٹ کے بیان کر دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قل الحق ولو کان مرا ،لا تخف فی الله لومة لائم "حق بات کہو چاہے وہ کسی کو ناگوار کیوں نہ گذرے۔ اللہ کے (دین کے) معاملہ میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ مت کرو۔"(مشکاۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب حفظ اللسان)

برائیوں کو بیان کرنا اور منکرات پر تنقید کرنا اور حسب استطاعت ان کے خاتمہ کے لیے کوشش کرنا ایمان واسلام کا تقاضا بھی ہے۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: من رای منکرا فلیغیره بیده ، فان لم یستطع فبلسانه وان لم یستطع فبقلبه و ذلک اضعف الایمان تم میں سے جو شخص منکر کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ (قوت) سے بدل دے۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو اپنی زبان سے اسے بدل دے۔ اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو اپنے دل سے برا سمجھے۔ یہ ایمان کا کمزور درجہ ہے۔"(صحیح مسلم)

ریاست ومملکت کے اقدامات کی تائید اور حمایت یا اعتراض اور تنقید کے معاملہ میں اسلام نے یہ اصول بیان کیا ہے اس کی حمایت معروفات میں کی جائے گی۔ اگر اس کے ذریعہ شریعت کا نفاذ عمل میں آرہا ہے اور وہ معاصی سے اجتناب کر رہی ہے تو اس کا ساتھ دیا جائے گا، لیکن اگر وہ منکرات کو فروغ دے رہی ہے تو اس کے ساتھ تعاون نہیں کیا جائے گا اور اس سے دوری اختیار کی جائے گی۔ حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لا طاعة فی معصية انما الطاعة فی المعروف "معصیت میں اطاعت نہیں، اطاعت تو معروف میں ہوتی ہے۔ اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عمرؓ رسول اللہ ﷺ کا قول نقل کرتے ہیں: السمع و الطاعة علی المرء المسلم فیما احب و کره مالم یؤمر بمعصية فاذا امر بمعصية فلا سمع ولا طاعة "مرد مسلم کے لیے ضروری ہے کہ اپنے امیر کی بات سنے اور اس کی اطاعت کرے اس معاملہ میں بھی جسے وہ پسند کرتا ہے۔ جب تک کہ اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے۔ جب معصیت کا حکم دیا جائے گا تو بات نہ سنی جائے گی اور نہ اطاعت ہو گی۔

تنقید کے اصول و آداب میں یہ ہے کہ اس سے تعمیر اور اصلاح مقصود ہو ،نہ کہ تذلیل اور کردار کشی۔ اسلام تنقید کی آڑ میں

تذلیل کی اجازت نہیں دیتا؛ کیوں کہ کسی کی تذلیل کرنا کسی بھی مہذب معاشرہ میں اچھا شمار نہیں کیا جاتا ہے۔ اگر اس کا خیال کیے بغیر تنقید کی جائے گی تو وہ اپنی معنویت کھو دے گی۔ اس سلسلے میں اسلام کا طریقہ سب سے اچھا ہے۔ جس نے تنقید کی آزادی بھی دی، اس کا طریقہ بھی سکھایا اور اس کے آداب و حدود بھی متعین کئے ہیں۔

7.6 مذہبی آزادی کا حق

اسلام نے انسان کو ایک بنیادی حق یہ بھی دیا ہے کہ وہ جو مذہب اور عقیدہ چاہے اختیار کرے۔ اس پر کسی طرح کا کوئی جبر نہیں کیا جاسکتا؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عقل و شعور کی دولت عطا کی ہے اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت دی ہے، جس کی وجہ سے وہ دوسری مخلوقات سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ اس صلاحیت کا استعمال کرکے وہ حق و باطل میں تمیز کر سکتا ہے صحیح اور غلط میں فرق کر سکتا ہے۔ صحیح اور باطل نظریات کو پرکھ سکتا ہے۔ پھر جو راہ چاہے اختیا کرے۔ اسلام اس پر کوئی زور زبرستی نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَآ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرہ: 256) "دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے۔"

اس آیت کی تشریح میں پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں: "اسلام جس طرح یہ گوارہ نہیں کرتا کہ کسی کو جبراً مسلمان بنایا جائے، اسی طرح وہ یہ بھی برداشت نہیں کرتا کہ کوئی اس کے ماننے والوں پر تشدد کرے، انہیں اسلام سے برگشتہ کرے یا جو خوشی سے اس کی برادری میں شریک ہونا چاہتے ہیں، ان کو ایسا کرنے سے زبردستی روکا جائے، اور اگر کہیں ایسی صورت پیدا ہو جائے تو اس وقت اسلام اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے کہ ایسی حالت میں وہ ظالم قوت کا مقابلہ کریں، اور یہی اسلام کا نظریہ جہاد ہے۔ اسلام کے بعض نکتہ چیں جہاد کو (اکراہ فی الدین) سے تعبیر کرتے ہیں اور اس پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں، وہ سن لیں کہ اس کی خوشنودی کا پروانہ حاصل کرنے کے لیے اپنے ماننے والوں کو دشمنان دین و ایمان کے جور و ستم کا تختہ مشق بننے نہیں دے گا۔" (ضیاء القرآن: 1/179)

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو مبعوث کرکے اور انھیں اپنی کتاب عطا کرکے حق کو باطل سے جدا کر دیا۔ اب جو چاہے مانے اور جو چاہے نہ مانے اس پر کسی طرح کی کوئی زور زبردستی نہیں کی جاسکتی۔ انبیاء کرام کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ سب لوگ ان کی بات مان لیں اور ایک اللہ کی عبادت کرنے لگیں؛ لیکن یہ مشیت الٰہی کے خلاف ہے کیوں کہ اس نے ہر شخص کو عقل و فہم عطا کی ہے اور اسے آزادی دی ہے کہ جس کا دل چاہے دلائل کی بنیاد پر اسے قبول کرے یا نہ کرے۔ کوئی بھی شخص کسی کو مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ اس کا دین اور مذہب اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو مخاطب کرکے کہتا ہے: وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ (یونس: 99) "اگر تیرے رب کی مشیت یہ ہوتی (کہ زمین میں سب مومن و فرماں بردار ہی ہوں) تو سارے اہل زمین ایمان لے آئے ہوتے پھر کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن ہو جائیں۔"

اسلام اپنا غلبہ چاہتا ہے لیکن طاقت اور جبر کے ذریعہ نہیں، دعوت و تبلیغ، افہام و تفہیم اور دلیل و برہان کے ذریعہ۔ وہ حق و

باطل کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے، پھر لوگوں کو پوری آزادی دیتا ہے کہ وہ چاہیں حق کو قبول کریں یا باطل پر قائم رہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف:29) "صاف کہہ دو یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے اب جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے۔" ایک جگہ دعوت حق کے سلسلہ میں آپ ﷺ کی ذمہ داری کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا گیا: إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ○ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُسَيْطِرٍ (الغاشیہ: 21-22) اے نبی ﷺ! نصیحت کئے جاؤ تم بس نصیحت ہی کرنے والے ہو، کچھ ان پر جبر کرنے والے نہیں۔"

جس طرح اسلام مسلمانوں کو مذہبی آزادی عطا کرتا ہے، اسی طرح یہ دوسرے مذہب کے ماننے والوں کی دینی آزادی کا بھی قائل ہے۔ بشرطیکہ وہ دعوت اسلام کے معاملات میں مزاحمت نہ کریں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے یہود کو پوری دینی آزادی عطا کی اور آپ ﷺ کی مدینہ آمد سے قبل وہ اپنے جن شعائر پر عمل کر رہے تھے اسے باقی رکھا۔

اہل نجران کے بارے میں آپ ﷺ نے جو معاہدہ فرمایا اس میں لکھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اہل نجران اور ان کے حلیفوں کو ان کے اموال، جانوں، ان کی زمینوں، ان کی ملت، ان کے غائب اور ان کے حاضر، ان کے قبیلے اور ان کی خرید و فروخت اور جو کچھ ان کے پاس ہے اور ان کی ملکیت خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ ان سب کو پورا پورا تحفظ دیا جائے گا۔ مزید براں نہ تو ان کا کوئی پادری، راہب اور کاہن اپنے عہدوں سے تبدیل کیا جائے گا، نہ ان کے ذمہ کوئی جاہلیت کا خون ہوگا اور نہ ہی کوئی قصاص۔ (فتوح البلدان، للبلاذری، 75-76، زاد المعاد: 3/634)

اس معاہدہ سے معلوم ہو رہا کہ غیر مسلم اقوام کو ایک اسلامی ریاست میں اپنے مذہبی شعائر پر عمل کرنے کی پوری آزادی حاصل ہے اور اس بات کی بھی ضمانت حاصل ہے کہ ان کے دینی پیشوا اور رہنما بھی پوری طرح اپنی مذہبی تعلیمات کی دعوت دینے کے لیے آزاد ہیں۔ اسلامی حکومت میں ان کے دینی معاملات میں کسی طرح کی کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جب یزید بن ابی سفیانؓ کو اسلامی لشکر کا امیر بنا کر بھیجا تو انہیں ہدایت فرمائی: "تم ایک ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جو یہ گمان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے آپ کو دین کے ساتھ محبوس کر رکھا ہے۔ اب جیسا وہ سمجھتے ہیں اسی طرح انہیں سمجھنے دیں اور ان کے معاملات میں بالکل کوئی دخل نہ دیں۔ (مؤطا امام مالک: ص296)

مذہبی آزادی کی متعدد مثالیں ہمیں سیرت عمرؓ میں بھی ملتی ہیں۔ اس تعلق سے ایک واقعہ ان کے غلام وسق رومی کا ہے۔ وہ خود کہتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ بن خطاب کا غلام تھا وہ مجھ سے کہا کرتے تھے "مسلمان ہو جا، اگر تو اسلام قبول کر لے گا تو میں تجھے مسلمانوں کی امانت کا کوئی کام سونپ دوں گا۔ کیوں کہ میرے لیے یہ روا نہیں ہے کہ غیر مسلموں کو مسلمانوں کی امانت کے کام پر متعین کروں۔ مگر میں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ اس پر وہ کہا کرتے۔ لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ پھر جب ان کی وفات کا وقت آ گیا تو انہوں نے مجھے آزاد کر دیا اور کہا تمہارا جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔ (کتاب الاموال، جلد اول، ص154)

آپ کے زمانے میں اظہار رائے کی اس قدر آزادی تھی کہ ہر شخص جسے بھی کوئی بات اسلامی تعلیمات کے خلاف لگتی (حالاں کہ وہ

بات اسلامی تعلیمات کے خلاف نہ ہوتی مگر کہنے والے کو ایسا محسوس ہوتا) تو فوراً اپنا حق اظہار رائے استعمال کرتا۔ ایک شخص نے سر راہ آپ کو مخاطب کر کے کہا "عمرؓ! خدا سے ڈرو۔" اس نے یہ جملہ کئی بار دہرایا اس پر کسی نے ٹوکا "چپ رہ! تو نے امیر المومنین کو بہت کچھ کہہ سنایا۔" حضرت عمرؓ فوراً مداخلت کرتے ہوئے بولے "اسے مت روکو۔ یہ لوگ اگر ہم سے ایسی بات کہنا چھوڑ دیں تو پھر ان کا فائدہ ہی کیا؟ اور اگر ہم ان کی باتوں کو نہ قبول کریں تو ہمیں بھلائی سے عاری سمجھنا چاہیئے اور بعید نہیں کہ یہ بات اپنے کہنے والے پر ہی چسپاں ہو جائے۔" (کتاب الخراج، قاضی ابویوسف، مترجم محمد نجات اللہ صدیقی، کراچی، ص367)

اسی طرح اسلامی لشکر کے قائد سیدنا خالد بن ولیدؓ نے اہل حیرہ کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا اس میں بھی یہ کہا گیا تھا کہ اہل حیرہ کا کوئی گرجا اور کنیسہ منہدم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی انہیں ناقوس بجانے سے روکا جائے گا، اور نہ ان کی عید پر انہیں صلیب نکالنے سے منع کیا جائے گا۔ وہ جس وقت چاہیں اپنے ناقوس بجاسکتے ہیں سوائے نماز کے اوقات کے۔ (کتاب الخراج، ص146)

آپ کی رعایا میں مسلمان بھی تھے اور دوسرے ادیان کے ماننے والے بھی تھے۔ عموماً سربراہان مملکت دوسری قوموں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے تھے۔ لیکن آپ نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ وہ لوگ ان کے گرویدہ ہوگئے اور آپ پر جان چھڑکنے لگے۔ ان کے عہد کا سب سے نمایاں وصف یہی ہے کہ امیر و غریب، چھوٹا و بڑا، ادنی و اعلی، شریف و رذیل اور مسلم و غیر مسلم قانون کی نگاہ میں سب برابر تھے اور غیر مسلموں کو ہر طرح کی دینی اور معاشرتی آزادی حاصل تھی، آپ نے غیر مسلموں کے دینی، معاشرتی اور دوسرے بنیادی حقوق کی ہر طرح سے حفاظت کی۔ جہاں کہیں بھی غیر مسلموں سے معاہدہ کیا ان میں انہیں دینی آزادی، حریت فکر اور ان کو وہ تمام حقوق دیے جو مسلمان رعایا کو انہوں نے دیے تھے اور یہی دین اسلام کا تقاضا تھا۔

مذہبی آزادی کے تعلق سے اسلام نے نہ صرف یہی ہدایت دی ہے کہ تم کسی پر جبر نہ کرو بلکہ یہ حکم بھی دیا ہے کہ غیر مسلموں کے معبودوں کو بھی برا بھلا مت کہو۔ ارشاد الہی ہے: وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ (الانعام:108) "جن معبودوں کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں انہیں برا نہ کہو۔"

بطور خلاصہ مذہبی آزادی کے حوالے سے ڈاکٹر طاہر القادری کا ایک اقتباس نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں:

1. ہر شخص کو ضمیر کی آزادی اور اپنے مذہبی عقائد کے مطابق عبادت و پرستش کرنے کا حق ہے۔
2. ہر شخص کو اپنے خیالات اور عقائد کو ظاہر کرنے کا حق ہے تا آں کہ وہ قانون کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہے۔ تاہم کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ بے سروپا جھوٹی باتوں کو پھیلائے یا ایسی رپورٹیں لوگوں تک پہنچائے جو عوامی جذبات کو غضب ناک اور مشتعل کرنے کا باعث بنیں، اسی طرح کسی کو یہ حق نہیں کہ بہتان طرازی، طعن و تشنیع اور لوگوں پر ہتک آمیز آوازیں کسے۔
3. یہ ہر مسلمان کا حق اور فرض ہے کہ ظلم کے خلاف احتجاج کرے اور قانون کی حدود میں رہ کر آواز بلند کرتا رہے خواہ اسے ریاست کے حاکم اعلی ہی کو کیوں نہ چیلنج کرنا پڑے۔
4. کوئی دوسرے کے مذہبی عقائد کو نفرت اور تمسخر کا نشانہ نہ بنائے گا، ان کے خلاف دشمنی کی آگ کے شعلے نہیں بھڑکائے گا۔

دوسروں کا مذہبی جذبات کا احترام تمام مسلمانوں پر فرض عین ہے

5. قرآنی اصول لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ غیر مسلم اقلیتوں کے مذہبی حقوق کے حوالے سے لاگو ہو گا۔

6. ایک مسلم ملک میں مذہبی اقلیتوں کو اس بات کا انتخاب کرنا ہو گا کہ وہ اپنے ذاتی معاملات کے حوالے سے اسلامی قانون کے تابع ہوں یا اپنے ذاتی قوانین کے۔

7. اسلامی قانون کے تحت غیر مسلموں کے اپنے مذہبی حقوق سے محروم ہونے کا کوئی امکان نہیں کیوں کہ ان کے مذہبی اور ذاتی معاملات کو سختی سے واضح قانونی شقوں میں تحفظ دیا گیا چنانچہ ان کی جزوی طور پر غلط تعبیر و تشریح کا بھی کوئی امکان نہیں۔"

(اسلام میں انسانی حقوق، ڈاکٹر محمد طاہر القادری، منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور، پاکستان، 2004ء، ص126)

7.7 انصاف کا حق

انصاف کا ملنا ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ اسلام کی نظر میں دنیا کا ہر انسان برابر ہے۔ کوئی شخص خواہ امیر ہو یا غریب، حاکم ہو یا محکوم، آقا ہو یا غلام، اپنے مذہب کا ہو یا دوسرے مذہب کا ماننے والا، سب کے ساتھ انصاف کا معاملہ کیا جائے گا۔ کیوں کہ انسانوں کے درمیان مساوات کا لازمی تقاضا ہے کہ سب کو انصاف ملے، کوئی بھی ظلم وزیادتی کا شکار نہ ہو۔ انصاف اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ایک ہے۔ اسلام نے عدل و انصاف کا تصور دیا اور اسے عملی سطح پر برت کر دکھایا بھی۔ اس نے کہا کہ دنیا اور کائنات کی ہر چیز عدل پر قائم ہے۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ انسان کی زندگی میں بھی عدل و انصاف کا بول بالا ہو، اگر انسان عدل کی راہ سے ہٹ جائے اور ظلم کی راہ پر چل پڑے تو معاشرہ بنیادی طور پر بے چینی و بے قراری سے دوچار ہو گا؛ کیوں کہ پوری کائنات میں میزان اور توازن پایا جاتا ہے۔ اسی کائناتی توازن کا حوالہ دے کر اللہ تعالی انسان سے مطالبہ کر رہا ہے کہ تم بھی اپنی عملی زندگی میں توازن اور عدل و انصاف قائم کرو۔ فرمایا: الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۝ وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۝ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ۝ وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ (الرحمن: 5-9) "سورج اور چاند کے لئے ایک حساب ہے (کہ وہ اس کے مطابق گردش میں ہیں) اور پودے اور درخت سجدے کر رہے ہیں، اس نے آسمان کو بلند کیا اور میزان رکھ دی کہ تم میزان میں زیادتی نہ کرو۔ انصاف کے ساتھ وزن کو قائم رکھو اور تولنے میں کمی نہ کرو۔"

پورا دین اسلام عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (الانعام: 115) "تمہارے رب کی بات پوری ہے باعتبار صدق اور باعتبار عدل، اس کے کلمات میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، وہ سننے والا، جاننے والا ہے۔" اسی کائناتی توازن اور آفاقی عدل و انصاف کی وجہ سے سارے انسانوں سے مطالبہ ہے کہ وہ بھی اپنی زندگی میں عدل و انصاف کا سکہ بغیر کسی فرق و امتیاز کے جاری کریں تاکہ دنیا والے چین و سکون سے زندگی بسر کر سکیں۔ ارشاد باری تعالی ہے: وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (النساء: 58) "اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو، تو عدل کے ساتھ کرو۔"

اسلام انبیاء کرام کی بعثت، کتابوں کے نزول کا مقصد ہی معاشرہ میں عدل و انصاف کے قیام کو قرار دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ(الحدید:25)۔''ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایت کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی۔ تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور لوہا جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لئے منافع ہیں۔ یہ اسی لیے کیا گیا کہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ کون اس کو دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔''

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو مخاطب کرتے ہوئے بلا کسی استثناء تمام لوگوں کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کرنے کی ہدایت کی ہے خواہ اس کی زد خود ان کے گھر والوں اور رشتہ داروں پر کیوں نہ پڑے۔ ارشاد فرمایا:يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَى أَنْ تَعْدِلُوا وَإِنْ تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا(النساء:135)''اے لوگو!جو ایمان لائے !انصاف کے علم بردار اور اللہ کے لیے سچی گواہی دینے والے بنو۔ اگرچہ تمھارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریق معاملہ خواہ مال دار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز رہو اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔''

اس آیت کے ضمن محمد صلاح الدین رقم طراز ہیں۔''اس آیت میں نہ صرف عدل کا مفہوم واضح کیا گیا ہے۔ بلکہ قیام عدل کی تمام ضروری شرائط بھی گنوادی گئی ہیں ان میں سے کوئی ایک شرط بھی ساقط ہو گی تو عدل، عدل نہ رہے گا۔ ظلم بن جائے گا۔ یہ شرائط حسب ذیل ہیں:

1. عدل کو نہ صرف قائم کرو، بلکہ اس کا پرچم بلند کرو، جہاں اسے دبتا دیکھو وہاں اسے اونچا اٹھانے کے لیے پوری قوت لگادو۔
2. گواہی کسی فریق مقدمہ کی ہار یا جیت کے لیے نہیں صرف خدا کی خوشنودی کے لیے دو۔ کیوں کہ سچی گواہی کے بغیر عدل کا قیام نا ممکن ہے۔ سچی گواہی کی زد خواہ تمہارے اپنے مفاد پر پڑتی ہو، یا تمہارے والدین اور قریبی عزیزوں کے مفاد پر۔
3. گواہی دیتے وقت رشتہ کی قربت کے علاوہ فریقین کے مقام و منصب اور ان کی معاشی و معاشرتی حیثیت کو بھی نہ دیکھو، کیوں کہ تم اللہ سے بڑھ کر کسی شخص کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ گواہی میں امتیاز برتنا خیر خواہی نہیں بلکہ صریح ظلم اور زیادتی ہے۔
4. گواہی دیتے وقت حقائق کو جوں کا توں بیان کرو اس میں اپنی خواہشات کی آمیزش نہ کرو۔ خواہشات واقعات کی صورت مسخ کر دیتی ہیں، اور گواہی کا سننے والا حقائق کی تہہ تک نہیں پہنچ پاتا اور یہ چیز عادلانہ فیصلوں میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔
5. اگر تم نے کسی فریق کو بچانے یا کسی کو سزا دلوانے کی غرض سے گول مول بات کی، کچھ باتیں چھپا گئے کچھ اپنی طرف سے ملا گئے اور

یوں کھری اور بے لاگ گواہی سے گریز کر کے عدل کے بجائے ظلم اور ناانصافی کا ذریعہ بن گئے تو یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ سے تمہاری اندرونی کیفیت چھپی نہ رہے گی اور جب اس کے حضور پیش ہو گے تو اپنے کئے کی سزا سے نہ بچ سکو گے۔"(بنیادی حقوق، محمد صلاح الدین، ص282۔283)

انسانی تاریخ اس حقیقت سے عبارت ہے کہ بعض اقوام اپنے لوگوں کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ تو کر بھی لیتی ہیں مگر دوسروں کے ساتھ بالخصوص دشمنوں کے ساتھ انصاف نہیں کر پاتے۔ اسلام میں عدل وانصاف کی اس درجہ اہمیت ہے کہ اس نے دشمنوں کے ساتھ بھی بے انصافی کی ممانعت اور جادۂ انصاف پر قائم رہنے کی تاکید فرمائی: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (مائدہ: 8)"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اورانصاف کی گواہی دینے والے بنو کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔"

اسلام جس معاشرہ کی تعمیر چاہتا ہے اس کا تصور عدل وانصاف کے بغیر نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی ہدایت ہے کہ ظلم وزیادتی کی روش سے پوری طرح احتراز کیا جائے۔ کسی بھی معاملہ میں اور کسی بھی حال میں قدم اعتدال سے نہ ہٹنے پائے۔ اس نے عدل وانصاف کی ہدایت اور بغی و عدوان سے ممانعت کی ہے، اس لیے کہ یہ ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے: إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (النحل: 90)"اللہ تعالی حکم دیتا ہے عدل کا اور احسان کا اور قرابت داروں کو (ان کا حق) ادا کرنے کا اور منع کرتا ہے بے حیائی سے، منکر سے اور زیادتی اور سرکشی سے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے شاید تم نصیحت حاصل کرو۔"

اسلام کے نزدیک اقتدار اور حکومت انصاف اور عدل کے قیام کا ذریعہ ہیں۔ جس شخص کے ہاتھ میں ریاست کی باگ ڈور ہو اس کی ذمہ داری ہے کہ عدل وانصاف کو ہر حال میں قائم کرے۔ اسلامی حکومت اپنے وسائل کو انصاف کے قیام کے لئے استعمال کرے گی۔ اللہ تعالی حضرت داوٗدؑ کو خطاب کر کے فرمایا: يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ (ص: 26)اے داوٗد! ہم نے تجھ کو زمیں میں نائب بنایا ہے۔ تم لوگوں کے درمیان حق وانصاف کے مطابق فیصلہ کرو اور اپنی خواہش کے پیچھے نہ چلو کہ وہ تم کو اللہ کے راستے سے بھٹکا دے۔ بے شک جو لوگ اللہ کے راستے سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے یوم حساب کو فراموش کر دیا تھا۔"اللہ تعالی نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (المائدہ: 42)"اگر تم ان کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

عدل وانصاف کی قرآن وحدیث میں بڑی اہمیت اور تاکید بیان کی گئی ہے۔ جو لوگ عدل وانصاف سے فیصلہ کرتے ہیں ان کے

لیے بڑی بشارتیں ہیں۔ انہیں میں سے ایک یہ ہے کہ قیامت کے دن وہ بادشاہ یا امام جو عدل وانصاف سے لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتا رہا عرش الہی کے سایہ میں ہوگا جہاں اس سایہ کے علاوہ کوئی اور سایہ نہ ہوگا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان المقسطین عند الله علی منابر من نور عن یمین الرحمن عز و جل ،کلتا یدیه یمین ، الذین یعدلون فی حکمہم واہلیہم وما ولوا (مشکوۃ المصابیح، کتاب الامارۃ و القضاء)" بے شک انصاف کرنے والے اللہ تعالی کے نزدیک نور کے منبروں پر جلوہ افروز ہوں گے جو رحمن عزوجل کے سیدھے ہاتھ کی طرف ہوں گے اور اس کے دونوں ہی ہاتھ سیدھے ہیں۔ انصاف کر نے والے وہ ہیں جو اپنے فیصلوں میں، اہل وعیال کے معاملہ میں اور جن کے وہ والی اور نگراں بنائے جائیں ان سب کے سلسلے میں انصاف کرتے ہیں۔"

اسلام میں عدل و انصاف کی اسی اہمیت کی وجہ سے ہمیں رسول اللہ ﷺ کی زندگی اور آپ کے اصحاب کی زندگی میں اس کے نمونے کثرت سے ملتے ہیں۔ اس معاملے میں اسلام نے عدل وانصاف کو یہاں تک ملحوظ رکھاہے کہ حکمرانوں کو بھی عدالت میں حاضر ہونے کا پابند کیاہے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ دونوں کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ خلافت میں فریق مخالف کی طرح عدالت میں حاضر ہوئے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر ایک صحابی کو چھڑی سے ٹھوکا دیا، جس سے اس کے چہرے پر معمولی زخم آگیا، آپ ﷺ نے فورا فرمایا: تعال فاستقد (آؤ مجھ سے بدلہ لے لو) (سنن ابی داؤد، کتاب الدیات، باب القود من الضربۃ)، اسلام کی نظر میں امیر اور غریب آقا اور مالک سب برابر ہیں۔

دوسرا واقعہ قبیلہ مخزوم کی عورت کا ہے جس نے چوری کی، اسامہ بن زیدؓ جن سے رسول اللہ ﷺ بہت محبت کرتے تھے، لوگوں نے ان کو شفیع بنا کر خدمت اقدس ﷺ میں بھیجا، آپ ﷺ نے فرمایا: اسامہ: اتشفع فی حد من حدود الله! کیا تم حدود خداوندی میں شفارش کرتے ہو؟ پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو جمع کر کے خطاب فرمایا: تم سے پہلے کی امتیں اسی لئے برباد ہو گئیں کہ جب معزز آدمی کوئی جرم کرتا تو تسامح کرتے اور معمولی آدمی مجرم ہوتے تو سزا پاتے، خدا کی قسم! اگر محمد کی بیٹی فاطمہ چوری کرتی تو اس کے ہاتھ کاٹے جاتے۔"

قبیلہ غسان کا سردار جبلہ بن ایہم طواف کر رہا تھا دوران طواف اس کا کپڑا ایک بدو کے پیر سے دب گیا، اس نے اس بدو کے تھپڑ مار دیا، معاملہ حضرت عمرؓ کی عدالت پہنچا، انہوں نے قصاص کا حکم دیا، جبلہ نے کہا: یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں سردار ہوں اور یہ ایک معمولی آدمی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ان الاسلام جمعک وایاہ فلست تفضلہ الا بالتقوی (البدایۃ والنہایۃ، ابن کثیر) "اسلام نے تمہیں اور اسے ایک درجے میں رکھاہے۔ تمہیں اگر فضیلت حاصل ہو سکتی ہے تو صرف تقوی کی بنیاد پر"۔ اسلام کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ ہر شخص کو بلا قیمت انصاف فراہم کرتا ہے، اسلامی نظام میں عدالت کی فیس اور وکلاء کے بھاری معاوضے ادا کر کے انصاف خریدا نہیں جا تا، بلکہ عدالت کے تمام مصارف حکومت برداشت کرتی ہے۔

7.8 ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے کا حق

اسلام نے انسان کو یہ حق دیا ہے کہ وہ خوف وخطر سے پاک اور امن امان کی زندگی گذارے۔ اس کی جان مال اور عزت و آبرو کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو۔ اس پر ظلم ہو تو اسے اس کے خلاف آواز اٹھانے کا حق حاصل رہے۔ وہ عدالت سے رجوع کر سکے اور عوام کے سامنے بھی اپنا مقدمہ پیش کرنے کی اجازت ہو۔ ارشاد الہی ہے: لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظُلِمَ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا (النساء:148) ”اللہ تعالی بری بات کے اظہار و اعلان کو پسند نہیں کرتا البتہ جس پر ظلم ہوا ہے (اسے اس کا حق ہے) اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔“

بد گوئی اور بد کلامی اسلام میں کتنا ناپسندیدہ عمل ہے۔ لیکن جب ظلم کا بازار گرم ہو اور ظالم کا ظلم حد سے گذر گیا ہو تو اس وقت اسلام نے اس بد کلامی کی اجازت دی ہے اور ظالم کے خلاف آواز بلند کرنے کی بھرپور اجازت دی ہے۔ ظلم انتہائی قبیح اور ناپسندیدہ کام ہے۔ اس کی قباحت کے لیے اس سے بڑھ کر سند کیا ہو سکتی ہے کہ خود اللہ تعالی نے قرآن مجید میں اپنی ذات سے ظلم کی مکمل نفی کی ہے۔ ایک دو جگہ نہیں؛ بلکہ درجنوں مقامات پر اس کا ذکر کیا ہے۔ سورہ یونس میں فرمایا: إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ یونس:44) ”یقین جانو کہ اللہ تعالی کسی پر ظلم نہیں فرماتا لیکن لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔“ دوسری جگہ فرمایا: وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا (الکہف:49) ”اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں ڈھاتا۔“ ایک جگہ اور فرمایا: إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ (النساء:40) ”بلا شبہ اللہ تعالی ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔“

احادیث میں بھی ظلم کے خلاف آواز اٹھانے اور ظالم کا مقابلہ کرنے اور اس کے سامنے حق بات کہنے کو افضل جہاد قرار دیا گیا ہے۔ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنه ، قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم : افضل الجہاد کلمة عدل عند سلطان جائر او امیر جائر۔(سنن ابی داوٗد) ”حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ظالم بادشاہ یا ظالم حکمران کے سامنے انصاف کی بات کہنا افضل ترین جہاد ہے۔“ عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنه ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال : ما من نبی بعثه اللہ فی امة قبلی الا کان له من امته حواریون واصحاب ،یاخذون بسنته ویقتدون بامره، ثم انها تخلف من بعدهم خلوف یقولون ما لا یفعلون ویفعلون مالا یومرون، فمن جاهد هم بیده فهو مومن ،ومن جاهد هم بلسانه فهو مومن، ومن جاهد هم بقلبه،فهو مومن،ولیس وراء ذالک من الایمان حبة خردل (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون النهی عن المنکر من الایمان) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالی نے مجھ سے پہلے جس امت میں جو بھی نبی بھیجا اس نبی کے لیے اس کی امت میں سے کچھ مددگار اور رفقاء ہوتے تھے جو اپنے نبی کے طریق پر کاربند ہوتے اور اس کے احکام کی اقتدا کرتے تھے۔ پھر ان صحابہ کے بعد کچھ ناخلف اور نافرمان لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے فعل کے خلاف قول اور قول کے خلاف عمل کیا(یعنی دوسروں پر ظلم و ستم کیا)۔ جس شخص نے اپنے ہاتھ کے ساتھ (ظلم کے خلاف) ان سے جہاد کیا وہ بھی مومن ہے اور جس نے اپنی زبان سے ان کے ظلم کے خلاف جہاد کیا وہ بھی مومن ہے اور جس نے اپنے دل سے ان کے خلاف

جہاد کیا وہ بھی مومن ہے۔ اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان کو کوئی درجہ نہیں ہے۔"

ایک طرف مظلوم کا یہ قانونی اور اخلاقی حق تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ ظلم کے خلاف آواز اٹھائے، انصاف کا مطالبہ کرے اور ظالم حکمراں کے سامنے حق و انصاف کی بات کہے، دوسری طرف معاشرہ کی یہ ذمہ داری قرار دی گئی ہے کہ وہ آگے بڑھے اور مظلوم کی مدد کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے مظلوم کی مدد کو اس کا لازمی حق قرار دیا ہے۔ ظلم کی حمایت اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: من مشی مع ظالم لیقویه وہو یعلم انه ظالم فقد خرج من الاسلام (البیہقی، شعب الایمان) "جو شخص کسی ظالم کے ساتھ یہ جانتے ہوئے کہ وہ ظالم ہے، اسے تقویت پہنچانے کے لیے چلے تو وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔"

عدل وانصاف کے قیام کے لیے معاشرہ میں مظلوم کے ساتھ تعاون اور ظالم سے عدم تعاون کی فضا کا پایا جانا ضروری ہے۔ لیکن اس میں حکومت کے کردار کی بڑی اہمیت ہے۔ اسلامی حکومت مظلوم کو اس کا حق دلانے کی پابند ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے خلافت کے بعد جو پہلا خطبہ دیا اس میں حکومت کی پالیسی بیان کرتے ہوئے فرمایا: الضعیف فیکم قوی عندی حتی ارجع الیه حقه والقوی ضعیف عندی حتی آخذ منه الحق ان شاء الله تعالی (الوثائق الدولیۃ المعنیۃ بحقوق الانسان، د۔ محمود شریف بسیونی، دار الشروق، ص34) "تم میں جو ضعیف ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے ہو گا یہاں تک کہ میں اس کا حق لے کر اسے پہنچادوں اور جو تم میں قوی ہے وہ میرے نزدیک ضعیف ہو گا یہاں تک کہ اس کے پاس دوسرے کا جو حق ہے وہ اس سے میں لے لوں۔ ان شاء اللہ۔"

جب مظلوم کی پشت پر حکومت کی طاقت ہو اور وہ عدل و انصاف کے قیام کو اپنی بنیادی ذمہ داری قرار دے تو کم زور سے کمزور شخص کا بھی کوئی حق ضائع نہیں ہو سکتا۔ اور طاقتور شخص اس کی نگاہ میں کمزور ہو گا جس سے وہ بہ آسانی ظلم کی روک تھام کر سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ حد درجہ شفیق ومہربان تھے۔ کبھی کسی کو آپ کی ذات سے تکلیف نہیں پہنچی۔ اور نہ کبھی آپ نے کسی پر ظلم کیا، تاہم کسی کو آپ ﷺ سے شکایت ہوتی تو اسے آپ ﷺ موقع دیتے اور اپنی ذات کو بدلہ کے لئے پیش کرتے۔ مشہور واقعہ ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر آپ ﷺ ایک تیر سے مجاہدین کی صفیں سیدھی کر رہے تھے۔ حضرت سوادؓ بن غزیہ صف سے کچھ آگے تھے۔ آپ ﷺ نے ٹھوکا دے کر فرمایا۔ سواد برابر کھڑے رہو۔ سواد بولے۔ یارسول اللہ! آپ نے مجھ کو تکلیف دی حالاں کہ اللہ نے آپ کو حق وانصاف کے لیے مبعوث کیا ہے، پس آپ اجازت دیجیے کہ میں آپ سے بدلہ لوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فوراً شکم مبارک کھول کر فرمایا۔ سواد اپنا بدلہ لے لو۔ سواد دوڑ کر جسم اطہر سے لپٹ گئے اور شکم مبارک کو چوم لیا۔

اسلام نے ذرہ برابر کسی پر ظلم کی اجازت نہیں دی۔ اگر کوئی کسی پر ظلم کر بیٹھے تو مظلوم کو پورا حق ہے کہ وہ اس سے بدلہ لے۔ اس سلسلے کا ایک واقعہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت کا ہے۔ حضرت ابو موسی اشعریؓ نے ایک شخص کو مال غنیمت میں زیادہ حصہ طلب کرنے پر 20 کوڑے لگوائے اور اس کا سر منڈوایا۔ یہ شخص بالوں کو جمع کر کے سیدھا مدینہ پہنچا اور حضرت عمر کو دیکھتے ہی بالوں کا گچھا ان کے سینے پر دے مارا اور بڑے اکھڑ لہجے میں بولا۔ دیکھ بخدا آگ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ہاں بخدا آگ۔ وہ بولا امیر المومنین! میں بہت بلند آواز اور دشمن پر بہت دباؤ ڈالنے والا انسان ہوں میرے ساتھ ایسا ایسا کیا گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس کی بات سنی اور فرمایا: بخدا اگر سارے لوگ اس جیسے

عزم والے ہوں تو یہ بات مجھے اس سارے مال غنیمت سے زیادہ عزیز ہے جو اب تک اللہ تعالی نے ہمیں عطا کیا ہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے ابو موسی اشعریؓ کو تحریری خط لکھا: اگر تم نے یہ بات لوگوں کے سامنے کی ہے تو میں تمہیں قسم دلاتا ہوں کہ اسی طرح لوگوں میں بیٹھ کر اسے بدلہ دو۔ اور اگر خلوت میں ایسا کیا ہے تو خلوت میں بدلہ دو۔ اسے لوگوں نے بہت سمجھایا کہ معاف کر دے مگر وہ نہ مانا آخر ابو موسی بر سر عام بدلہ دینے بیٹھے تو اس نے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہا۔ اے اللہ میں نے اسے معاف کیا۔ اس واقعہ سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام نے ہر شخص کو ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا حق دیا ہے چاہے ظالم حاکم ہو یا طاقتور۔ اسلامی حکومت اس کی فریاد رسی کرے گی اور ظالم کو کیفر کردار تک پہنچائے گی۔

7.9 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- مال و دولت اور اسباب واملاک انسان کی بنیادی حق ہے۔ کیوں کہ انسانی زندگی کے لیے بہت یہ ناگزیر ہیں۔ ان کے بغیر آدمی امن و سکون اور عزت کی زندگی بسر نہیں کر سکتا ہے اور ہمیشہ دوسروں کا دست نگر بنا رہتا ہے۔
- اسلام نے عورت اور مرد کی حق ملکیت کا الگ الگ ہونے کا احساس دلایا اور دونوں میں کسی طرح کی کوئی تفریق نہ کی۔ بیسویں صدی قبل مغرب میں عورتوں کو ذاتی ملکیت کا حق حاصل نہیں تھا۔ اسلام نے چودہ صدی قبل عورتوں کی ملکیت تسلیم کیا اور اسے مردوں کی طرح املاک و جائداد بنانے کا اختیار دیا۔ اسلام نے انسان کی حق ملکیت میں یہ بات بھی شامل کی ہے کہ وہ اپنے مال و اسباب میں تصرف کے لئے پوری طرح آزاد ہے اور اسے اپنی مرضی سے خرچ کر سکتا ہے۔
- اسلام گھر کے اندر اور باہر ہر انسان کی نجی اور شخصی زندگی میں آزادی کا قائل ہے۔ اور تاکید کرتا ہے کہ کوئی شخص اپنے گھر یا گوشہ تنہائی میں کیا کر رہا ہے اس کی تحقیق یا تفتیش نہ کی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس نے سب سے پہلے اظہار رائے کا مکمل تصور پیش کیا، اس کے حدود و آداب سکھائے۔ اور مسلمانوں نے دنیا کے سامنے اس کا عملی نمونہ پیش کیا۔
- انسان کے بنیادی حق میں تنقید کا حق بھی شامل ہے۔ تنقید کے معنی کھرے اور کھوٹے کی پہچان کرنا کے ہیں۔ اس کے ذریعہ افراد واشخاص اور حکومت وریاست کے کاموں کے منفی اور مثبت پہلوؤں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔
- اسلام نے انسان کو ایک بنیادی حق یہ بھی دیا ہے کہ وہ جو مذہب اور عقیدہ چاہے اختیار کرے۔ اس پر کسی طرح کا کوئی جبر نہیں کیا جاسکتا؛ کیوں کہ اللہ تعالی نے اسے عقل و شعور کی دولت عطا کی ہے اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت دی ہے۔ مذہبی آزادی کے تعلق سے اسلام نے نہ صرف یہی ہدایت دی ہے کہ تم کسی پر جبر نہ کرو بلکہ یہ حکم بھی دیا ہے کہ غیر مسلوں کے معبودوں کو بھی برا بھلا مت کہو۔
- اسلام اپنا غلبہ چاہتا ہے لیکن طاقت اور جبر کے ذریعہ نہیں، دعوت و تبلیغ، افہام و تفہیم اور دلیل و برہان کے ذریعہ۔ وہ حق و باطل کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے، پھر لوگوں کو پوری آزادی دیتا ہے کہ وہ چاہیں حق کو قبول کریں یا باطل پر قائم رہیں۔

- بدگوئی اور بدکلامی اسلام میں ناپسندیدہ عمل ہے۔ لیکن جب ظلم کا بازار گرم ہو اور ظالم کا ظلم حد سے گذر گیا ہو تو اس وقت اسلام نے اس بدکلامی کی اجازت دی ہے اور ظالم کے خلاف آواز بلند کرنے کی بھرپور اجازت دی ہے۔ اسلام نے ذرہ برابر کسی پر ظلم کی اجازت نہیں دی۔ اگر کوئی کسی پر ظلم کر بیٹھے تو مظلوم کو پورا حق ہے کہ وہ اس سے بدلہ لے۔

7.10 نمونہ امتحانی سوالات

7.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. انسانی زندگی کے لیے کون سی چیز ناگزیر ہے، جس کے بغیر انسان امن وسکون کی زندگی نہیں گذار سکتا؟

(a)مال ودولت　(b)جاہ ومنصب　(c)بادشاہت　(d)تجارت

2. کون سی چیز دنیا کی زندگی کی زینت ہے؟

(a)گھوڑا گاڑی　(b)مکان ودکان　(c)مال واولاد　(d)زروجواہرات

3. تجسس کسے کہتے ہیں؟

(a)برائی بیان کرنا　(b)غیبت کرنا　(c)جھوٹ بولنا　(d)ٹوہ میں لگنا

4. بنیادی انسانی حقوق میں سے کیا ہے؟

(a)ایمان　(b)اخلاص　(c)تقوی　(d)اظہار رائے

5. تنقید کے مقاصد میں سے کیا ہے؟

(a)جرأت　(b)اصلاح　(c)تزکیہ　(d)ترقی

6. اسلام اپنا غلبہ کس چیز سے چاہتا ہے؟

(a)دلیل وبرہان　(b) تلوار　(c)جبر وطاقت　(d)بے عقلی

7. اسلام نے کس چیز کو قائم کرنے کی تاکید کی ہے؟

(a)تعلیم　(b)ادارے　(c)عدل وانصاف　(d)مذہبی آزادی

8. کون سی چیز اللہ تعالی کے نزدیک سخت قبیح ہے؟

(a)کفر　(b)بے رحمی　(c)ظلم　(d)بے وفائی

9. سب سے افضل جہاد کیا ہے؟

(a)نماز　(b)روزہ　(c)یتیم کی کفالت کرنا　(d)ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا

10. چوری کا واقعہ کس قبیلہ کی عورت سے منسوب ہے؟

(a) قبیلہ تمیم　　(b) قبیلہ غسان　　(c) قبیلہ مخزوم　　(d) قبیلہ قریش

7.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. ظلم کے خلاف آواز اٹھانا کیوں ضروری ہے۔ وضاحت کیجیے؟
2. اسلام میں مذہبی آزادی سے آپ کیا سمجھتے ہیں۔ بیان کیجیے؟
3. اسلام کے عطا کردہ حق ملکیت کو بیان کیجیے۔
4. اسلام نے آزادی اظہار رائے کے جو حدود بتائے ہیں، ان پر روشنی ڈالیے۔
5. معاشرے میں تنقید کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اس کے اصول و آداب پر روشنی ڈالیے۔

7.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. نجی زندگی سے متعلق اسلامی تعلیمات پر مفصل روشنی ڈالیں۔
2. اسلام کے عطا کردہ آزادی اظہار رائے کے حق کو بیان کیجیے اور اسلامی تاریخ کے چند نمونے بھی پیش کیجیے۔
3. اسلام میں انصاف کی اہمیت پر روشنی ڈالیے اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے دو عملی نمونے پیش کیجیے۔

7.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. بنیادی حقوق	:	محمد صلاح الدین
2. محسن انسانیت اور انسانی حقوق	:	ڈاکٹر حافظ محمد ثانی
3. اسلام اور بنیادی انسانی حقوق	:	ڈاکٹر حافظ محمد اشرف
4. اسلام میں انسانی حقوق	:	ڈاکٹر محمد طاہر القادری
5. اسلام اور انسانی حقوق اقوام متحدہ کے عالمی منشور کے تناظر میں	:	ابو عمار زاہد الراشدی
6. سیرۃ النبی ﷺ	:	علامہ شبلی نعمانی، علامہ سید سلیمان ندوی
7. حقوق الانسان فی القرآن والسنۃ	:	الدکتور محمد الصالح
8. الوثائق الدولیۃ المعنیۃ بحقوق الانسان	:	الدکتور محمود شریف بسیونی

اکائی 8: اسلام میں ماحولیات کی اہمیت وضرورت

اکائی کے اجزا

8.0 تمہید
8.1 مقاصد
8.2 اسلام میں ماحولیات کی اہمیت
8.2.1 اسلام کا نظریہ ماحولیات
8.2.2 انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے
8.3 اسلامی مقدسات میں مختلف عنصر ماحولیات کا تذکرہ
8.3.1 قرآن کریم میں سات سطح فضائی (Spheres) کا تذکرہ
8.3.2 قرآن میں ہر نوع کی مخلوق کے نظام حیات (Community Ecosystem) کا تذکرہ
8.3.3 قرآن میں پانی کا تذکرہ
8.3.4 قران میں پاکی، صفائی اور طہارت
8.3.5 قرآن میں زرخیز سطح زمین کے فرسودہ کرنے (Soil Erosion) سے ممانعت
8.3.6 قرآن میں حیوی توازن (Ecological Balance) کا تذکرہ
8.3.7 قرآن میں غذائی جال (Food Web) کا تذکرہ
8.3.8 قرآن میں پانی کے چکر (Water Cycle) کا تذکرہ
8.3.9 قرآن میں زمینی ایندھن (Fossil Fuel) کا تذکرہ
8.3.10 قرآن میں تیزابی / کھٹی بارش (Acid Rain) کا تذکرہ
8.3.11 تخلیق کائنات اور قرآن
8.3.12 قرآن میں زمین کے خطہ وار ڈھانچہ (Zonal Structure) کا تذکرہ
8.4 قران میں مختلف نباتات کا تذکرہ

8.4.1 کافور
8.4.2 زقوم
8.4.3 کھجور
8.4.4 زیتون
8.4.5 عنب
8.4.6 انار
8.4.7 تین
8.4.8 اناج
8.5 قرآن میں حشرات الارض (Insects) کا تذکرہ
8.5.1 مکھی
8.5.2 ٹڈی
8.5.3 شہد کی مکھی
8.6 اکتسابی نتائج
8.7 کلیدی الفاظ
8.8 نمونی امتحانی سوالات
8.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
8.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
8.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
8.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

8.0 تمہید

اس اکائی میں اسلام میں ماحولیات کی اہمیت و ضرورت کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں مختلف عناصر ماحولیات کا مکرر تذکرہ ملتا ہے مثلاً شجر و حجر، شمس و قمر، سیارے، آسمان، پرندے حشرات الارض، درندے وغیرہ وغیرہ۔ ان کے تذکرے سے ان کی اہمیت

بھی معلوم ہوتی ہے نیز ان کی افادیت اور ضرورتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔اس اکائی میں ان عناصر ماحولیات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔انسان کا ماحولیات کے ساتھ کیا تعلق ہے، اسلام میں مختلف عناصر ماحولیات کی کیا اہمیت اور افادیت ہے اور انسان کو ماحولیات کے تحفظ کے حوالے سے کس طرح کی تعلیمات دی گئیں ہیں؟ان سب امور کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

8.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد اسلام میں ماحولیات کی اہمیت وافادیت کو بتانا ہے۔اسلام میں مختلف عناصر ماحولیات مثلاپانی، ہوا، مٹی، پیڑ پودے وغیرہ چیزوں کی کیا اہمیت ہے؟ انسان کو ان عناصر ماحولیات کے تئیں کس طرح کا برتاؤ کرنے کی تلقین کی گئی ہے؟ اسلام کی نظر میں ان عناصر ماحولیات کا کیا مرتبہ اور درجہ ہے؟ اسلام کی نظر میں انسان کے لئے ان عناصر ماحولیات کی کیا ضرورت ہے؟ اسلام کی نظر میں ماحولیات کی کیا حیثیت ہے؟اس اکائی میں ان سب امور کا تحقیقی اور تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

8.2 اسلام میں ماحولیات کی اہمیت

اسلام میں ماحولیات (environment) کی اہمیت کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم میں ان پر غور وتدبر کی دعوت دی گئی ہے تاکہ انسان ان مظاہر فطرت کے ذریعہ اللہ تک پہنچ سکے۔قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں مختلف مظاہر فطرت مثلاً شجر وحجر شمس وقمر، سرسبز وادیاں، بیل بوٹے، کلی اور غنچے، ہری بھری زمین، نیل ،آسمان، رنگ ،بو،درخت، سنگلاخ وادیاں، بلند قامت پہاڑ اور دیگر کائناتی نور ونکہت اور آفاقی رعنائی اور جمالیات وغیرہ کا تذکرہ نہ صرف ان مظاہر فطرت کی اہمیت اور افادیت کو ثابت کرتا ہے،بلکہ ان کے صانع اور خالق پر ایمان اور توحید کی بھی دعوت دیتا ہے۔

قرآن کریم میں ہزاروں آیات میں جنھیں احکامات اور تاریخی حکایات کی آیات کے علاوہ دیگر سینکڑوں آیات فطرت (nature) سے متعلق ہیں۔ان آیات مقصود خالق کی پہچان ہے یعنیہ مظاہر فطرت اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس کی معرفت حاصل کرنے کے لیے علامات (signs) ہیں۔قرآن کریم کے علاوہ احادیث نبویہ اور اسلامی فقہ میں نہ صرف مظاہر فطرت کا بیانیہ ہے بلکہ فطرت کی حفاظت کی بالتکرار تلقین کی گئی ہے اور اس کے تحفظ کے اصول اور قوانین وضع کیے گئے ہیں مثلاً اسلامی فقہ میں آبی وسائل کے تحفظ، زمین کے تحفظ اور جنگلاتی حیاتیاتکے تحفظ کے اصولی اور فروعی جزئیات ملتے ہیں۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مکمل طور پر مظاہر فطرت میں غور کرنے کی دعوت اس لیے دی ہے تاکہ عبد کو معبود کی کامل معرفت حاصل ہو۔دراصل کائنات ہر ذرہ وجود خالق پر دلالت کرتا ہے۔ ایک عربی شاعرنے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:وفی کل شئی لہ آیۃ ❖ تدل علی انہ واحد

کائناتی عناصر میں غور کرنا نہ صرف کار ثواب ہے بلکہ یہ انسان کو ایمان باللہ کی دعوت دینے کے ساتھ ایک مسلمان کے ایمان میں اضافہ کا باعث بھی ہے۔قرآن کریم کے طائرانہ مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن میں جہاں بھی مظاہر فطرت کا بیان ہوا ہے وہاں نتیجتاً ان آیات بینات میں فکر وتعمق کی دعوت بھی معادی عمل ہے۔اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآنی مظاہر فطرت اور خالق ومخلوق میں

ایک نظم وضبط ہے۔ بلکہ یہ آیات اور مظاہر فطرت (natural phenomena) مخلوق اور خالق کے مابین ربط و تعلق کی ایک مضبوط کڑی ہے۔ مظاہر فطرت کا یہ بیانیہ مخلوق کو اپنے خالق سے اٹوٹ رشتہ میں منسلک کر دیتا ہے۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن میں ان مظاہر فطرت کو "آیات" سے تعبیر کیا گیا ہے یعنیہ اشیاء کائنات اللہ تعالیٰ کے لیے ایک علامت (symbol) ہیں جن کی معرفت اللہ تعالیٰ کو انسان جان اور پہچان سکتا ہے۔

قرآن کریم کے حوالے سے انسان کا تعلق فطرت سے صرف اس عالم فانی تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ فطرت سے اس کا ازلی اور ابدی تعلق ہے۔ انسان ابتداء میں بھی باغ (جنت) میں تھا اور انتہا میں بھی اسی باغ (جنت) میں مقیم ہو گا۔ انسان کا فطرت سے اتنا گہرا تعلق اسلام میں نیچر کی اہمیت پر ناطق ہے۔

فطرت کے مظاہر اگر کار فرما ہوتے تو دنیا کا یہ موجودہ حسن وجمال ناقص رہتا۔ کائنات کی نکہت اور خوبصورتی انہی مظار سے زندہ اور تابندہ ہے۔ ہماری کرہ ارض انہی مناظر فطرت سے روشن اور منور ہے اور یہی اس کرۂ ارض کا امتیازی وصف ہے۔ بلبل کی چہک اور پھولوں کی مہک اگر نہ ہوتی تو اس دنیا اور دیگر سیاروں اور احرام فلکی میں کوئی شان امتیاز نہ رہتا۔ اس زمین پر اللہ نے جتنے انعامات رکھے ہیں وہ دیگر سیاروں پر نہیں پائے جاتے ہیں اسی لئے اس زمین کو جنت نشان کہا جاتا ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے اردو کے معروف شاعر علی سر دار جعفری نے کہا تھا: یہ خاک وآب وباد کا جہاں بہت حسین ہے ❖ اگر کہیں بہشت ہے تو بس یہی زمین ہے

علاوہ بریں اسلام میں فطری مظاہر کی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ انسان نیچر کے ساتھ پر امن زندگی بسر کر سکے۔ زمین پر حیات تادیر قائم رہے۔ بتدریج دنیا ترقی کر سکے۔ اور سب سے اہم یہ کہ انسان وسائل قدرت کا صحیح اور معتدل استعمال کر سکے۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم کی بہت سی سورتوں کے نام مظاہر فطرت، حشرات اور جانوروں کے نام پر رکھے گئے ہیں ان تفصیلات سے اسلام میں فطرت اور اس کے مظاہر کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اسلام ہمیں صرف نیچر کی اہمیت کی ہی تعلیم نہیں دیتا بلکہ امن وجنگ اور ارزانی اور گرانی کی ہر حالت میں ہمیں فطرت کے تحفظ کی تعلیم و تلقین کرتا ہے۔ انسان اور دیگر مخلوقات میں فرق یہ ہے کہ انسان نہ صرف نیچر کے استعمال کرنے کا مجاز ہے بلکہ اس کی تعمیر وترقی کا بھی ذمہ دار ہے۔ دوسری مخلوقات صرف اشیاء کائنات کو استعمال کرتی ہیں۔ لیکن انسان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ استعمال کے ساتھ کائنات کی ترقی کے لیے بھی کوشش کرے یا کم سے کم ان کو اپنی طبعی حالت پر باقی رکھے۔ اس ضمن میں چند احادیث ذیل میں نقل کی جاتی ہیں جس سے ہمارا مدعیٰ ثابت ہو گا۔

(1)"ما من مسلم يغرس غرسا فيأكل منه انسان أو دابة أو طائر إلا كانت له صدقة"۔

ترجمہ: جو بھی مسلمان کوئی پود لگاتا ہے۔ پھر اس سے کوئی انسان یا چوپایہ یا پرندہ کھاتا ہے مگر وہ اس کے لیے صدقہ (جاریہ) ہو جاتا ہے۔

(2)"إن قامت الساعة وفي يد أحدكم فسيلة فإن استطاع أن لا يقوم حتى يغرسها فليغرسها"۔

ترجمہ: اگر قیامت قائم ہو رہی ہو اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں پودہ ہو اور وہ اس بات پر قادر ہو کہ قیامت قائم ہونے سے پہلے وہ اسے لگالے گا تو ضرور لگائے۔

ان روایات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام سے نہ صرف وسائل فطرت سے استفادہ کی اجازت دی ہے، بلکہ ارزانی اور گرانی اور امیری وغریبی ہر حالت میں اس کو ترقی دینے اور اس میں اضافہ کرنے کی وصیت کی ہے۔ احادیث کے علاوہ اسلامی فقہ اور اصول فقہ کی کتابوں میں بہت سے اصولی اور فروعی جزئیات نقل کیے گئے ہیں جن سے فطرت کی اہمیت اور افادیت مترشح ہوتی ہے۔ ان سب امور کی وجہ، جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا، یہ ہے کہ یہ مظاہر فطرت تقرب الٰہی کا معتبر اور مضبوط ذریعہ ہیں۔ اسی کو ڈاکٹر اقبال نے اس طرح کہا ہے:

گلزار ہست وبود نہ بیگانہ وار دیکھ ❖ ہے دیکھنے کی جبر اس کے بار بار دیکھ

دنیا کے مختلف زمانوں کے ادبی سرمایہ میں ہمیں فطرت کا بیان ملتا ہے۔ اردو کے علاوہ فارسی، ترکی اور انگریزی زبانوں کے شعراء نے اپنی نظم ونثر میں نہ صرف نیچر کا ذکر خیر کیا ہے بلکہ ان کے تحفظ اور ان کی تعمیر و ترقی کی ہمیں تلقین بھی کی ہے۔ قدرتی وسائل کے استعمال میں اسراف وتدبر کے ارتکاب سے منع کیا ہے مگر موقع استعمال میں بھی حزم واحتیاط سے کام لینے کی ہمیں وصیت کی ہے۔

اب کتاب وسنت، شعراء کے کلام، صوفیاء کے دھن اور نعتوں اور فلاسفہ کی نکتہ سنجیوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دین اسلام میں فطرت (nature) اور اس کے مظاہر (phenomena) کی کتنی اہمیت ہے۔

8.2.1 اسلام کا نظریہ ماحولیات

قرآن کریم میں مختلف عناصر قدرت وماحولیات کا مکرر تذکرہ ملتا ہے شجر حجر، شمس وقمر، سیارے، آسمان، پرندے حشرات الارض، درندے اور دیگر بے شمار نباتات وحیوانات کے تذکرے سے قرآن پر ہے۔ ان کے تذکرے سے ان کی اہمیت بھی مفہوم ہوتی ہے نیز ان کی افادیت اور ضرورتوں کا بیان ہے۔ ارشاد ہے: "أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَسُوقُ الْمَاءَ إِلَى الْأَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهِ زَرْعاً تَأْكُلُ مِنْهُ أَنْعَامُهُمْ وَأَنفُسُهُمْ أَفَلَا يُبْصِرُونَ" (سجدہ: 27)۔ ترجمہ: (اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم پانی کو بنجر زمین کی طرف بہالے جاتے ہیں، پھر ہم اس سے کھیت نکالتے ہیں جس سے ان کے چوپائے (بھی) کھاتے ہیں اور وہ خود بھی کھاتے ہیں، تو کیا وہ دیکھتے نہیں ہیں)۔ یہاں پر food cycle میں primary consumer یعنی صارف اول کا تذکرہ ہے۔ اللہ تعالی یہ بھی فرماتا ہے: (بلکہ وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور تمہارے لئے آسمانی فضا سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس [پانی] سے تازہ اور خوش نما باغات اُگائے؟ تمہارے لئے ممکن نہ تھا کہ تم ان [باغات] کے درخت اُگا سکتے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی [اور بھی] معبود ہے؟ بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو [راہِ حق سے] پرے ہٹ رہے ہیں۔ بلکہ وہ کون ہے جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا اور اس کے درمیان نہریں بنائیں اور اس کے لئے بھاری پہاڑ بنائے۔ اور [کھاری اور شیریں] دو سمندروں کے درمیان آڑ بنائی؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی [اور بھی] معبود ہے؟ بلکہ ان [کفار] میں سے اکثر لوگ بے علم ہیں) (النمل:60-61)۔ قرآن میں متعدد آیات ہیں جن میں مظاہر فطرت کا بیان ہوا ہے ان تمام بیانات کا مقصد اللہ کی وحدت، اس کی رحمت، اس کی قدرت اور اس کی نعمت کی جانب توجہ دلانا مقصود ہے۔ چنانچہ بے شمار آیتوں میں کہا گیا کہ اس میں عقل والوں، تدبر والوں، غور

وفکر کرنے والوں اور ایمان لانے والوں اور اہل علم کے لیے نشانی ہے اس سے معلوم ہوا کہ مظاہر فطرت کا بیان کرنا اللہ کا اپنی وحدانیت کی دلیل کے طور پر ہے۔ ان امور کے تذکرہ سے ان کی اہمیت وافادیت پر روشنی بھی پڑتی ہے۔ چنانچہ ایک دوسری آیت میں: (اور نہیں پیدا کیا ہم آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر برحق) (جاثیہ: 85)۔ ایک دوسری آیت سے مفہوم ہوتا ہے کہ اللہ نے زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے کار نہیں پیدا کیا۔ "وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ" (دخان: 38)۔ ان آیات سے اسلام کا مظاہر فطرت وعناصر ماحولیات کے تئیں کیا رویہ ہے واضح ہوتا ہے۔ اب اسلامی تناظر کے حوالے سے ماحولیات میں انسان کا رول کیا ہے؟ دیکھتے ہیں۔ یہ واضح ہے کہ تمام کائنات انسان کے لیے بنائی گئی ہے اور انسان کو سب سے مکرم بنایا گیا ہے سورہ بنی اسرائیل آیت:70 میں ارشاد ہے "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ"۔ یہاں ہم سید حسین نصر صاحب کا نظریہ کہ: "اسلام کا ماحولیاتی فلسفہ یہ واضح کرتا ہے کہ دنیا کی دوسری تمام مخلوقات کو انسانوں کے فوائد کے قید سے آزاد پیدا کیا گیا ہے۔" پر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ بات قرآن کے خلاف ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعاً مِّنْهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ" (الجاثیہ: 13)، ترجمہ: (اور اُس نے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب کو اپنی طرف سے [نظام کے تحت] مسخر کر دیا ہے، بیشک اس میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں)۔

مذکورہ بالا آیت سے واضح ہے کہ تمام دنیا انسانوں کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ اس سے صاف واضح ہے دنیا ومافیہا کو انسانوں کے فائدے کی قید کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے۔

قرآن میں سَخَّرَ، یُسَخِّرُ کا صیغہ اور اس کے مشتقات متعدد مقامات پر ہیں۔ اللہ نے تمام چیزوں کو انسانوں کے لیے مسخر کر دیا ہے۔ بعض لوگ اس سے یہ سمجھتے ہیں کہ انسان کے لئے مسخر کرنے کا مطلب ہے کہ جس طرح چاہے استعمال کرے۔ لیکن یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اس کا مطلب ہے کہ اللہ نے اپنے حکم سے ان چیزوں کو انسان کے کام میں لگا دیا ہے نہ کہ اللہ نے انسان کو ان چیزوں کا مالک حقیقی وحاکم بنادیا ہے نعوذ باللہ اس نظریہ کا مطلب یہ ہوگا اللہ کی قدرت اور اس کی حکومت ان چیزوں سے منقطع ہوگئی ہے اور انسان ہی ان کا منتظم ہوگیا ہے۔ نیز اگر ایسا ہوتا تو یہ چیزیں انسان کو کبھی نقصان نہیں پہنچاتی حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ چیزیں انسان کو نقصان بھی پہنچادیتی ہے۔ آفتاب انسانوں کے فائدہ اور کام کے لیے ہے لیکن کبھی شدت حرارت بڑھنا باعث ضرور ہوتا ہے سمندر کی طغیانی بستیاں اجاڑ دیتی ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ حاکم اور منتظم اللہ ہی ہے تاہم اس نے اپنے حکم سے انسان کے کام میں لگائے ہیں جب اس نے اپنے حکم سے انسان کے لیے مسخر کیا ہے اور کام لگایا ہے تو تخریب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یہ بات ہی نہیں پیدا ہوتی ہے کہ انسان اپنی جانب سے ان چیزوں میں بگاڑ پیدا کرے یہ تو اس مقصد کے خلاف ہوا کہ جس کے لیے ان چیزوں کو انسان کے کام میں لگایا گیا تھا۔ "تخریبی تسخیر تو اسلام کے مزاج سے میل ہی نہیں کھاتی"۔

8.2.2 انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے

اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ انسان اللہ کا زمین میں خلیفہ ہے۔ قرآن میں سات مقامات پر خليفة الله في الارض کا لفظ

آیا ہے ارشاد ہے: "وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلاَئِكَةِ إِنِّيْ جَاعِلٌ فِيْ الأَرْضِ خَلِيْفَةً قَالُواْ أَتَجْعَلُ فِيْهَا مَن يُفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاء وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّيْ أَعْلَمُ مَا لاَ تَعْلَمُوْن "(سورہ البقرہ: 30)، ترجمہ: (اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک نائب...)۔

کسی کا خلیفہ اور نائب ہونے کا مطلب ہوتا ہے اس امر میں اس کی جانب سے نگرانی کرے ترقی اور تعمیری کام کرکے چیز کو بچائے نہ یہ کہ تخریبی کام کرے اور جس میں خلیفہ بنایا گیا تھا اس میں فساد پھیلائے۔ پس اللہ کا خلیفہ ہونے کا مطلب بھی یہی ہوا کہ جو چیزیں انسان کے علاوہ ہیں ان کی نگرانی کرے اور بگاڑ سے بچائے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "تمام چیزیں زمین میں تمہارے لیے پیدا کی "(سورہ البقرہ: 29)۔ بہر حال یہ تو اللہ نے تمام چیزیں ہمارے لیے پیدا کیں اس سے مراد تعمیری خلافت ہے نہ کہ تخریبی۔ یہ خلافت ارضی امتحان کے طور پر ہے تاکہ اللہ تعالیٰ آزمائے کہ ان چیزوں کے تئیں انسان کیا رویہ اختیار کرتا ہے چنانچہ ارشاد وباری ہے: "اور اسی نے تم کو نائب کیا ہے زمین میں تاکہ آزمائے تم کو اپنے دیے ہوئے حکموں میں)(سورہ الانعام: 165)۔

اس آیت سے صاف مفہوم ہو رہا ہے کہ خلافت اور نیابت کا مقصد امتحان اور آزمائش ہے کہ انسان ان چیزوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتا ہے۔ اس سے واضح ہو گیا ہے کہ خلافت سے مراد تعمیری خلافت ہے نہ کہ تخریبی۔ اس کی اور بھی مثال ودلیل ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اور اسی نے پیدا کیے باغ ٹٹیوں پر چڑھا جاتے ہیں اور جو ٹٹیوں پر چڑھائے نہیں جائے اور کھجور کے درخت اور کھیتی کے مختلف ہیں ان کے پھل اور پیدا کیا زیتون اور انار کو ایک دوسرے کے مشابہ اور ایک دوسرے سے الگ بھی کھاؤ ان کے پھل میں جس وقت پھل لائیں اور ادا کرنے کا حق جس دن ان کو کاٹو اور بے جا خرچ نہ کرو اس کو خوش نہیں آتے بے جا خرچ کرنے والے "(سورہ الانعام: 141)۔

ایک دوسرے مقام پر ہے: "اور مت اڑا بے جا "(سورہ بنی اسرائیل: 26)۔ ان آیات سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ خلیفۃ اللہ کا مطلب تخریبی خلافت نہیں۔ قرآن میں ہے: "کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ مسرفین کو پسند نہیں کرتا "(سورہ اعراف: 31)ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اشیاؤں کے استعمال کا اختیار تو انسان کو دیا گیا ہے لیکن اسراف وتبذیر یعنی بے جا خرچ کرنے کو منع کیا گیا ہے معلوم ہوا کہ انسان خلیفہ اللہ فی الارض ہے اور اس کو اچھے اور برے دونوں کا اختیار دے دیا گیا ہے لیکن تعمیری خلافت کی دعوت دی گئی ہے۔

انسان نے جب جب تخریبی رویہ اختیار کیا یہ خلافت اس سے نہ صرف سلب کر لی گئی بلکہ اس کو تباہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَاذْكُرُواْ إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاء مِن بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ'' (سورہ اعراف: 69)، ترجمہ: (اور یاد کرو جب اس نے تمہیں قوم نوح کے بعد [زمین پر] جانشین بنایا)۔ جب پہلی قوم نے یعنی نوح علیہ السلام کی قوم نے خلافت ارضی کی ذمہ داری پوری نہیں کی تو ان سے سلب کرکے بعد کی قوم کو دے دیا گیا۔ اسی طرح ارشاد ہے: "وَاذْكُرُواْ إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاء مِن بَعْدِ عَادٍ''، ترجمہ: اور یاد کرو جب اس نے تمہیں قوم عاد کے بعد [زمین پر] جانشین بنایا۔ (سورہ اعراف: 74) الحاصل تعمیری خلافت ہی مطلوب ہے اسی لئے قرآن میں نعمتوں کے تذکرہ کے بعد فرمایا کہ اسراف وتبذیر مت کرو یعنی بے جا خرچ مت کرو۔ ایک دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے: "وَلاَ تُفْسِدُواْ فِيْ الأَرْضِ

بَعْدَ إِصْلاَحِهَا'' (اعراف:85)،یعنی زمین کو جس حالت پر پیدا کیا گیا تھا اس سے اس کو مت ہٹاؤاور خرابی مت پھیلاؤ۔ ظاہر سی بات ہے کہ ماحولیاتی خلل اگر ہم ڈالتے ہیں تو یہ بھی اصلاح کے بعد خرابی ہے۔ اسلام میں ماحولیات اور اس کے تحفظ کے قوانین اتنے سخت ہیں کہ اگر آدمی ان کو پورا نہ کرے تو عتاب الٰہی کا مستحق ہو سکتا ہے۔ اگر زمین میں انسان خلیفہ بنایا گیا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ فساد مچائے بلکہ امانت کی ذمہ داری سے بھی زیر بار کیا گیا ہے گویا خلافت فی الامانت ہے۔ ان تمام باتوں کا حاصل یہ ہے کہ ہندومت کے خلاف انسان کو جملہ عناصر ماحولیات پر برتری دیتا ہے ہندومت کی طرح اس کو کائنات کا مجبور محض بنا کر پیش نہیں کرتا تاہم کچھ ذمہ داریاں اس سے وابستہ ہیں جن کے بغیر اس کی برتری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اللہ کی نیابت کا مطلب ہے کہ جس طرح اللہ ان چیزوں کی نگرانی اور ان کی ترقی وتحفظ کا کام کرتا ہے ہم بھی ایسا ہی کریں تب جا کر ہم اس کے خلیفہ ہوں گے۔ اسی لیے یاد دلایا گیا ہے کہ جو نعمتیں دی گئیں ہیں اس کے متعلق آخرت میں حساب ہوگا۔ سورہ غاشیہ میں مختلف عناصر ماحولیات مثلاً اونٹ، پہاڑ، آسمان اور زمین جیسی نعمتوں کے تذکرہ کے بعد کہا گیا ہے: پھر بے شک ہمارے ذمہ ہے ان سے حساب لینا۔(الغاشیہ:26)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف نسل کے حیوانات اور نباتات یعنی حیاتیاتی تنوع(bio-diversity) بلکہ پوری کائنات ایک نعمت کے طور پر ہے جس میں بگاڑ پیدا کرنے کی اجازت نہیں بلکہ اس کے متعلق آخرت میں سوال وحساب ہوگا یعنی اسلام میں ماحولیات کا تصور صرف اس دنیاوی اخلاق و قوانین وآئین تک محدود نہیں جیسا کہ دیگر دنیا کے قانون میں ہے بلکہ اسلام میں ماحولیات کا تصور آخرت یعنی ابدیزندگی تک محدود ہے کہ ہر ہر چیز کے متعلق سوال ہوگا اور آدمی جزا یا سزا کا مستحق ہوگا اتنا اہم اور مضبوط تصور ماحولیات کا دنیاوی آئین و قانون تو کیا دیگر مذاہب میں ملنا بھی محال ہے۔ اسلام کا تصور ماحولیات تو یہ ہے کہ آلودگی اور فضلات وگندگی کے تصفیہ کے بغیر ایک مسلمان کامل مسلمان نہیں ہو سکتا، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: اَلطُّهُوْرُ نِصْفُ الْاِيْمَانِ ترجمہ: پاکیزگی نصف ایمان ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ آلودگی سے دور رہنے اور دور کرنے کی کتنی اہمیت ہے اسلام میں۔ جس کی مثال دیگر مذاہب اور دنیاوی آئین میں ملنا محال ہے۔

8.3 اسلامی مقدسات میں مختلف عنصر ماحولیات کا تذکرہ

8.3.1 قرآن کریم میں سات سطح فضائی(Spheres) کا تذکرہ

عربی کا لفظ ''سَمَاء'' بہت وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ چنانچہ لغت میں ''كُلُّ مَاعَلَاكَ''یعنی جو بھی چیز اوپر ہے وہ لفظ سماء کے عموم میں داخل ہے۔ اسی لیے گھر کی چھت کو بھی سماء کہتے ہیں۔ علامہ صاوی نے بھی جلالین کے حاشیہ میں لفظ ''سماء'' سے مراد: اونچائی کی جانب لکھا ہے، ''أي جهة العلو''۔خود قرآن کریم میں لفظ عام معنی سے الگ مفہوم میں استعمال ہوا ہے ارشاد باری ہے: یا بارش کی طرح جو آسمان (بادل) سے برسائے۔ علامہ سیوطی یہاں سماء کی تفسیر السحاب سے کرتے ہیں یعنی بادل۔ معلوم ہوا کہ کہ سماء کا اطلاق بلندی کی چیزوں کے لیے ہوتا ہے۔ سائنس کرہ فضا میں سات طبقات کی قائل ہے۔

1۔ ٹروپوایسفیر(Troposphere)

2۔ ٹروپوپاز(Tropopause)

3۔ ایسٹراٹوایسفیر(Stratosphere)

4۔ ایسٹراٹوپاز(Stratopause)

5۔ میزوایسفیر(Mesosphere)

6۔ میزوپاز(Mesopause)

7۔ تھرموایسفیر(Thermosphere)

یہ سب فضائی طبقات ہیں اور ہر طبقہ کی خصوصیت ہے۔ قرآن کریم میں جو سات آسمانوں کا تذکرہ ہے "کل ماعلاك" کے تحت یہ سات طبقات مراد لیے جاسکتے ہیں۔ استشہاد واستدلال یہ ہے کہ علامہ صاوی فرماتے ہیں کہ پہلا آسمان ٹھہری ہوئی موج کا ہے دوسرا مرمر کا ہے تیسرا لوہے کا چوتھا سیسہ کا وغیرہ وغیرہ۔ ماہرین ماحولیات کہتے ہیں کہ پہلا طبقہ یعنی Tropsphere میں اکثر آبی بخارات یعنی water vapour اور 90 فیصد نمی یعنی moisture ہے۔ دوسرا آسمان مرمر کا ہے۔ مرمر کے متعلق معلوم ہے کہ اس میں 02 ہوتا ہے یعنی پانی کا مادہ لہذا یہ Tropopause پہ صادق آتا ہے تیسرا اسماء یعنی آسمان لوہے کا ہے آج ماہرین کہتے ہیں کہ تیسرا طبقہ یعنی Statosphere میں موسم بدلتا نہیں اسی لیے چیزیں اس میں منجمد رہتی ہیں۔ چوتھا آسمان "نحاس" یعنی سیسہ کا ہے سیسہ ٹھنڈا ہوتا ہے ماہرین کہتے ہیں کہ Mesophere میں حرارت temperature کم ہوتا ہے اور اس طبقہ میں جتنا اونچا جائیں گے حرارت کم ہوگی۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ "سبع سموات" سے کاماعلاک کے تحت اور مندرجہ بالا تطبیق کے تحت یہ سات سطح(spheres) مراد لیے جاسکتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

8.3.2 قرآن میں ہر نوع کی مخلوق کے نظام حیات(Community Ecosystem) کا تذکرہ

مخلوقات میں جتنی نوع کی مخلوق ہیں وہ (نامئے) اپنے ماحولیات یعنی سورج کی توانائی اور شعائیں، صارف اول یعنی جانور، صارف ثانی، ہوا، پانی اور مٹی سے متاثر ہوتے ہیں اور اپنے ماحولیات کو متاثر کرتے ہیں اسی کو community ecosystem کہا جائے گا۔ مثلاً انسان ہے وہ اپنے اطراف کے ماحولیات مثلاً شمسی توانائی، فضاء، پانی، مٹی اور پتھر اور جانوروں سے متاثر ہوتا ہے یا ان کو متاثر کرتا ہے اسی کو نظام حیاتیا ecosystem کہتے ہیں۔ اسی طرح ہر نوع کی مخلوق مثلاً چرند پرند درند پھر ان کے اندر کے انواع اپنے ماحولیات سے متاثر ہوتے ہیں یا متاثر کرتے ہیں۔ اس کا تذکرہ قرآن پاک میں آیا ہے "اور نہیں ہے کو چلنے والا زمین میں اور نہ پرندہ کہ اڑتا ہے اپنے دوبازوں سے مگر ہر ایک امت ہے تمہاری طرح" (سورہ الانعام: 38) سیوطی اس کی تفسیر میں کہتے ہیں۔ "**أي في تدبير خلقها وأحوالها**" یعنی اس کی خلقت اور پیدائش کی تدبیر میں اور دیگر احوال میں (وہ چرند پرند تمہاری امت ہیں) سیوطی کی تفسیری فوائد نے بات اور واضح کردی کہ ہر نوع کی مخلوق انسانوں کی طرح ہی حال رکھتی ہے تخلیق میں اور دیگر احوال میں یعنی جس طرح مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق انسانوں کا community ecosystem ہے۔ ویسی ہی ہر مخلوق کا ہے اور یہ بات معقول اور مشاہد ہے ہم دیکھتے ہیں جس طرح انسان شمسی شعاعوں، بے جاندار اشیاء

مثلاً ہوا، پانی، مٹی، پتھر، اول صارف، ثانوی صارف اور اشیاء کے حالات کو بدلنے والے یعنی چیزوں کے مادہ کو تبدیل کرنے والے جیسے حشر الارض سے انسان متاثر ہوتا ہے اور ان سے ان کا نظام حیات چلتا ہے ایسے ہی دیگر انواع کا بھی نظام حیات ہے۔ اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ قرآن میں community ecosystem کا بیان ہے۔

8.3.3 قرآن میں پانی کا تذکرہ

تقریباً 59 مقامات پر قرآن میں پانی "ماء" کا تذکرہ آیا ہے۔ اس سے قرآن کے نزدیک پانی کی اہمیت سمجھ میں آتی ہے۔ پانی ecosystem کے غیر ذی حیات مادہ (abiotic substance) میں سے ایک ہے اس کی اہمیت جدید سائنس کے نزدیک بھی مسلم ہے۔ ہر چیز میں پانی کی آمیزش ہے جو انسان میں 75 فیصد ایک اندازے کے مطابق پانی ہے۔ خود خون میں پانی کی آمیزش ہے اسی لئے وہ جسم انسانی میں رواں دواں ہے۔ قرآن میں اس حقیقت کہ حیرت انگیز طور پر چودہ سو سال قبل بیان کیا گیا، (اور ہم نے ہر زندہ چیز پانی سے پیدا کیا)۔

اس سے ایک اور بات مفہوم ہوئی وہ یہ کہ جس چیز میں بھی پانی یعنی O_2 ہے اس میں حیات ہے۔ اس لیے ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ دنیا میں ہر چیز حیات ہے ہاں اس کے اندر یا تو پانچوں حس "sense" ہوگا یا ایک دو۔ ممکن ہے یہ نظریہ بھی صحیح ہو کیونکہ قرآن میں بھی کہا گیا ہے "ہر چیز اس کی تسبیح بیان کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔" (بنی اسرائیل: ۴۴) یہ بات جب ہی ممکن ہے جب چیزوں میں حیات ہو ہاں ان میں حس میں سے کتنے حس ہوں یہ امر مبہم ہے ہو سکتا ہے دو یا ایک۔ اس بات کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ سورہ بقرہ میں ایک مقام پر انسانی دل اور پتھر کو ایک دوسرے کے مقابل میں بیان کیا گیا ہے۔ "پھر تمہارے دل سخت ہو گئے اس سب کے بعد سو وہ ہو گئے جیسے پتھر یا ان سے بھی سخت اور پتھروں میں سے تو ایسے ہیں جن سے جاری ہوتی ہیں نہریں" (بقرۃ: 74) یہاں انسانی دل کی سختی (حس) کو پتھر کے مقابلہ میں لایا گیا اور پھر کہا گیا کہ پتھر کی سختی اس سے بھی کم ہے۔ ظاہر سی بات ہے جب پہلے "سختی" سے مراد حس ہے تو دوسری سختی یعنی پتھر کی سختی سے مراد بھی حس ہے۔ معلوم ہوا کہ پتھر میں حس ہوتا ہے۔ جب اس میں حس ہے تو زندگی ہے اسی لئے سائنس سے ثابت ہے کہ پتھر میں پانی یعنی O_2 کا مادہ ہوتا ہے۔ الحاصل قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت سے مفہوم ہوا کہ جس چیز میں O_2 ہوگا اس میں حیات ہوگی اسی لئے کہا گیا کہ ہر چیز تسبیح بیان کرتی ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ نظریہ صحیح ہے کہ ہر چیز میں حیات ہے۔۔ (جیسا کہ جین مت کا بھی نظریہ ہے)۔

8.3.4 قران میں پاکی، صفائی اور طہارت

اسلام پاکی، صفائی اور طہارت کا مذہب ہے۔ قرآن کریم میں سترہ (17) مقامات پر طہارت اور اس کے مشتقات استعمال ہوئے ہیں اور تقریباً تینتالیس (43) مقامات پر طیب اور اس کے مشتقات استعمال ہوئے ہیں۔ ارشاد ہے: (اور اللہ پسند کرتا ہے صاف ستھروں کو)، (توبہ: 108)۔ ایک جگہ اور ارشاد فرمایا: (بے شک اللہ پسند کرتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور پسند کرتا ہے صاف ستھروں کو)، (بقرہ: 222)۔ سورہ مدثر کی چوتھی آیت میں وارد ہوا ہے: "پس اپنے کپڑوں کو پاک کر لیجیے" اسلام کو گندگی پسند نہیں۔ مذکورہ طہارت جس کا ذکر

قرآن میں ہوا ہے صرف بدن یا کپڑے کی صفائی تک محدود نہیں بلکہ کھانے اور پینے کی اشیاء تک وسیع ہے۔ قرآن میں صاف اور غیر آلودہ کھانے کی تلقین کرتا ہے اور ارشاد ہے: "وکلو مما رزقکم الله حلا طیبا" (مائدہ: 88) اور کھاؤ جو کچھ اللہ نے تمہیں روزی دی ہے حلال و پاکیزہ" اس آیت میں لفظ جلال کے بعد طیب کا اضافہ بتا رہا ہے کہ روزی حلال ہونے کے ساتھ صاف ستھری بھی ہونے چاہئے یعنی غیر آلودہ (unpolluted)۔ یہی قرآن کا مقصد ہے اس سے قرآن کا ماحولیاتی صفائی کا نظریہ بھی واضح ہوتا ہے۔

8.3.5 قرآن میں زرخیز سطح زمین کے فرسودہ کرنے (Soil Erosion) سے ممانعت

ارشاد ہے: "وَلاَ تُفْسِدُوا فِي الأَرْضِ بَعْدَ إِصْلاَحِهَا" (اعراف: 85)، ترجمہ: (اور زمین میں فساد مت پھیلاؤ اس کے اصلاح کے بعد)۔

اصلاح کے ایک معنی قرآن میں بانجھ کو زرخیز کرنے کے بھی آئے ہیں۔ چنانچہ حضرت زکریا علیہ السلام کی اہلیہ جو بانجھ ہو گئی تھیں کبر سنی کی وجہ سے کے تعلق سے ارشاد ہے: "وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَى وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ" (انبیاء: 72)، ترجمہ: (اس کو [زکریا علیہ السلام] کو یحیٰ عطا کیا اور اس کے لیے اس کی بیوی کو درست کیا)۔ اس آیت میں لفظ اصلاح بانجھ پن کو دور کرنے کے معنی میں آیا ہے۔ اگر اصلاح کا یہی مفہوم مذکورۃ الصدر آیت میں لے لیا جائے تو آیت کا مفہوم ہو گا زمین میں فساد مت پھیلاؤ اس کے قابل زرخیز ہونے کے بعد یعنی زمین کی زرخیزی کی قابلیت اور صلاحیت کے بعد اس کو برباد مت کرو۔ آج soil erosion یعنی جنگلات کے خاتمہ، مویشیوں کو زیادہ چرانے اور محافظ ارض چھوٹے پیڑ پودوں کے اکھاڑنے جیسے عمل سے پانی اور ہوا کے ذریعہ زرخیز ارض کا خاتمہ ہو رہا ہے۔ مذکورہ بالا آیت کے ضمن میں یہ انسانی عمل soil erosion فساد کے ضمن میں آتا ہے جس کی مذکورہ آیت میں ممانعت آئی ہے۔

8.3.6 قرآن میں حیوی توازن (Ecological Balance) کا تذکرہ

حیوی توازن کہتے ہیں ایک نوع کی حیات کے گروہ میں اعتدال اور توازن جہاں اختلاف علی حالہ باقی رہتا ہے۔ سائنسداں تسلیم کرتے ہیں کہ کائنات کے ہر حیاتی و غیر حیاتی گروہ میں اعتدال ہے جس توازن سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ امر مشاہدہ بھی ہے کہ کائنات کی ہر چیز میں توازن رکھی گئی مثلاً فضا میں آکسیجن، کاربن اور نائٹروجن کی ایک خاص مقدار ہے۔ اگر اس مقرر مقدار میں کسی بھی گیس میں مذکورہ مقدار کے علاوہ مقدار ہو جائے مثلاً کاربن ڈائی آکسائڈ 0.3 فیصد بڑھ کر 5 فیصد ہو جائے یا آکسیجن ایک فیصد سے دس فیصد ہو جائے تو توازن بگڑ جائے گا اور کاروان حیات بری طرح متاثر ہو گا۔ دنیا کا موجودہ نظام نہیں چل پائے گا۔ اسی طرح انسان کاربن چھوڑتا ہے ایک مخصوص مقدار میں جس کو نباتات لیتے ہیں اور نباتات آکسیجن چھوڑتے ہیں جس کو انسان لیتا ہے یہ ایک مخصوص مقدار میں ہوتا ہے۔ اگر اس مقدار میں کمی زیادتی ہو گئی تو توازن متاثر ہو گا اور دونوں کی حیات خطرہ میں پڑ جائے گی۔ اسی طرح پانی میں مختلف قسم کی گیس مقرر مقدار میں ہے اگر اس مقدار میں حذف و اضافہ ہو جائے تو آبی حیات باقی نہیں رہ سکتی۔ غرض کائنات میں توازن ہے۔

قرآن کریم کی متعدد آیات میں اس اعتدال کا تذکرہ آیا ہے۔ ارشاد ہے: بے شک ہم نے ہر چیز ایک اندازے سے پیدا فرمائی۔

(قمر:49)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:"وخلق کل شئی فقدرہ تقدیراً"(فرقان:2)۔ ترجمہ: اس نے ہر شئی پیدا کر کے ٹھیک اندازے پر رکھی۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے: اور اس زمین میں ہر شے اندازے سے اگائی، (حجر:19) ان تمام آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز میں ایک مقدار معلوم اور اندازہ ہے جس کو ماحولیاتی توازن(ecological balance) کہتے ہیں۔

شفیع حیدر دانش نے "قرآن اور ماحولیات" میں کیا خوب کہا ہے:

توازن میں جب تک یہ ماحولیات تھا ❖ بڑی جانفزا تھی زمین کی فضا
صبا چھو کے جاتی کلی کا بدن ❖ تو کھلتے ہی جاتے چمن در چمن
کہیں بوند امرت کی پڑتی نہیں ❖ جھلستی ہے بارش سے اب تو زمین

ایک اور مقام پر کہتے ہیں:

توازن میں جب تک ہے یہ سلسلہ ❖ اسی میں ہے اہل زمین کا بھلا
زمین پہ نہ بند و مچاؤ فساد ❖ نہ ماحولیات پے یوں نکالو عناد

الحاصل کائنات میں توازن اور مقدار معلوم و معین ہے اور اس کو باقی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور بگاڑ پیدا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ دانش ایک دوسری جگہ کہتے ہیں:

یہ پانی یہ مٹی یہ باد صبا ❖ توازان ہے سب میں تھر کتا ہوا
توازن کو گر ڈگمگاؤ گے تم ❖ خود ہی کو خسارے میں پاؤ گے

بعض حضرات نے سورہ رحمن:8 میں لفظ میزان سے حیاتیاتی توازن یعنی (ecological balance) مراد لیا ہے مگر مطالعہ یہ کہتا ہے المیزان سے مراد قرآن میں عام طور پر حسی میزان یعنی ترازو کے معنی ہی ہیں یعنی تجارتی ناپ تول کا لہ دلیل اس کی یہ ہے کہ جہاں کہیں بھی المیزان ہے وہاں سیاق وسباق میں حسی ناپ تول کی ہی بات ہو رہی ہے چنانچہ ارشاد ہے "واوفو الکیل والمیزان بالقسط'' اور پورا کرناپ تول جو تجارت میں ہوئی ہے یا لین دین میں ہوتی ہے اسی سیاق میں آیا ہے اوفوا کا صیغہ بتارہا ہے کہ المیزان سے مراد حسی ترازو ہے۔ دوسری آیت ہے: "والوزن یومئذ الحق فمن ثقلت موازینه فأولئك هم المفلحون ومن خفت موازینه..." (الاعراف:8)، ترجمہ: اور تول اس دن ٹھیک ہو گی پھر جس کی تولیں بھاری ہوئیں وہی ہیں نجات پانے والے۔ وزن کا لفظ یہاں ناپ تول کے معنی میں ہے موازین، المیزان کی جمع ہے ایہاں ثقلت یعنی بھاری ہونا اور خفت یعنی ہلکا ہونے کا لاحقہ بتارہا ہے کہ موازینہ سے مراد تول اور ناپ ہے ہاں یہ آخرت کا معاملہ تو وہاں کی ناپ تول دنیا کی حسی ناپ تول کی طرح ہو گی؟ یہ امر مبہم ہے۔ الحاصل یہاں بھی وزن اور موازین سے مراد معروف و مفہوم ناپ تول ہی ہے۔ ایک تیسری آیت ہے ''فاوفواالکیل والمیزان ولا تبخسوا الناس اشیائهم۔ سو پوری کرو ناپ اور تول مٹ گھٹا کر دو لوگوں کو ان کی چیزیں۔"(اعراف:85)

یہاں المیزان سے قبل او فوا الکیل کا لفظ اور المیزان کے بعد لا تبخسوا کا لفظ بتا رہا ہے المیزان سے مراد ترازو ہے وہ بھی حسی۔ الغرض المیزان کا لفظ قرآن میں یا تو دنیا کی حسی ترازو یا اخروی ترازو کے معنی میں آیا ہے۔ لغت سے بھی یہی شہادت ملتی ہے چنانچہ صاحب مختار الصحاح فرماتے ہیں۔"وزن الشئ معروف يقال ہذا يزن درہما يعنييساويه وتعدله وہذا يوازن ہذا اذا كان على زنته" اس عبارت کا مفہوم ہے کہ وزن کا لفظ برابری کے معنی میں آتا ہے عربی کا مقولہ ہے ہذا یزن درہما یہ قیمت میں یا ثقل میں ایک درہم کے برابر ہے۔ کہا جاتا ہے یہ اس کے موازن ہے جب کہ اس کے وزن کے برابر ہو۔ لغت سے بھی یہی مفہوم ہو رہا ہے وزن یا المیزان کا لفظ دو چیزوں کو برابر کرنے کے معنی میں ہے۔ ان تمام تفصیل کا مطلب یہ ہے کہ عربی زبان اور قرآن میں المیزان کا لفظ ترازو یا ناپ تول کے معنی میں ہی آیا ہے وہ حسی ہو یا اخروی۔ بعض حضرات کا سورہ رحمٰن کی آیت:"**أَلَّا تطغوفى الميزان**"(رحمٰن: 8) سے کائناتی توازن اور ecological balance مراد لینا قرین قرآن نہیں ہے۔ اس آیت کا واضح مطلب عدل وانصاف قائم رکھنا ہے۔ یہاں حسی ترازو مراد نہیں لیا جاسکتا کیونکہ اگلی آیت: 9 میں تو اس کا حکم ہو ہی رہا ہے۔ اس کا حکم ہو ہی رہا ہے۔ اس مفہوم کے لیے "معلوم مقدار" کی اصطلاح۔ قرین قرآن اور زیادہ مناسب ہے غرض "معلوم مقدار" یا"**كُلّ شيء موزون**" بتا رہا ہے کہ توازن کائنات کو نہ بگاڑا جائے۔

8.3.7 قرآن میں غذائی جال (Food Web) کا تذکرہ

غذائی جال اس طرح بنتا ہے کہ ایک ہی چیز کو دو چیزیں کھا رہی ہوں مثلاً گھاس کھانے والے کیڑوں کو مینڈک بھی کھاتے ہیں اور گرگٹ بھی اس صورت میں توانائی کی منتقلی بہت پیچیدہ ہوتی ہے۔ قرآن میں بھی اس کا تذکرہ ہے جہاں سورہ عبس میں ذکر ہے کہ غلہ اور پھلوں کو جانور بھی کھاتے ہیں اور انسان (اور پھر انسان جانوروں کو کھاتا ہے اس طرح توانائی کے منتقلی کا ایک جال سا بنتا ہے) ارشاد ہے "**فلينظر الإنسان إلى طعامه..**" (عبس:24)۔ ترجمہ: تو آدمی کو چاہیے کہ اپنے کھانے کو دیکھے کہ ہم نے اچھی طرح پانی ڈالا۔ پھر زمین کو خوب چیرا تو اسمیں اگایا اناج انگور اور چارہ اور زیتون اور گھنے باغیچے اور میوے اور دوب تمہارے فائدے کو اور تمہارے چوپایوں۔ اس آیت سے مذکورہ تفصیل کی روشنی میں food web کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

8.3.8 قرآن میں پانی کے چکر (Water Cycle) کا تذکرہ

یہ بات معلوم ہے کہ سمندروں کا پانی بخارات بن کر اوپر اٹھتا ہے پھر ایک مخصوص مقام پر دوبارہ پانی بنتا ہے (condensation) پھر دوبارہ زمین پر برستا ہے یعنی (precipitation) ہوتا ہے اسی باربار کے عمل کو پانی کا چکر یا (water cycle) کہتے ہیں۔ اس عمل کا تذکرہ قرآن میں آیا ہے ارشاد ہے:"**ولقد صرفناه بينهم**" (فرقان:50)۔ ترجمہ: اور ہم نے اس کو [پانی] ان کے درمیان بار بار بھرا۔ علامہ صاوی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اى فرقناه فى الاوقات المتغايره۔ یعنی ہم نے اس پانی کو لوگوں کے درمیان مختلف اوقات میں پھیر دیا۔ ظاہر سی بات ہے مختلف اوقات میں پانی کا برسنا جب ہی ہوگا جب (water cycle) کا عمل ہو الحاصل اس آیت میں صریح اشارہ ہے آبی چکر یعنی (water cycle) کی طرف۔

8.3.9 قرآن میں زمینی ایندھن(Fossil Fuel)کا تذکرہ

زمینی ایندھن سے کوئلہ پٹرول وغیرہ مراد ہوتے ہیں۔ ارشاد باری ہے:"**والذی أخرج المرعی O فجعله غثاء أحوی**" (اعلیٰ:5-4)۔ ترجمہ:(اور جس نے چارہ نکالا پھر اسے خشک سیاہ کوڑے میں بدل دیا)۔ ترکی نژاد ڈاکٹر بلوک باقی نے سیاہ کوڑے سے پٹرول مراد لیا ہے۔ مگر یہاں سیاہ کوڑے سے کوئلہ بھی مراد ہو سکتا ہے کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ یہی پیڑ پودے سڑ گل کے ہزاروں سال کے عمل کے بعد کوئلہ بن جاتے ہیں۔

8.3.10 قرآن میں تیزابی / کھٹی بارش(Acid Rain)کا تذکرہ

ایسڈ کا ترجمہ جہاں تیزاب ہوتا ہے اور گلانے والا، وہیں اس کا ترجمہ ترش اور کھٹا بھی ہوتا ہے۔ لغت میں acid کا معنی لکھا ہے(with a soure taste)یعنی کھٹے اور ترش ذائقہ والا۔ قرآن میں ایسی ترش اور کھٹی بارش یعنی(acid rain)کا تذکرہ ہے ارشاد ہے:(بھلا بتاؤ وہ پانی جو تم پیتے ہو کیا تم اسے بادل سے اتارتے ہو یا ہم ہیں اتارنے والے اگر ہم چاہتے تو بنادیتے اس کو کھارا)(واقعہ:68)۔ اس آیت میں مذکور لفظ "اجاجا" کی تفسیر علامہ سیوطی نے "ملحا" سے کی ہے یعنی نمک زدہ ہے ظاہر سی بات ہے نمک میں بھی گلانے کا مادہ ہوتا ہے جیسے تیزاب میں نیز دونوں کھارے ہوتے ہیں۔ اس لیے سیوطی کی تفسیر کے پیش نظر "ملحا" سے(acid rain)مراد لیا جاسکتا ہے۔ غرض، اس آیت سے(acid rain)کی جانب اشارہ ہے۔ جیسا کہ آج دنیا اس کا سامنا کر رہی ہے۔

8.3.11 تخلیق کائنات اور قرآن

مطالعہ قرآن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سب سے اول پانی تھا اور اس پر خدا کا عرش تھا جیسا کہ ارشاد ہے:(اور وہی ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں اور اس کا تخت پانی پر تھا)(ہود:7)۔ اس آیت کے سیاق سے پتہ چل رہا ہے کہ آسمان وزمین کے بننے سے قبل ہی اللہ کا عرش وجود پذیر تھا اور ہر جگہ پانی ہونے کی وجہ سے اس کا عرش پانی پر تھا۔

اس بات کی تائید قرآن کی دوسری آیت سے بھی ہوتی ہے ارشاد ہے:"**ثم استویٰ إلی العرش وھی دخان**"(حم سجدہ: 11)۔ ترجمہ: پھر چڑھا آسمان کو اور وہ بخارات ہو رہا تھا۔ یہاں دخان کا مفسرین اور مترجمین نے دھوئیں سے ترجمہ کیا ہے۔ جس کا انگریزی متبادل ہوگا(smoke)، اس صورت میں آیت کا مفہوم ہوگا کہ آسمان دھواں تھا لیکن علامہ سیوطی نے یہاں دخان کا ترجمہ بخار سے کیا ہے جس کا مطلب ہے آبی بخارات تھا جس کا انگریزی متبادل ہوگا(water یا vapour)الغرض سیوطی کی تفسیر کی روشنی میں بات واضح ہوجاتی ہے کہ اللہ کا عرش پانی یعنی بخارات آبی یعنی (moisture یا water vapour) پر تھا۔ الحاصل ابتداً یہ صورت حال تھی کہ ہر جگہ (water vapour) تھا اور اس پر اللہ کا عرش تھا۔

اس کے بعد زمین وآسمان دونوں ملے ہوئے تھے اللہ نے ان کو الگ الگ کیا ارشاد ہے:"**کانتا رتقا ففتقناھما**"(انبیاء:30)کیا انہیں دیکھا منکروں نے کہ آسمان وزمین میں ایک تھے قبل اس کے کہ ہم دونوں کو پھاڑ کر الگ کرتے۔ الحاصل زمین وآسمان کے متصل

ہونے کے بعد اللہ نے دونوں کو الگ الگ کیا۔

سائنس بھی اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ آسمان وزمین پھاڑ کر الگ کیے گیے ہیں۔ سائنس کی اصطلاح میں اس کو Big Bang کہا جاتا ہے یعنی بڑے دھماکہ سے تمام کہکشاں (glaxies) کا وجود ہے۔ اس میں آسمان وزمین بھی داخل ہیں۔ بہر حال سائنس کا تسلیم شدہ اصول ہے کہ Big Bang سے تمام glaxies جس میں آسمان وزمین بھی داخل ہیں کا وجود ہوا جیسا کہ قرآن میں بھی مذکورہ بالا آیت میں ذکر ہے پھر قرآن کے مطابق اللہ نے دونوں میں زمین بنائی دودنوں میں جو کچھ اس میں ہے اس کو بنایا پھر دودنوں میں آسمان بنایا (فصّلت: 11-12)۔

8.3.12 قرآن میں زمین کے خطہ وار ڈھانچہ (Zonal Structure) کا تذکرہ

قرآن میں سات آسمان اور سات زمین کا تذکر آیا ہے: اللہ وہ ہے جس نے بنائے سات آسمان اور زمین بھی اتنی ہی... (طلاق:12)۔ اس سلسلہ میں حضرت ابن عباس کی روایت نقل کی جاتی ہے جس میں ہے کہ اس میں آدم ہیں تمہارے آدم کی طرح۔ مگر محدثین کو اس روایت میں بہت کلام ہے اور بعض نے موضوع تک کہا ہے۔ لہذا اس روایت سے احتراز کیا جاتا ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کا قول ہے کہ ممکن ہو اس سے مراد دیگر کواکب اور سیارے ہوں جو بعض حالات میں زمین کے نیچے آجاتے ہوں جیسا کہ یورپ کی تحقیق ہے کہ مریخ پر پہاڑ اور دریا دیکھے گئے ہیں۔

8.4 قران میں مختلف نباتات کا تذکرہ

8.4.1 کافور

یہ لفظ قرآن میں سورۃ الدھر آیت:5 میں آیا ہے۔ کافور ایک قسم کی گھاس ہوتی ہے جو خوشبودار ہوتی ہے مگر مزہ اس کا تلخ ہوتا ہے اس میں Toxic یعنی زہریلا مادہ ملا ہوتا ہے اگر آدمی اس کو کھالے تو مرجائے گا مگر یہ دردکش ہوتا ہے یعنی خارجی مرہموں کے ساتھ ملا کر درد پر رکھا جائے تو درد دور ہوجاتا ہے۔

اس کی تاریخ مختصراً یہ ہے کہ یہ پودا عرب میں نہیں ہوتا تھا بلکہ یہ ہندوستان یا ایران وغیرہ میں ہوتا تھا عربوں کو ساتویں یا آٹھویں صدی میں ایران کے ذریعہ ہندوستان میں اس کے ہونے کا علم ہوا پھر یہاں سے اس کی تجارت ہونے لگی۔ مگر یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب عربوں کو اس کا علم اتنا بعد ہوا تو عرب جو قرآن کے اولین مخاطب تھے نزول قرآن کے وقت کافور سے کیا مراد لیتے تھے بالفاظ دیگر قرآن میں مذکور کافور سے کون سے کافور مراد ہے جب کہ موجودہ کافور سے عرب اس وقت باخبر نہ تھے۔ ڈاکٹر اقتدار فاروقی صاحب کی رائے یہ ہے کہ قرآنی کافور سے مراد ایک قسم کی خوشبو ہے جس کو حنا یا مہدی کہا جاسکتا ہے۔ وجہ اس کییہ ہے کہ کافور کے لیے فارسی لفظ کافور ہے پھر جب موجودہ کافور کا پتہ چلا تو عربی کافور فارسی کافور کے ساتھ منسلک ہوگیا اور دونوں کے معنی وہی تلخ خوشبودار گھاس کے رہ گئے اور مہدی کے لیے صرف حنا کا لفظ رہ گیا۔ اس کی شہادت اس سے ہوتی ہے کہ اسٹائن گاس نے اپنی لغت میں کافور کو فارسی لفظ ہی بتایا ہے۔

الحاصل، قرآن میں جس کافور کا تذکرہ ہے اس سے مراد مہدی ہے اور مطلوب جنت کے اس ساغر کو صفائی اور خوشبو میں مہدی سے تشبیہ دینا ہے۔ اس بات کو اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ اگلا لفظ عیناً کو سیوطی نے بدل مانا ہے کافور سے اور آگے کہا ہے فی الرائحہ یعنی وہ چشمہ خوشبو میں کافور جیسا ہوگا۔

اب مندرجہ بالا تفصیل کے مطابق چونکہ کافور سے مراد وہ گھاس نہیں ہے لہٰذا اس کی خوشبو مراد نہیں ہوسکتی بلکہ حنا کی خوشبو ہی مراد ہے۔

8.4.2 زقوم

قرآن میں ایک نباتی نام "زقوم" کا بھی آتا ہے جس کے قرآن میں چند صفات بیان ہوئے ہیں مثلاً وہ شیطان کے سر جیسا ہوتا ہے اس کے کھانے سے پیٹ میں جلن اور طغیانی کیفیت ہوتی ہے اور وہ تیل کے تلچھٹ جیسا ہوتا ہے۔ اکثر مفسرین نے اردو میں اس کا ترجمہ تھوہڑ سے کیا ہے جس کو ڈاکٹر اقتدار فاروقی نے سند اعتبار بخشا ہے اور کہا ہے کہ سائنسی اعتبار سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ تھوہڑ کا درخت پودوں کی اس جنس سے تعلق رکھتا ہے جس کو "افوربیا" کہا جاتا ہے۔ افوربیا ہندوستان، عرب اور افریقہ اور مراکش وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔ ہندوستانی افوربیا (cactus) نما ہوتے ہیں لیکن (cactus) کو زقوم نہیں کہا جاسکتا کیونکہ قرآن میں بتائے زقوم کے صفات اس پر منطبق نہیں ہوتے۔ ڈاکٹر اقتدار فاروقی کے نزدیک زقوم سے جو سب سے زیادہ تشابہ ہے وہ مراکش کا افوربیا ہے جس کا منظر شیطان کے سر کا ہوتا ہے اور جس کو کھانے سے پیٹ میں تلچھٹ جیسے جلن پیدا ہوجاتی ہے وہ بہت تلخ ذائقہ ہوتا ہے۔ یہی افوربیا قرآنی زقوم ہونے کے زیادہ قرین قیاس ہے جو شجرۂ ملعونہ ہے۔ علامہ سیوطی نے بھی زقوم کے متعلق کہا ہے کہ یہ تہامہ کا سب سے کڑوا درخت ہے۔ (جس کو اللہ تعالیٰ جہنم میں اگائیں گے) اللہ تعالیٰ نے قرآن میں وہی مثالیں دیں ہیں جس سے عربی واقف تھے یا جو ان کے گردونواح کی چیزیں ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر اقتدار فاروقی نے اس زعم میں کہ مراکش کے افوربیا پر زقوم کا لفظ زیادہ صادق آتا ہے مندرجہ بالا اصول کے پیش نظر زیادہ قرین قیاس نہیں لگتا کیونکہ مراکش کے افوربیا سے تو عربی واقف ہی نہ تھے لہٰذا اس کی مثال دنیا چہ معنی دارد۔ الحاصل، نزول قرآن کے وقت لفظ زقوم سے عرب واقف تھے اور سیوطی کے مطابق وہ تہامہ کا سب سے کڑوا درخت تھا۔ جو سائنسی تحقیق کے مطابق افوربیا نامی پودا ہے جو عرب میں ہوتا ہے جس پر قرآن میں بتائے گئے صفات صادق آتے ہیں۔

8.4.3 کھجور

جس پھل اور درخت کا حوالہ سب سے زیادہ قرآن میں دیا گیا ہے وہ ہے کھجور۔ کھجور کے گٹھلیوں اور اس کی قسموں وغیرہ کا ذکر قرآن پاک میں الگ الگ ناموں سے کیا گیا ہے مثلاً سورۃ الحشر میں کھجور کی ایک نفیس قسم کو "لینۃ" کہا گیا ہے۔

اسی طرح سورۃ النساء میں "نقیرا" کا لفظ تمثیل کے طور پر استعمال ہوا ہے جس کے لغوی معنی کھجور کے گٹھلی میں نالی کے ہیں۔ اسی طرح کھجور کے متعلقات میں ایک لفظ قطمیر آیا ہے جس کے معنی کھجور کے اوپر کی باریک جھلی کے ہیں "العرجون" کھجور کے گچھے کی جڑ کو

کہتے ہیں اسی طرح "حبل" کے معنی جناب عبداللہ یوسف علی نے کھجور کے پتوں کے بنی ہوئی رسی کے دیے ہیں جو سورۃ اللھب میں آیا ہے اور جو رسی ابو لہب کی بیوی کی گردن پر ہوگی "دسر" کا لفظ جو سورۃ القمر میں آیا ہے رسی کا معنی بھی سیوطی نے اسی کے لیے ہیں جس سے تخت کو باندھا جاتا ہے عبداللہ یوسف نے اس کی اور وضاحت کر دی اور اس سے مراد کھجور کی پتوں کا ریشہ لیا ہے اب اگر مختلف ناموں سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ کھجور کا ذکر قرآن میں 28 بار ہوا ہے۔

8.4.4 زیتون

(تین:1) کا ذکر قرآن میں چھ بار ہوا ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا درخت ہے جس کی اونچائی اوسطاً 25 فٹ ہوتی ہے۔ اس کی پیداوار قلم لگا کر ہوتی ہے۔ اس کے کچے پھل اچار اور چٹنی کے کام آتے ہیں جب کہ پکے پھل بہت شیریں اور لذیذ ہوتے ہیں۔ یہ بیضوی شکل کا 2-3 سینٹی میٹر کا لمبا ہوتا ہے۔ ان کے گودے میں پندرہ سے چالیس فیصد تک تیل ہوتا ہے جلدی بیماریوں میں عام طور سے اور دوا میں خصوصاً نہایت مفید ہے زیتون کا اصل وطن شام اور فلسطین ہے۔

8.4.5 عنب

قرآن میں عنب (عبس:28) یعنی انگور کا بھی تذکرہ ہے اور اس کے متعلقات خمر، سکر، کاسا کا بھی تذکرہ ہے۔ قرآن میں کل گیارہ جگہ انگور کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

8.4.6 انار

انار کا ذکر قرآن میں تین مرتبہ آیا ہے۔ اس کا عربی نام رمان (انعام: 141) ہے۔ اس کے بہت سے طبی فوائد بھی ہیں۔ اس کے بیج کے علاوہ اس کے چھلکے میں بھی فائدہ ہے۔ اگر اس کے چھلکے کو دودھ میں ابال کر پلا دیا جائے تو پرانی پیچش میں مفید ہوتا ہے۔ اس کے دانے بھی پیچش اور معدہ کے لیے مفید ہوتا ہے۔

8.4.7 تین

تین (تین: 1) یعنی انجیر کی قرآن میں قسم کھائی گئی ہے اس سے اس کی عظمت کا پتہ چلتا ہے کیونکہ قرآنی قسم میں مقسم بہ کی عظمت مراد ہوتی ہے۔ انجیر کا اصل وطن شام اور فلسطین ہے۔ یہ جوڑوں اور معدہ کے لیے بہت مفید ہے طبیعت کو ٹھنڈا کرتا ہے۔ بعض لوگ پیپل کے اور دوسرے چند ہندوستانی درخت کو اسی کی نسل سے مانتے ہیں۔

8.4.8 اناج

قرآن میں ایک نبات "عدس" (بقرہ: 61) یعنی مسور کا بھی تذکرہ آیا ہے۔ یہ بھی بہت مفید ہوتا ہے یہ پسینہ اور پیشاب آور بھی ہوتا ہے اور یہ پھوڑے پھنسی میں بھی مفید ہوتا ہے۔

ایک آیت میں "فوم" (بقرہ: 61) کا لفظ آیا ہے بعض مفسرین نے اس کا ترجمہ گیہوں کیا ہے اور بعض نے لہسن سے۔ لیکن ڈاکٹر

اقتدار فاروقی کی رائے میں لہسن اس کا زیادہ صحیح ترجمہ ہے۔ اس کی دو وجہیں ہیں ایک تو ابن مسعود اور ابن عباس کی قرآت میں "ثومہا" کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہیں لہسن اور دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ سبطی لوگ مصر کے عہد غلامی میں عدس یعنی مسور کو پیس کر اس کی روٹیاں کھاتے تھے اسی کے وہ عادی تھے۔ جس کا مطلب لفظ عدس کے تحت ہوا ہے اب دوبارہ فوم یعنی گیہوں کی روٹی کا مطالبہ ان کی عادت کے خلاف ہے۔

اس کے علاوہ قرآن میں "قثاء" (البقرۃ:61) یعنی کھیرا، ککڑی۔ ایک لفظ "طلح" (آیت:29) سورۃ الواقعہ میں آیا ہے جسے عام طور سے مفسرین نے "کیلا" ترجمہ کیا ہے۔ مگر ڈاکٹر اقتدار فاروقی نے اس رائے سے اختلاف کیا ہے انہوں نے خباب عبداللہ یوسف علی اور آربیری کے ترجمہ پر اعتماد کیا ہے جنہوں نے اس کا ترجمہ ببول سے کیا ہے۔ ان کی توجیہ یہ ہے کہ نزول قرآن کے وقت عربوں میں کیلا نہیں پایا جاتا تھا نیز کیلے عربی لفظ "موز" آتا ہے (جیسا کہ سیوطی نے اس لفظ کا موز سے ہی ترجمہ کیا ہے) دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں طلح کا تذکرہ منظر کشی کے لیے ہوا ہے جب کہ پھل کا مستقل تذکرہ آگے کر دیا گیا ہے۔ مگر اس کا ترجمہ کیلے سے کرنا جیسا کہ عام مترجمین نے لکھا ہے زیادہ موزوں ہے کیونکہ اس کی صفت معضود ہے جو نضد سے مشتق ہے جس کا معنی ہے تہ بتہ جیسا کہ مختار الصحاح نے بیان کیا ہے۔ کیلا ہی تہ بتہ ہوتا ہے نہ کہ ببول۔ اسی لیے سیوطی نے طلح کا معنی الموز لکھا ہے۔ لہذا طلح سے مراد کیلا ہے۔ سورہ الغاشیہ (آیت:6) میں ایک پوداضریع کا تذکرہ ہے جس کا ترجمہ بعض لوگوں نے cactus سے کر دیا ہے۔ موصوف فاروقی صاحب کی رائے یہ ہے کہ یہ اندر رائیں کی قسم ہے۔ سیوطی نے بھی اس کو کانٹا کہا ہے جس کی تلخی کی وجہ سے جانور اس کو نہیں چرتے۔ قرآن میں سورہ الواقعہ (آیت: 71-72) میں جس آگ والے درخت کا تذکرہ ہے وہ مولانا مودودی کی رائے میں وہ درخت تھے "مرخ" اور "عفار" جن کی لکڑیوں کو آپس میں رگڑ کر آگ نکالا جاتا ہے۔ ورق یعنی برگ، جب یعنی اناج، زرع یعنی فصل، اباًیعنی چارہ، قضباًیعنی ترکاری، دھن یعنی تیل ان سب کا تذکرہ قرآن میں آیا ہے جن کی اپنی کیمیاوی تشکیل، طبی فوائد، نباتاتی تاریخ اور سائنسی تحقیق ہے جیسا کہ ڈاکٹر اقتدار فاروقی کے اس قول کہ "جنت کے ضمن میں جس کافور کا ذکر ہوا ہے قرآن میں اس کی حقیقت وہیئت معلوم کرنے کی سعی کی جائے" سے اتفاق نہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ دنیا کی جن نعمتوں سے جنت کی نعمتوں کو تشبیہ دی گئی ہے وہ تقریب فہم کے لیے ہے نہ یہ کہ وہ بھی دنیاوی نعمت کی طرح ہو جیسا کہ مولانا تھانویؒ نے لکھا ہے۔ جنت کی نعمتوں کی حقیقت وہیئت معلوم کرنے کی سعی کرنا ایک امر محال ہے۔ ہاں جنت کی وہ نعمتیں جو دنیا میں بھی پائی جاتی ہیں مثلاً کافور، کھجور، انگور اور انار وغیرہ ان دنیاوی پھلوں کی حقیقت وہیئت معلوم کرنا ایک فعل ممدوح ہے۔

8.5 قرآن میں حشرات الارض (Insects) کا تذکرہ

حشرات ہمارے ماحولیات کا ایک اہم عنصر ہیں یہ (decomposers) ہوتے ہیں یعنی مردہ حیوانات اور سڑے گلے نباتات کو کھا کر ان کو کھاد میں تبدیل کرتے ہیں جن سے پھل پھول کی اگلی نسل تیار ہوتی ہے۔ اگر حشرات یہ کام نہ کریں تو ہمارا ماحولیات متعفن ہو گا اور نباتات کی اگلی نسل بھی تیار نہ ہو پائے گی۔ اس تفصیل سے حشرات کی ماحولیات میں افادیت واضح ہو جاتی ہے حشرات کی انہیں اہمیت

وافادیت کے پیش نظر قرآن کریم میں مذکور چند اہم حشرات الارض کا ان کی ساخت کیمیاوی ترکیب، ان کی صفات واعمال و حرکات پر مشتمل ان کا مختصراً تذکرہ کیا جاتا ہے۔

حشرات الارض میں مچھر ایک اہم عنصر ہے جس کا وجود قدرت کی پیچیدہ صناعی پر مشتمل ہے۔ دیکھنے میں مچھر ایک حقیر جانور ہے جس کا جسم لمبوترا اور پتلا ہوتا ہے۔ پیر لمبے اور جوڑ دار اور سینے کے اوپری طرف ایک جوڑی باریک شفاف پر ہوتے ہیں۔ منہ کے اعضاء سرنج نما یعنی چبھونے اور چوسنے والے ہوتے ہیں۔ سر پر ایک جوڑی مرکب آنکھیں اور ایک جوڑی بالی دار محسوسے یعنی اینٹی ہوتے ہیں جو ماحولیات کو محسوس کرنے میں مچھر کی مدد کرتے ہیں۔ عموماً کیڑوں کے دو جوڑی پر ہوتے ہیں مگر مچھر میں ان کی تعداد صرف دو ہوتی ہے یہ اگلے پر ہوتے ہیں اور پیچھے ایک ہالٹرس ہوتا ہے جو اڑتے وقت مچھر کے توازن کو باقی رکھتا ہے۔ مچھر کے پر سخت پروٹین سے بنتے ہیں۔ ان کی سطح پر پھیلی ہوئی رگیں ہوتی ہیں جو ان کو مضبوطی عطا کرتے ہیں۔ ساتھ ہی پروں کے وہ سرے جن سے وہ جسم کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں۔ ایک ربر جیسی پروٹین کے بنے ہوتے ہیں۔ پروں کی حرکت کے وقت یہ جوڑ ربر کی طرح کھنچتا ہے۔ اور پھر اپنی جگہ واپس آجاتا ہے۔ پروں کی حرکت میں ان ربر جیسے جوڑوں کا بھی ہاتھ ہے۔ جب پر اٹھتا ہے تو مچھر قوت لگا کر ربر والے جوڑ کو کھینچتا ہے لیکن ربر کی یہ خاصیت ہے کہ کھینچتے وقت جو توانائی کی خرچ ہوتی ہے وہ اس میں محفوظ ہو جاتی ہے اور پر کو واپس اپنی جگہ لانے میں استعمال کی جاتی ہے ربر جیسے جوڑ کی وجہ سے کم توانائی کے استعمال سے پروں کی حرکت خود بہ خود ہونے لگتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پر تیز حرکت کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود نہیں ٹوٹتے۔ مچھر کا منہ نیچے کی طرف ایک بال جیسے سرنج سونڈ بناتا ہے جسے وہ جسم میں داخل کر کے خون کشید کرلیتا ہے۔ یہ سونڈ چھ عدد ریشوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ استعمال کے وقت یہ تمام ریشے جو الگ الگ ہوتے ہیں ایک دوسرے میں پیوست ہو کر صرف ایک سرنج جیسا عضو بنالیتے ہیں۔ جب یہ ریشے یکجا ہوتے ہیں تو درمیان میں ایک پتلی سی نلی رہ جاتی ہے جس کے ذریعہ خون مچھر کے منہ میں جاتا ہے۔ مچھروں کو موٹے طور پر تین گروہوں میں بانٹا جاسکتا ہے۔ پہلا گروہ معمولی مچھروں کا ہے جس میں کیولیکس وغیرہ شامل ہیں۔ دوسرے میں پیلے بخار کا مچھر ایڈیز آتا ہے جب کہ تیسرا گروہ ملیریا کے مچھروں کا ہے جس میں اینوفلیز کی مختلف اقسام شامل ہیں۔ ماحولیاتی اعتبار سے مچھر کی بہت اہمیت ہے یہ پانی میں موجود خورد ترین اجرام کو کھاتا ہے جس سے پانی صاف ہوتا ہے تو دوسری طرف یہ خود دیگر پرندوں وغیرہ کی غذا بنتا ہے۔

8.5.1 مکھی

مکھی بھی ماحولیات کا ایک اہم عنصر ہے۔ چونکہ اس کی غذا میں گندگی اور انسانی وحیوانی فضلات ہیں لہذا ماحولیات کی صفائی کے لیے یہ ایک بہترین ذریعہ ہے۔ اس کے وجود سے ماحولیات بہت سی تعفن اور آلودگیوں سے محفوظ رہتا ہے ذیل میں مکھی کی ساخت اور اس کے اعمال وحرکات کی قدرے تفصیل ہے جس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں۔ مکھی کا جسم تین حصوں پر منقسم ہے۔ سر، سینہ اور پیٹ۔ سر کا بیشتر حصہ دو عدد مرکب آنکھوں سے بنا ہوا ہوتا ہے جن کے درمیان ایک چھوٹا سا پتلا حصہ مکھی کا چہرہ بناتا ہے۔ ہر آنکھ میں ہزاروں سلیس ہوتے ہیں۔ سینے اور پیٹ کی کھال قدرے مخملیں اور باریک بالوں سے ڈھکی ہوتی ہے۔ رنگ گہرا سلیٹی ہوتا ہے جس پر گہرے تقریباً کالے رنگ

کے دھبے نظر آتے ہیں۔ مکھی کے دو عدد پر ہوتے ہیں جن کی مدد سے وہ بہت تیزی سے اڑ سکتی ہے۔ جب ہوا تیزی سے اس کے پروں سے دھکیل جاتی تو بھن بھن کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ یہاں ڈاکٹر شمس الاسلام فاروقی صاحب کی اس تحقیق پر کہ مچھر اور مکھی دونوں کی آواز پروں کی حرکت سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ سوال ہے کہ جب دونوں کے پر ہوا کے دھکیلنے سے حرکت کرتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ مچھر اور مکھی کی اڑنے کی آواز میں واضح فرق پایا جاتا ہے؟ مکھی کی آواز بھن بھن کرنے کی ہوتی ہے جب کہ مچھر کی آواز دوسری نوعیت کی ہوتی ہے۔ یہ آواز بجائے پر کے منہ سے نکلتی ہے۔ جبھی دونوں کی آواز میں واضح فرق پایا جاتا ہے۔

مکھی کے منہ میں بھی نیچے کی طرف ایک سونڈ ہوتی ہے جو مچھر کی سونڈ سے کسی قدر مختلف ہوتی ہے۔ وہ سوئی جیسی اور سر پنچ نما نہیں ہوتی بلکہ جوڑی اور جھلی دار ہوتی ہے جس کے سبب یہ عموماً منہ کے نیچے سکڑی ہوئی حالت میں رہتی ہے لیکن استعمال کے وقت بعض عضلات کی مدد اور خون کے دباؤ کی وجہ سے تن کر لمبی اور بڑی ہو جاتی ہے۔ دوسرے کیڑوں کی طرح مکھی کے بھی چھ پیر ہوتے ہیں۔ ہر پیر میں چھ جوڑے ہوتے ہیں جن کی مدد سے وہ ہر جگہ بہت آسان سے بیٹھ سکتی ہے۔ ہر پیر کا آخری سرا ایک جوڑی پنجے پر ختم ہوتا ہے جس کی مدد سے مکھی ہر قسم کی سطح پر ایک مضبوط گرفت بنا سکتی ہے۔ دونوں پنجوں کے نیچے اور درمیان میں گدے دار عضو ہوتے ہیں۔ پنجوں کے نیچے کی گدیاں قدرے پتلی تاہم درمیانی گدی چوڑی ہوتی ہے۔ ان گدے دار اعضا پر چھوٹے چھوٹے بال ہوتے ہیں جو اندر سے کھلو کھلے ہوتے ہیں اور باہری سرے پر باریک سوراخوں سے کھلتے ہیں۔ ان کے ذریعہ ایک چپ چپی رطوبت باہر نکلتی رہتی ہے۔ جو مکھی کو کسی بھی سطح پر چپکنے میں مدد کرتی ہے۔ ایک مادہ مکھی ہر روز 50 سے 175 انڈے دیتی ہے۔ انڈے دینے کے تقریباً 8 گھنٹے بعد ہی ان سے مکھی کا لاروے نکل آتے ہیں۔ یہ پانچ دن تک غلاظت اور گندگی میں پلتے اور بڑھتے رہتے ہیں اور پھر پیپوں (Pupa) میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اگلے پانچ دن بعد پیپوں سے نئی مکھیاں نکل آتی ہیں۔ فرض کیجیے اوسطاً ایک سو بیس انڈوں سے بنے والی مکھیوں میں صرف 60 ہی مادہ مکھیاں تھیں۔ ان میں سے ہر مکھی نے اوسطاً 120 انڈے دیے اور نتیجتاً بیس دن بعد یعنی کہ تیسری پیڑھی میں تین ہزار چھ سو مادہ مکھیاں تیار ہوں گی جن میں سے ہر ایک 120 انڈے دے گی۔ نتیجتاً اگلے بیس دن بعد دو لاکھ سولہ ہزار صرف مادہ مکھیاں ہوں گی جن میں سے سب 120 انڈے دیں گی اور اگلے بیس روز بعد ان کی تعداد ایک کروڑ انتیس لاکھ ساٹھ ہزار ہو جائے گی اگر یہ حال اپریل سے ستمبر تک لگایا جائے تو صرف ایک مکھی کی اولاد ممبئی شہر کو ڈھکنے کے لیے کافی ہو گی۔ الحاصل، جہاں مکھیوں سے نقصانات ہیں وہیں ان سے بہت سے مفاد وابستہ ہیں۔ مذکورہ بالا سطور سے میں مکھیوں کی ساخت اور ترکیبی نوعیت اسی لیے درج کی گئی ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ وہ ماحولیات کے لیے مفید کس طرح ہیں۔

8.5.2 ٹڈی

قرآن کریم میں جن کیڑے مکوڑوں کا تذکرہ آیا ہے ان میں سے ایک ٹڈی بھی ہے جس کا عربی نام الجراد ہے۔ اس کی ساخت یہ ہے کہ مادہ ٹڈیاں ریتیلی اور بھر بھری زمین میں نیچے انڈے دیتی ہیں۔ برسات میں جب مٹی نرم ہو جاتی ہے تب انڈے دینے کا کام زور شور سے شروع ہوتا ہے۔ ٹڈی مناسب جگہ پر بیٹھ کر اپنے پیٹ کے سرے کو زمین کے اندر گھساتی ہے۔ اس کا پیٹ چند سخت حلقوں سے بنا ہوتا ہے جو ایک دوسرے سے جھلی کے ذریعہ جڑے ہوتے ہیں۔ آرام کی حالت میں حلقے ایک دوسرے پر چڑھے ہوتے ہیں اور جھلی ان کے درمیان

چھپ جاتی ہے۔ اس وقت پیٹ کی لمبائی نارمل ہوتی ہے لیکن جب وہ انڈے دینے کی غرض سے پیٹ کے سرے کو زمین میں کھساتی ہے تو حلقوں کے درمیان کی جھلی کھنچ جاتی ہے۔ حلقے الگ الگ ہو جاتے ہیں اور پیٹ غیر معمولی لمبا ہو جاتا ہے۔ جب پیٹ کا سرا زمین میں 8 سے 15 سینٹی میٹر نیچے تک پہونچ جاتا ہے تو ٹڈی گچھوں میں انڈے دیتی ہے۔ ایک گچھے میں انڈے کی تعداد ڈیڑھ سو تک ہو سکتی ہے یہ انڈے ۸ ملی میٹر لمبے ہوتے ہیں اور دیکھنے میں چاول کے دانوں کی طرح نظر آتے ہیں۔ انڈے کے گچھے پر مادہ ٹڈی ایک جھاگ جیسی رطوبت چھوڑ دیتی ہے۔ جو خشک ہو کر اسپنج کی طرح ہو جاتی ہے۔ اس طرح انڈے ایک قبر نما جگہ میں محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اپنی زندگی میں ایک مادہ اتنے انڈے کئی بار دیتی ہے۔ انڈوں سے ڈیڑھ سے چار ہفتوں کے اندر ننھے بچے نکل آتے ہیں۔ بچے اسپنج کاٹ کر باہر نکلنا شروع ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے میدانوں پر محیط تولیدی علاقوں میں ہزاروں لاکھوں بلوں سے کروڑوں کی تعداد میں ننھے بچے کود کر نکلتے ہیں اور ایک فوج کی شکل میں غذا کی تلاشی میں مل کر مارچ کرتے ہیں۔ ایک ٹڈی کی یومیہ خوراک اوسطاً 2 سے 3 گرام ہری پتیاں ہوتی ہے۔ اس حساب سے ایک کروڑ ٹڈیوں کی روزانہ خوراک بیس سے تیس ہزار کلو گرام ہری پتیاں ہوگی۔ فرض کیجئے کہ ٹڈیوں کا دل چند مربع میل میں پھیلا ہوا ہے اور وہ ایک مقام پر صرف چند روز قیام کرلیتا ہے اس سے ہونے والی تباہی کا اندازہ کرنا زیادہ دشوار نہ ہوگا۔ ٹڈی ایک خورد کیڑا ہے اور شریعت اسلامیہ نے بھی اس کے کھانے کیا جازت دی ہے۔ تاہم ٹڈی فطری ماحولیات کے لیے مضر ہے یہ تمام نباتات وزراعت اور میوہ جات کے لیے مہلک تصور کی جاتی ہے۔

8.5.3 شہد کی مکھی

یہ بھی ایک کیڑا ہے جس کا تذکرہ قرآن میں آیا ہے یہ ماحولیات دوست بھی ہے کیونکہ مختلف پھولوں سے رس چوس کر یہ انسانوں کے لیے غذا اور دوائیاں تیار کرتی ہے۔ اس اہمیت کے پیش نظر اس سے متعلق کچھ تفصیلات ذیل کی سطور میں درج کی جارہی ہیں۔

شہد کی مکھی کے چھتے کی چالیس سے اسی ہزار مکھیوں میں صرف ایک مادہ مکھی ایسی ہوتی ہے جس میں تولیدی صلاحیت ہوتی ہے یعنی وہ انڈے دے سکتی ہے۔ یہ مکھی رانی کہلاتی ہے اور قامت کے اعتبار سے سب سے بڑی ہوتی ہے۔ مختلف نر مکھیوں سے حاصل کیا ہوا مادہ منویہ ان کے جسم میں سالوں کے لیے محفوظ ہو جاتا ہے۔ نئی رانی مکھیاں اور کارکن مکھیاں پیدا کرنے کے لیے وہ اپنے انڈوں کا بارور کرتی ہیں۔ شہد کی مکھی کے چھتے میں رانی کے علاوہ سب سے بڑی تعداد کارکن مکھیوں کی ہوتی ہے جو مادہ لیکن بانجھ ہوتی ہیں یعنی وہ انڈے دینے کی صلاحیت نہیں رکھتی ہیں۔ چھتے کے تمام تر کام مثلاً چھتے میں نئے خانوں کا اضافہ انڈوں اور بچوں کی دیکھ بھال، لاروں اور رانی کو کھلانا اور ان کے خانوں کی صفائی، باہر جا کر پھلوں اور پھولوں کا رس چوسنا اور شہد تیار کرنا اور پھر اسے چھتے کے خانوں میں ذخیرہ کرنا، اگر غیر چھتے کی مکھیاں شہد چرانے آئیں تو ان سے لڑنا ان ہی رضاکار مکھیوں کے کام ہیں۔ رانی مکھی کے انڈوں سے تین دن بعد لاروے نکل آتے ہیں۔ نئی کارکن مکھیاں پہلے دس دن چھتے میں رہ کر لاروں کی دیکھ بھال کرتی ہیں اس کے بعد وہ چھتے میں نئے خانوں کی تعمیر میں لگ جاتی ہیں۔ اس عرصہ میں ان کے پیٹ کے نیچے کے حصہ میں موجود کچھ غدود متحرک ہو کر موم پیدا کرتے ہیں جو پرتوں کی شکل میں باریک سوراخوں سے باہر نکلتے ہیں۔ مکھیاں اسے منہ میں لے کر گوندھتی ہیں اور پھر کسی ماہر معمار کی طرح پہلوی خانے تیار کراتی ہیں۔ اللہ نے انہیں بھی ایسی بے مثال صلاحیت اور طریقہ

ودیعت کی ہے کہ ان کے تعمیر کئے ہوئے خانوں میں معمولی سا بھی فرق نہیں آتا۔ رانی کے خانے سب سے بڑے اور چھتے میں نیچے کی طرف لٹکے ہوتے ہیں۔ مکھی جب رس کے لیے ایک پھول سے دوسرے پر جاتی ہے تو زیرے کا کچھ حصہ انجانے میں خود بہ خود دوسرے پھولوں تک پہونچ جاتا ہے۔ بعض پودوں میں نر اور مادہ پھول ہوتے ہیں الگ الگ اس لئے مکھی کا یہ عمل زیر گی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ مکھیوں کا شہد چھتے میں جمع ہو جاتا ہے اور بالآخر انسان کے کام آتا ہے۔

اطباء اس پر متفق ہیں کہ شہد ایک بہترین دوا اور ٹانک ہے۔ یہ مقوی بدن ہے، معدہ کو طاقت دیتا ہے، بھوک کو بڑھاتا ہے، بوڑھوں کو توانائی بخشتا ہے، مخرج بلغم ہے، پیٹ کو نرم کرتا ہے اور باؤلے پن میں مفید ہے۔ اس کا استعمال بالوں کو ملائم کرتا ہے اور لمبا بھی۔ اس کا سرمہ آنکھوں کو روشنی دیتا ہے اور منجن نہ صرف دانتوں کو چمکاتا ہے بلکہ مسوڑھوں کی حفاظت بھی کرتا ہے۔ اگر شہد کو کثرت سے کھایا جائے تو استسقاء (Hydrocephalus)، فالج، لقوہ اور زہروں کے اثرات کو ختم کرتا ہے اور امراض سر اور سینہ میں مفید ہے۔ شہد پیاس کو بجھاتا ہے۔ پتھری کو خارج کرتا ہے معدے، باہ اور بصارت کو قوت بخشتا ہے۔ دمہ کے مریضوں میں شہد کو نالیوں کی گھٹن کو دور کرنے اور بلغم نکالنے کے لیے گرم پانی میں ملا کر پلانے سے بہتر کوئی دوا نہیں ہے۔ دمے کے مریضوں کو اگر دورے کی شکل میں ابلتے ہوئے پانی میں شہد ملا کر تھوڑی دیر بعد چمچہ چمچہ پلائیں تو دورہ ختم ہو جاتا ہے اور مزید علاج کی ضرورت نہیں رہتی۔

8.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- اسلام میں ماحولیات کی اہمیت کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم میں ان پر غور و تدبر کی دعوت دی گئی ہے تاکہ انسان ان مظاہر فطرت کے ذریعہ اللہ تک پہنچ سکے۔ قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں مختلف مظاہر فطرت مثلاً شجر و حجر، شمس و قمر، سرسبز وادیاں، بیل بوٹے، گلی اور غنچے، ہری بھری زمین، نیل، آسمان، رنگ، بو، درخت، سنگلاخ وادیاں، بلند قامت پہاڑ اور دیگر کائناتی نور و نکہت اور آفاقی رعنائی اور جمالیات وغیرہ کا تذکرہ نہ صرف ان مظاہر فطرت کی اہمیت اور افادیت کو ثابت کرتا ہے، بلکہ ان کے صانع اور خالق پر ایمان اور توحید کی بھی دعوت دیتا ہے۔
- کسی کا خلیفہ اور نائب ہونے کا مطلب ہوتا ہے اس امر میں اس کی جانب سے نگرانی کرے ترقی اور تعمیری کام کرکے چیز کو بچائے نہ یہ کہ تخریبی کام کرے اور جس میں خلیفہ بنایا گیا تھا اس میں فساد پھیلائے۔ پس اللہ کا خلیفہ ہونے کا مطلب بھی یہی ہوا کہ جو چیزیں انسان کے علاوہ ہیں ان کی نگرانی کرے اور بگاڑ سے بچائے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمام چیزیں زمین میں تمہارے لیے پیدا کیا (بقرہ:29)۔ بہر حال یہ تو اللہ نے تمام چیزیں ہمارے لیے پیدا کیں اس سے مراد تعمیری خلافت ہے نہ کہ تخریبی۔ یہ خلافت ارضی امتحان کے طور پر ہے تاکہ اللہ تعالیٰ آزمائے کہ ان چیزوں کے تئیں انسان کیا رویہ اختیار کرتا ہے چنانچہ ارشاد وباری ہے: (اور اسی نے تم کو نائب کیا ہے زمین میں تاکہ آزمائے تم کو اپنے دیے ہوئے حکموں میں) (الانعام:165)۔

- اسلام پاکی، صفائی اور طہارت کا مذہب ہے۔ قرآن کریم میں سترہ(17) مقامات پر طہارت اور اس کے مشتقات استعمال ہوئے ہیں اور تقریباً تینتالیس(43) مقامات پر طیب اور اس کے مشتقات استعمال ہوئے ہیں۔ اسلام کو گندگی پسند نہیں۔ مذکورہ طہارت جس کا ذکر قرآن میں ہوا ہے صرف بدن یا کپڑے کی صفائی تک محدود نہیں بلکہ کھانے اور پینے کی اشیاء تک وسیع ہے۔ قرآن میں صاف غیر گندہ اور غیر آلودہ کھانے کی تلقین کرتا ہے اور ارشاد ہے:"وکلو مما رزقکم الله حلا طیبا"(مائدہ:88)۔ ترجمہ: اور کھاؤ جو کچھ اللہ نے تمہیں روزی دی ہے حلال وپاکیزہ۔ اس آیت میں لفظ جلال کے بعد طیب کا اضافہ بتارہا ہے کہ روزی حلال ہونے کے ساتھ صاف ستھری بھی ہونے چاہئے یعنی غیر آلودہ(unpolluted)۔ یہی قرآن کا مقصد ہے اس سے قرآن کا ماحولیاتی صفائی کا نظریہ بھی واضح ہوتا ہے۔
- حیوی توازن کہتے ہیں ایک نوع کی حیات کے گروہ میں اعتدال اور توازن جہاں اختلاف علی حالہ باقی رہتا ہے۔ سائنسداں تسلیم کرتے ہیں کہ کائنات کے ہر حیاتی وغیر حیاتی گروہ میں اعتدال ہے جس توازن سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ امر مشاہدہ بھی ہے کہ کائنات کی ہر چیز میں توازن رکھی گئی مثلاً فضا میں آکسیجن، کاربن اور نائٹروجن کی ایک خاص مقدار ہے۔ اگر اس مقرر مقدار میں کسی بھی گیس میں مذکورہ مقدار کے علاوہ مقدار ہو جائے تو دنیا کا موجودہ نظام نہیں چل پائے گا۔
- قرآن کریم کی متعدد آیات میں اس اعتدال کا تذکرہ آیا ہے۔ ارشاد ہے: بے شک ہم نے ہر چیز ایک اندازے سے پیدا فرمائی (قمر: 49)دوسری جگہ ارشاد ہے:"وخلق کل شیء فقدرہ تقدیراً"(فرقان:2)۔ اس نے ہر شئی پیدا کر کے ٹھیک اندازے پر رکھی۔" ایک اور جگہ ارشاد ہے: اور اس زمین میں ہر شئی اندازے سے اگائی(حجر:19)۔ ان تمام آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز میں ایک مقدار معلوم اور اندازہ ہے جس کو ماحولیاتی توازن(ecological balance) کہتے ہیں۔

8.7 کلیدی الفاظ

1. ماحولیات	:	Environment
2. مظاہر فطرت	:	Natural Phenomenon
3. حیاتیاتی تنوع	:	Bio-Diversity
4. نظام حیات	:	Ecosystem
5. غیر ذی حیات مادہ	:	Abiotic Substance
6. حیوی توازن	:	Ecological balance
7. غذائی جال	:	Food Web
8. پانی کا چکر	:	Water Cycle

9. کہکشاں : Glaxies

10. زمین کا خطہ وار ڈھانچہ : Zonal Structure

11. حشرات الارض : Insects

8.8 نمونی امتحانی سوالات

8.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. ماحولیات (environment) کے لفظی معنی ہیں؟

(a) آسمان (b) زمین (c) اطراف (d) کوئی نہیں

2. دنیا کو کس کے فائدہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے؟

(a) فرشتے (b) جنات (c) انسان (d) کوئی نہیں

3. انسان زمین پر اللہ کا کیا ہے؟

(a) محتاج (b) محکوم (c) خلیفہ (d) بندہ

4. کرۂ فضا میں کل کتنے طبقات ہیں؟

(a) 9 (b) 8 (c) 7 (d) 10

5. ایکو سسٹم کا معنی ہے:

(a) نظام شمسی (b) نظام قمری (c) نظام حیات (d) نظام سماوی

6. قران میں کتنی بار لفظ "ماء" یعنی پانی کا تذکرہ ہے؟

(a) 59 (b) 60 (c) 61 (d) 20

7. قران کریم میں کتنی بار لفظ طہارت اور اسکے مشتقات کا استعمال ہوا ہے؟

(a) 17 (b) 20 (c) 25 (d) 50

8. حیوی توازن کسے کہتے ہیں؟

(a) تمام انواع حیات میں اتفاق (b) تمام انواع حیات میں اختلاف (c) ایک نوع کی حیات میں توازن جہاں اختلاف علی حالہ باقی رہے

9. غذائی جال یعنی فوڈ ویب کیسے بنتا ہے؟

(a) ایک چیز کو ایک ہی چیز کھائے (b) ایک چیز کو دو چیزیں کھائیں (c) ایک ہی چیز کو سب کھائیں (d) کوئی نہیں

10. پانی کا چکر یعنی واٹر سائیکل کسے کہتے ہیں؟

(a) بار بار پانی بننے کے عمل کو (b) پانی برسنے کے عمل کو (c) بادل بننے کے عمل کو (d) کوئی نہیں

8.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. ماحولیات میں انسان کا رول کیا ہے؟ بیان کیجیے۔
2. قران میں پانی کی کیا اہمیت بتائی گئی ہے؟ واضح کیجیے۔
3. قران میں غذائی جال کے متعلق کیا بیان ملتا ہے؟
4. قران کی کس آیت میں زمینی این دھن کا تذکرہ ہے؟ بیان کیجیے۔
5. قرام میں شہد کی مکھی کی کیا تفصیل ملتی ہے؟

8.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. اسلام میں ماحولیات کی کیا اہمیت ہے؟ بیان کیجیے۔
2. اسلام کا نظریہ ماحولیات کیا ہے؟ بیان کیجیے۔
3. قران میں کن اہم نباتات کا تذکرہ ہوا ہے؟ واضح کیجیے۔

8.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

.1	قران اور ماحولیات	:	شفیع حیدر صدیقی دانش
.2	التلوث البیئی (ماحولیاتی کثافت)	:	اسلامک فقہ اکیڈمی، الہند، 2015
.3	موسم کی تبدیلی	:	انیس الرحمن ندوی، مرکز علوم القرآن، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، 2013
.4	آبی وسائل	:	اسلامک فقہ اکیڈمی، نئی دہلی
.5	Noise Pollution and Control Strategy	:	ایس۔ پی۔ سینگل، پبلشنگ ہاوس، نئی دہلی، 2005

اکائی 9: اسلام میں ماحولیات کی حفاظت

اکائی کے اجزا

9.0 تمہید

9.1 مقاصد

9.2 ماحولیاتی بحران

9.3 فضائی آلودگی

9.3.1 اسلام میں ہوا کی اہمیت

9.4 آبی آلودگی

9.5 مٹی کی آلودگی

9.6 صوتی آلودگی

9.7 عالمی شدت حرارت

9.7.1 تعارف

9.7.2 اسباب اور اس کے ذمہ دار

9.7.3 مرتب اثرات

9.7.4 مستقبل کے خدشات

9.8 ماحولیاتی بحران کا تیسرا عظیم مظہر اوزون تہہ میں شگاف

9.8.1 اوزون کی خفت

9.9 ماحولیاتی توازن (Ecological Balance)

9.10 حیاتیاتی تنوع (Bio Diversity)

9.10.1 عالمی نسلوں کا بحران

9.10.2 حیاتیاتی تنوع کا فقدان اور قرآن

9.10.3 حیاتیاتی تنوع کا تحفظ اور حدیث
9.11 بتدریج ترقی (Sustainable Development)
9.12 اکتسابی نتائج
9.13 کلیدی الفاظ
9.14 نمونہ امتحانی سوالات
9.14.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
9.14.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
9.14.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
9.15 تجویز کردہ اکتسابی مواد

9.0 تمہید

اس اکائی میں اسلام میں ماحولیاتی تحفظ کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔آج دنیا نت نئے ماحولیاتی مسائل سے دوچار ہے مثلا آلودگیاں، اوزون پرت کی خفت، عالمی شدت حرارت، اور دیگر بہت سے ماحولیاتی مسائل۔ اس اکائی میں انہیں ماحولیاتی مسائل کا تفصیلی تذکرہ ہے اور اسلام میں ان مسائل کا کیا حل پیش کیا گیا ہے اس سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس ضمن میں قرآن اور احادیث سے بلاواسطہ استفادہ کیا گیا ہے۔ نیز مفسرین، شارحین احادیث کے اقوال اور اسلامی تاریخ کی روشنی میں ان مسائل کا قابل عمل اور آسان حل پیش کرنے کی بھر پور کوشش کی گئی ہے۔ عمومی طور پر مسائل معلوم ہوتے ہیں اس لئے انکی جانب قدرے تفصیل سے اشارہ کر دیا گیا ہے۔ تاہم ان مسائل کے اسلامی حل سے مفصل بحث کی گئی ہے۔ اسلام میں انسان کو ماحول کے تحفظ کے حوالے سے کس طرح کی تعلیمات دی گئیں ہیں۔ ان سب امور کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

9.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد اسلام میں ماحولیات کے تحفظ کو بتانا ہے۔ اسلام میں مختلف عناصر ماحول مثلا پانی، ہوا، مٹی، پیڑ پودے وغیرہ چیزوں کے حوالے سے انسان کو کس طرح کا برتاو کرنے کی تلقین کی گئی ہے؟ اسلام کی نظر میں ان عناصر ماحول کا کیا مرتبہ اور درجہ ہے؟ اسلام کی نظر میں انسان کے لئے ان عناصر ماحول کی کیا ضرورت ہے؟ اسلام کی نظر میں ماحولیات کی کیا حیثیت ہے؟ اس اکائی میں ان سب امور کا تحقیقی اور تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اس اکائی میں قرآن اور احادیث کو براہ راست دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

9.2 ماحولیاتی بحران

مفہوم:

ماحولیاتی بحران عبارت ہے ان ماحولیاتی مسائل سے جس کا آج نسل انسانی مقابلہ کر رہی ہے۔ ان مسائل میں عالمی شدت حرارت، اوزون پرت میں خفت، تیزابی بارش اور جنگلات کے خاتمہ کی شمولیت ہے۔ یہ مسائل ماحولیاتی ہیں لیکن اس کا حل لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ ان مسائل کے بہت سے اسباب ہیں جس میں تکنیکی ترقی بھی شامل ہے۔ صنعتی انقلاب اور آزاد مارکیٹ معاشیات یعنی پیداوار کی کثرت اور وسائل کا استحصال نے ماحولیاتی بحران میں خاص کردار ادا کیا ہے۔

ماحولیاتی بحران کے بہت سے علامات ہیں۔ UNEP کے مطابق گیارہ (11) فی صد پرندے کو سنجیدہ خطرات لاحق ہیں اور عالمی شدت حرارت کی وجہ سے دنیا کا آدھا حصہ خطرہ میں ہے۔ اَسّی (80) فی صد جنگلات معدوم ہو چکے ہیں۔ لاکھوں شہری باشندے فضائی آلودگی سامنا کر رہے ہیں جو انسانی صحت کے لیے مضر ہے۔ عالمی شدت حرارت کے سبب سمندری سطح کے بلند ہونے کا اندیشہ ہے۔

آلودگی کی تعریف:

یہ کی گئی ہے "ماحول کے کسی عنصر (زمین، پانی اور ہوا وغیرہ) کا اپنی فطری ساخت و ترکیب سے منحرف ہو جانا اس طور پر کہ وہ زندگی (حیواناتی و نباتاتی) پر منفی اثر ڈالے"۔ یہاں ہم لفظ: پالوشن کی مناسبت سے عربی لفظ "فساد" کی تحقیق کرنا چاہیں گے۔ عربی لفظ فساد دراصل "صلاح" کی ضد ہے، صلاح کے معنی ہیں کسی چیز کا اصل حالت پر باقی رہنا اور اس میں توازن قائم رہنا کہتے ہیں۔ "صَلَحَ اللَّحْمُ" یعنی گوشت صحیح ہے اور اپنی فطری حالت پر ہے لہذا "فساد" کے معنی کسی شی کی اصل یا قدرتی حالت کا منحرف ہو جانا اور توازن کا بگڑ جانا اور اس کا منفی رویہ اختیار کر لینا۔ اس تفصیل سے عربی لفظ "فساد" اور انگریزی لفظ پالوشن (pollution) میں مطابقت ہے دونوں کا قدرے مشترک یہ ہے کہ چیز اصل حالت کھودے اور منفی رویہ اختیار کرے۔ اس تفصیل کے بعد امر قابل عرض یہ ہے کہ قرآن میں متعدد بار فساد کی ممانعت آئی ہے۔ میرا مدعلیہ ہے کہ جب لفظ فساد اور pollution کا معنی و مفہوم مترادف ہے تو جس طرح فساد کی ممانعت ہے ایسی ہی بحکم قرآن pollution کی ممانعت ہو گی اور جس طرح مفسدین اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں اور عتاب الٰہی کے مستحق اور مورد ہو سکتے ہیں۔ اِس بات کی تائید قرآن حکیم کی ایک دوسری آیت سے بھی ہوتی ہے ارشاد و باری ہے: "وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ" (بقرہ: 205)۔ ترجمہ: جب اسے قوت ہو جاتی ہے تو وہ زمین میں فساد برپا کرنے کی جانب توجہ مرکوز کرتا ہے، زراعت کو ہلاک کرتا ہے اور نسل کو تباہ کرتا ہے اور اللہ فساد پھیلانے والوں کو ناپسند فرماتا ہے۔ اس آیت سے سماجی فساد پھیلانے والوں اور فساد کی ایک دوسری قسم زراعتی فساد پھیلانے والوں دونوں کو اللہ ناپسندیدہ بتایا گیا ہے۔ الحاصل یہاں لفظ فساد کو عام مفہوم یعنی سماجی فساد کے علاوہ زراعتی فساد کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے لہذا تباہی و ہلاکت کی دیگر صورتوں مثلاً زمینی، آبی و فضائی فساد وغیرہ پر لفظ فساد کا اطلاق ہو گا اور تمام طرح کے مفسدین پر لفظ polluters کا اطلاق ہو گا۔ جو مذکورہ تفصیل کے مطابق عذاب الٰہی کا شکار

ہو سکتے ہیں۔

9.3 فضائی آلودگی

ہوا قدرت کا ایک قیمتی سرمایہ ہے یہ نباتات اور حیوانات کی زندگی کے لیے یکساں اہمیت کا حامل ہے۔ ہوا کے بغیر زندگی کا تصور محال ہے۔ ہماری سانس جس پر زندگی کا انحصار ہے ہوا کے بغیر چل نہیں سکتی۔ اسی ضرورت کے تحت قدرت نے اس کی ارزانی کر رکھی ہے۔ کوئی جگہ ہوا سے خالی نہیں۔ درجہ ذیل سطور میں ہوا کے چند اہم پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے۔

فضائی سطح جو زمین سے چند کلو میٹر اوپر تک ہے کئی مختلف عناصر پر مشتمل ہے۔ اس میں جامد بھی ہے، مائع بھی ہے اور گیس بھی ہیں۔ یہ عناصر کیمیاوی اور طبعی طور پر ہوا کے زریعہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔ یہ عناصر اپنا راستہ یا تو سمندر ہی بناتے ہیں یا پھر انسانوں کی سانس میں۔ فضائی سطح میں 78 فی صد نائٹروجن ہے اور 20 فیصد آکسیجن ہے اور بقیہ ایک فیصد میں کاربن ڈائی آکسائیڈ، ہیلیم، آرگن، نائٹروکسائڈ وغیرہ ہوتے ہیں۔ بہت سے اسباب آلودگی ہوا کو آلودہ کررہے ہیں جن کی وجہ سے زہر، بیماریوں اور تنفسی دباؤ پیدا ہو رہے ہیں۔ الحاصل بنیاد طور پر انسان ہی آلودگی کا سبب ہے۔ ذیل کے سطور میں اسلام میں فضائی آلودگی کے ازالہ کی تدابیر سے بحث کی گئی ہے۔

9.3.1 اسلام میں ہوا کی اہمیت

اسلام میں ہوا کی اہمیت اسی سے مفہوم ہوتی ہے قرآن کریم میں ایک مستقل سورۃ ہی ہوا کے نام سے ہے یعنی سورہ المرسلات جس کے معنی ہیں دل خوش کن ہو یا نفع بخش ہوا۔ نہ صرف قرآن میں مطلق ہوا کا تذکرہ ہوا ہے بلکہ اس کی انواع واقسام کی طرف بھی صراحت ہے چنانچہ اسی سورت میں چار طرح کی ہواؤں کا تذکرہ ہے۔ ان چاروں قسموں کی ہواؤں کی اللہ نے قسم کھائی ہے۔ یہ بات معلوم ہے کہ قسم سے مقسم بہ کی تعظیم کی طرف اشارہ ہوتا ہے چنانچہ خدا کی ان چار قسموں کی ہواؤں کی قسم کھانے سے ان کی عظمت کی طرف بھی اشارہ مل گیا یعنی اللہ کے نزدیک ہوا ایک عظیم مخلوق ہے۔ الحاصل جن چار قسموں کی ہوائیں کی قسم کھا کر تذکرہ کیا گیا وہ یہ ہیں۔

(1) وہ ہوا جو نفع پہونچاتی ہیں

(2) وہ ہوا جو سختی سے چلتی ہیں

(3) وہ ہوا جو بادلوں کو اٹھا کر پھیلاتی ہیں

(4) وہ ہوا جو بادلوں کو متفرق کر دیتی ہیں۔

ظاہر ہے جب یہ چار نوع کی ہوا ہیں تو ایک نوع یقینا دوسرے سے مختلف و منفرد ہوگی۔ ان کے علاوہ بھی قرآن میں مختلف مقام پر ہواؤں کا تذکرہ ہوا ہے کہیں یہ انسانوں اور زراعت کی شادمانی کا سبب ہوتی ہے تو کہیں قوموں کی ہلاکت اور عذاب کا باعث بنی ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے: اور وہی ہے کہ چلاتا ہے ہوائیں جو خوشخبری دینے والی ہیں اس کی رحمت یعنی بارش سے پہلے۔ یہاں تک کہ جب وہ اٹھالاتی ہیں

بھاری بادلوں کو تو ہم ہانک دیتے ہیں اس بادل کو ایک شہر مردہ کی طرف۔(اعراف:57)۔

اس آیت میں واضح طور پر ہواؤں کے ذریعہ اللہ اپنا تعارف پیش کر رہا ہے کہ اللہ وہ ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے۔ اس سے اسلام میں ہوا کی عظمت مفہوم ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی سرۃ حجر، کہف، فرقان، نمل روم اور سورہ فاطر میں ہواؤں کا تذکرہ ہوا ہے۔ سورہ فاطر میں تو صراحت ہے کہ ہواؤں کے چلنے میں اللہ نشانی ہے یعنی ہوا کو اللہ نے اپنے ہونے کی نشانی کے طور پیش کیا ہے۔ اس سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ جس چیز کو اللہ نے اپنے وجود کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے اسلام میں کتنی اہمیت ہوگی۔ ذیل میں اسلام نے فضا کو آلودہ ہونے سے کیسے محفوظ رکھا ہے اس کا تذکرہ ہے۔

آج سائنسدان اور ماہرین تسلیم کرتے ہیں کہ فضائی آلودگی کا افتتاح انسان کے آگ کے ایجاد کرنے کے عمل سے شروع ہوا ہے۔ پروفیسر ایم۔ این۔ راؤ اپنی تصنیف *Air Pollution* میں صراحتاً تحریر کرتے ہیں:

Prehistoric man built a fire in his cave for cooking, heating, and to provide light.

The problem of air pollution came into existence at this time.

اس عبارت میں صراحت کی گئی ہے کہ فضائی آلودگی کی شروعات آگ کے ایجاد سے ہوئی ہے۔ قابل توجہ امر یہ ہے کہ اسلام نے فضائی آلودگی کے اس اہم ذریعہ اور سبب سے کیسے اجتناب کیا ہے اور ہوا کے فضائی آلودگی سے بچایا ہے۔

مسلم نے کتاب الصلوۃ، باب بدء الأذان میں حضرت انس بن مالک کی روایت نقل کی ہے: ذكَرُوا أَنْ يعْلِمُوا وَقْتَ الصَّلاةِ بِشَيْء يَعْرِفُوْنَهُ فَذَكَرُوا أنْ يُنَوِّرُوا نَارا...الخ۔ ترجمہ: جب نبی ﷺ نے نماز باجماعت کے لیے لوگوں کو جمع کرنے کی خاطر اپنے اصحاب سے مشورہ طلب کیا تو کسی نے مجوسیوں کی طرح اونچے مقام پر آگ روشن کرنے کا مشورہ دیا۔ مگر نبی ﷺ نے اس مشورہ کو مسترد کر دیا۔ اگر نبی ﷺ اس مشورہ کو منظور کر لیتے تو آج دنیا میں بیک وقت نہ جانے کتنے آگ روشن ہوتے اور وہ بھی ایک دن میں پانچ بار اس صورت میں ہماری فضا کا جو حال ہوتا ہے وہ ناقابل بیان ہے۔ مگر آپ ﷺ نے اس مشورہ کو رد کر کے فضا کو آلودہ ہونے سے بچالیا۔ اور فضائی آلودگی کے سب سے اہم سبب کا انسداد کیا۔ اسی طرح اسلام نے مردوں کو جلانے سے منع کیا ہے بلکہ ان کو زیر زمین دفن کرنے کا نظام ہے کیونکہ جلانے سے آگ کے شعلوں کی وجہ سے کرہ فضا آلودہ ہوتی ہے۔

آج فضائی آلودگی کے اکثر اسباب مثلاً: Sulphur Dioxide, Oxide of Nitrogen, Hydrogen, Fluoride, Hydrogen Sulphide, Organic Vapours, Carbon Monoxide وغیرہ سب آگ اور جلنے کے عمل کا نتیجہ ہے۔

فضائی تحفظ کے لیے شجرکاری بہت ضروری ہے اشجار ہی ہمیں آکسیجن فراہم کرتے ہیں اور CO_2 کو جذب کرتے ہیں۔ اس لیے بخاری، ابواب الاحکام، باب فی فضل الغرس میں ترمذی سے روایت ہے: ما من مسلم يغرس غرسا أو يزرع زرعا فيأكل منه إنسان أو طير أو بهيمة إلا كانت له صدقة۔ ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: جو کوئی پودا بوتا ہے یا کھیتی کرتا ہے پھر اس سے پرندے انسان یا

چوپائے کھاتے ہیں مگر وہ اس کے لیے صدقہ ہوتا ہے۔ اس روایت سے شجر کاری کرنے کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

اسی طرح فتاویٰ عالم گیری میں ایک فقہی جزئیہ نقل کیا ہے جس سے شجر کاری کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ جزئیہ یہ ہے کہ مثلاً ایک زمین فقرا پر وقف ہو اور متولی سے کسی نے اس کو کرایہ پر لے لیا اور اس میں درخت یا پودے لگا دیے پھر کرایہ دار کا انتقال ہو گیا تو یہ درخت ارض موقوفہ سے کاٹے نہیں جائیں گے بلکہ کرایہ دار کے وارثین کے ہو جائیں گے۔ اس مسئلہ سے شجر کاری کی اہمیت وافادیت واضح ہوتی ہے۔

شجر کاری کی اہمیت اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ کسی کی کوئی قناۃ یعنی پل ہے اور اس پر کسی قوم کے درخت لگے ہیں اب صاحب قناۃ کا ارادہ ہے کہ اس نہر سے قناۃ کہیں دوسری جگہ منتقل کر لے تو اس کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ مسئلہ شجر کاری کی اہمیت پر ایک دلیل ہے۔

ایک فقہی جزئیہ یہ ہے کہ بائع نے مشتری پر درخت کی ٹہنیاں توڑنے کا دعویٰ کر دیا اور مشتری نے کہا کہ ٹہنیاں توڑنا ضروری تھا تو اہل علم سے پوچھا جائے گا اگر وہ کہیں کہ ضروری نہیں تھا تو مشتری پر ضمان لازم آئے گا۔ اس مسئلہ میں درخت کی ٹہنیوں کو تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔

شجر کاری کی اہمیت اس سے مفہوم ہوتی ہے کہ وقف کی زمین تو کرایہ پر لینے والے کے لیے اس میں شجر کاری جائز ہے بشرطیکہ زمین کا نقصان نہ ہو خواہ متولی نے صراحت کے ساتھ اجازت دی ہو یا نہ دی ہو۔

شجر کاری کی اہمیت اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ اگر کسی وقف کی زمین تو کرایہ پر لیا اور اس میں درخت لگا دیے اور کرایہ کی مدت پوری ہو گئی اب جن کے لیے زمین وقف تھی وہ درخت کے اکھاڑنے کا مطالبہ کر رہے ہیں تو ان کو اس کا حق نہیں ہے۔

یہاں موقوف علیہم کے درخت اکھاڑنے کے مطالبہ کو مسترد کر دیا گیا ہے اس سے اسلام میں شجر کاری کی اہمیت مفہوم ہوتی ہے۔

الحاصل ان جزئیات سے اسلام میں شجر کاری کی اہمیت واضح ہوتی ہے جو فضائی آلودگی سے تحفظ کا ضمان فراہم کرتی ہے۔

9.4 آبی آلودگی

بشمول انسان کے اکثر جانداروں کے جسم کے وزن کا تقریباً 70 فی صد پانی ہے۔ پانی زندہ اجسام کے بدن میں توانائی پھیلانے کا ایک اہم مادہ ہے۔ دراصل پانی کی وجہ سے ہی اس سیارہ پر زندگی کا امکان ہے۔ زندہ مادے اپنے اندر کیمیاوی تعامل کے لیے پانی کا استعمال کرتے ہیں۔ زندہ جانداروں کے بدن میں تمام حیاتی وکیمیاوی رد عمل پانی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ پانی کو اس اعتبار سے استثنائی حیثیت حاصل ہے کہ وہ مادہ کے کیمیائی فطرت کو بدلے بغیر ان کو تحلیل کر دیتا ہے اور اس طرح جسم میں مواد منتقل کرنے کا کام کرتا ہے۔ خون کا اکثر حصہ پانی ہے جس کے ذریعہ بدن تک آکسیجن سپلائی ہوتا ہے۔ کیمیائی اثر کرنے والے مادے بھی خون کے رفتار کی بدولت سفر کرتے ہیں۔ مادہ منویہ بھی پانی کے ذریعہ حرکت کرتا ہے۔ بڑے پودوں میں غذائی منتقلی جڑ سے دوسرے حصوں تک پانی کے ذریعہ ہوتی ہے۔ پانی ہی وہ مادہ ہے جو

مادے کی تینوں حالت میں موجود رہتا ہے۔ یعنی بھاپ، سیال اور جامد۔ پانی کی اس اہمیت کے پیش نظر قرآن کریم میں پچاس سے زیادہ مقامات پر بطور انعام الٰہی اس کا مکرر تذکرہ ہوا ہے۔ بصورت نافرمانی اس کے سوتوں کے خشک ہو جانے کے وعید وارد ہوئی ہے۔ قرآن کریم میں پانی کو تمام organism کا مبدأ قرار دیا ہے ارشاد ہے: (اور ہم نے ہر زندہ چیز پانی سے پیدا کیا)، (انبیاء:30)۔ اس کا ایک مفہوم یہ بھی نکلتا ہے کہ پانی کے بغیر زندگی کا تصور ممکن نہیں ہے۔ پانی کی اس اہمیت وضرورت کے تحت اسلام نے اس کو مباح قرار دیا ہے۔ سمندروں، پہاڑی وغیرہ کا پانی کسی کی ملکیت نہیں ہے نبی ﷺ کا ارشاد ہے: (لوگ تینوں چیزوں میں شریک ہیں (1) پانی (2) گھاس اور (3) آگ۔ یہاں تک کہ اگر کسی کی ذاتی نہر ہے یا کنواں ہے تو وہ لوگوں کو اس سے مستفید ہونے سے روک نہیں سکتا۔

اسلام میں پانی کی اہمیت اس سے مفہوم ہوتی ہے کہ یہ اکثر طہارت شرعیہ ہے، حیض، نفاس، جنابت، استنجاء، نجاست غلیظہ، خفیفہ اور دیگر احداث سے ایک مسلم کو شرعی طور پر پاک کر دیتا ہے یہی نہیں پانی اصلاً پاک ہے۔ جب تک کہ کسی نجاست کے واقع ہونے کا علم نہ ہو جائے اور پانی کے بڑے ذخیروں میں تو نجاست واقع ہونے سے بھی وہ ناپاک نہیں ہوتا جب تک کہ پانی کا رنگ، بو اور مزہ نہ بدل جائے۔

پانی کو اسلام نے اتنی اہمیت دی ہے کہ اس کو ایک قیمتی چیز تصور کیا ہے یعنی اس کو بیچا اور خریدا جا سکتا ہے۔ الحاصل، ہوا کے بعد پانی جانداروں کی بنیادی ضرورت ہے۔ اس وجہ سے قدرت نے ہوا کی طرح پانی کو بھی عام کر دیا ہے اور اس کی فراوانی رکھی ہے۔ دنیا کا تین حصہ پانی ہی ہے جو سمندروں، نہروں، کنواں، زیر زمین، جھیلوں اور حوض جیسی مختلف صورتوں میں دنیا میں موجود ہے۔ پانی کے متعدد استعمال ہیں مثلاً پینے، کھانا بنانے، برتن اور کپڑے وغیرہ دھونے، زراعت اور باغات کو سیراب کرنے اور مویشیوں کو پلانے کے لیے اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔ پانی جب آسمان سے نازل ہوتا ہے یا آبشاروں سے نکلتا ہے تو صاف اور شفاف ہوتا ہے لیکن انسانی اعمال کی بناء پر بعد میں وہ آلودہ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ قابل استعمال بھی نہیں رہتا ہے۔ پانی کی آلودگی کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود انسانوں کی بلکہ پانی کی آلودگی کی داستان انسانی تاریخ سے قدیم تر ہے۔ انسانوں کی آمد سے قبل بھی درخت کے جھڑے ہوئے پتوں کے ذریعہ، جھیلوں اور ندیوں کا پانی آلودہ ہو جاتا تھا۔ مگر انسانوں کی آمد کے بعد اس میں تیز گامی سے انقلاب آیا۔ نیز صنعتی انقلاب کے بعد پانی کا کوئی ذخیرہ آلودہ ہوئے بغیر نہیں رہا ہے۔ آج خانگی اور صنعتی فضلات نے پانی کو آلودہ کر دیا ہے۔ گنگا اور جمنا جیسی مقدس ندیاں آلودگی کا مرکز بن گئے ہیں ان کا پانی قابل استعمال نہیں رہا ہے۔ اس قضیہ سے نبرد آزما ہونے کے لیے عالمی کوشش ہو رہی ہے اور بڑے بڑے پروجیکٹ اور اسکیم بنائی جا رہے ہیں اور آبی صفائی کا منصوبہ بنایا جا رہا ہے ضرورت اس بات کی ہے اس تناظر میں اسلامی تعلیمات کا جائزہ لیا جائے اور آبی آلودگی کے انسداد کے لیے اسلام نے کس طرح کی تعلیم دی ہے اس کا مطالعہ کیا جائے۔ ذیل کے سطور میں چند مثالیں ہیں جن سے اسلامی تناظر میں آبی آلودگی کا ازالہ ہوتا ہے:

1۔ کسی کی ذاتی نہر ہے تو عام لوگوں کو اجازت ہے کہ اس سے متنفع ہوں لیکن اگر پانی کے فاسد ہونے کا اندیشہ ہے تو صاحب نہر کو حق ہے لوگوں کو منع کر دے۔

2۔ ترمذی کتاب طہارت، باب النهی عن البول فی الماء الرَّاكِد میں روایت نقل کی ہے: لايَبُولَنَّ أَحَدَكُمْ فِي الماء الرَّاكِدِ ثُمَّ

يَتَوَضَّأُ مِنْهُ۔ ترجمہ: نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ماءراکد یعنی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جو آبی آلودگی کے ازالہ کا یہ ایک اہم ذریعہ ہے۔ آج کتنے ہی ندیاں sewage کی وجہ سے آلودہ ہو گئیں ہیں۔ اگر اس اسلامی تعلیم پر عمل کیا جائے تو پانی صاف ہو سکتا ہے۔

3۔ کسی شخص کی چھت پر سے پڑوسی کا پرنالہ گذر رہا ہو اور لوگ بینہ قائم کر دیں کہ یہ پرنالہ بارش کے پانی کے لیے تو صاحب پرنالہ کو اس میں سے وضو یا غسل کا پانی بہانے کی اجازت نہیں ہو گی اور اگر لوگ بینہ قائم کر دیں کہ یہ وضو اور غسل کے پانی کے لیے ہے تو صاحب پرنالہ کو اس میں بارش کے پانی کے بہانے کی اجازت نہیں ہو گی۔ اسی مسئلہ سے بھی آلودگی کا تحفظ ہوتا ہے کیونکہ اگر اس پرنالہ سے بارش اور وضو و غسل دانوں کے پانی بہانے کی اجازت دے دی جائے تو بارش کا صاف پانی غسل کے گندے پانی سے مخلوط ہو کر آلودہ ہو جائے گا۔ اس صورت میں اگر پرنالہ غسل وغیرہ کے لیے ہے تو اس کو محلّہ کے کس گڈھے وغیرہ میں خارج کر دیا جائے جہاں سے وہ زمین میں جذب ہو جایا کرے اور اگر پرنالہ بارش کے پانی کے لیے مختص ہے تو وہ دریاؤں میں چلا جائے گا اور اس طرح نہر وغیرہ کا پانی خالص رہے گا آلودہ نہیں ہو گا۔

4۔ ماءجاری میں پیشاب کرنا مکروہ ہے "يُكْرَهُ الْبَوْلُ فِيْهِ" اس سے بھی پانی کو صراحتاً آلودگی کے تحفظ ملتا ہے۔

یہ اور اس طرح کی کئی مثالیں ہیں جن کے اسلامی تعلیم کی روشنی میں آبی آلودگی کا انسداد ہوتا ہے۔

9.5 مٹی کی آلودگی

مٹی ایک قدرتی وسیلہ ہے جو نباتات اور حیوانات کی ترقی کے لیے لازمی ہے۔ مٹی زیر زمین آب کے لیے فلٹر کا کام کرتی ہے۔ رستوں، پائپ لائن، عمارات اور مٹی سے بننے والے گھروں کے لیے مٹی ایک اہم مادہ ہے۔

کسی بھی ملک کی زرخیز مٹی اس کی معاشی ترقی کے لیے ضروری ہے۔ مٹی سے دراصل معاشیات جڑی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم تہذیب کے اکثر مرکز زرخیز میدانوں میں پائے جاتے تھے۔ مصر کی قدیم تہذیب کا ارتقا دریائے نیل کی وادی میں، بابلیون کی تہذیب کا ارتقا دریائے دجلہ و فرات کے میدان میں، چین کی ہوانگہو اور بھارت کی قدیم تہذیب کا ارتقا گنگا اور سندھ کی وادیوں میں ہوا تھا قدرتی طور سے مٹی بننے کا عمل کافی پیچیدہ اور سست ہوتا ہے اندازہ ہے کہ سو برسوں میں زرخیز مٹی کی تین سینٹی میٹر موٹی پرت بنتی ہے۔ مٹی کئی قسم کی ہوتی ہے جیسے خالص مٹی، بلوائی مٹی، ریت جو پانی سے بہہ کر آئی ہو وغیرہ۔

مٹی کی اہمیت اسلام میں بھی بہت ہے۔ اسلام میں (soil) کی اتنی اہمیت ہے کہ نہ صرف مٹی سے بلکہ اس کے جنس سے جو بھی ہے مثلاً ریت، چونا، سرمہ اور پتھر وغیرہ سے پانی کی عدم موجودگی میں طہارت شرعیہ ہو جاتی ہے۔ اسلام میں زمین کی اتنی اہمیت ہے کہ کسی بھی صورت میں اس کو ناکارہ نہیں ہونے دیا جائے گا بلکہ ہر حال میں اس کا تحفظ کیا جائے گا چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں مسئلہ نقل کیا ہے کہ اگر صاحب زمین اپنی زمین میں کھیتی کرنے سے عاجز ہو جائے تو امام کو حق ہے کہ اس زمین کو کرایہ پر دے اس شخص کو جو اس میں کھیتی کر سکے

اگر کوئی کرایہ دار نہ ملے تو اس کو بٹائی پر دے اور اگر کوئی بٹائی دار بھی نہ ملے تو عاریت پر کسی ایسے شخص کے سپرد کردے جو اس زمین کو درست کرسکے۔ الحاصل کسی بھی صورت میں زمین کو خالی چھوڑ کر بنجر نہیں ہونے دیا جائے گا اس سے اسلام میں زمین کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر اہل خراج مر گئے تو امام اس زمین کو لے کر اس میں کھیتی کرے گا یا اس کو اجرت پر دے گا۔ اس طرح اگر کسی نے دوسرے کی زمین میں بلا اجازت پودے لگائے تو اس کو حکم دیا جائے گا کہ پودے اکھاڑ کر زمین واپس کرے اور اگر اس عمل میں زمین کا نقصان ہوتا ہے تو ضمان لازم آئے گا۔ اسی طرح استحکار کا مسئلہ ہے یعنی زمین کو کرایہ پر دے کو پودے وغیرہ لگا کر اس کا تحفظ کرنا۔ زمین کی اہمیت اسلام میں اتنی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: پوری زمین میرے لیے پاک اور مسجد بنائی گئی ہے۔ ان روایات و فقہی جزئیات کے اسلام میں زمین کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔

لیکن سوء قسمتی سے آج یہ زمین آلودگی کا شکار ہے۔ مٹی کئی وجہوں سے آلودہ ہوتی ہے۔ کیماوی کھاد، جراثیم کش، ٹھوس مادے گھریلو کوڑے کرکٹ غلیظ کارخانوں سے خارج ناکارہ مادے زہریلے پانی وغیرہ کچھ ایسی چیزیں ہیں جو مٹی کو آلودہ کرتی ہیں۔ نائٹروجن اور فاسفورس ملی ہوئی کھاد اور پوٹاشیم ملی ہوئی کیمیاوی کھاد مٹی کو آلودہ کرنے والے خاص اجزاء ہیں، پالیتھن تھیلیاں، پلاسٹک اور نائکن اس قسم کی چیزیں ہیں ان سے وائرس اور بیکٹیریائی مقدار مٹی میں بڑھ جاتی ہے۔ جس سے مٹی آلودہ ہو جاتی ہے۔ تیزابی بارش اور کثیر مقدار میں کیمیاوی کھاد مٹی کے عدم تغذیہ پر منتج ہوتی ہیں۔ کھاد کیڑے مار دوائیں زیادہ تر مٹی کو آلودہ کرتی ہیں۔ مٹی تو آلودگی سے بچانے اور آلودہ مٹی کو دوبارہ کارآمد بنانے کا عمل تیز گام ہو چکا ہے اور عالمی پیمانہ پر کوشش جاری ہے۔

ذیل کے سطور میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں چند مثالیں اور جزئیات پیش کی گئی ہیں جن پر عمل کرکے اراضی آلودگی کا انسداد ہو سکتا ہے۔

1۔ اگر کسی نے دوسرے کی زمین میں بغیر اجازت کھیتی کرلے تو فصل کاشتکار کی ہوگی اور کاشتکار پر زمین کے نقصان کا ضمان لازم آئے گا۔ غور طلب امر یہاں یہ ہے کہ زمین کی آلودگی کا ایک کلیدی سبب کیماوی کھاد ہیں۔ مندرجہ بالا قضیہ میں جب زمین میں کاشتکاری کی گئی تو ظاہر ہے اس کیمیاوی کھاد کا استعمال ہوا جس سے زمین میں نقص پیدا ہوا یعنی اس میں آلودگی کے سبب روئیدگی کی قوت کم ہوگئی اس لیے یہاں ضمان لازم کرکے ایک طرح سے خاکی آلودگی کا انسداد کیا گیا ہے۔ یعنی لوگ بلا کسی اجازت ضمان کے ڈر سے دوسرے کی زمین استعمال نہ کریں گے تو زمین کیمیاوی کھاد وغیرہ کی وجہ سے آلودہ بھی نہ ہوگی۔

2۔ اگر کسی شخص نے کسی کو بٹائی پر کھیتی کرنے کے لیے زمین دی ایک سال کی مدت کے لیے۔ اب اس نے دوسرے سال بھی بغیر اجازت کے کھیتی کرلی تو اگر زمین بٹائی کے لیے تیار ہے تو جائز ہے اور اگر بٹائی کے لیے تیار نہیں تو یہ "غَصَب" ہوگا اور مزارع پر زمین کے نقصان کا ضمان لازم آئے گا۔ یہ بات معلوم ہے کہ زمین بار بار جوتنے سے آلودہ ہو جاتی ہے اس صورت میں ضمان لازم کرکے زمین کی آلودگی کا انسداد کیا گیا ہے۔

3۔ اگر کسی نے اپنی کھیتی کی زمین دوسرے کو کرایہ پر دی بشرطیکہ فلاں متعین چیز بوئے گا کرایہ دار نے وہ چیز بویا بھی لیکن کوئی آفت

سماوی آگئی جس سے وہ چیز ہلاک ہوگئی اور ابھی مدت باقی ہے تو کرایہ دار اگر ایسی چیز بوتا ہے جو پہلے سے کم مضر ہے تو جائز ہے لیکن اگر ایسی چیز بوتا ہے جو زیادہ مضر ہے (زمین یا کھیت کے لیے) تو اس کو بونے کی اجازت نہیں۔ اس صورت میں بھی زمین کے لیے زیادہ مضر چیز کی بوائی سے ممانعت کے ذریعہ زمین کو خاکی آلودگی سے بچایا جارہا ہے۔

4۔ زمین پر پیشاب یا کوئی اور سیال نجاست گر جائے تو جمہور کے نزدیک اس کی طرح کا طریقہ یہ ہے کہ اس پر پانی بہادیا جائے تو وہ پاک ہو جائے گی۔ اس جزئیہ سے خاک آلودگی کو تحفظ ملتا ہے۔ آج کتنی ہی غلاظت زمین میں جذب ہو کر اس کو آلودہ کر چکی ہیں، آج اگر مذکورہ جزئیہ پر عمل کیا جائے اور زمین میں نجاست جذب نہ ہونے دیا جائے بلکہ اس کو پانی سے دھل دیا جائے تو بہت حد تک خاکی آلودگی سے بچا جا سکتا ہے۔

9.6 صوتی آلودگی

صوت یعنی آواز قدرت کا ایک بیش قیمت تحفہ وعطیہ ہے۔ صوت کا تعلق بولنے اور سننے دونوں سے ہے۔ قرآن کریم میں اللہ نے ایک عظیم نعمت کے طور پر پیش کیا ہے۔ سورہ رحمٰن کی آیت 4 میں ارشاد ہے: (اللہ نے انسان کو قوت گویائی عطا کی ہے)۔ ایک دوسری جگہ ارشاد ہے: (ہم نے اس کو سن نے اور دیکھنے والا کیا)، (دھر:2)۔ آج انسان اپنی دنیا میں اتنا مست ہے کہ اس کو آواز یعنی (sound) کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہے۔ آواز سے انسان محفوظ ہوتا ہے۔ آواز کی اہمیت کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب ہم کسی بہرہ آدمی کو دیکھتے ہیں۔ صوت کہتے ہیں ہوا، مٹی اور پانی میں کسی چھیڑ چھاڑ کو جو ہمارے اندر سماعت پیدا کرتی ہے۔ صوت کہتے ہیں کسی گیس، دقیقیا ٹھوس مادہ کی حرکت کو جس کے ذریعہ توانائی کا ماخذ سے تبادلہ ہوتا ہے۔ ایک ذرہ سے دوسرے ذرہ کی طرف تبادلہ سے سمعی لہر کا پھیلاؤ ہوتا ہے۔ اس کی مزید وضاحت اس طرح کی جاتی ہے ایک ذرہ اپنی معتدل حال سے ہٹا دیا جاتا ہے اور اپنے پڑوسی ذرات پر چوٹ مارتا ہے اور جب وہ خود ٹکرا کر پلٹتا ہے اس وقت اپنے پڑوسیوں کے لیے اتنی ہی مسافت طے کرنے کا سبب بنتا ہے۔ یہ پڑوسی ذرات اگلے ذرات کو اس طرح چوٹ کرتے ہیں اور اسی طرح ہوتا رہتا ہے۔ ایسے ارتعاش پذیر لہروں کو ترقی پذیر لہر کہتے ہیں۔ ان کو ایسا اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ماخذ سے صرف ایک سمت میں پھیل تے ہیں جب کہ لہر کا اگلا حصہ ایک دوسرے کے مساوی رہتا ہے۔ صوت کی ساخت کی اس قدر سے تفصیل کے بعد آواز شور میں اس وقت تبدیل ہو جاتی ہے جب سماعت یا کام کاج منفی طور سے متاثر ہو جائے۔ شور یعنی (noise) لاطینی لفظ ہے جو (nausea) سے ماخوذ ہے۔ شور کہتے ہیں کسی ایسی بڑی آواز کو جس میں کوئی قابل رضامندی موسیقی صفت نہ ہو۔ نفسیاتی طور پر شور کوئی بھی ایسی آواز ہے جو سننے والے کو ناپسند ہو اور افراد یا جماعت کے بہبود اور صحت کو منفی طور سے متاثر کرے۔ شور کہتے ہیں غلط وقت میں غلط جگہ پر غلط آواز۔ ذیل کے سطور میں ہم دیکھتے ہیں کہ شور سے اجتناب کے لیے اسلام نے کس طرح کی حکمت عملی اختیار کی ہے اور کس طرح کی تعلیم دی ہے۔

1۔ نبی ﷺ کو حکم ہوا کہ (اپنے رب کو اپنے جی میں یاد کیجیے اور زور سے آواز مت نکالیے)، (اعراف:206)۔

2۔ صحابہ کرام نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا ہمارا رب ہم سے قریب ہے تو ہم آہستہ دعا مانگیں یا بعید ہے تو ہم باآواز بلند دعا مانگیں۔

توسورہ بقرہ کی آیت نازل ہوگئی کہ: (میں اپنے بندوں کے قریب ہوں)،(بقرہ:186)۔ یہ آیت اشارہ کر رہی ہے کہ دعا آہستہ مانگی جائے کیونکہ خدا ہم سے قریب ہے۔

3۔ نماز باجماعت کے لیے جب لوگوں کو جمع کرنے سے متعلق نبی ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا تو بعض صحابہ نے یہودیوں کی طرح بگل بجانے اور بعض نے نصاریٰ کی طرح گھنٹا بجانے کا مشورہ دیا مگر ان دونوں تجویز کو نبی ﷺ نے مسترد فرمایا اس طرح اپنے صوتی آلودگی کے اہم ذریعہ کا انسداد کیا۔

4۔ اگر ذاکرین کی ایک جماعت تسبیح وغیرہ پڑھ رہی ہے تو اس میں آہستگی افضل ہے۔ اسی طرح کسی بھی ایسے وقت جہاں بلند آواز نکلتی ہے مثلاً تلوار بازی وغیرہ وہاں آہستگی افضل ہے۔ اس فقہی جزئیہ سے صراحت کے ساتھ صوتی آلودگی کا تحفظ ہوتا ہے۔

5۔ شوروشغب کو رفع کرنے کے لیے اسلام نے مسجد میں با آواز بلند ذکرواذکار کو حرام قرار دیا ہے۔

6۔ امام کو جماعت کی ضرورت سے زیادہ آواز بلند کر کے نماز پڑھانا مناسب نہیں ہے۔

7۔ مکبر کا ضرورت سے آواز بلند کر مفسد ہے۔

8۔ گانے بجانے کے آلات کو توڑنے سے ضمان لازم نہیں آئے گا۔ اس فقہی جزئیہ سے صراحت کے ساتھ صوتی آلودگی کا خاتمہ ہوتا ہے۔

9۔ قرآن کریم میں سورہ لقمان میں صراحت کے ساتھ کیا گیا کہ اپنی آواز کو پست کردو: "**واغضض من صوتک**"۔ اور چونکہ تیز رفتاری سے بھی آواز کی آلودگی پیدا ہوتی ہے اس لیے فرمایا اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو۔ اس حکم میں اسکوٹر، بائیک اور کار وغیرہ سب کا چلانا داخل ہے۔ ان کے تیز گامی سے چلانے سے آلودگی ہوتی ہے لہذا بموجب قرآن ان سب کو آہستہ چلانا چاہیے۔

9.7 عالمی شدت حرارت

وسائل قدرت کے اسراف اور غیر دانشمندانہ استعمال اور استحصال سے ماحولیاتی بحران کا ظہور جن صورتوں میں ہوا ہے ان میں کرہ جاتی اضافہ حرارت یعنی گلوبل وارمنگ سب سے بڑا مظہر ہے۔

9.7.1 تعارف

ماحولیات کے طبعی عناصر میں حرارت (temperature) سب سے اہم ہے۔ کرہ ارض پر حیوانات اور نباتات کی زندگی کا اکثر انحصار اسی پر ہے۔ کرہ ارض پر حیوانات اور نباتات کی زندگی کا اکثر انحصار یہاں کے درجہ حرارت پر ہے۔ زمین پر حرارت کا واحد ذریعہ سورج ہے نظام شمسی میں زمین کی پوزیشن کچھ اس طرح ہے کہ اسی پر حرارت کا ایک خاص توازن باقی رہتا ہے۔ لاکھوں برسوں تک زمین پر درجہ حرارت کا توازن رہا اور حیوانات اور نباتات کے لیے موافق ماحول بنا رہا۔ لیکن حرارت کا فرق ہوتا رہا ہے۔ گذشتہ کئی دہائیوں سے پھر حرارت کا فرق محسوس کیا جا رہا ہے۔ زمین کا درجہ حرارت مسلسل بڑھتا جا رہا ہے۔ کچھ تو اس کے قدرتی اسباب ہیں مثلاً زمین اپنے مدار میں

طواف کرتی ہوئی سورج سے قریب ہو رہی ہے اور سورج بھی اپنے مدار میں تھوڑا سا آگے بڑھا ہے۔ زمین اور سورج کے علاوہ زمین کی کئی پرتوں میں سے پہلی پرت کرہ جمادات (Lithosphere) ایک ہزار آٹھ سو میل دبیز ہے جو زمین کے اندرونی حصہ (Barysphere) کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے اس پرت میں گرم چشمے اور حرارت والے لاوں کے علاوہ آتش فشاں پہاڑ ہیں۔ ان پہاڑوں کے پھٹنے سے بھی درجہ حرارت بڑھتا ہے مگر یہ صورت حال اکثر انسانی عمل کی بنا پر سنگین ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کرہ باد کی پہلی پرت میں مختلف کی گیسیں پائی جاتی ہے مثلا نائٹرو آکسائیڈ (nitroxide)، میتھین (methane)، کاربن ڈائی آکسائیڈ (carbon dioxide)، فضائی بھاپ وغیرہ۔ ان گیسوں کا عمل یہ ہے کہ سورج سے آنے والی نصف غیر ضروری شعاعوں کو واپس خلاء میں رد کر دیتے ہیں اور بقیہ نصف کو جذب کر لیتی ہیں جس سے زمین کا درجہ حرارت باقی رہتا ہے اور حیوانات اور نباتات کی حیات باقی رہتی ہے، ان گیسوں کی مقدار میں توازن کا رہنا انتہائی ضروری ہے تبھی وہ مذکورہ بالا عمل کرتے ہیں اگر ان کا توازن بگڑ گیا تو منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ آج کثیر مقدار میں قدرتی ور کازی ایندھن مثلا کوئلہ اور پٹرول وغیرہ کے استعمال میں اضافہ سے ان گیسوں میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ مذکورہ بالا دیگر گیسوں میں 15 فیصد اور کاربن ڈائی اکسائیڈ 30 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ اس کا اثر یہ ہے کہ کرہ دباو میں موجود ان گیسوں کے عمل جذب میں ترقی ہو رہی ہے یعنی یہ گیسیں سورج کی شعاعوں کو زیادہ مقدار میں جذب کر رہی ہیں اور زمین کے داخلی حرارت کو واپس خلاء میں جانے سے روک رہی ہیں۔ کرہ باد یا فضاء میں حبس تمازت کی وجہ سے کرہ ارض میں افزائش حرارت کے اسی عمل کو عالمی شدت حرارت (گلوبل وارمنگ global warming -) سے تعبیر کرتے ہیں۔

9.7.2 اسباب اور اس کے ذمہ دار

1۔ صنعتی ترقی گلوبل وارمنگ کا ایک اہم سبب ہے۔ بڑی بڑی صنعت گاہوں میں مشینوں کے اندر کوئلہ اور پٹرول وغیرہ (fossil fuels) کے جلنے سے کاربن ڈائی اکسائیڈ (CO_2) کا کثیر مقدار میں اخراج ہوتا ہے۔ یہ گیسیں اور بعض دوسری گیسیں حرارت کو جذب کرتی ہیں اور سورج سے حاصل شدہ حرارت کو واپس خلاء میں جانے سے روکتی ہیں اسی طرح زمینی اور فضائی درجہ حرارت لگاتار بڑھ رہا ہے اور آئندہ مزید اضافہ کا خدشہ ہے۔

2۔ دنیا کی آدھی آبادی کا انحصار ایندھن کے لیے لکڑی پر ہے۔ چنانچہ تنزانیہ، گیمبیا، تھائی لینڈ وغیرہ میں ایندھن کے لیے لکڑی پر انحصار 99٪-87٪ ہے۔ ایک طرف تو آکسیجن بنانے کی فیکٹریاں (درخت / جنگلات) ختم ہو رہے ہیں اور دوسری جانب فضا میں لکڑیوں کے جلنے سے کثیر مقدار میں دھوئیں خارج کیے جا رہے ہیں جس کا منفی اثر گلوبل ورامنگ کی شکل میں ہو رہا ہے۔

9.7.2.1 ذمہ دار

صرف امریکی کرہ ارض میں 4800 ملین ٹن کاربن ڈائی اکسائیڈ کا سالانہ خروج ہو رہا ہے یعنی امریکہ درجہ حرارت کے اضافہ کا کلیدی ذمہ دار ہے۔

9.7.3 مرتب اثرات

1۔ درجہ حرارت کے بڑھنے سے موسم بگڑ گیے ہیں اور بارش کم ہوگئی ہے۔ یہ تبدیلی اس درجہ ہوئی ہے کہ جو بارش کے علاقہ تھے وہ خشک ہوگیے ہیں اور غیر زرخیز خشک علاقوں میں بے فائدہ بارش ہورہی ہے جس کو سوکھا اکال اور گیلا اکال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

2۔ گلوبل وارمنگ کی وجہ سے موجودہ صدی کی ابتداء ہی سے دیکھا گیا ہے کہ سمندر کی سطح دو ملی میٹر سالانہ شرح سے بڑھ رہی ہے۔ اس طرح اس صدی میں اب تک 10 سینٹی میٹر کا اضافہ ہوچکا ہے۔ سمندر کا پانی نہایت گرم ہوگیا ہے جس سے آبی جانوروں کو خطرہ ہے۔ نیز پانی کے قدرتی اجزائے ترکیبی کے توازن میں فرق آگیا ہے پانی کے کرنٹ میں تبدیلی آئی ہے۔ بڑے طوفان اور سائکلون آرہے ہیں۔

3۔ درجہ حرارت کے بڑھنے سے نباتات پر بھی اثر پڑا ہے۔ اس سے مٹی کی نمی میں کمی آئی ہے جس سے پیڑ پودے متاثر ہوتے ہیں۔ بارش کے نہ ہونے سے کئی خطوں میں زراعتی کام بند ہوگئے ہیں موسم کی تبدیلی سے نباتات کی قدرتی تقسیم متاثر ہوتی ہے۔ آئندہ دنوں میں پہاڑوں کے درخت میدانوں میں اگ سکتے ہیں۔

4۔ گلوبل وارمنگ کی وجہ سے حیاتی رنگارنگی متاثر ہورہی ہے۔ تقریباً300 اقسام کی مخلوقات ہر سال صفحہ ہستی سے ناپید ہورہی ہے۔ ان کے خاتمہ سے اس بات کا اندیشہ ہے کہ انسان ان مخلوقات کے قدرتی فائدوں سے محروم ہوجائے گا اور دوسری طرف فطرت کا توازن بگڑ جائے گا۔ جانداروں کے خاتمہ سے اس بات کا اندازہ لگایا گیا ہے کہ اگلی چند دہائیوں میں موجودہ نسلوں (species) میں تقریباً ایک چوتھائی نسلیں ختم ہوجائے گی۔ خشکی اور آبی جانداروں کی نسلیں تیزی سے گھٹ رہی ہیں۔ پرندوں میں تین چوتھائی نسلیں گھٹ رہی ہیں۔ مچھلیوں کی 400 نسلوں میں نصف پر خطرہ لاحق ہے۔ دودھ پلانے والے جانوروں میں بھی تقریباً40 فی صد خطرہ سے ملحق ہیں۔ رینگنے والے جانوروں میں کچھوے کی کل 270 نسلوں میں 40 لاپتہ ہوچکے ہیں۔

9.7.4 مستقبل کے خدشات

کاربن ڈائی آکسائیڈ کے بے تحاشا اخراج سے کرۂ ارض کا درجہ حرارت کافی بڑھ جائے گا جس کی وجہ سے برف کے پہاڑ یعنی گلیشیر ز (glaciers) پگھل جائیں جس کے نتیجہ میں سمندر کے قریب علاقوں کے دریابرد ہوجانے کا اندیشہ ہے۔ اگر قطبین کے برف پگھل گئے تو طوفان نوع دوبارہ آسکتا ہے اور سمندر کی سطح 200 فٹ بلند ہوجائے گی۔ ایک اندازے کے مطابق ہمالیہ میں پائے جانے والی ندیوں کے سوتوں پر گلیشیر ز 2035ء تک ختم ہوجائیں گے۔ اس طرح ان ندیوں کے اردگرد بسنے والوں کو سیلاب کی مار پڑے گی اور سوتوں کے سوکھنے سے ان علاقوں میں قحط سالی کا عالم ہوگا زیر زمین آتش فشاں کی وجہ سے زمین کی اوپری پرت ڈھیلی ہوجائے گی جس کی وجہ سے زلزلے آئیں گے اور ان کے جھونکوں سے پہاڑ بکھر جائیں گے۔ اس کے علاوہ حیوانات اور نبابات کی کئی مزید نسلیں ختم ہوجائیں گی جن کا وجود ماحولیاتی توازن کے لیے ضروری ہے اس کے علاوہ اور بھی کئی مستقبل کے خدشات ہیں۔

9.7.4.1 گلوبل وارمنگ کے حل کی عالمی کوشش

1۔ کاربن ڈائی آکسائیڈ اور دیگر گیسوں کو چھان کر زمین میں دفن کر دیا جائے۔

2۔ کوئلہ اور پٹرول (fossil fuels) کے علاوہ کوئی ایسا متبادل ایندھن تلاش کیا جائے جس سے کاربن ڈائی آکسائیڈ فضا میں نہ بڑھے مثلاً ونڈ انرجی، سولار انرجی وغیرہ۔

3۔ اٹامک اور نیوکلیر انرجی کو بطور متبادل ایندھن کے استعمال کیا جائے۔

4۔ بایو ٹکنالوجی کے ذریعہ حاصل شدہ ایندگن (bio fuel) کو متبادل کی حیثیت سے استعمال کیا جائے۔

5۔ ایک تجویز پیش جارہی ہے کہ شجر کاری کی جائے جو بہت ہی مناسب تجویز ہے۔ دراصل نباتات بارش کے نظام کو مستحکم بناتے ہیں اور حیاتیات کے لیے بقا فراہم کرتے ہیں نباتات آکسیجن خارج کرتے ہیں اور کاربن ڈائی اکسائیڈ جذب کر لیتے ہیں مگر ان کی کمی سے یہ توازن بگڑ گیا ہے اور درجہ حرارت بگڑ گیا ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ پھر سے نباتات اگائے جائیں اور شجر کاری کی جائے۔

9.7.4.2 عالمی شدت حرارت کی پیشین گوئی حدیث میں

1۔ مالک فرماتے ہیں: میں نے عمرو بن سعید سے فرماتے ہوئے سنا کہ: قرب قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت زمین کی گرمی کا شدید ہونا ہے۔

2۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کی اول علامت آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب تک جمع کرے گی۔

3۔ حضرت قتادہ نے فرمایا: زمین کے مشرق سے آگ نکلے گی جو لوگوں کو اس کے مغرب کی طرف برق کی طرح ہانک لے جائے گی وہ آگ دن اور رات ان کے ساتھ رہے گی اور جو پیچھے رہ جائے گا اس کو ختم کر دے گی۔

4۔ حدیث میں زیر برف طبقات کی آگ کے نکلنے کا تذکرہ ملتا ہے جس سے عالمی شدت حرارت میں مزید اضافہ ہو گا وہ روایت حسب ذیل ہے:

رافع بن بشر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قریب ہے کہ آگ سیلاب کی قید سے باہر آجائے، وہ اونٹ کی طرح دھیمی چال سے چلے گی۔ دن میں چلے اور رات کو رک جائے گی کہا جائے گا لوگوں آگ نکل چکی ہے لہذا چلو، لوگو آگ دھیمی پڑ چکی ہے لہذا آرام کر لو، لوگو آگ ختم ہو چکی ہے لہذا چلو اور وہ جس کو پالے گی اس کو کھا جائے گی۔

اس حدیث میں لفظ "سیلاب" قابل غور ہے اس کے معنی ہوئے سیلاب کے تحت قید آگ جیسا کہ جدید سائنس نے برفانی آگ (methane hydrate – "fire ice") کی اطلاع دی ہے۔

5۔ اس طرح ایک روایت میں وادی برھوت میں مستور ایک آگ کی پیشین گوئی کی گئی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایک آگ تمہارا پیچھا کرے گی جو آج وادی برھوت میں خوابیدہ حالت میں ہے وہ لوگوں کو گھیرے گی۔اس میں سخت ترین عذاب ہے جو لوگوں اور اموال کو کھاجائے گی یہ ہوا اور بادل کی طرح آٹھ دن میں پوری دنیا کا چکر لگائے گی۔

وادی برہوت کی تعیین حضرت علی کی ایک روایت سے ہوتی ہے جس میں وادی برھوت کو یمن میں حضر موت میں ایک مقام کا نام بتایا گیاہے مگر حدیث میں مذکور صفات اس وادی پر منطبق نہیں ہوتے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ یہ صفات بر اعظم جنوبی امریکہ میں واقع وادی امیزون (Amazon) پر منطبق ہوتے ہیں جو کہ جنگلات سے پر ہے۔ اس جنگل کو سخت بارش کی ضرورت ہے جس کی عدم موجودگی میں یہ جنگل جل جائے گا اور فضاء میں زبردست کاربن ڈائی اکسائیڈ کا خراج ہوگا جس وجہ سے عالمی شدت حرارت ہوگا۔

6۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اپنے فرمایا: پورا کرہ ارض اس گھر کے مانند ہوجائے گا جس میں آگ بھڑکا دی گئی ہو۔ اس روایت میں بھی عالمی اضافہ حرارت کی پیشین گوئی کی گئی ہے۔

7۔ احادیث نبویہ میں مذکور ہے کہ عدن (یمن) اور حجاز سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو ان محشر کی جانب ہانک دے گی (یعنی لوگ اکناف عالم سے کسی ایک مقام پر جمع پر ہونے لگیں گے)۔ حضرت حذیفہ کی روایت ہے: نار تخرج من اليمن تطرد الناس إلى محشرهم۔ اور اس معنی کی دیگر روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قرب قیامت میں آگ ظہور ہوگا جس کی وجہ سے لازماً درجہ حرارت میں اضافہ ہوگا جیسا کہ آج عالمی تمازت کی شکل میں یہ امر مشاہد ہے۔

9.8 ماحولیاتی بحران کا تیسرا عظیم مظہر اوزون تہہ میں شگاف

یہیں سے ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ اوزون کیاہے۔

اوزون ایک گیس ہے جو آکسیجن کی ہی ایک شکل ہے اور تین ایٹموں پر مشتمل ہوتا ہے یعنی سہ جوہری ہے۔ یہ گیس دوسرے فضائی طبقہ (Stratosphere) میں بالائی جاتا ہے۔ یہ خطہ استوار سے ستر (17) کلومیٹر بلندی سے پچاس (50) کلومیٹر بلندی تک پایا جاتا ہے۔ یہ گیس (Stratosphere) میں بالائی جانب ہوتا ہے۔ ایسٹراٹو ایسفیر میں اوزون کا ارتکاز (10ppm) تک ہے۔

اوزون ایک چھتر کی طرح ہے جو شمسی بالائے بنفشی شعاعوں کو دفاع کرتا ہے۔ یہ تمام اشعاع کو چھان کر زمین پر بھیجتا ہے۔ یہ زمین پر حیات اور موسم کو معتدل رکھتاہے۔

9.8.1 اوزون کی خفت

قدرت کی اس عظیم تخلیق کو آج خطرہ لاحق ہے۔ ماہرین فرماتے ہیں کہ 1970ء میں سائنسدانوں نے دریافت کیا کہ جب کلوروفلورو کاربن (CFC) کو الہ تبرید اور راکٹ اور انجمنوں کے نئے استعمال کیا جانے لگا تو نتیجتاً فضا میں chlorine (ایک زہریلا سبزی مائل زرد عنصر) کا انتشار ہوا جس کی وجہ سے اوزون میں شگاف پیدا ہو گیا اور اس کی پرت خفیف ہونے لگی۔ 1980ء میں ماہرین وسائنسدانوں نے یہ دریافت کیا کہ قطب جنوبی (Antartic) اور قطب شمالی (Arctic) کے اوپر اوزون کمزور ہو رہاہے۔ علی ہذا القیاس دوسرے مقامات پر بھی اوزون کی

پرت خفیف اور واشگاف ہو گئی ہے۔

اوزون تہہ کے تحفظ کے لیے بہت سے اقدام کیے گیے ہیں۔ ذیل میں اس ضمن میں ہونے والی اہم معاہدے واجلاس کا تذکرہ ہے۔

1۔ Montreal Protocol: جب 1985ء میں برطانوی سائنسدانوں نے Antartic پر اوزون تہہ کی خفت کو دریافت کیا اور ان کی تحقیق کی امریکی مصنوعی سیارہ کے ذریعہ توثیق کر دی گئی تو پورے عالم میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ یہ بیسویں صدی کا اہم خطرہ تھا۔ اس سے نجات پانے کے لیے حکومت نے ایسے اقدام کیے جس سے ان گیسوں کا استعمال کم کیا جائے جو اوزون کی خفت کا باعث بنتے ہیں مثلاً CFCs وغیرہ۔

نتیجتاً ستمبر 1987ء میں Montreal Protocol عمل میں آیا۔ اس معاہدے کے تحت موجودہ 96 کیمیائی مادوں پر قابو پایا جاتا ہے اور اسی کے تحت منصوبہ بنایا گیا ہے۔ اس منصوبہ میں وقتاً فوقتاً ہونے والے سائنسی تحقیقات کے بموجب ترمیم کی جاتی ہے۔ یہ معاہدہ 2009ء میں اقوام متحدہ کا ایسا پہلا معاہدہ بن گیا جس کو عالمی حمایت ملی۔ یعنی تمام رکن ممالک نے اوزون پرت کے تحفظ کا عہد وپیمان کیا۔

2۔ Viena Convention: سن 1985ء میں ایک اجلاس منعقد ہوئی جس کا نام تھا Viena Convention اس اجلاس میں عالمی پیمانے پر معاہدہ ہوا تھا کہ جو چیزیں اوزون کی خفت کا باعث بن رہی ہیں مثلاً CFCs وغیرہ ان کے اخراج میں قلت لائی جائے گی۔ مذکورۃ الصدر Montreal Protocol اسی اجلاس کا نتیجہ تھا۔

قرآن میں اوزون کا تحفظ:

قرآن کریم میں کہا گیا ہے کہ سماوی نظام میں توازن ہے اور اس توازن کو مت بگاڑو۔ ارشاد باری ہے:"وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَان ۝ أَلاَّ تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَان"(رحمٰن:8-7)۔ اس آیت میں دو باتیں ہیں، ایک تو سماوی نظام میں توازن ہے، دوسرے اس اعتدال و توازن کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی تخریب کاری سے منع کیا گیا ہے۔

آج ہم اپنے اعمال کے ذریعہ CFCs اور دیگر مضر گیسوں کا اخراج کر رہے ہیں جس سے سماوی نظام میں اوزون کا خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ یہ سماوی نظام کی تخریب کاری ہے جو مذکورہ آیت کے صریحاً متضاد ہے۔ اس آیت کا تقاضی یہ ہے کہ ہم سماوی یا فلکی نظام کا تحفظ کریں جس میں اوزون کا تحفظ بھی شامل ہے۔

قرآن کریم میں اشارۃ یہ بات کہی گئی ہے کہ اللہ نے سماء (مراد اوزون) و محفوظ چھت بنایا ہے۔ ارشاد باری ہے: ''وَجَعَلْنَا ٱلسَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا''(انبیاء:32)۔ عام طور سے لفظ سماء سے مراد عرف میں چراغ کے لیے جاتے ہیں۔ تاہم لغت میں سماء سے مراد وہ چیز ہے جو اوپری جانب ہو "كُلّ مَاعَلَاكَ فَهَوَ سَمَاءٌ"۔ اسی وجہ سے مکان کی چھت اور بادل وغیرہ پر بھی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس تشریح کے بموجب اگر مذکورہ آیت میں لفظ سماء کو اس کے لغوی یعنی مبتدا کے معنی میں کیا جائے تو اس کے عموم میں اوزون تہہ داخل

ہو جائے گا۔ اس صورت میں آیت کا مفہوم ہو گا کہ اللہ نے اوزون تہہ کو ایک چھت (یا چھتری) بنایا ہے۔ علامہ صاوی نے شرح جلالین میں آیت میں مذکور لفظ محفوظاً کی شرح میں لکھا ہے: **ای من الفساد والخلل**۔ علامہ صاوی کی اس تشریحی جملہ سے یہ بات اور واضح ہو گئی۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اس سماوی طبقہ یعنی اوزون کو ایک ایسی چھت بنادیا ہے جس میں فساد نہیں ہو سکتا اور نہ ہی خلل یعنی شگاف ہو سکتا ہے۔ گویا قرآن کے بموجب یہ سماوی نظام کی تخریب کاریوں سے ہماری حفاظت کرتا ہے۔ بعینہ یہی بات سائنس بھی کہتی ہے کہ یہ ایک چھتری ہے جو بالائے بنفشی (ultraviolet) شعاوں سے ہماری حفاظت کرتا ہے۔

مگر آج ہم اپنے اعمال سے اس چھت میں شگاف پیدا کر رہے ہیں۔ یہ عمل نظام فطرت کے عین مخالف ہے۔ اس سے احتراز کرنے کی ضرورت ہے۔ مختصر یہ کہ قرآن کریم کے فلکی نظام کے تحفظ پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

محمد کرم شاہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے آسماں میں شگاف ہونے اس کو محفوظ کرتا ہے۔ سائنس اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ سماء کرہ باد ہے۔ سائنس یہ بھی تسلیم کرتی ہے کہ ٹروپوسفیر (Tropospher) میں 90 فی صد نمی یا آبی مادہ ہے۔ بعینہ یہی بات اسلام بھی بتاتا ہے۔

9.9 ماحولیاتی توازن (Ecological Balance)

یہ بھی ماحولیاتی بحران کا ایک عظیم مظہر ہے ذیل کے سطور میں ہم اس سے متعلق چند اہم امور کا مطالعہ کریں گے۔

- سائنس اور کائنات:

سائنسداں (ماہرین طبیعیات) کا زعم ہے کہ یہ کائنات از خود وجود میں آگئی۔ وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ابتدا میں تمام مادے مجتمع تھے۔ پھر 120 ارب سال قبل ایک بڑا دھاکہ (Big Bang) ہوا جس سے پوری کائنات وجود پذیر ہو گئی۔ ڈاکٹر محمود علی لکھتے ہیں:

> اکثر طبیعیات دانوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ کائنات کا آغاز 15 سے 20 ارب سال پہلے لانہایت گرم اور لامتناہی کثیف نقطہ سے اور فضاء وقت اور توانائی کے ناقابل تصور دھاکہ سے ہو جس کو عظیم کے بینک کا نام دیا گیا ہے۔

عظیم دھاکہ کے بعد کیا ہوا؟ اس سے متعلق موصوف فرماتے ہیں:

> سائنسداں اس امر پر متفق ہیں کہ بگ بینگ کے فوراً بعد ہی فضا کا اس قدر تیز پھیلاؤ حرارت 33-10 کیلیونیں سے ایک منٹ میں ایک ارب درجہ تک گر گیا۔ بالکل ابتدا میں چاروں اساسی قوتیں یعنی کشش، ثقل، برقی مقناطیس کمزور نیوکلیر ہم جنس تھیں جو بعد میں جدا ہونے لگی۔

محولہ اقتباس سے واضح ہے کہ سائنس کے نزدیک کائنات از خود وجود پذیر ہوا ہے۔ سائنس یہ بات سمجھنے سے قاصر ہے کہ اس کائنات کا مبدا و منبع کیا ہے بلکہ وہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ کائنات از خود تنظیم پذیر ہے۔

ابتداء کائنات سے متعلق ماہرین طبیعیات کا یہ بھی نظریہ ہے کہ شروع میں دھوئیں، بھاپ، میں سحاب موجود تھے جس کو primary

nebula سے تعبیر کرتے ہیں۔ چاند، ستارے، سیارے اور دیگر اجرام سماوی وجود میں آئے۔ جیسا کہ ما قبل میں سحابیوں کے شکل میں تھی جو عظیم دھماکہ سے معرض وجود میں آئی۔ Big Bang کا نظریہ سائنسدانوں مارٹن رائل نے پیش کیا تھا۔

دخان کے تفسیر کے تحت مولانا آزاد نے اس سائنس نظریہ کی تائید کی ہے کہ کائنات ابتداء میں سحابے (nebula) کی شکل میں تھا۔ اسی طرح ارتقا کی تفسیر کرتے ہوئے اس سائنس نظریہ کی تائید کی ہے کہ کائنات ابتدا عظیم تو وہ big mass تھا۔ الحاصل مولانا آزاد کی تفسیر سے واضح ہو گیا کہ یہ کائنات ابتداء ایک عظیم تو وہ mass تھا جو دخان nebula کی شکل میں تھا پھر اس میں انقسام ہوا جس سے متعدد اجرام شکل پذیر ہوئے۔

- کائنات میں توازن (Balance) اور سائنس:

کائنات کے جملہ عناصر میں توازن (balance) قائم ہے۔ اگر یہ توازن نہ ہوتا تو کائنات کا وجود اور بقا محال ہو جاتا۔ ماحولیاتی توازن کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

> Ecological balance is a state of dynamic equilibrium within a community of organism in which diversity remains relatively stable but can change gradually through natural succession.

رشید ملک فرماتے ہیں کہ کائنات میں ایک ترتیب ہے مثلاً پانی ہے اس میں دو ایٹم ہائیڈروجن اور ایک ایٹم آکسیجن ہے۔ اگر اس ترتیب میں کمی زیادتی ہو جائے تو پانی قابل استعمال نہیں رہے گا۔ کائناتی توازن کے متعلق ڈاکٹر ایم شیخ فرماتے ہیں:

> ہماری زمین کے اوپر ہوا کا 500 میل موٹا غلاف ہے۔ اگر یہ موٹائی آدھی ہوئی تو ہوا کا دباؤ زمین پر اتنا کم ہوتا کہ ہمارے جسم کے خون کی نالیاں پھٹ جاتیں اور کوئی بھی زندہ نہ بچتا۔ اس کے بر خلاف اگر ہوائی تہہ دوگنی ہوتی تو ہوا کا دباؤ اتنا ہوتا کہ ہماری ہڈیپسلی چور چور ہو جاتی۔ اب متوازن غلاف زندگی کے لیے عین مناسب ہے۔ اسی طرح زمین سے سورج کا فاصلہ 16 کروڑ 96 لاکھ 50 ہزار کلو میٹر ہے۔ یہ فاصلہ نہایت مناسب ہے اگر یہ فاصلہ کم ہوتا تو سورج کی کرنیں زمن پر اتنی تیز پڑتیں کہ یہاں زندگی ناممکن ہوتی۔ اگر یہ فاصلہ دوگنا ہو جاتا تو زمین تک پہونچنے والی حرارت کی مقدار ایک چوتھائی رہ جاتی اور زمین کی گردش کی رفتار نصف ہو جاتی۔ موسم سرما کی مدت دوگنا ہو کر زندگی منجمد ہو جاتی۔ اسی طرح اگر زمین سے سورج کا فاصلہ نصف کر دیا جائے تو سورج سے حاصل ہونے والی حرارت کی مقدار چار گنا بڑھ جاتی اور کرہ زمین پر گردش اس قدر بڑھ جاتی کہ زندگی ناممکن ہوتی۔ زمین اور سورج کے حجم کا تناسب بھی اتنا مناسب ہے کہ یہ زمین سورج کے بالمقابل بہت چھوٹی ہے۔ سورج میں ہماری زمین کی طرح ۱۳ لاکھ زمین سما سکتی ہے۔ اگر ہماری زمین سورج کے مانند بڑی ہوتی اور اس کی موجودہ کثافت بر قرار رہی تو زمین کی کشش ثقل ڈیڑھ گنا ہو جاتی جس سے 500 میل کا یہ موٹا غلاف

صرف 4 میل رہ جاتا نتیجتاً پانی بھاپ میں تبدیل نہ ہوتا، نہ بادل بنتے اور نہ ہی بارش ہوتی۔ پانی جو آج ہماری بنیادی ضرورت ہے اسمیں ہائیڈروجن کے دو جواہر اور آکسیجن کا ایک جوہر یعنی H_2O میں ہائیڈروجن کی طرح آکسیجن دو جوہر ہوتے تو یہ H_2O_2 یعنی ہائیڈروجن پیرا آکسائیڈ بن جاتا جو تیزابی خاصیت رکھتا اور اس سے انسان کو نقصان پہنچتا۔

محولہ بالا اقتباس یہ ثابت کررہاہے کہ سائنس کائنات بنام ماحولیات میں توازن (balance) کا قائل ہے اور یہ ایک سائنسی حقیقت ہے۔

- قرآن اور کائنات کا توازن:

قرآن کریم کی مختلف آیات میں ماحولیاتی توازن کا حوالہ ملتا ہے۔ ارشاد باری ہے: "إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ" (قمر: 49)۔ ترجمہ: ہم نے ہر چیز ایک تقدیر پر پیدا کی ہے، یعنی ہر چیز کی ایک قدیر ہے جس کے مطابق وہ مقررہ وقت پر بنتی اور شکل پاتی ہے، ایک مقررہ وقت تک رہتی ہے اور پھر ختم ہو جاتی ہے۔ بہر حال یہ آیت صراحت کررہی ہے کہ اللہ نے ہر چیز ایک خاص توازن کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ سید قطب نے اس آیت کی تفسیر میں طویل کلام کیاہے۔ ذیل کے سطور میں ہم ان کا مختصر اقتباس پیش کرتے ہیں:

ہر چیز چھوٹی ہو یا بڑی، بولنے والی ہو یا خاموش، متحرک ہو یا ساکن، معلوم چیز یا مجہول، اللہ نے ہر چیز کو ایک اندازے سے پیدا کیا ہے۔ یہ تقدیر اس کی حقیقت طے کرتی ہے اور اس کی مقدار طے کرتی ہے۔ اس کے ماحول کے ساتھ اس کے روابط طے کرتی ہے۔ یہ کائنات باہم تناسب اور نہایت ہی وقت کے ساتھ باہم مربوط ہے۔ اس کی ہر چیز ایک مقدار کے مطابق پیدا کی گئی ہے۔ سائنس نے معلوم کرلیا ہے کہ ستاروں کے درمیان فاصلے ایک متعین مقدار کے مطابق ہیں۔ یہ زمین جس کے اوپر ہم رہتے ہیں اس کے اندر پائے جانے والے تقدیر کا علم تو اس قدر بڑھ گیا ہے کہ اس کی موجودہ حالت اور نسبت کے اندر ذرا بھی تبدیلی کی جائے تو اس زمین پر جس قدر متنوع زندگی پائی جاتی ہے اس کے اندر زبردست خلل واقع ہو جائے یا سرے سے زندگی ہی ختم ہو جائے۔ جو ضوابط زندگی کو کنٹرول کرتے ہیں ان کے درمیان توازن اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ زندہ اشیاء اور ان کے ماحول کے درمیان توازن ہے اور تمام اشیاء ایک دوسرے کے ساتھ توازن کے ساتھ قائم ہیں۔ مثلاً وہ پرندے جو چھوٹے پرندوں کا شکار کرکے غذا حاصل کرتے ہیں وہ قلیل التعداد ہیں کیوں کہ یہ بہت کم انڈے دیتے ہیں اور یہ محدود اور متعین علاقوں میں زندہ رہتے ہیں اور ان کی عمر طویل ہوتی ہے۔ اگر طویل عمر کے ساتھ ان کے بچے بھی زیادہ ہوتے اور یہ ہر علاقہ میں زندہ رہ سکتے تو وہ دنیا سے تمام چھوٹے پرندوں کو ختم کر دیتے اور چھوٹے پرندوں کی نسل ختم ہو جاتییا ان کا مقصد تخلیق فوت ہو جاتا۔

الحاصل، مذکورہ بالا اقتباس سے ثابت ہو گیا کہ اللہ نے ہر چیز ایک خاص اور مطلوبہ مقدار میں پیدا کی ہے جس سے کائنات کا توازن (balance) قائم ہے۔ اس مفہوم کی ایک دوسری آیت ہے: "وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا" (فرقان: 2)۔ ترجمہ: اس نے ہر چیز

کو پیدا کیا اور نہایت پورے پورے اندازہ سے پیدا کیا۔ اسی سلسلہ میں ایک دوسری آیت ہے: "وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ" (حجر:19)۔ مولانا آزاد اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

> موزون ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ زمین میں جتنی نباتات اگتی ہیں سب کے لیے حکمت الہیہ نے خاص اندازہ ٹھہرایا ہے۔ ہر چیز اپنی نوعیت، کمیت اور کیفیت میں جچی تلی حالت رکھتی ہے جس سے کبھی باہر نہیں جاسکتی۔ ممکن نہیں کہ گھاس کی ایک شاخ بھی اگ آئے جو گھاس کے مقدار ہو۔ طرح طرح کے غلے، طرح کے پھول، طرح طرح کے پھل، سبزیاں، درخت اور گھاس اگ رہی ہیں اور نہیں معلوم کب سے اگ رہی ہیں لیکن کوئی چیز بھی ان میں ایسی ہے جس کی شکل ڈیل ڈول، رنگت وخوشبو مزہ اور خاصہ ایک خاص مقررہ اندازے پر نہ ہو اور ٹھیک کانٹے کی تول نہ ہو اور اعتدال کا مفہوم داخل ہے۔ جتنی چیزیں اگتی ہیں اپنی ساری باتوں میں تناسب واعتدال کی حالت رکھتی ہیں۔ کوئی شئ نہیں جو اپنی کمیت و کیفیت میں غیر مناسب اور غیر معتدل ہو۔

اس مفہوم کی ایک اورآیت ہے جس میں ماحولیاتی توازن کی سند ملتی ہے۔ ارشاد ہے: "وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ" (حجر: 21)۔ ترجمہ: ہمارے پاس ہر چیز کے ذخیرے ہیں مگر انہیں ایک ٹھہرے ہوئے اندازے کے مطابق بھیجتے ہیں۔ یہ معاملہ صرف نباتات ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام موجودات کے معاملہ میں عام ہے۔ اس سے پورے کائنات میں توازن، اعتدال اور تناسب نظر آرہا ہے۔

اسی مفہوم کی ایک دوسری آیت ہے جس میں کائناتی توازن کی بات کی گئی ہے۔ ارشاد ہے: "وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ" (رحمٰن: 7-8)۔ قریب قریب تمام مفسرین نے یہاں میزان (ترازو) سے مراد عدل لیا ہے اور میزان قائم کرنے کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کے اس پورے نظام کو عدل پر قائم کیا ہے۔

الغرض، ماسبق کے جملہ حوالوں سے یہ امر مبرہن ہو جاتا ہے کہ زیر بحث آیت میں "المیزان" سے مراد کائنات کا عدل و توازن ہے اور معاً اس توازن میں رخنہ اندازی سے منع کیا گیا ہے۔ اس طرح ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ کائناتی توازن کے سائنسی نظریہ سے 1400 سال قبل قرآن سب سے اول کائناتی توازن یا ماحولیاتی توازن (ecological balance) کی حقیقت کو آشکار کیا۔

9.10 حیاتیاتی تنوع (Bio Diversity)

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ آج کائنات کا اعتدال و توازن متزلزل ہے۔ اس کی اہم وجہ حیوی تنوع کا انعدام ہے۔ ذیل کے سطور میں مقالہ نگار پہلے حیاتیاتی تنوع سے متعلق کچھ اہم نکات کی جانب اشارہ کرے گا پھر اس سے متعلق قرآن وحدیث کے ارشادات منقول ہوں گے۔

- حیاتیاتی تنوع کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

حیاتیاتی تنوع قدرت کا وہ حصہ ہے جو ایک نسل کے افراد کے جینیات (genetics) پر مشتمل ہوتا ہے، ایک علاقہ کے تمام نسلوں کے تعداد پر مشتمل ہوتا ہے نیز ایک مخصوص علاقہ کے جملہ اقسام کے نظام ماحول پر مشتمل ہوتا ہے۔ حیاتیاتی تنوع کے ایک اکائی سے کسی جغرافیائی یا سیاسی خطہ کی خاصیت سازی ہو سکتی ہے۔

- حیاتیاتی تنوع کی قسمیں:

1۔ جینیاتی تنوع: ایک نسل کے افراد کے درمیان تشتت مثلاً انسان کا ہر فرد مختلف ہے۔

2۔ نسلی تنوع: یہ تنوع مختلف بہت سے نظام قدرت میں مشاہد ہے۔

3۔ نظام ماحول کا تنوع: ہر علاقہ ایک مختلف طرح کا نظام ماحول رکھتا ہے۔ ہر ایک ساخت ایک دوسرے سے جدا ہوتا ہے۔

9.10.1 عالمی نسلوں کا بحران

انسان کے وجود شناس ہونے سے قبل ہر ایک ملین نسلوں میں ایک نسل ناپید ہو جاتی تھی۔ گذشتہ بیسوی صدی میں ہر سال ایک نسل کا خاتمہ ہو رہا تھا۔ اب ہر روز ایک نسل کا خاتمہ ہو رہا ہے اور آئندہ پچاس سے سو سالوں میں حیاتیاتی تنوع کا فقدان مزید تیزی سے ہو گا۔ حیاتیاتی سائنسدانوں کا تخمینہ ہے کہ 2030ء تک بیس فیصد اور صدی کے اختتام تک پچاس فی صد نسلوں کا خاتمہ ہو چکا ہو گا۔ بڑے سائنسدانوں کا قول ہے کہ چھ عظیم فقدان یا ناپیدگی ہونے والی ہے۔

- حیوی تنوع کا تحفظ:

حیاتیاتی تنوع کا تحفظ کی متنوع تدابیر تجویز کی گئی ہے۔ لیکن ماہرین کا کہنا ہے کہ حیاتیاتی تنوع کے تحفظ کا سب سے موثر طریقہ یہ ہے کہ دشت و بیابان کے ایک وافر حصہ کو محفوظ (protected area) قرار دیا جائے۔ یعنی sancturies بنائی جائے۔

9.10.2 حیاتیاتی تنوع کا فقدان اور قرآن

جیسا کہ محولہ صفحات میں گذرا کہ آج کائنات کا توازن بگڑ رہا ہے اور اس کی اہم وجہ حیاتیاتی تنوع کا فقدان ہے۔ آج زور رفتاری سے مختلف نسلوں کی ناپیدگی ایک حقیقت بن گئی ہے۔ قرآن کریم میں اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نسلوں کو ناپید کر کے بندوں کا امتحان لیں گے گویا ازروئے قرآن نسلوں کا العدم ایک حقیقت ہے جو واقع ہو کر رہے گی۔ چنانچہ ارشاد باری ہے: "**وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ**" (بقرہ: 155)۔ اس آیت میں مال اور جان میں نقص اور کمی کے ساتھ پھلوں اور کھیتوں میں کمی کا تذکرہ ہوا ہے۔ ابن کثیر اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ باغ اور کھیت حسب عادت نہیں رہیں گے اور بعض اسلانے فرمایا کہ کھجور کے درخت ایک ہی نوع کا کھجور دیں گے۔ اس تفسیر سے صاف ظاہر ہے کہ نباتاتی نسلوں کا خاتمہ ہو گا جیسا کہ آج یہ ایک سائنس حقیقت بن چکا ہے۔

علامات قیامت میں یہ بھی ہے کہ جانوروں کی نسلیں ختم ہونے لگے گی۔ چنانچہ محدث لقیط بن ارطاۃ سے روایت ہے کہ قسطنطنیہ فتح ہو گا۔ اس کے بعد ہی مسلمان کو خبر ملے گی کہ دجال نکل گیا ہے حالانکہ یہ خبر غلط ہو گی اور اسی سال آسمان سے ایک تہائی بارش کم ہو گی دوسرے سال دو تہائی کم ہو گی اور تیسرے سال بالکل ہی بارش نہ ہو گی تو کھر اور کچلی کے دانت تمام جانور ہلاک ہو جائیں گے۔ اس روایت میں جانوروں کی ایک نسل کے خاتمہ کی پیشین گوئی ہے۔ اسی معنی کی حدیث حضرت اسماء بنت یزید سے مسند احمد میں نقل کی گئی ہے: عن أسماء بنت يزيد قالت كنا مع النبى ﷺ فقال: "إذا كان قبل خروج الدجال بثلاث سنين حبست السماء ثلث مطرها وحبست الأرض ثلث نباتها ... فإذا كانت السنة الثالثة حبست السماء كل مطرها وحبست الأرض نباتها كله فلا يبقىٰ ذو خف۔ اس روایت میں صراحت ہے کہ آخر زمانہ میں کوئی بھی کھر اور ڈاڑھ والا جانور باقی نہیں رہے گا۔ اس یعنی حیاتیاتی تنوع کے خاتمہ کے حوالہ ملتا ہے جو کہ علامت قیامت میں سے ہے۔

9.10.3 حیاتیاتی تنوع کا تحفظ اور حدیث

جیسا کہ محولہ اوراق میں گذرا ماہرین نے حیاتیاتی تنوع کے تحفظ کے لیے محفوظ مقامات (sancturies) بنانے کا مشورہ دیا ہے اور اب جس پر عمل بھی کیا جا رہا ہے مگر یہ تصور sancturies بنانے کا سب سے پہلے حضرت محمد ﷺ نے دیا۔ چنانچہ صحیح مسلم کی روایت ہے: عن جابر قال: قال النبى ﷺ إنَّ إبراهيمَ حَرَّمَ مكَّةَ، وإنِّي حَرَّمْتُ المدينةَ ما بيْن لابَتَيْها، لا يُقْطَعُ عِضَاهُها، ولا يُصادُ صَيْدُها۔ اس روایت میں صراحت ہے کہ نبی ﷺ نے مدینہ کے درختوں کو کاٹنے اور اس میں شکار کرنے کو منع فرما دیا۔ یہ کسی علاقہ کو sanctury قرار دینے کی پہلی مثال ہے۔ اس طرح حیوی تنوع کا بہتر تحفظ ہو سکتا ہے جیسا کہ ماہرین آج اس کا اقرار کر رہے ہیں۔

9.11 بتدریج ترقی (Sustainable Development)

ماحولیاتی بحران کا ایک سبب زود رفتار معاشی ترقی ہے۔ آج زندگی کے معیار کو بلند کرنے کی تگ و دو میں مادی دنیا بالخصوص ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک منہمک ہیں۔ اس جذبہ کے تحت وسائل کا زیاں کارانہ استعمال ہو رہا ہے جس کے رد عمل میں دنیا وسائل کے قلت کی شکار ہو رہی ہے نیز صنعت گاہوں میں کوئلہ اور دیگر ایندھنوں کے لامتناہی استعمال کی وجہ سے ماحولیات کثافت و آلودگی سے متاثر ہے۔ اس لیے اب عالمی طور پر یہ بات زیر غور ہے کہ کس طرح وسائل کا تحفظ بھی ہو، بتدریج ترقی بھی ہو اور ماحولیات کا تحفظ بھی ہوتا ہے اسی نظریہ کو تحفظ پسندانہ ترقی سے تعبیر کرتے ہیں۔ ذیل کے سطور میں مقالہ نگار پہلے تحفظ پسندانہ ترقی (saustainable development) کی تعریف کرے گا پھر اس سلسلہ میں اسلامی تعلیمات پر روشنی ڈالے گا۔ عالمی وفد برائے ماحولیات و ترقی یعنی (World Commision on Enviroment and Development) نے تحفظ پسندانہ ترقی کی تعریف کی ہے: "ایسی ترقی کی تسکین کو متاثر کیے بغیر موجودہ ضرورت کو پورا کر دے"، مع قدرتی وسائل مثلاً حیات کو خطرہ لاحق نہ ہو نیز وسائل کا استحصال نہ ہو۔

محولہ عبارت سے واضح ہے کہ تحفظ پسندانہ ترقی کے لیے سب سے اہم امر وسائل قدرت کا تحفظ ہے اور وسائل قدرت کا تحفظ جب

ہی ممکن ہے کہ ان کا قناعت پسندانہ استعمال کیا جائے۔ ذیل کے سطور میں چند مثالیں نقل ہیں کہ وسائل کے تحفظ کے لیے اسلام نے کس طرح کی تعلیم دی ہے۔

یہ بات الم نشرح ہے کہ اسلام نے وسائل کے استعمال کی اجازت دی ہے تاہم، اسراف کی ممانعت ہے۔ ارشاد باری ہے: ''وَّکُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلاَ تُسْرِفُوْا اِنَّه لاَ یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ'' (اعراف: 31)۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وسائل کے استعمال کی اجازت دی ہے، البتہ اس کو اسراف سے مقید کر دیا ہے۔ اسراف محض دنیوی امور میں نہیں بلکہ دینی امور میں بھی ممتنع ہے چنانچہ آنحضور ﷺ نے اسراف کرنے سے منع فرمایا خواہ نہر جاری پر ہو۔ عن عبداللہ بن عمر أن رسول الله ﷺ مر بسعد وهو يتوضأ فقال: 'ما هذاالسر ف' فقال أ في الوضوء إسراف؟ قال: 'نعم، وإن كنت على نهر جار'۔ اسی طرح ابن ماجہ کتاب الاطعمہ کی روایت ہے کہ ان من السرف ان تاكل كل ما شتهيت۔ یعنییہ بھی اسراف ہے کہ آدمی خواہش کی ہر چیز کو کھائے۔ اسلام کییہ درخشاں تعلیمات ہیں جن پر عمل کر کے وسائل قدرت کا بہتر طور پر تحفظ ہو سکتا ہے جس سے ترقی میں مدد ملے گی۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دنیا میں جتنے وسائل قدرت ہیں سب کو اللہ نے ایک محدود مقدار میں پیدا کر دیا ہے۔ یوں تو قدرت کے خزانہ میں کسی چیز کی قلت نہیں بلکہ ہر چیز کی فراوانی ہے مگر زمین پر انھیں متعین مقدار میں پیدا کیا گیا ہے۔ یہ پانی، یہ فضا، یہ مٹی اور سب کچھ ایک محدود مقدار میں ہیں۔ ارشاد باری ہے: ''وَاِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُوْمٍ'' (حجر: 21)۔ اس آیت میں ناطق ہے کہ وسائل قدرت ایک محدود مقدار میں ہیں۔ اسی لیے اسلام میں اسراف کی ممانعت ہے تاکہ محدود وسائل کی زیاں کاری نہ ہو سکے جیسا کہ محولہ سطور میں گذرا۔ اسی لیے اسلام میں قناعت کی تلقین کی ہے۔ سنن ترمذی، کتاب الاطعمہ میں روایت نقل کی ہے: طَعَام الواحد يكفي الإثنين وأن طعام الإثنين يكفي الثلاثة والأربعة۔ یعنی ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کے لیے اور دو آدمیوں کا کھانا تین اور چار آدمیوں کے لیے کافی ہے۔ یہ روایت صراحتاً تلقین کر رہی ہے کہ وسائل قدت کا تحفظ کیا جائے اگر اس روایت کو عمل کی شکل دی جائے تو کتنے وسائل کا تحفظ ہو گا اور دنیا جو قلت طعام کا شکار ہے اس وبال سے نجات پائے گی۔ اسی وجہ سے اسلام نے اس جذبہ کو سراہا ہے۔

9.12 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- ماحولیاتی بحران نام ہے ان ماحولیاتی مسائل سے جس کا آج نسل انسانی مقابلہ کر رہی ہے۔ ان مسائل میں عالمی شدت حرارت، اوزون پرت میں خفت، تیزابی بارش اور جنگلات کے خاتمہ کی شمولیت ہے۔ یہ مسائل ماحولیاتی ہیں لیکن اس کا حل لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ ان مسائل کے بہت سے اسباب ہیں جس میں تکنیکی ترقی بھی شامل ہے۔ صنعتی انقلاب اور آزاد معاشیات یعنی پیداوار کی کثرت اور وسائل کا استحصال نے ماحولیاتی بحران میں خاص کردار ادا کیا ہے۔

- فضائی تحفظ کے لیے شجر کاری بہت ضروری ہے اشجار ہی ہمیں آکسیجن فراہم کرتے ہیں اور CO_2 کو جذب کرتے ہیں۔ اس لیے ترمذی ابواب الاحکام، باب فی فضل الغرس میں روایت ہے: مامن مسلم یغرس غرساً أو یزرع زرعاً فیأکل منه إنسان أو طیر أو بهیمة إلا کانت له صدقة۔ ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی پودا بوتا ہے یا کھیتی کرتا ہے پھر اس سے پرندے انسان یا چوپائے کھاتے ہیں مگر وہ اس کے لیے صدقہ ہوتا ہے۔ اس روایت سے شجر کاری کرنے کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔
- اسلامی تناظر میں آبی آلودگی کا ازالہ واجب ہے۔
- زمین کی اہمیت اسلام میں اتنی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پوری زمین میرے لیے پاک اور مسجد بنائی گئی ہے۔
- شور سے اجتناب کے لیے اسلام نے حکمت عملی اختیار کی ہے اور کئی طرح کی نہایت مفید تعلیمات بھی دی ہیں۔
- قرآن کریم کی مختلف آیات میں ماحولیاتی توازن کا حوالہ ملتا ہے۔

9.13 کلیدی الفاظ

1۔ ماحولیاتی بحران (environmental crisis)
2۔ آلودگی (pollution)
3۔ شجر کاری (plantation)
4۔ ماء جاری (running water)
5۔ صوتی آلودگی (sound pollution)
6۔ عالمی شدت حرارت (global warming)
7۔ حرارت (temperature)
8۔ نسلیں (species)
9۔ کوئلہ اور پٹرول وغیرہ (fossil fuels)
10۔ تحفظ (conservation)

9.14 نمونہ امتحانی سوالات

9.14.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. ماحولیاتی بحران کسے کہتے ہیں؟

(a) معاشی مسائل (b) سماجی مسائل (c) ماحولیاتی مسائل (d) طبعی مسائل

2. لفظ فساد کس کی ضد ہے؟

(a) آلودگی (b) صلاح (c) امن (d) سلامتی

3. سورہ المرسلات میں کتنی قسموں کی ہواؤں کا تذکرہ ہے؟

(a) 2 (b) 3 (c) 4 (d) 8

4. فضائی تحفظ کے لئے کس چیز کی زیادہ ضرورت ہے؟

(a) پرندوں کی (b) پانی کی (c) درختوں کی (d) روشنی کی

5. طہارت شرعیہ کے لئے کس چیز کی ضرورت ہے؟

(a) دودھ (b) ہوا (c) پانی (d) مٹی

9.14.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. ماحولیاتی بحران کی تعریف اور اقسام لکھیے۔
2. آلودگی کی کتنی قسمیں ہیں؟ بیان کیجیے۔
3. قرآن میں کتنی قسموں کی ہواؤں کی قسم کھائی گئی ہے؟ واضح کیجیے۔
4. حیوی تنوع پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
5. بتدریج ترقی کسے کہتے ہیں؟ بیان کیجیے۔

9.14.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. ماحولیاتی بحران سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
2. آلودگی کی جملہ اقسام کی تفصیل لکھیے۔
3. شدت حرارت کے متعلق احادیث میں کیا تفصیل وارد ہوئی ہے؟ بیان کیجیے۔

9.15 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. Enviormental and Conservasion : کرس پارس، آکسفورڈ پریس، 2007
2. ماحولیاتی بحران : مسعود احمد، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی
3. Air Pollution : ایم۔این۔راؤ، ٹاٹا ایم سی، گروہل پبلشنگ کمپنی لمیٹیڈ، 1989
4. Natural Research &Enviorment : ڈاکٹر نہال انور صدیقی، خان پبلشرز، دہلی، 2008
5. Enviormental Studies : آر۔راج گوپالن، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، 2011

اکائی 10: آلودگی کی مختلف صورتیں اور اسلامی تعلیمات (حصہ اول)

اکائی کے اجزا

10.0 تمہید

10.1 مقاصد

10.2 آلودگی کا مفہوم

10.2.1 آلودگی کی مختصر تاریخ

10.2.2 آلودگی کے نقصانات

10.2.3 آلودگی کی مختلف قسمیں

10.3 فضائی آلودگی (Air Pollution)

10.3.1 فضائی آلودگی (Air Pollution) کا مفہوم

10.3.2 فضائی آلودگی کے اسباب

10.3.3 فضائی آلودگی کے نقصانات

10.4 آلودگی سے تحفظ اور اسلامی تعلیمات

10.4.1 آلودگی فساد ہے

10.4.2 درختوں کے کاٹنے کے سلسلے میں اسلامی ہدایات

10.4.3 شجرکاری کی اہمیت

10.4.4 جانوروں کا تحفظ

10.4.5 دھواں پھیلانے کی ممانعت

10.4.6 آلائش کو دفن کرنے کا حکم

10.5 فضائی آلودگی پیدا کرنے والی چیزیں

10.5.1 فضائی آلودگی کو کم کرنے کی تدابیر

10.6 صوتی آلودگی
10.6.1 صوتی آلودگی کا مفہوم
10.6.2 صوتی آلودگی کے اسباب
10.6.3 صوتی آلودگی کے نقصانات
10.7 صوتی آلودگی اور اسلامی تعلیمات
10.7.1 پروگراموں اور جلسوں میں آواز کا مسئلہ
10.7.2 ٹریفک کا شور
10.7.3 صنعتی شور کی آلودگی
10.7.4 صوتی آلودگی اور فقہ اسلامی
10.0 اکتسابی نتائج
10.1 نمونہ امتحانی سوالات
10.1.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
10.1.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
10.1.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
10.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

10.0 تمہید

انسان کے ارد گرد جو چیزیں ہیں اور جن چیزوں سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے مثلاً زمین، پانی، ہوا، چرند و پرند، نہریں، درخت اور بیل بوٹے وہ سب مل کر انسان کا ماحول بناتی ہیں اور اسی کو ہم ماحولیات سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کا معتدل اور میانہ روی کے ساتھ استعمال ماحول کو خوب صورت بناتا ہے، جب کہ اس کا بے جا اور غلط استعمال ماحول کو آلودہ کرتا ہے۔ جب تک قدرتی چیزیں فطری اصولوں کے موافق ہوں گی ماحول اپنی توانائی کے ساتھ باقی رہے گا اور جب ان چیزوں کو فطرت کے اصولوں کے خلاف استعمال کیا جائے گا تو ماحول کا توازن بگڑ جائے گا اور اس پر منفی اثر پڑے گا۔ ماحول کی آلودگی سے انسان خود بھی متاثر ہوتا ہے اور دوسرے جانداروں کو بھی متاثر کرتا ہے۔ ماحولیاتی آلودگی ایک خطرناک وائرس کی طرح ہے جو پورے سماج کے لیے خطرہ ہے اور اس کے نتائج بھیانک ہیں۔ بعض لوگ اسے کینسر کی طرح موت کا بھائی تسلیم کرتے ہیں۔ ایک رپوٹ میں کہا گیا ہے کہ آلودگی دہشت گردی اور بھوک مری سے زیادہ خطرناک ہے، آج عالمی سطح پر

ماحولیاتی آلودگی سنگین مسئلہ بن چکی ہے اور اقوام متحدہ سے لے کر دنیا کی بڑی بڑی تنظیمیں اس مسئلے پر حساس انداز میں گفتگو کر رہی ہیں اور لائحہ عمل بنا رہی ہیں۔1972ء میں اقوام متحدہ نے سویڈن کی راجدھانی اسٹاک ھوم(Stockholm) میں اس موضوع پر پہلا سیمینار کیا اور ہر سال 5 / جون کو عالمی ماحولیاتی دن کے طور پر منانے کا فیصلہ کیا۔ اس ضمن میں ہمارے لیے ضروری ہوتا ہے کہ ماحولیاتی آلودگی کے سلسلے میں اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کریں اور جائزہ لیں کہ ماحولیاتی آلودگی سے تحفظ کے لیے اسلام نے ہماری کیا رہنمائی کی ہے؟ اور کس طرح ہم اسلامی تعلیمات کی روشنی میں آلودگی کو ختم کر کے ایک بہتر ماحول بناسکتے ہیں۔

10.1 مقاصد

اس اکائی میں ماحولیاتی آلودگی کے مفہوم، حقیقت، اقسام اور اس کی مختلف صورتوں سے بحث کی جائے گی، اس کے ذریعہ ہم ماحولیاتی آلودگی کے اسباب اور آلودگی سے تحفظ کے لیے اسلامی تعلیمات سے واقف ہوں گے۔ اس لیے کہ اسلام نے ماحول کے تحفظ اور خوب صورت بنانے کے لیے ہمیں بہترین تعلیمات فراہم کی ہیں جسے ہم ماحولیاتی جمال سے تعبیر کر سکتے ہیں، اس یونٹ کا مقصد یہ ہے کہ ہم ماحولیاتی آلودگی کے نقصانات اوراس سے تحفظ کے سلسلے میں اسلامی تعلیمات کا بغور مطالعہ کریں تا کہ بہتر ماحول کو بنانے میں فعال کردار ادا کرسکیں۔

10.2 آلودگی کا مفہوم

آلودگی سے مراد یہ ہے کہ ماحول کے فطری عناصر میں غیر فطری عناصر شامل ہو جائیں یعنی قدرتی ماحول میں ایسی چیزوں کا شامل ہو جانا جس کی وجہ سے ماحول میں منفی اور ناخوشگوار تبدیلی واقع ہو جائے آلودگی کہلاتا ہے۔ بعض لوگوں نے آلودگی کی تعریف اس طرح کی ہے : انسان کے اپنے پھیلائے ہوئے فاضل مادے جو اس کے لیے نقصان دہ ہوں ۔ آلودگی کو عربی میں "تلوث" اور انگریزی میں "pollution" اور ہندی میں "پردُوشن" کہتے ہیں۔ آلودگی کبھی قدرتی تبدیلی سے بھی واقع ہو جاتی ہے مثلاً سمندری طوفان وغیرہ؛ لیکن زیادہ تر آلودگی انسان کے غیر ضروری، غلط استعمال اور بے جا مداخلت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

10.2.1 آلودگی کی مختصر تاریخ

آلودگی درحقیقت انسانی کدوکاوش کا نتیجہ ہے اور جس قدر انسانی گروہ میں اضافہ ہوا ہے اسی قدر آلودگی میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ قدیم ترقی یافتہ تہذیبیں سامان کو بنانے کے لیے پانی کا استعمال کرتی تھیں، قدیم زمانے میں مصنوعات کی اس درجہ کثرت نہیں تھی اور اپنے آپ کو ترقی یافتہ بنانے اور دنیا کی دولت سمیٹنے کی ایسی ہوس نہیں تھی جو آج ہے۔ بہت حد تک اخلاقی قدریں باقی تھیں؛ اس لیے ماحولیاتی آلودگی کے مسائل اس درجہ پیدا نہیں ہوئے تھے۔ عہد وسطی میں شہروں کی طرف توجہ دی گئی اور لوگوں نے شہروں کو اپنا مسکن بنانا شروع کیا اس طرح شہری آبادی کی کثرت کی وجہ سے آلودگی کے وہ مسائل پیدا ہوئے جس نے بہت سے متعدی امراض کو جنم دیا۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد نیوکلیئر ہتھیاروں کے بنانے اور اس کو استعمال کرنے اور دولت بٹورنے کی ہوس نے آلودگی کے مسائل کو سنگین حد تک پہنچادیا،

اگر چہ اس آلودگی پر قابو پانے کے لیے بڑے ملکوں نے بہت سے قوانین بنائے اور معاہدات پر دستخط کئے؛ لیکن بدقسمتی سے ان ممالک نے ان معاہدوں کا پاس ولحاظ نہیں کیا اور دن بدن آلودگی کے مسائل بڑھتے چلے گئے، یہی وجہ ہے کہ پہلے بیماریوں کی وہ کثرت نہیں تھی جو آج ہے۔ بیماری کی اس بہتات میں موحولیاتی آلودگی کا بنیادی کردار ہے نت نئی بیماریاں اسی کی وجہ سے جنم لے رہی ہیں۔

پوری دنیا اس وقت ماحولیاتی آلودگی کے تئیں سنجیدہ ہے خود ہندوستان میں آلودگی سے نمٹنے کے لیے کوششیں کی جارہی ہیں چنانچہ 1972ء میں اس مسئلے سے نمٹنے کے لیے جنگلی جانوروں کے تحفظ کے لیے ایکٹ بنایا گیا پھر 1980ء کو جنگلات کے تحفظ کے لیے قانون بنا۔ عوامی بیداری کے لیے ماحولیاتی تحفظ پر بڑے بڑے سیمینار کیے جارہے ہیں، 16 / فروری 2005ء کو ماحولیاتی آلودگی کو روکنے کے لیے بین الاقوامی معاہدہ "کیوٹو پرٹوکول" نافذ کیا گیا۔ جس کے تحت صنعتی ممالک کو 2012ء تک فضا کو گرم کررہی گرین ہاؤس گیسوں کا اخراج 5.2 فیصد کم کرنا تھا اسی کا ایک حصہ یہ ہے کہ تمام عصری درسگاہوں کے نصاب میں ماحولیات اور ماحولیاتی آلودگی کو شامل کیا گیا ہے تاکہ اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ بیداری پیدا ہو۔

10.2.2 آلودگی کے نقصانات

آلودگی وہ بھیانک جراثیم ہے جس کی وجہ سے صرف انسانی جسم ہی کو خطرہ نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ سیارے پر موجود تمام ذی روح خطرات کی زد میں ہوتے ہیں، اس کی وجہ سے ناک، پھیپھڑے اور آنکھوں میں تکلیف ہوتی ہے، سانس میں پریشانی لاحق ہوتی ہے، مختلف قسم کے امراض جنم لیتے ہیں، سانسوں کے ذریعہ باریک ذرات کے جسم میں جانے کی وجہ سے شریانوں میں سختی پیدا ہوتی ہے۔ ہارٹ اٹیک کے علاوہ دیگر قلبی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اور انفیکشن سے لڑنے کی طاقت جسم میں کم ہو جاتی ہے۔ ایک تحقیق میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ جو حاملہ خواتین آلودہ فضا میں رہتی ہیں ان کے یہاں پیدا ہونے والا بچہ دیگر بچوں کے مقابل میں کم وزن کا ہوتا ہے، "انوائرمینٹل ہیلتھ پر سپیکٹیو" نامی ادارے نے یہ نتائج نو ممالک میں تیس لاکھ سے زائد نوزائدہ بچوں کے جائزے بعد اخذ کیے ہیں، تحقیق سے پتہ چلا کہ جن بچوں کا جنم آلودہ فضا والے علاقوں میں ہوا ہے انہیں مستقبل میں مسائل کا سامنا رہتا ہے، جیسا کہ انہیں ذیابیطس اور دل کی بیماری کا خطرہ نسبتا زیادہ ہوتا ہے۔ ایک مؤقر میڈیکل جرنل "دی لینسٹ" میں کہا ہے کہ 2015ء میں 90 لاکھ لوگوں کی موت آلودگی کی وجہ سے ہوئی ہے۔

10.2.3 آلودگی کی مختلف قسمیں

آلودگی کی مختلف اعتبار سے مختلف تقسیم کی جاتی ہیں ایک تقسیم قدرتی آلودگی اور صنعتی آلودگی سے کی جاتی ہے۔ قدرتی آلودگی سے مراد وہ آلودگی ہے جس کا منبع قدرتی مظاہر ہیں جو وقتاً فوقتاً رونما ہوتے ہیں جیسے آسمان سے بجلی کا گرنا اور طوفان کا آنا جو اپنے ساتھ ریت اور گردوغبار کی بڑی مقدار لے کر چلتے ہیں، اور فصلوں کو نقصان پہونچاتے ہیں آلودگی کی یہ قسم قدیم زمانے سے پائی جاتی ہے اور انسان کے لیے مشکلات کا باعث ہیں۔ آلودگی کی دوسری قسم صنعتی آلودگی ہے، صنعتی آلودگی سے مراد انسانی سرگرمیوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والی آلودگی ہے، انسانی صنعت، تفریح، جدید ٹیکنالوجی کے بڑھتے ہوئے استعمال اور اس کے مختلف ایجادات کی وجہ سے پیدا ہونے والی آلودگی صنعتی آلودگی کہلاتی ہے۔

آلودگی کی دوسری تقسیم ظاہری و باطنی یا مادی و معنوی کے اعتبار سے کی جاتی ہے۔ ظاہری آلودگی میں فضائی آلودگی ، آبی آلودگی، صوتی آلودگی زمینی آلودگی، شعاعوں کی آلودگی اور روشنی کی آلودگی کی مختلف صورتیں آتی ہیں جس کی تفصیل آگے آرہی ہے؛ لیکن آلودگی کی دوسری قسم معنوی اور باطنی آلودگی ہے یہ بھی ماحول کو خراب کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، اس میں سیاسی آلودگی، سماجی آلودگی تہذیب و تمدن کی آلودگی داخل ہے۔ اخلاقی گراوٹ، غیبت، چوری، گالی گلوچ، سیاسی دسیسہ کاری، آپسی انتشار و انارکی یہ سب وہ آلودگیاں ہیں جو ہمارے معاشرے کو خراب کرتے ہیں اور اس کا بھی ہمارے جسم پر منفی اثر پڑتا ہے ہمیں جس طرح ظاہری آلودگی سے بچنے کی ضرورت ہے اسی طرح معنوی آلودگی سے بھی بچنے کی ضرورت ہے بسا اوقات معنوی آلودگی ہمارے لیے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔

آلودگی کی ایک تقسیم مقام اور محل کے اعتبار کی جاتی ہے اس اعتبار سے بھی آلودگی کی دو قسمیں ہیں مقامی آلودگی اور طویل فاصلاتی آلودگی، مقامی آلودگی کا مطلب یہ ہے کہ انسانی سرگرمیوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والی آلودگی اسی علاقے تک محدود رہے، مثلاً کسی کمپنی کی آلودگی اسی کمپنی یا اس کے آس پاس تک محدود رہتی ہے، اور طویل فاصلاتی آلودگی کا مطلب یہ ہے کہ ایک ملک کی آلودگی اس ملک سے تجاوز کرکے دوسرے ملک کے حدود کو متاثر کرے۔ عام طور پر جنگوں کے موقعوں پر اس طرح کے ایٹمی ہتھیار اور بارود استعمال ہوتے ہیں جو بسا اوقات کئی ملکوں کو متاثر کر دیتے ہیں۔

آلودگی کی تیسری تقسیم ماحولیات کے عناصر کے اعتبار سے ہے، اس اعتبار سے آلودگی کی چھ قسمیں کی جاتی ہیں: زمینی آلودگی، فضائی آلودگی، آبی (پانی) آلودگی، صوتی (آواز) آلودگی، روشنی آلودگی، اور شعاعوں کی آلودگی اور ساری قسمیں ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور ماحولیات کو بگاڑنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

10.3 فضائی آلودگی (Air Pollution)

ہمارے اوپر جو خوبصورت بے ستون کے حیرت انگیز چھت نما سیارہ ہے جس کا لازوال حسن ہماری نگاہوں کو خیرہ کرتا رہتا ہے، چاند و سورج اور ستارے جو قدرتی حسن میں اضافے کے ساتھ ہماری ضرورتوں میں مصروف عمل ہیں یہ سب فضا کہلاتے ہیں۔ فضا انسانی حیات میں بڑی اہمیت کی حامل تصور کی جاتی ہے، اسی فضا میں میلوں محیط ہوا کا ایک دل ربا غلاف ہے جو مختلف گیسوں کا مکسچر ہے، جن میں حجم کے اعتبار سے نائٹروجن 78.9 فیصد، آکسیجن 20.95 فیصد اور کاربن ڈائی آکسائیڈ 0.93 فیصد آرگن 0.040 فیصد حصہ ہے۔ یہ فضائی غلاف یکساں طور پر حیوانات نباتات اور انسانوں اور نظر نہ آنے والی کئی مخلوقات کے لیے زندگی کی ضمانت ہے تمام مخلوق زندہ رہنے کے لیے اسی سے آکسیجن لیتے ہیں۔

ہوا میں موجود گیسوں میں سے دو گیسیں آکسیجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ زندگی کے وجود اور بقا کے لیے بہت اہم ہے۔ آکسیجن کے ذریعہ ہر جاندار اپنی غذا تحلیل کرکے توانائی حاصل کرتے ہیں، اس کے بغیر جاندار کی اکثریت ہلاک ہو جائے گی، جب کوئی جانور سانس

لیتاہے تو آکسیجن گیس بھی جسم میں داخل ہوتی ہے اور خون میں شامل ہو کر تمام جسم میں پھیل جاتی ہے اور جسم کے گوشے گوشے میں جا کر ہر سیل تک پہونچ جاتی ہے اور سیل کی سطح میں یہ غذا کو تحلیل کر کے توانائی اور کاربن ڈائی آکسائیڈ بناتی ہے یہ ایک طرح کا کیمیائی اور احتراقی عمل ہوتا ہے جس میں گلوکوز کو جلایا جاتا ہے۔ کاربن ڈائی آکسائیڈ تمام انسانوں اور جانوروں کے لیے زہریلی ہے اور جسم سے فوراً خارج کی جاتی ہے گویا انسان سانس کے ذریعہ آکسیجن کو اندر داخل کرتا ہے اور جسم کے اندر موجود کاربن ڈائی آکسائیڈ کو باہر کرتا ہے۔ اس زہریلی گیس کو تحلیل کرنے کا ذریعہ اللہ تعالی نے ہرے پودے کے ذریعہ قائم کرر کھاہے ہرے پودے دن کے وقت اس زہریلی گیس کو جذب کرتے ہیں اور سورج کی توانائی کی مدد سے اس گیس کو پانی کے ساتھ ملا کر گلوکوز بناتے ہیں۔ یہ بھی ایک کیمیائی عمل ہے جس میں نہ صرف گلوکوز جو کہ ہر جانور کی بنیادی غذا ہے بنتا ہے؛ بلکہ آکسیجن بھی بنتی ہے جس کو دن کے وقت ہرے پودے ہوا میں خارج کرتے ہیں گویا ہوا میں کاربن ڈائی آکسائیڈ اور آکسیجن کا باہم توازن ہرے پودے اور جانور کی مدد سے قائم رہتا ہے۔

10.3.1 فضائی آلودگی (Air Pollution) کا مفہوم

ہوا میں بیرونی اجزا مثلاً زہریلی گیس، دھول، اور دھواں کے شامل ہونے کو فضائی آلودگی سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان چیزوں کی وجہ سے فضا میں موجود ہوا بدل جاتے ہیں اور ہوا میں نقصان دہ مادے پھیل جاتے ہیں جو انسانی جسم کے ساتھ تمام ذوروح کے لیے بھی تکلیف اور ہلاکت و بربادی کا باعث بنتے ہیں۔ بڑھتی ہوئی فضائی آلودگی کی وجہ سے ماحولیاتی نظام کی بقا کے لیے اہم سمجھی جانے والی اوزون پرت ختم ہورہی ہے اور یہ ماحولیات کے لیے بڑا خطرہ بن سکتا ہے۔

10.3.2 فضائی آلودگی کے اسباب

فضائی آلودگی کے مختلف اسباب ہیں: جیسے صنعتی فضلہ کا فضا میں پھیل جانا ایک اہم سبب ہے، شہری آبادی کے بڑھ جانے کی وجہ سے موٹر گاڑیوں کی کثرت ہوگئی ہے اس سے نکلنے والے دھویں فضا میں آلودگی پیدا کرتے ہیں، اسی طرح فیکٹریوں کے دھوئیں، ڈیزل، پٹرول، کیروسین آئیل اور دوسرے آئیل کا کثرت سے استعمال، معاشی جد جہد کے لیے وسائل کا کثرت سے استعمال، ٹریفک کی بہتات اور اس کا غیر فطری نظام، ہتھیاروں کی ذخیرہ اندوزی اور اسلحہ ڈپوز میں آتشزدگی، جنگلات کا صفایا، زہریلی گیسوں اور تابکاری شعاعوں کا اخراج، سگریٹ نوشی، فضائی آلودگی کے بڑے اسباب میں سے ہیں۔ عام جنگلات 36 فیصد کے بجائے 28 فیصد ہوگئے ہیں جنگلات کی کٹائی کی وجہ سے ایک طرف فضائی آلودگی میں اضافہ ہورہاہے اور دوسری طرف صحرائی حصہ وسیع ہورہاہے، دنیا میں صحرائی علاقہ میں 11.4 فیصد سے بڑھ کر 17 فیصد ہوگیا ہے۔

- فضائی آلودگی کے مختلف ذرائع ہیں ان میں سے چند اہم یہ ہیں:

1۔ صنعتی آلودگی (Industrial Pollution)

2۔ ذرائع حمل و نقل کی آلودگی (Vehicle Pollution)

3۔ زراعتی آلودگی (Agricultural Pollution)

4۔ گھریلو آلودگی (Domestic Pollution)

10.3.3 فضائی آلودگی کے نقصانات

فیکٹریوں سے نکلنے والے دھویں اور زہریلی گیسس فضا میں تحلیل ہو کر کاربن ڈائی آکسائیڈ کی سطح میں اضافہ کا سبب بن رہی ہیں، گرین ہاؤز گیسس کا اخراج کثرت سے ہو رہا ہے، اور آکسیجن میں کمی آرہی ہے جس کی وجہ سے اوزون کی چادر (ozone layer) کو کافی نقصان پہونچ رہا ہے، اوزون میں سوراخ ہو جانے کی وجہ سے سورج میں چلنے والی مختلف خطرناک قسم کی شعاعیں ہماری زمین تک پہونچنے لگی ہیں جس سے کینسر اور دیگر جلدی امراض کے امکانات بڑھ گئے ہیں، ذہنی تناؤ، بلڈ پریشر، اور دیگر بیماریاں تیزی سے پھیل رہی ہیں۔ فضائی آلودگی کا دوسرا بڑا نقصان موسمی تبدیلی پر پڑ رہا ہے، زہریلی گیسوں کی وجہ سے درجہ حرارت میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے، اور اس کی وجہ سے دنیا بار بار قحط کی مصیبت میں گرفتار ہو سکتی ہے، درجہ حرارت میں اضافہ کی وجہ سے برف تیزی سے پگھلیں گے اور سمندر میں تلاطم پیدا ہو گا، جو ساحلی شہروں میں تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہو گا، سمندر کی یہ تلاطم خیزی کئی ہزار ساحلی شہروں کو غرقاب کر دے گا۔ تفریح گاہیں زیر آب ہوں گی؛ بلکہ بحری زندگی جن میں جانور، پودے اور جراثیم لاکھوں کی تعداد میں شامل ہوتے ہیں یہ سب عام تباہی کی نذر ہو جائیں گے۔ آئے دن آج ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف شہروں میں سیلاب کی کثرت ہو رہی ہے، خاص کر سمندری علاقوں میں سیلاب کی تباہی دیکھنے کو مل رہی ہے، یہ سب درجہ حرارت میں اضافہ کے باعث ہو رہا ہے۔ سمندری طوفان اور بے موسم بارش بھی آلودگی کے اثرات ہیں۔

10.4 آلودگی سے تحفظ اور اسلامی تعلیمات

کائنات اللہ تعالی کی حسین شاہکار ہے اور کائنات کی ہر چیز ایک اصول کے ساتھ مربوط ہے، ظاہر ہے کہ اصول کی رعایت کے ساتھ جب کسی چیز کو استعمال کیا جائے گا تو نہ صرف اس کا حسن باقی رہے گا؛ بلکہ اس کو دوام اور بقا بھی حاصل ہو گا جیسے کہ انسان کوئی مشین بنائے تو اس کو چلانے کے لیے کچھ قوانین وضع کرتا ہے جب مشین کو اس کے بتائے ہوئے اصول اور طریقے کے مطابق استعمال کیا جاتا ہے تو وہ مشین کام کرتی ہے اور جب بتائے ہوئے طریقے کے خلاف استعمال کیا جاتا ہے تو مشین جلد ہی کام کرنا بند کر دیتی ہے۔ اسی طرح جب انسان قدرت کے اس کارخانے کو غلط طریقے سے استعمال کرتا ہے تو کارخانہ میں فساد پیدا ہو جاتا ہے اور کارخانہ کے پاٹ پرزے کام کرنا بند کر دیتے ہیں۔ بلکہ یہاں نہ صرف ماحولیاتی توانائی کام کرنا بند کر دیتی ہیں؛ بلکہ منفی اور مضر پہلوؤں پر کام کرنے لگتی ہیں جس کا نقصان خود ماحول بگاڑنے والوں کو ہوتا ہے اور ساتھ میں جو بھی اس ماحول کا حصہ ہوتے ہیں انہیں بھی اس کے نقصان دہ پہلوؤں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

نظام کائنات انسانوں کے فلاح و بہبود کے لیے ہے جس سے انسانی جسم کی صحت مند نشو نما ہوتی ہے، انسان بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے، خوشگوار فضا میں سانسیں لیتا ہے؛ لیکن جب اس میں فساد اور بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے تو اسی فضا میں انسان کے لیے سانس لینا مشکل ہو جاتا ہے، آدمی اس ماحول میں گھٹن محسوس کرتا ہے، طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں اور بسا اوقات انسانی جانیں ہلاک و برباد ہو جاتی ہیں۔

اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ دنیا خود بخود وجود میں نہیں آئی ہے؛ بلکہ اس کا بنانے والا خالق اور صانع ہے اور وہ خالق و صانع ایک ہے متعدد نہیں ہے اور وہ اللہ رب العزت کی ذات ہے، اس نے یہ خوبصورت کائنات بنا کر انسانوں کے حوالے کر دیا ہے اور انسانوں کے لیے اس پوری کائنات کو مسخر کر کے اس کے قبضہ و تصرف میں دے دیا ہے۔ قرآن میں ہے: أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً۔ (لقمان:20)۔ ترجمہ: کیا تم لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے اسے اللہ تعالی نے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری پوری نچھاور کی ہیں۔ ایک اور سورہ میں ارشاد ہے: هُوَالَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا۔ (بقرہ:29)۔ ترجمہ: وہی اللہ ہے جس نے زمین کی ساری چیزیں تمہارے لیے پیدا کی ہیں۔

اس کے علاوہ متعدد آیات میں اللہ تعالی نے انسانوں کے لیے کائنات کی تسخیر کو بیان کیا ہے کہیں پر رات و دن کے مسخر کرنے کو اور کہیں پر بحر و بر کو سورج اور چاند کی تسخیر کو بیان کر کے اشارہ کیا ہے کہ پوری کائنات کو اللہ نے انسانوں کی خدمت میں لگا رکھا ہے۔ لیکن انسان کا فرض ہے کہ اس کائنات اور خدا کی تخلیق کو اس کے بتائے اصولوں کے مطابق استعمال کرے اس میں تبدیلی اور بگاڑ پیدا نہ کرے اور اسی بگاڑ کو قرآن کریم میں فساد سے تعبیر کیا گیا ہے: چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔ (روم:41)۔ ترجمہ: لوگوں نے اپنے ہاتھوں جو کمائی کی اس کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد پھیلا تاکہ انہوں نے جو کام کیے ہیں اللہ تعالی ان میں سے کچھ کا مزہ انہیں چکھائے شاید وہ باز آجائیں۔

10.4.1 آلودگی فساد ہے

قرآن کریم کی متعدد آیات میں فساد کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ فساد عربی لفظ ہے جس کے معنی بگاڑ، خرابی، کرپشن، وغیرہ کے آتے ہیں۔ فساد کی ضد صلاح ہے جس کے معنی حالات کا درست اور متوازن رہنا ہے لہذا فساد کا معنی ہوگا توازن کا بگڑ جانا۔ فساد کا ایک وسیع مفہوم ہے جس میں جہاں دوسری اخلاقی و مادی چیزیں داخل ہیں اسی طرح نظام فطرت کو بدلنا اور اس میں بگاڑ پیدا کرنا بھی فساد میں داخل ہے۔ اہل لغت فساد کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> فساد کا معنی لغت میں کسی چیز کی درستگی کا ختم ہو جانا اور اس کا اعتدال سے نکل جانا ہے۔ فساد "صلاح" کی ضد ہے فَسَدَ اللَّبَنُ دودھ خراب ہو گیا میوہ خراب ہو گیا، ہوا خراب ہو گئی وغیرہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کہ اس میں تغیر آجائے، تعفن پیدا ہو جائے، اور قابل استعمال نہ رہے، پھر بعد میں فساد کا لفظ لغوی اعتبار سے ان تمام اشیاء اور امور کے لیے استعمال کیا جانے لگا جو صحیح نظام سے نکل گئے ہوں جیسے بغاوت، ظلم اور فتنہ۔

قرآن کریم میں اللہ تعالی نے فساد اور فساد پیدا کرنے والے کو ناپسند کیا ہے اور جو لوگ دنیا میں فساد پیدا کرتے ہیں ان کے لیے سخت وعید اور سزا کی بات کی گئی ہے اس میں جہاں دیگر فساد کی صورتیں شامل ہیں؛ اسی طرح آلودگی بھی داخل ہے اور ماحول کو پراگندہ اور خراب کرنے والے بھی اس وعید کے مستحق ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی حرث و نسل کے تباہ کرنے کو فساد سے تعبیر کیا ہے: وَإِذَا تَوَلّٰى

سَعٰى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ۔(بقرہ:205)۔ترجمہ: اور جب اٹھ کر جاتا ہے تو زمین میں اس کی دوڑ دھوپ اس لیے ہوتی ہے کہ وہ اس میں فساد مچائے اور فصلیں اور نسلیں تباہ کرے؛ حالاں کہ اللہ تعالی فساد کو پسند نہیں کرتا ہے۔ مزید ارشاد ہے: وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَآ أَحْسَنَ اللّٰهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ۔(قصص:77)۔ترجمہ: اور اللہ نے تمہیں جو کچھ دے رکھا ہے اس کے ذریعہ آخرت والا گھر پیش نظر رکھو اور دنیا میں سے بھی اپنے حصے کو نظر انداز نہ کرو اور جس طرح اللہ تعالی نے تم پر احسان کیا ہے تم بھی دوسروں پر احسان کرو اور زمین میں فساد مچانے کی کوشش نہ کرو یقین جانو اللہ تعالی فساد مچانے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔ کسی کا قتل کرنا، لوگوں پر ظلم کرنا، انسانیت کو ناحق ستانا لوگوں کے مال دولت پر ناجائز قبضہ کرنا جس طرح یہ چیزیں فساد کا حصہ ہیں؛ اسی طرح ماحول میں بگاڑ پیدا کرنا فساد کا حصہ ہے، زمین پر زہریلے گیس چھوڑنا جس سے لوگ بیمار پڑ جائیں، پانی میں کیمیکل ملانا جس سے پانی خراب ہو جائے اور صحت کو نقصان پہونچے، کھلے میں کچرا ڈالنا جس سے زمین آلودہ ہو جائے اور پانی گندہ ہو جائے یہ سب فساد ہے جس پر قرآن کے ذریعہ اللہ تعالی نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔

10.4.2 درختوں کے کاٹنے کے سلسلے میں اسلامی ہدایات

اسلام نے نہ صرف ماحول کو خراب کرنے سے منع کیا ہے؛ بلکہ ان تمام چیزوں سے منع کیا ہے جو آلودگی کا سبب بنتے ہیں اور ان تمام چیزوں کی ترغیب دی ہے جن سے ماحولیاتی تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ درختوں کا کاٹنا اور ہریالی کا ختم ہو جانا فضائی آلودگی کے اسباب میں سے ایک اہم سبب ہے۔ آبادی کی کثرت اور شہر آباد کرنے کی چاہت کی وجہ سے درختوں اور جنگلات کو کاٹنے کا معمول بنتا جارہا ہے جو ماحولیات کے لیے خطرہ ہے، جنگلات کے کٹنے سے گلوبل وارمنگ کے خطرات بڑھتے جارہے ہیں جس کے نتیجے میں زیر زمین پانی کی سطح کم ہورہی ہے۔ احادیث میں درخت کاٹنے کی ممانعت کی گئی ہے: من قطع سدرة صوب الله رأسه في النار۔ ترجمہ: جو بیری کے درخت کاٹے گا اللہ اسے الٹے منہ دوزخ میں ڈالے گا۔

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے امام ابوداؤد لکھتے ہیں: سئل أبو داوود عن معنى هذا الحديث قال : معناه من قطع سدرة في فلاة يستظل بها إبن السبيل والبهائم عبثاً و ظلماً بغير حق يكون فيها صوّب الله رأسه في النار أى نكسه۔ ترجمہ: وہ شخص جو جنگل میں اُس بیری کے درخت کو ناحق کاٹے جس سے مسافر اور جانور سایہ حاصل کرتے ہیں تو ایسے شخص کو اللہ تعالی اوندھے منہ دوزخ میں داخل کرے گا۔

اسلام سے پہلے عام طور پر جنگوں کے موقعوں پر مفتوح اقوام کے باغات اور درخت کاٹ دئے جاتے تھے آبادی کو ویرانے میں تبدیل کردیا جاتا تھا جنگلات کو نذر آتش کردیا جاتا تھا اسلام نے ان چیزوں کو ممنوع قرار دیا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے درختوں او رکھیتوں کے کاٹنے والے کو فسادی قرار دیتے ہوئے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے چنانچہ سورہ بقرہ، آیت 205 میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: اور جب اسے قدرت حاصل ہوتی ہے تو زمین میں اس کی دوڑ دھوپ اس لیے ہوتی ہے کہ وہ وہاں فساد مچائے، اور فصلیں اور نسلیں تباہ کرے

حالاں کہ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا ہے۔

مشہور مفسر علامہ قرطبی اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ آیت [بقرہ:205] اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کھیتی اور کاشتکاری کرنی چاہیے اور درخت لگانا چاہیے تاکہ زرعی پیداوار اور نسل حاصل ہو اور نسل سے مراد مویشی کی افزائش ہے کیوں کہ اسی سے انسانی زندگی کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔

آپ ﷺ فوج کے سرداروں کو بھی یہی حکم دیتے تھے کہ کسی درخت کو مت کاٹنا اور مکان کو منہدم کرنا اسی طرح حضرت ابو بکرؓ نے ایک قافلہ جنگ کے لیے روانہ فرمایا تو انہیں دس باتوں کی نصیحت فرمائی ان میں ایک بات یہ تھی کہ درخت مت کاٹنا۔

ان تمام احادیث وآثار سے صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ اسلام میں ان درختوں کو کاٹنے سے منع کیا گیا ہے جن سے انسان یا جانور کا نفع متعلق ہو، اس سے لوگ پھل کھاتے ہوں یا سایہ حاصل کرتے ہوں ہاں اگر ضرورت ہو یا اپنی ملکیت میں ہو اور ان کو ضرورت کے موقع پر کاٹنے کے لیے لگایا گیا ہو تو درختوں کو کاٹنے کی اجازت ہوگی لیکن بلاضرورت درختوں یا جنگلوں کو کاٹنا درست نہیں ہے۔

10.4.3 شجرکاری کی اہمیت

ہرے بھرے جنگلات، درخت، پھول اور پودے ماحول کو خوشنما بناتے ہیں، آنکھوں کو ٹھنڈک پہونچاتے ہیں انسانوں اور جانوروں کی غذائی ضرورت پورے کرتے ہیں، دھوپ میں سایہ کا کام دیتے ہیں، ان سب کے علاوہ ماحولیاتی آلودگی سے تحفظ میں بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں، درختوں سے ہرے، بھرے اور گھنے جنگلات صاف شفاف ہوا فراہم کرتے ہیں، سیلاب کے خطرے کو کم کرتے ہیں، درجہ حرارت کو معتدل بناتے ہیں، فضا میں آکسیجن کی مقدار میں اضافہ اور کاربن ڈائی آکسائیڈ میں کمی کا ذریعہ ہے؛ اس لیے کہ ہرے بھرے درخت جانداروں کے برعکس کاربن ڈائی آکسائیڈ کو جذب کرکے آکسیجن باہر کرتے ہیں اسی لیے اسلام نے درختوں کے کاٹنے سے منع کرنے کے ساتھ ساتھ شجری کاری کی بڑی ترغیب دی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے زراعت کی نسبت اپنی طرف کرکے کھیتی کی ترغیب دی ہے: "أَفَرَأَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ○ أَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ○ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ" (واقعہ:65-63)۔ ترجمہ: اچھا پھر یہ بتلاؤ تم جو کچھ بوتے ہو، درحقیقت اس کی کھیتی تم کرتے ہو یا ہم کرنے والے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو اس کو چوراچورا کردیں پھر تم متعجب ہو کر رہ جاؤ۔

آپ ﷺ نے شجرکاری کی بڑی اہمیت بیان کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا:

- ما من مسلم يغرس غرساً أو يزرع زرعاً فيأكل منه إنسانٌ أو طيرٌ أو بهيمةٌ إلّا كانت له صدقة۔ ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: جو کوئی پودا بوتا ہے یا کھیتی کرتا ہے پھر اس سے پرندے انسان یا چوپائے کھاتے ہیں مگر وہ اس کے لیے صدقہ ہوتا ہے۔
- إنْ قامت على أحدكم القيامة و في يده فسيلة فليغرسها۔ ترجمہ: اگر تم میں سے کسی کے ہاتھ میں پودا ہو اور وہ اس بات پر قادر ہو کہ قیامت قائم ہونے سے پہلے اسے لگالے تو ضرور لگائے۔
- ما من رجل يغرس غرساً إلا كتب الله له من الأجر قدر ما يخرج من ثمر ذلك الغرس۔ ترجمہ: جو شخص درخت لگاتا ہے تو

اس درخت سے جتنا پھل نکلتا ہے اللہ تعالی اس کے بقدر اجر عطا فرماتا ہے۔

اسی طرح کاشت کاری کے ذریعہ زمین کو آباد کرنے کی آپ ﷺ نے اس قدر ترغیب دی کہ جو زمین خالی پڑی ہے اگر کوئی کاشت کے ذریعہ اس کو آباد کرے تو وہ زمین اسی کی ہو جائے گی۔ حدیث نبوی میں ہے:

- من أعمر أرضاً ليست لأحدٍ فهو أحق بها۔ ترجمہ: جو شخص کسی ویران زمین کو آباد کرے جس پر کسی کا کوئی حق نہ ہو تو وہ شخص ہی اس زمین کا زیادہ حق دار ہو گا۔

آپ ﷺ نے درخت لگانے کے صرف دنیوی فوائد بیان نہیں کئے بلکہ آپ ﷺ نے آخرت کے اجر ثواب کا بھی وعدہ کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں درخت لگانا مسلمانوں کا دینی و مذہبی فریضہ ہے۔

جنگلات کا صفایا:

جنگلات بارش برسانے، زمین کی تخریب کاری روکنے، فضا کو صاف رکھنے، فضائی توازن کو برقرار رکھنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں؛ لیکن مادی ضرورتوں اور دولت کو زیادہ سے زیادہ سمیٹنے کی حرص وہوس نے جنگلات کا صفایا کر دیا ہے اس کے بھیانک نتائج ہو سکتے ہیں؛ اس لیے کہ جنگلات ماحول کو معتدل بنانے میں اہم رول ادا کرتے ہیں، یہ کاربن ڈائی آکسائیڈ کو جذب کر کے ماحول کو تحفظ فراہم کرتے ہیں اور گلوبل وارمنگ کو بڑھنے سے روکتے، اسی وجہ سے ماہرین درختوں اور پیڑ پودوں کو آکسیجن کی فیکٹریاں کہتے ہیں۔ جنگلات میں بے شمار جانور رہتے ہیں بلکہ جانوروں کے ستر فیصد اقسام جنگلوں میں رہائش پذیر ہیں جن میں زیادہ تر خطرناک اور زہریلے جانور ہوتے ہیں جو فضا میں موجود زہریلے اجزا کو پی جاتے ہیں، بعض کثافت پیدا کرنے والی اشیاء اور جانوروں کو اپنی غذا بنا لیتے ہیں اور انسانوں کو ہلاکت و تباہی سے بچاتے ہیں۔ ان جانوروں کا خاتمہ ماحولیات پر بڑا منفی اثر پیدا کرے گا اسی طرح جنگلات میں نباتات کی بے شمار اقسام پائی جاتی ہیں جو آلودگی کے خاتمے کے لیے اہم مانی جاتی ہیں۔ جنگلات کی کٹائی سے ہم نباتات سے محروم ہو جائیں گے۔ اسلام نے جو درختوں کو کاٹنے سے منع کیا ہے اس میں جنگلات بھی داخل ہے اس لیے بلاوجہ جنگلات کا کاٹنا اسلام کی نظر میں بھی درست نہیں ہے۔

10.4.4 جانوروں کا تحفظ

ماحولیاتی آلودگی سے تحفظ کے لیے جانوروں کا تحفظ بہت اہم ہے؛ اس لیے کہ جانور انسانوں کی غذا اور بار برداری کی ضرورت پوری کرتے ہیں اور زینت کا کام دیتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے مقام احسان میں ان چیزوں کو شمار کیا ہے، چنانچہ قرآن میں ہے:

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (نحل:8-5)۔ ترجمہ: اور اس نے چوپائے پیدا کیے تمہارے لیے ان چوپایوں میں گرمی پیدا کرنے کا سامان ہے اور دوسرے منافع بھی ہیں اور ان میں سے بعضوں کو کھاتے بھی ہو اور تمہارے لیے ان چوپایوں میں خوبصورتی ہے جس وقت کے تم شام کو چراگاہ سے واپس لاتے ہو اور جب کہ تم جانور چرانے کے لیے جاتے ہو اور یہ جانور تمہارے بوجھ

اٹھالے جاتے ہیں ایسے علاقے تک کہ تم وہاں تک نہیں پہونچ سکتے مگر جانوروں کی مشقت سے، یقیناتمہارارب البتہ نہایت مہربان، بڑارحم والا ہے اور اس نے گھوڑے اورخچر اور گدھے پیدا کئے تاکہ تم ان پر سواری کرو اور زینت کے لیے پیدا کیے اور پیدا کرتا ہے وہ جو تم نہیں جانتے۔

''وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ''

(نحل:66)۔ ترجمہ: اور یقیناتمہارے لیے چوپایوں میں عبرت ہے کہ ہم تمہیں پلاتے ہیں اس سے جو ان کے پیٹوں میں ہے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ جو پینے والے کے لیے خوش گوار ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ بھی جانور کے بہت سے اہم کام انجام دیتے ہیں خاص طور پر جانور فضائی آلودگی کو کنٹرول کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں؛ اس لیے کہ بڑے جانوروں کے فضلات نباتات کی افزائش وپیدائش کا سبب بنتے ہیں اور بہت سے زہریلے جانور فضامیں موجود زہریلے مادے اور اثرات کو جذب کرلیتے اور انسانوں کو نقصان سے بچاتے ہیں، اسی لیے اسلام میں جانوروں کے تحفظ پر بہت زور دیا گیا ہے، جانوروں کو تکلیف پہنچانے، بلاوجہ مارنے، ضرورت سے زیادہ ان پر بوجھ لادنے، بلاوجہ قتل کرنے، شوقیہ شکار کرنے، قید کرکے ان کی ضرورت کا خیال نہ رکھنے سے سخت منع کیا ہے۔ آپ ﷺ نے اس عورت کے بارے میں سخت وعید سنائی جس نے بلی کو قید کرکے رکھا اور کھانا پینا نہیں دیا یہاں تک کہ بلی بھوک سے مرگئی اور آپ ﷺ نے اس شخص کے اجر وثواب کی بشارت سنائی جس نے کتے کو پانی پلا کر اس کی جان بچائی۔

- قرآن وحدیث میں جانوروں کو پالنے، اس کا احترام کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ان کی کسی قسم کی تکلیف دینے سے منع کیا گیا ہے:
  - حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے آپ ﷺ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے ہم نے ایک چڑیا دیکھی جس کے دو بچے تھے ہم نے اس کے بچوں کو پکڑ لیا تو چڑیا زمین پر گر کر پر بچھانے لگی اتنی دیر میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے آپ ﷺ نے پوچھا کہ اس کا بچہ پکڑ کر کس نے اسے بے قرار کیا ہے اتنے میں آپ ﷺ نے چیونٹیوں کا ایک سوراخ دیکھا جس کو ہم نے آگ لگا رکھا تھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی کے علاوہ کسی کے لیے آگ کے ذریعہ عذاب اور تکلیف دینا جائز نہیں ہے۔
- شوقیہ طور پر جانور کا شکار کرنے اس کا خون بہانے یا انہیں تکلیف دینے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے:
  - حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو جاندار کو باندھ کر نشانہ بناتے ہیں۔ حضرت عبد الرحمن بن عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مینڈک کو دوا میں ڈالنے سے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے اس کو قتل کرنے سے منع کر دیا۔

جب کہ آج میڈیکل کی ضرورت کی وجہ سے مینڈک کو قتل کرنا عام سی بات ہے، اسے کوئی بھی جانور کو تکلیف دینا شمار نہیں کرتا ہے یا میڈیکل کی ضرورت کی وجہ سے اس کو جائز قرار دیا جاتا ہے۔

- حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص چڑیا یا اس سے بڑے جانور کو ناحق قتل کر دے تو اللہ تعالی اس کے قتل سے متعلق باز پرس فرمائیں گے عرض کیا گیا یا رسول اللہ اس کا حق کیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کا حق یہ ہے کہ اسے ذبح کرے اور پھر کھالے لیکن ایسا نہ کرے کہ سر جدا کر کے پھینک دے۔
- مسند احمد میں روایت ہے کہ حضور ﷺ نے جانوروں کو بھوکا رکھنے اور زیادہ کام لینے سے منع فرمایا۔
- سنن ابو داؤد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے جانوروں کی پشت کو منبر بنانے سے منع فرمایا۔
- صحیح مسلم میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے جانوروں کے چہرے کو داغنے اور مارنے سے منع فرمایا۔
- مستدرک حاکم میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک جانور کے سامنے دوسرے جانور کو ذبح کرنے یا جانور کے سامنے چھری تیز کرنے کو بھی ناپسند فرمایا۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کے ساتھ بد سلوکی اور بد تمیزی اور لعن وطعن سے منع فرمایا ہے۔

- صحیح مسلم میں روایت ہے کہ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ میں عبد اللہ بن عمرؓ کے ساتھ تھا ان کا گزر چند لوگوں کے پاس سے ہوا جنہوں نے ایک مرغی کو زمین میں گاڑ رکھا تھا اور اس پر نشانہ لگا رہے تھے، جب ان لوگوں نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو دیکھا تو سب بھاگ گئے پھر عبد اللہ بن عمرؓ نے پوچھا کس نے ایسا کیا ہے؟ حضور ﷺ نے ایسا کرنے پر لعنت فرمائی ہے۔

اسلام نے ایسے جانوروں اور پرندوں کو قتل کرنے سے بھی منع کیا ہے جن کا گوشت حلال نہیں ہے اور جن سے کسی مضرت کا اندیشہ نہیں ہے۔ ایک روایت ہے کہ حضور ﷺ نے چار جانوروں کو قتل کرنے سے منع فرمایا: چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد اور لٹورا (بیہقی)۔ اسی طرح جو جانور حلال ہیں ان کو کھانے کے علاوہ دیگر مقاصد سے ذبح کرنے سے منع کیا گیا ہے، سنن نسائی میں مروی ہے کہ: مَنْ قَتَلَ عُصْفُورًا عَبَثًا، عَجَّ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْهُ يَقُولُ: يَا رَبِّ، إِنَّ فُلَانًا قَتَلَنِي عَبَثًا، وَلَمْ يَقْتُلْنِي لِمَنْفَعَةٍ۔ ترجمہ: جس نے چڑیا کو بلاوجہ قتل کیا تو وہ چڑیا قیامت کے دن اللہ تعالی کے سامنے بولے گی اے میرے رب! فلاں نے مجھے اپنی منفعت کی خاطر نہیں؛ بلکہ بلاوجہ قتل کیا تھا۔

اسلام کی ان تعلیمات کو سامنے رکھا جائے تو جانوروں کے سلسلے میں کافی رہنمائی حاصل ہو جاتی ہے اور جانوروں کا یقینی تحفظ ہو جاتا ہے جو ہمارے ماحولیات کے لیے خوش گوار ہے لیکن اگر یونہی بلاوجہ جانورں کا قتل کیا گیا اور جنگلوں کا صفایا ہوتا رہا تو بہت سے جانور ناپید ہو جائیں گے ان کے بارے میں ہم صرف کتابوں میں پڑھ سکیں گے لیکن دیکھنے کی حسرت پوری نہیں کر پائیں گے، ماحولیات کے تحفظ کے لیے ضروری ہے کہ جانوروں کے حقوق کی رعایت کی جائے اور جنگلات کی کٹائی پر روک لگائی جائے۔

10.4.5 دھواں پھیلانے کی ممانعت

اسلام میں ان تمام چیزوں اور کاموں سے منع کیا گیا جو فضائی آلودگی کا سبب بنتے ہیں۔ دھواں بھی آلودگی کا ایک سبب ہے جس

سے فضاء میں آلودگی پھیل جاتی ہے جو صحت کے لیے نقصان دہ ہے یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے رات کو سوتے وقت چراغ گل کرنے کی ہدایت دی تاکہ بلاضرورت دھواں کی وجہ سے صحت کو نقصان نہ پہونچے۔ ایک مرتبہ مدینہ میں کسی گھر میں آگ لگ گئی جب آپ ﷺ کو خبر دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ آگ تمہاری دشمن ہے لہذا جب تم سونے لگو تو اسے بجھادیا کرو (صحیح مسلم)۔ آپ ﷺ نے بلاضرورت چراغ جلانے سے منع کیا ہے طبرانی کی روایت ہے: كان رسول الله ﷺ يكره السراج عند الصبح۔ ترجمہ: حضور ﷺ صبح کے وقت چراغ جلانے کو ناپسند کرتے تھے۔

ان تمام روایات سے دھواں پھیلانے کی ممانعت کا اشارہ ملتاہے۔ آج صنعتی ترقی نے بہت سی ایسی چیزیں ایجاد کردیں ہیں جو عہد نبوی میں نہیں تھیں، آج کارخانوں کے دھویں، گاڑیوں کے دھویں کو اسی پر قیاس کیا جاسکتاہے کہ ضرورت کی حد تک ان چیزوں کا استعمال جائز ضرور ہوگا لیکن بلاضرورت یاضرورت سے زیادہ جس سے ماحول میں اس قدر آلودگی پھیل جائے جو ماحول اور انسانی زندگی کے خطرات کا سبب ہو وہ درست نہیں ہوگا؛ اسی لیے کارخانوں اور گاڑیوں کے سلسلے میں جو حکومتی ہدایات ہوتی ہیں ان پر عمل کرنا نہ صرف قانوناضروری ہے؛ بلکہ شرعا بھی اس پر عمل کرنا لازم ہے؛ اس لیے کہ اس کا تعلق مفاد عامہ سے ہے اور انسان کو نقصان پہنچانے والی ہر چیز ممنوع ہے اور ایسی چیزوں پر روک ٹوک کرنے کا ہر شہری کو حق حاصل ہے۔

10.4.6 آلائش کو دفن کرنے کا حکم

جن چیزوں سے فضائی آلودگی پیدا ہوتی ہے ان میں آلائش اور گندگی بھی داخل ہے۔ نجاست و غلاظت فضامیں موجود صاف شفاف ہواؤں میں زہریلے اثرات پیدا کرتے ہیں جس کی وجہ سے ہوا میں صحت بخش پاکیزگی باقی نہیں رہتی؛ بلکہ آلودگی کی وجہ سے سانس لینا دشوار ہوجاتاہے اور وہ تمام ماحولیاتی مسائل پیدا ہوتے ہیں جن کا اوپر تذکرہ کیا گیاہے؛ اس لیے فضائی آلودگی سے بچنے کے لیے آلائش اور گندگی کا خاتمہ ضروری ہے۔ آپ ﷺ نے ناک سے نکلنے والی آلائش کو بھی دفن کرنے کا حکم دیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کی حدیث ہے: سمعت رسول الله ﷺ يقول: إذا تنخم أحدكم فليغيب نخامته، لا تصيب جلد مؤمن أو ثوبه۔ ترجمہ: جب تم میں سے کوئی ناک سے رینٹ نکالے اسے چاہیے کہ کہیں دفن کردے تاکہ کسی مومن کے کپڑے یا جسم پر نہ لگے۔

فقہاء نے جسم کی صفائی کے بعد نکلنے والے بالوں اور ناخونوں کو بھی دفن کرنے کا حکم دیاہے، جسم سے صاف کئے گئے بالوں یا ناخونوں کو ادھر ادھر ڈالنا ناپسندیدہ عمل ہے۔ حائضہ عورت کے لیے حیض کے کرسف اور آلودہ کپڑوں کو دفن کرنے کا حکم دیا گیاہے۔ قربانی کے دنوں میں قربانی کی آلائشوں کو دفن کرنے کا حکم دیاہے۔

غور فرمائیں تو مردوں کی تدفین بھی درحقیقت اسلام کے نظام نظافت کا حصہ ہے اور آلودگی کے خاتمے کی کوشش ہے۔ مُردوں کی تدفین کا آغاز تو حضرت آدم علیہ السلام سے ہی شروع ہوگیا تھا، حضرت آدم علیہ السلام کے لیے فرشتے نازل ہوئے اور ان کی اولاد کے سامنے تجہیز و تکفین اور قبر میں دفن کرکے مردوں کی تدفین کا فطری طریقہ بتادیا۔ قرآن کریم میں بھی اللہ تعالی نے مردوں کی تدفین کے عمل کو اس طرح بیان کیاہے: "مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى" (طہ:55)۔ ترجمہ: اسی [مٹی] سے

ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اسی [مٹی] میں ہم تمہیں لوٹا دیں گے اور اسی [مٹی] سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔

قرآن کریم آیت میں اگرچہ بعث بعد الموت کے نظریہ کو بھی بیان کیا گیا ہے لیکن انسان کے مرنے کے بعد اس کو اسی مٹی کا پیوند ہونے اور اسی خاک کے تلے دفن ہونے کو بھی بہت واضح انداز میں بیان کر دیا ہے۔ مردوں کی تدفین کا یہ طریقہ آلائش کی تدفین کا حصہ ہے اس سے کسی قسم کی آلودگی نہیں ہوتی ہے جب کہ جلانے میں دھویں وغیرہ کی آلودگی کے علاوہ دوسری آلودگیاں بھی ہوتی ہیں۔ فقہاء نے آلائشوں کی تدفین کو ضروری قرار دیا ہے: مشہور شامی فقیہ علامہ ابن عابدین اپنی کتاب رد المحتار میں لکھتے ہیں: يدفن أربعة الظفر والشعر و خرقة الحيض والدم۔ ترجمہ: چار چیزوں کو دفن کیا جائے گا: ناخن، بال، حیض کے کرسف اور خون۔

موسوعۃ الفقہ الاسلامی والقضایا المعاصرۃ میں علامہ وہبہ زحیلی لکھتے ہیں: و في هذه الحال وجب على الدولة المسلمة و غير المسلمة تدارک الآفات وترسيم الأضرار بالقدر الممكن وإنقاذ الجرحى وعلاج المرضى ودفن الموتى ومواراة الحيوانات الميتة تحت التراب ومنع إنتشار الأوبئة والأمراض الخطيرة۔ ترجمہ: اس صورت حال میں مسلم اور غیر مسلم حکومتوں کی ذمہ داری ہے کہ ممکنہ حد تک آفات کا تدارک اور نقصانات کی نشاندہی کرے، زخمیوں کے بچائے، بیماروں کا علاج کرے مردوں کی تدفین کرے، مردے جانوروں کو مٹی میں چھپائے اور وبائی اور بڑے امراض کو پھیلنے سے روکے۔

10.5 فضائی آلودگی پیدا کرنے والی چیزیں

ماقبل میں ہم نے فضائی آلودگی کے اسباب اور اسلامی تعلیمات پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ اب ہم اخیر میں اجمالی طور پر یہ بیان کریں گے کہ موجودہ ماحول میں کثرت سے آلودگی پیدا کرنے والی چیزیں کیا ہیں اور ان میں کمی کی کیا تدابیر ہیں۔ ماقبل کی تفصیلات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ کثرت سے آلودگی پیدا کرنے والی چیزیں یہ ہیں:

1۔ صنعتی ترقی کے دور میں گاڑیوں کی کثرت
2۔ فیکٹریوں اور کارخانوں کی کثرت
3۔ تمباکو اور سگریٹ نوشی
4۔ پلاسٹک کا استعمال
5۔ سڑکوں اور پبلک مقامات اور کھلے میں لوگوں کا استنجا کرنا، کوڑا کرکٹ ڈالنا اور گندگی پھیلانا
6۔ بلاضرورت جنگلات کو کاٹنا اور کھیتوں کو پلاٹ میں تبدیل کرنا

10.5.1 فضائی آلودگی کو کم کرنے کی تدابیر

ماقبل کی تفصیلات کی روشنی میں آلودگی کو کم کرنے کی تدابیر یہ ہو سکتی ہیں:

1۔ کارخانوں اور فیکٹریوں کو شہری آبادی سے دور قائم کیا جائے

2۔ چمنیوں کو اتنا اونچا بنایا جائے کہ دھواں اوپری فضا میں جلد داخل ہو سکے
3۔ کم سے کم سلفر پیدا کرنے والے کوئلے کا استعمال کیا جائے
4۔ اچھا ایندھن جس میں میڈ اور سلفر نہ ہو اس کا استعمال کیا جائے
5۔ مشینیں اور سواریوں کے انجن جدید ٹیکنالوجی سے لیس ہوں جن سے ایندھن کم جلتا ہو اور دھواں کم نکلتا ہو
6۔ فضلات اگر قابل استعمال و تحلیل ہوں تو صحیح طور پر استعمال و تحلیل کر دیا جائے یا پھر کہیں دور پھینک دیا جائے
7۔ بلدیاتی عملہ کو فعال بنایا جائے
8۔ کچرے اور فضلات کو تلف کرنے میں جدید ٹیکنالوجی کا انتظام کیا جائے

10.6 صوتی آلودگی

ماحولیاتی آلودگی کی مختلف قسموں میں ایک قسم صوتی آلودگی (شور کی آلودگی) ہے، انسان ایک معتدل قسم کی آواز سننے کا متحمل ہے اور اسی میں کائناتی حسن بھی مضمر ہے، اللہ تعالی نے انسانوں، جانوروں اور چرند و پرند کی ایک مخصوص آواز بنائی ہے اور اس آواز کی ایک مخصوص مقدار ہے اسی مقدار میں بولنا ماحولیاتی جمال کہلاتا ہے۔ صوتی آلودگی (آواز کی آلودگی) اس دور کا اہم ترین مسئلہ ہے اور جس طرح فضائی آلودگی ماحول کے لیے خطرناک ہے؛ اسی طرح آواز کی آلودگی بھی ماحول کے لیے سنگین خطرہ ہے۔ پر شور آواز سے فضا میں ایک ارتعاش پیدا ہوتا ہے جس سے نہ صرف انسانی اور حیوانی پردہ سماعت متاثر ہوتا ہے؛ بلکہ پورا ماحول صوتی لحاظ سے آلودہ ہو جاتا ہے یہ سنگین اس لیے بھی ہے کہ دیگر آلودگی کو تو لوگ آلودگی تصور کرتے ہیں جب کہ صوتی آلودگی کو کوئی بھی آلودگی کے زمرے میں نہیں رکھتا اور نہ ہی اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔

10.6.1 صوتی آلودگی کا مفہوم

معتدل آواز کی جگہ ضرورت سے زائد آواز نکالنا یا ماحول میں ضرورت سے زائد شور کرنا خواہ وہ مشینوں کے ذریعہ ہو یا کسی اور ذریعہ سے ہو جو فضا میں جمع ہو کر مضر اثرات پیدا کر دے شور کی آلودگی کہلاتی ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں صوتی آلودگی کی یہ تعریف کی گئی ہے: شور کی آلودگی سے مراد ناپسندیدہ یا ضرورت سے زیادہ بلند آواز ہے جو انسانی صحت اور ماحولیاتی معیار پر مضر اثرات مرتب کر سکتی ہے۔ شور کی آلودگی عام طور پر بہت ساری صنعتی سہولیات اور کچھ دیگر کام کی جگہوں پر پیدا ہوتی ہے لیکن یہ شاہراہ اور ریلوے اور ہوائی جہاز کے ٹریفک اور بیرونی تعمیراتی سرگرمیوں سے بھی پیدا ہوتی ہے۔ آواز کی شدت کو "ڈیسی بیل" (decibels) کے ذریعہ ناپا جاتا ہے جس کا مخفف DB ہے۔ سائنس دانوں کے مطابق زیرو ڈیسی بیل وہ کم سے کم آواز ہے جو انسانی کان محسوس کر سکتے ہیں 20 ڈیسی بیل آواز سرگوشی سے پیدا ہوتی ہے، 40 ڈیسی بیل آواز کسی پرسکون ماحول میں ہو سکتی ہے 60 ڈیسی بیل آواز عام گفتگو سے پیدا ہوتی ہے 80 ڈیسی بیل آواز قوت سماعت پر منفی اثر ڈالتا ہے اور اسے ہم آواز کی آلودگی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ 90 ڈیسی بیل کی آواز مسلسل کئی گھنٹوں تک سنی جائے تو

مختلف بیماریوں کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے۔130ڈیسی بیل آواز سے کان سن ہونے کے ساتھ متلی، چکر اور غشی ہو سکتی ہے۔

10.6.2 صوتی آلودگی کے اسباب

صوتی آلودگی کے مختلف اسباب ہیں۔ قدیم زمانے میں صوتی آلودگی کا مسئلہ اس قدر اہمیت کا حامل نہیں تھا؛ لیکن صنعتی انقلاب کے بعد یہ مسئلہ سنگین شکل اختیار کر گیا ہے۔ اس وقت گھر کے اندر اور گھر کے باہر ہر جگہ صوتی آلودگی (آواز کی آلودگی) کا سامنا ہے۔ گھر کے اندر ٹی وی، وی سی آر، ٹیپ ریکاڈ، کی غیر معتدل آواز، گھریلو مشینوں مثلاً، فریج، واشن مشین، انوائٹر، مکسر، جو سر اور اے سی وغیرہ کی آوازیں جو فطری آوازوں سے مختلف اور ضرورت سے زائد ہوتی ہیں؛ اسی طرح گھر کے باہر مختلف صوتی آلودگی ہے، مثلاً گاڑیوں کا شور، ٹریفک کا شور، فیکٹریوں میں مشینوں کا شور، چوک چوراہوں پر مختلف اعلانات کی آوازیں، تقریبات میں ڈی جے کا شور، جلسے، جلوس اور پروگراموں اور مشاعروں میں مائک کا شور، ٹرینوں کے انجن کی آوازیں، ہوائی جہاز کے انجن کی آوازیں یہ سب آواز کی آلودگی کے اسباب ہیں۔ جنگوں کے موقعوں پر گولیوں کی آوازیں، توپوں کی گھن گرج اور بموں کے دھماکے بھی صوتی آلودگی کے مظاہر ہیں۔

10.6.3 صوتی آلودگی کے نقصانات

صوتی آلودگی بھی دیگر ماحولیاتی آلودگی کی طرح انسان اور ماحول میں بسنے والے حیوانات اور چرند پرند کے لیے خطرہ ہے۔ ہم پہلے صبح کے وقت چڑیوں کی سریلی آواز میں چہچہانے کو سنتے تھے، مختلف پرندوں کا نرم و نازک لب و لہجے میں چہچہانا ہمارے دل کو بھاتا تھا، اور ماحول میں اس کی وجہ سے ایک حسن پیدا ہوتا تھا؛ لیکن اب ہمیں پرندوں کی وہ آوازیں سنائی نہیں دیتی ہیں؛ اس لیے کہ اس پر شور ماحول کو وہ نازک اندام پرندے برداشت نہیں کرپاتے ہیں۔ اسی طرح محققین کا کہنا ہے کہ 160 ڈیسی بیل کا کوئی اچانک شور انسان کو مکمل بہرہ بنا سکتا ہے۔ ضرورت سے زیادہ تیز آوازیں بسا اوقات انسان کی قوت سماع کو نقصان پہونچا سکتی ہیں، اس کے علاوہ انسان کے صحت پر منفی اثرات ڈالتی ہے، پر شور ماحول میں مسلسل کئی گھنٹے گزارنے والے افراد مختلف اعصابی اور قلبی امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ عالمی ادارہ صحت کی رپورٹ کے مطابق لاؤڈ اسپیکر اور جہازوں کی چیخ وپکار سے دل کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ جس کے نتیجے میں ہارٹ اٹیک کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ ایک تحقیق کے مطابق پریشر ہارن اور ٹریفک کے شور سے دنیا میں بارہ کروڑ لوگ مختلف سماعتی بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ صوتی آلودگی کی وجہ سے بہت سے مہلک اور لاعلاج بیماریوں میں اضافہ ہو رہا ہے، اس کے علاوہ غصہ، نفرت بے خوابی، بد ہضمی، تھکن اور ذہنی تناؤ جیسی نفسیاتی بیماریاں بھی اسی صوتی آلودگی کی دین ہیں ۔

10.7 صوتی آلودگی اور اسلامی تعلیمات

اسلام ایک معتدل دین ہے اس نے ہر چیز میں اعتدال کو پسند کیا اور اعتدال کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ آواز کے سلسلے میں بھی اعتدال کو پسند کیا اور اسی کی ترغیب دی ہے اگر آواز کے سلسلے میں اسلامی تعلیمات کو پیش نظر رکھا جائے تو صوتی آلودگی پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ اسلام نے بلاوجہ شور و شغب چیخ وپکار کو پسند نہیں کیا ہے۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو جو نصیحت کی ہے قرآن کریم نے اسے نقل کیا

ہے:"وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ، إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ "(لقمان:19)۔ ترجمہ: اپنی چال کو میانہ رکھو، اور نگاہ کو نیچی رکھو اور اپنی آواز کو پست رکھو کیوں کہ بری آواز گدھے کی آواز ہے۔

حضرات صحابہ کو آپ ﷺ کے بارگاہ میں بلند آواز سے بات کرنے سے منع کیا گیا:"يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ"(حجرات:2)۔ ترجمہ: اے ایمان والوں اپنی آواز کو نبی کی آواز سے زیادہ بلند مت کرو۔

نماز میں بھی قرآن کی تلاوت کو معتدل کرنے میں کرنے کا حکم دی دیا گی ہے:"وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلاً"(اسراء:110)۔ ترجمہ: نماز میں آپ نہ تو بلند آواز سے تلاوت کریں اور نہ ہی پست آواز میں بلکہ درمیانی راہ نکالیں۔

مجمع الزوائد میں مروی ہے کہ:أنَّ رسول الله كان يكره أنْ يرى الرجل جهيراً رفيع الصوت و كان يحب أنْ يراه خفيض الصوت۔ ترجمہ: حضور ﷺ بلند اور تیز آواز والے شخص کو ناپسند کرتے تھے اور پست آواز والے شخص کو آپ ﷺ پسند کرتے تھے۔

صحیح مسلم میں روایت ہے:أحب البلاد إلى الله مساجدها و ابغض البلاد إلى الله أسواقها۔ ترجمہ: شہروں میں سب سے پسندیدہ جگہ اللہ کے نزدیک مساجد ہے اور سب سے ناپسندیدہ جگہ بازار ہے۔

ان تمام آیات و احادیث سے یہ صاف ہو جاتا ہے کہ اسلام نے شور و غل کو پسند نہیں کیا ہے اور بلا ضرورت آواز بلند کرنے کی ہمت افزائی نہیں کی ہے۔ مساجد اس لیے اللہ کو پسند ہے کہ مسجد میں شور غور نہیں ہوتا ہے اور بازار اس لیے ناپسند ہے کہ بازار میں شور و غل زیادہ ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کے جو اوصاف تورات میں مذکور ہے اس میں ایک وصف:ولا صَخاباً في الأَسْواقِ۔(آپ ﷺ بازار میں شور نہیں کرتے ہیں) بیان کیا گیا ہے۔

10.7.1 پروگراموں اور جلسوں میں آواز کا مسئلہ

ان تمام آیات و روایات کا تعلق انفرادی احوال میں شور غل کرنے سے ہے جب کہ اجتماع کے موقعوں پر جیسے جلسہ جلوس، وعظ اور پروگرام میں مائک کا ضرورت سے زیادہ استعمال ہوتا ہے اور آس پاس کے لوگوں کی ضرورت کا بالکل خیال نہیں کیا جاتا ہے، بسا اوقات اتنے کم لوگ ہوتے ہیں کہ مائک کی ضرورت نہیں ہوتی؛ لیکن مائک کا استعمال ہوتا ہے، اسی طرح مائک میں جس قدر آواز کی ضرورت ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ آواز رکھی جاتی ہے، اور بسا اوقات آواز پروگرام ہال سے باہر آس پاس کے گھروں میں بھی جاتی ہے جسے اسلام درست نہیں کہتا۔ اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جس قدر آواز کی ضرورت ہو اسی قدر آواز رکھی جائے ضرورت سے زائد آواز نہ رکھی جائے۔ اسی طرح محفل میں ہی آواز رہے محفل سے باہر آواز نہ جائے تاکہ جو لوگ پروگرام سننا نہیں چاہتے ہیں انہیں تکلیف نہ ہو۔ مشہور محدث عمر بن شبہ النمیری نے مدینہ منورہ کی تاریخ پر چار جلدوں میں بڑی مفصل کتاب لکھی ہے اس میں انہوں نے ایک واقعہ اپنی سند سے بیان کیا ہے: نافع حضرت ابن عمرؓ سے کہتے ہیں کیا آپ نے یہ واقعہ اپنے والد سے سنا ہے اس پر عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ہاں! حضرت عائشہؓ نے

میرے والد حضرت عمرؓ کے پاس ایک واعظ کی شکایت کی کہ مکان سے بالکل سامنے بہت بلند آواز سے وعظ کرتے ہیں، جس سے مجھے تکلیف ہوتی ہے اور میں آواز نہیں سن پاتی ہوں۔ حضرت عمرؓ نے پیغام بھیج کر انہیں وہاں وعظ کہنے سے منع کر دیا چند دن بعد پھر انہوں نے وعظ شروع کیا اور حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو دوسری مرتبہ خود حضرت عمرؓ اس کے پاس گئے اور اپنے عصا سے ان کی تعزیر کی۔

اسی کتاب میں حضرت عائشہؓ نے وعظ کہنے والوں کو نصیحت کی ہے کہ: اپنی آواز کو مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں تک محدود رکھو اور جب تک وہ تمہاری طرف متوجہ ہو ان سے گفتگو کرو اور جب وہ اعراض کرنے لگیں تو تم اپنی گفتگو ختم کر دو اور دعا میں قافیہ بندی سے پرہیز کرو۔

10.7.2 ٹریفک کا شور

قدیم زمانے میں ٹریفک کا یہ شور نہیں تھا؛ اس لیے کہ ہمیں قرآن وحدیث میں ٹریفک کی آواز کے سلسلے میں کوئی واضح ہدایت نظر نہیں آتی ہے تاہم قرآن کریم میں اللہ تعالی نے گدھے کی آواز کو بری اور مکروہ آواز سے تعبیر کیا ہے، قدیم زمانے میں سواری کے لیے کہ اونٹ، گھوڑے اور گدھے استعمال ہوتے تھے اور یوں سمجھیں کہ انہی سے ٹریفک کا نظام قائم تھا ان میں گدھوں کی آواز کے بارے میں کہا گیا کہ یہ ناپسندیدہ آواز ہے جو طبیعت پر گراں گزرتی ہے یعنی بلاوجہ گدھے کی آواز کی طرح چیخنا اور آواز بلند کرنا پسندیدہ نہیں ہے اسی سے ہم موجودہ ٹریفک میں ہونے والے شور وہنگاموں کا حکم معلوم کر سکتے ہیں کہ یہ پسندیدہ عمل نہیں ہے جس طرح دیگر جانوروں میں گدھے کی آواز بری ہے اسی طرح موجودہ گاڑیوں کے پریشر ہارن بری چیز ہے جسے پسند نہیں کیا گیا ہے۔ ٹریفک کے موقعوں پر بلاضرورت پریشر ہارن سے بچنا چاہیے اس سے دوسروں کو تکلیف بھی ہوتی ہے اور ایسی آواز جس سے دوسروں کو تکلیف ہو اس سے منع کیا گیا ہے ۔

10.7.3 صنعتی شور کی آلودگی

موجودہ دور میں صنعتی شور بلائے ناگہانی کی طرح ہمارے اوپر مسلط ہو گیا ہے، قدیم زمانے میں ہمیں یہ شور سنائی نہیں دیتا تھا، صنعتی انقلاب نے نئی قسم کی آلودگی کے سیلاب سے متعارف کرادیا ہے، صنعتی شور بعض جگہوں پر ناقابل تحمل ہوتا جارہا ہے، حکومت کارخانے او رفیکٹریوں کے لیے آبادی سے دور لے جانے کے قانون بنارہی ہے اور ہدایت کر رہی ہے اس پر عمل کرنا شرعا بھی ضروری ہے اس لیے کہ اس سے عام لوگوں کو آلودگی سے مضر اثرات سے بچایا جاسکتا ہے اور عام لوگوں کو تکلیف پہونچانا جائز نہیں ہے صحیح بخاری میں ہے: المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده۔ ترجمہ: مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے لوگ محفوظ ہوں۔

اُس زمانے میں تکلیف پہنچانے کے بظاہر یہ دو قوی ذرائع تھے؛ اس لیے حدیث میں ان دونوں کی صراحت کی گئی ہے ورنہ حدیث کا اصل مضمون یہ ہے اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہونچائی جائے، فقہائے مالکیہ نے تیز آواز جو مسلسل ہو اور آس پاس کی آبادی درو دیوار کے لیے نقصان دہ ہو اس کو ممنوع قرار دیا ہے۔

فتاوی ہندیۃ میں لکھا ہے: رفع الضرر عن العامة أولى من رفع الضرر عن الواحد۔ ترجمہ: عام لوگوں کے نقصانات کو دور

کرنا بہتر ہے کسی ایک آدمی کے نقصان کو دور کرنے سے۔

کارخانہ کو شہر سے دور منتقل کرنے میں ایک آدمی کا نقصان ہے جب کہ شہر میں رکھنے پر پوری آبادی کا نقصان ہے ظاہر ہے کہ ایک آدمی کے مقابلے میں پوری آبادی کے نقصان کو پیش نظر رکھنا شریعت کے مصالح میں سے ہے۔

10.7.4 صوتی آلودگی اور فقہ اسلامی

حضرات فقہاء نے صوتی آلودگی پر کافی روشنی ڈالی ہے اور بلا ضرورت اس قدر آواز جو لوگوں کے لیے ضرر رساں ہو اس کو ممنوع قرار دیا ہے۔ فقہاء نے نماز میں مائک کے ستعمال کے سلسلے میں اس کی وضاحت کی ہے کہ مسجد کے احاطے میں جس قدر لوگ ہوں اسی قدر آواز رکھی جائے اس سے زائد آواز رکھنا درست نہیں ہے۔ بلکہ اگر مائک کی ضرورت نہ ہو تو مائک کا استعمال کرنا غلط ہوگا اور بلا مائک کے بھی نماز ہو رہی ہو تو ضرورت سے زائد آواز سے تلاوت کرنے کو بھی فقہا نے منع کیا ہے۔ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں: يُمْنَعُ مِنْ ضَرَرِ الأَصْوَات۔ ترجمہ: آواز کے نقصانات سے روکا جائے گا۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں: فإنّ الجهر بأكثر من الحاجة تكلف و تؤذي۔ ترجمہ: ضرورت سے زائد آواز شور تکلیف اور اذیت کا باعث ہے۔

علامہ حصکفی لکھتے ہیں: يجهر الإمام وجوباً يحسب الجماعة فإن زاد عليه أساء۔ ترجمہ: جماعت کے افراد کے بقدر آواز بلند کرے اس سے زائد آواز بلند کرنا برا ہے۔

علامہ یوسف القرضاوی لکھتے ہیں: كلّ ما يضر الإنسان من الضجيج المؤذى فهو محرم ديانة أيضاً و يزيد أنه من حق القضاء أن يمنعه إذا رفع إليه و من حق المحتسب أن يمنعه إذا رآه ولم يرفعه إليه أحد۔۔ ترجمہ: ہر تکلیف دہ شور جو انسان کو نقصان پہنچائے وہ دیانۃ حرام ہے اور اگر اس کا مقدمہ قاضی کے دربار میں آئے تو قاضی کا حق ہے کہ اس سے روک دے اسی طرح دینی نگران کا حق ہے کہ جب وہ تکلیف دہ شور کو دیکھے تو اس سے روک دے اگرچہ اس کی کسی نے شکایت نہ کی ہو۔

قاضی ابن رافع کے سامنے ایک مقدمہ آیا کہ لوگوں کی آبادی کے قریب جانوروں کا اصطبل بنایا جائے یا نہیں؟ انہوں نے فیصلہ صادر کیا کہ اس اصطبل میں رہنے والے جانوروں کی آواز سے اس کے قریب کے مکینوں کو دشواری ہوگی اور ان کی نیند خراب ہوگی اس لیے اسے آبادی سے الگ تعمیر کیا جائے۔ معلوم ہوا کہ قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی میں صوتی آلودگی سے تحفظ کے لیے کافی رہنمائی موجود ہے اور اسلام اس بات کی بالکل اجازت نہیں دیتا ہے کہ ضرورت سے زائد آواز کے ذریعہ لوگوں کے راحت میں خلل ڈالا جائے یا صوتی آلودگی کے ذریعہ انسانوں اور جانوروں کے صحت کے ساتھ کھیلا جائے اور خلق خدا کو تکلیف یا تباہی کے دہانے تک پہونچا دیا جائے۔

10.0 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- ماحولیاتی آلودگی موجودہ دور کا ایک سنگین مسئلہ ہے۔ آبادی کی کثرت اور صنعتی ترقی نے اسے مزید پر خطر بنا دیا ہے۔
- اسلام نے حیات انسانی کے ہر پہلو کی طرف رہنمائی کی ہے اس میں ماحول میں رہنے کے آداب اور طریقہ کار بھی بتائے ہیں جن کی رعایت سے ہم ایک خوش گوار ماحول بنا سکتے ہیں۔
- اس کا بنیادی نقطہ تین چیزوں پر مرکوز ہے، اسراف اور فضول خرچی سے پرہیز کرنا، کسی کو ضرر اور نقصان پہنچانے سے بچنا، فساد پھیلانے سے رکنا اگر اسلام کے ان تینوں عناصر کو اچھی طرح پڑھا جائے اور زندگی میں اسے برتا جائے تو آلودگی کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور بہتر ماحول جس میں انسانوں کے لیے حیات بخش ہوائیں، صاف ستھرا پانی، اور افزائش کے قابل زمین، میسر ہو سکتی ہے جو ہمارے لیے صحت مند زندگی کا ضامن ہوگا اور ماحول میں زندگی گزارنے والے تمام ذی روح کے لیے بھی مفید ہوگا۔
- صوتی آلودگی بھی دیگر ماحولیاتی آلودگی کی طرح خطرناک ہے، اسلام بلا ضرورت شور و غل کو پسند نہیں کرتا ہے اور ضرورت سے زائد آواز اسلام کی نگاہ میں درست نہیں ہے۔
- قلب شہر میں فیکٹری لگانا جس کی آلودگی سے فضاء خراب ہو جائے اور آواز سے لوگوں کو تکلیف پہنچے درست نہیں ہے۔

10.1 نمونہ امتحانی سوالات

10.1.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. ماحولیات کے موضوع پر پہلا سیمینار اقوام متحدہ کی نگرانی میں کہاں منعقد ہوا تھا؟

(a). امریکہ (b). سویڈن (c). برطانیہ (d). ہندوستان

2. 2015ء میں کتنے لوگوں کی آلودگی کی وجہ سے موت ہوئی تھی؟

(a). پچاس لاکھ (b). ستر لاکھ (c). نوے لاکھ (d). چالیس لاکھ

3. ہوا میں موجود گیسوں میں آکسیجن کی مقدار کتنی ہوتی ہے؟

(a). 78 (b). 20.95 (c). 0.93 (d). 0.040

4. کاربن ڈائی آکسائیڈ کس طرح تحلیل ہوتی ہے؟

(a). ہرے پودے کے ذریعہ (b). سورج کے ذریعہ (c). پانی کے ذریعہ (d). گلوکوز کے ذریعہ

5. "کیوٹو پروٹوکول" معاہدہ کب منعقد ہوا تھا؟

(a). 2012 (b). 2006 (c). 2010 (d). 2005

6. کتنی ڈیسی بیل آواز سے کان سن ہو جاتا ہے؟

(a). 50 ڈیسی بیل (b). 65 ڈیسی بیل (c). 80 ڈیسی بیل (d). 130 ڈیسی بیل

7. ماحولیات کے تحفظ کے لیے درخت اور پیڑ پودے بہت اہم ہیں اس لیے کہ:

(a). درخت O_2 فراہم کرتے ہیں (b). CO_2 کو جذب کرتے ہیں (c). دونوں a اور b (d). تمام غلط

8. حضور ﷺ نے رات میں سوتے وقت چراغ گل کرنے کا حکم دیا کیوں؟

(a). اس سے آلودگی پھیلتی ہے (b). گھر میں آگ لگ سکتی ہے (c). دونوں a اور b (d). تمام غلط

9. کتنے فیصد مقدار جانور جنگلوں میں رہتے ہیں؟

(a). ستر فیصد (b). پچاس فیصد (c). بیس فیصد (d). چالیس فیصد

10. "اپنی آواز کو مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں تک محدود رکھو"، یہ کس کا قول ہے؟

(a). حضرت عائشہؓ (b). نبی ﷺ (c). ابن عمرؓ (d). تمام غلط

10.1.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. آلودگی کا مفہوم بیان کیجیے۔
2. آلودگی کے نقصانات پر مختصر نوٹ لکھیے۔
3. فضائی آلودگی کے اسباب پر روشنی ڈالیے۔
4. صوتی آلودگی کے اسباب تحریر کیجیے۔
5. صوتی آلودگی اور اسلامی تعلیمات کے موضوع پر مختصر مضمون قلم بند کیجیے۔

10.1.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. آلودگی کی مختلف قسموں پر گفتگو کرتے ہوئے فضائی آلودگی اور صوتی کے مفہوم پر گفتگو کیجیے۔

2. فضائی آلودگی اور اسلامی تعلیمات پر تفصیلی گفتگو کیجیے۔

3. شجر کاری کی اہمیت پر مفصل مضمون لکھیے۔

10.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1۔ فضائی وصوتی آلودگی، مسائل وشرعی احکام : اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

2۔ اسلام اور ماحولیات : محمد جہانگیر حیدر قاسمی

3۔ قرآن اور ماحولیات : انجینئر شفیع حیدر صدیقی

4۔ ماحولیاتی بحران : پروفیسر سید مسعود احمد

5۔ ماحولیاتی آلودگی : مسائل واحکام مفتی سید باقر ارشد

اکائی 11: آلودگی کی مختلف صورتیں اور اسلامی تعلیمات (حصہ دوم)

اکائی کے اجزا

11.0 تمہید

11.1 مقاصد

11.2 آبی آلودگی (پانی کی آلودگی)

11.2.1 آبی آلودگی کا مفہوم

11.2.2 آبی آلودگی کے اسباب

11.2.3 آبی آلودگی کے نقصانات

11.3 آلودگی کی بنیادی وجہ

11.3.1 توازن اور اعتدال

11.3.2 آلودگی اور فقہ اسلامی

11.4 اسلام میں صفائی کی اہمیت

11.5 پانی کو آلودگی سے بچانا

11.5.1 آبی آلودگی دور کرنے کے وسائل

11.5.2 آبی آلودگی کو کم کرنے کی تدبیریں

11.6 زمینی آلودگی

11.6.1 زمین کے فوائد

11.6.2 زمینی آلودگی کا مفہوم

11.6.3 زمینی آلودگی کے نقصانات

11.6.4 زمینی آلودگی کے اسباب

11.6.5 زمینی آلودگی اور اسلامی تعلیمات

11.7 غذائی آلودگی
11.7.1 غذائی آلودگی کا مفہوم
11.7.2 غذائی آلودگی کے اسباب
11.7.3 غذائی آلودگی اور اسلامی تعلیمات
11.8 بحری آلودگی
11.8.1 بحری آلودگی کا مفہوم
11.8.2 بحری آلودگی کے اسباب اور نقصانات
11.8.3 بحری آلودگی اور اسلامی تعلیمات
11.9 اکتسابی نتائج
11.10 نمونہ امتحانی سوالات
11.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
11.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
11.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
11.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

11.0 تمہید

ہم جس زمین پر رہتے ہیں چلتے پھرتے ہیں، اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں، یہ قدرت کی عظیم نعمت ہے جس کا ہم تصور نہیں کرسکتے ہیں، ہم زندگی گزارنے کے لیے جس چیز کے سب سے زیادہ محتاج ہیں وہ پانی ہے اس کے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکتے ہیں، دوسری چیز جس پر ہماری حیات کا مدار ہے وہ غذا ہے، اسی سے انسانوں اور دیگر حیوانوں کی زندگی وابستہ ہے۔ اگر یہ زمین نہ ہو تو ہم پانی اور غذا سے محروم ہو جائیں اور پانی اور غذا نہ ہو تو زندگی سے محروم ہو جائیں؛ اس لیے یہ تینوں چیزیں ہمارے لیے بے حد ضروری ہیں۔ صنعتی انقلاب نے دنیا کو جن عالمی مشکلات سے دوچار کیا ہے ان میں ایک آلودگی کا مسئلہ بھی ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ ٹیکنالوجی کی ترقی کی بنیاد پر انسان آج وہ سب کر پا رہا ہے جو پہلے سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا؛ لیکن ہر خیر اپنے ساتھ کچھ شر کے پہلو بھی لاتی ہے آلودگی بھی اسی کی ایک قسم ہے۔ ماحولیاتی آلودگی عہد جدید کا سب سے بڑا چیلنج بن چکا ہے اور ٹیکنالوجی نے اس جانب بھی توجہ دی ہے کہ کس طرح آلودگی پر قابو پایا جائے۔

11.1 مقاصد

ہماری یہ اکائی ماقبل کی اکائی سے مربوط اور اسی کا تسلسل ہے؛ اس لیے اس اکائی کے بھی وہی مقاصد ہیں جو اس سے پہلی اکائی کے ہیں۔ اس یونٹ میں ہم آلودگی کی مزید دیگر صورتوں (آبی آلودگی، زمینی آلودگی، غذائی آلودگی اور بحری آلودگی) کا مطالعہ کریں گے اور اس سلسلے میں اسلامی تعلیمات کیا ہیں اور کس طرح ہم اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر آلودگی کا مکمل خاتمہ کر سکتے ہیں ان کا جائزہ لیں گے۔

11.2 آبی آلودگی (پانی کی آلودگی)

ماحولیاتی آلودگی کی مختلف قسموں میں ایک قسم پانی کی آلودگی ہے۔ پانی اللہ تعالی کی عظیم نعمت ہے۔ اللہ تعالی نے کائنات میں سب سے پہلے پانی کو پیدا کیا اور اسی کے ذریعہ دوسری تمام چیزیں بنائیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے مختلف مقامات پر پانی کی حقیقت، اس کے فوائد، اس کا حیات بخش ہونا، نجاستوں کے ازالہ میں اس کا کردار، وغیرہ امور کو واضح انداز میں بیان کیا ہے۔

- "وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ" (انبیاء:30)۔ ترجمہ: اور ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز بنائی پھر بھی وہ ایمان نہیں لاتے۔
- "وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ" (نور:45)۔ ترجمہ: ترجمہ: اور اللہ تعالی نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا۔
- "هُوَ الَّذِيْٓ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ" (نحل:10)۔ ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے آسمان سے تمہارے لیے پانی اتارا جسے تم پیتے ہو اور اس سے درختوں کی سینچائی کرتے ہو۔
- "وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ" (انفال: 11)۔ ترجمہ: اور تم پر آسمان سے پانی اتارا تا کہ اس کے ذریعہ تمہیں پاک کرے اور تم سے شیطان کی گندگی کو دور کرے۔
- "وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا وَّأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا وَّجَنّٰتٍ أَلْفَافًا" (نبأ:16-13)۔ ترجمہ: اور ہم نے ایک روشن چراغ بنایا اور ہم ہی نے پانی بھرے بادلوں سے کثرت سے پانی برسایا تا کہ ہم اس پانی کے ذریعہ سے غلہ اور سبزی اور گنجان باغ پیدا کریں۔

ان تمام آیتوں میں غور فرمائیں تو پانی کے تعلق سے اسلام کا نقطۂ نظر صاف ہو جاتا ہے کہ پانی پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، پانی کے ذریعہ مخلوقات کی پیدائش ہوئی ہے اور مخلوقات کی حیات اسی پانی سے باقی ہے۔ ظاہر ہے کہ جس پانی کے ساتھ انسانی زندگی ہی نہیں؛ بلکہ حیوانات اور نباتات کی زندگی بھی جڑی ہوئی ہو اس کی اہمیت اور اس کی قدر و قیمت کس قدر بڑھ جاتی ہے۔

11.2.1 آبی آلودگی کا مفہوم

پانی میں ایسے عناصر و اجزا کا شامل ہو جانا جس کی وجہ سے پانی اپنی افادیت کھو دے اور بجائے انسانوں اور جانداروں کے نفع بخش

ہونے کے نقصادہ ہو جائے آبی آلودگی کہلاتا ہے۔ پانی کا ایک خاص رنگ، ذائقہ اور بو ہے جب پانی میں مضر صحت کوئی چیز مل کر پانی کے ان تینوں اوصاف کو بدل دیتے ہیں تو پانی آلودہ ہو جاتا ہے جسے ہم آبی آلودگی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ صاف پانی زندگی کے وجود اور بقا کا ضامن ہے جب کہ آلودہ پانی زندگی کا دشمن ہے۔

11.2.2 آبی آلودگی کے اسباب

آبی آلودگی کے مختلف اسباب ہیں۔ مٹی، ریت اور کچرے کی وجہ سے قدرتی طور پر پانی آلودہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسانی کسب کے نتیجے میں بھی آبی آلودگی پیدا ہوتی ہے مثلاً: صنعتی، حیوانی اور انسانی فضلہ جات کو آبی گزر گاہوں اور نہروں میں پمپ کیا جاتا ہے جو پانی کی آلودگی کا اہم سبب ہے۔ صنعتی ترقی کی بنا پر کیمیاوی ادویات اور کیمیکلز بھی پانی کو آلودہ کرتے ہیں۔ جب صنعتی کارخانوں کے فضلات اور کیمیکل آمیز مادوں کو بلا تحلیل کیے زمین پر ڈال دیا جاتا ہے، تو زمین ان فاسد مادوں کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے، اس طرح سطح زمین کا پانی صنعتی ترقی کے ان اضافی مادوں سے آلودہ ہو جاتا ہے۔ فضاء میں موجود آلودگی کی وجہ سے بارش کا پانی آلودہ ہو جاتا ہے، بہت سے لوگ گھروں کا کوڑا کچرا باہر کسی کھلی جگہ میں ڈال دیتے ہیں جہاں یہ سڑ کر کچھ تو ہوا میں شامل ہو جاتا ہے کچھ پانی کو زہر آلود کرتا ہے کچھ زمین میں جذب ہو کر پانی میں زہر پھیلاتا ہے؛ اسی طرح وہ لوگ جو کھلے میں قضائے حاجت کرتے ہیں وہ بھی ہوا اور پانی کو آلودہ کرتے ہیں۔

11.2.3 آبی آلودگی کے نقصانات

جب پانی آلودہ ہو جاتا ہے تو پانی پینے کے قابل نہیں رہتا اور عام لوگ جنہیں صاف شفاف پانی خریدنے یا گھر میں پانی کو فلٹر کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی وہ اسی آلودہ پانی کو پیتے ہیں جس کی وجہ سے مختلف بیماریاں جنم لیتی ہیں، جس قسم کے جراثیم پانی میں ہوتے ہیں وہ جراثیم پانی کے ذریعہ انسان کے جسم کا حصہ بن کر مختلف بیماریوں کا پیش خیمہ ثابت ہوتے ہیں۔ بعض جگہوں پر جو پانی لوگ استعمال کر رہے تھے جب اسے لیباٹری میں جانچ کے لیے بھیجا گیا تو معلوم ہوا کہ اس سے تو برتن بھی صاف کرنا صحت کے لیے نقصان دہ ہے جب کہ وہی پانی آبادی کی اکثریت استعمال کر رہی ہے۔ ڈبلیو ایچ او (World Health Organization - WHO) کی رپورٹ کے مطابق ایک ماہ سے پانچ سال کی عمر کے بچوں میں موت کی بہت سی عام وجوہات کو صاف پانی اور کھانا پکانے کے ایندھن سے روکا جا سکتا ہے۔

11.3 آلودگی کی بنیادی وجہ

آلودگی سے تحفظ کے لیے اسلام کا نقطۂ نظر جاننا ضروری ہے اس سے ہم آلودگی اور خاص طور پر پانی کی آلودگی سے بچ سکتے ہیں۔ اسلام نے اسراف اور فضول خرچی کی بڑی مذمت بیان کی ہے اور فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے، فضول خرچی صرف کھانے پینے یا پیسوں کے خرچ کرنے میں نہیں ہے؛ بلکہ ہر چیز میں فضول خرچی ہے، پانی کا ضرورت سے زائد استعمال بھی فضول خرچی کے دائرہ میں آتا ہے، ممتاز فقیہ احمد بن محمد اسماعیل طحطاوی (1231ھ) نے اسراف کی تعریف اس طرح کی گئی ہے: شرعی ضرورت سے زائد استعمال کرنا اسراف کہلاتا ہے اگرچہ نہر کے کنارے پر ہو۔

مولانا محمد اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں: "اسراف مقدار سے ناواقف ہونے کا نام ہے یعنی آدمی کو یہی نہیں معلوم ہو کہ کتنا خرچ کرنا ہے اور کتنا نہیں یہ اسراف ہے"۔

اس کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ پانی میں بھی اسراف اور فضول خرچی ہوتی ہے اور جس طرح دیگر چیزوں میں اسراف اور فضول خرچی پسندیدہ عمل نہیں ہے، اسی طرح پانی میں بھی اسراف اور فضول خرچی پسندیدہ عمل نہیں ہے؛ یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ پیغمبر حضرت محمد ﷺ کا گزر حضرت سعدؓ کے پاس سے ہوا وہ وضو کر رہے تھے، آپ نے فرمایا: سعد! یہ کیا اسراف ہے۔ تو انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا وضو میں بھی اسراف ہے آپ ﷺ نے فرمایا: 'ہاں اگر چہ تم جاری نہر پر وضو کر رہے ہو تو بھی ضرورت سے زائد خرچ کرنا فضول خرچی ہے'۔ حدیث میں تین تین مرتبہ اعضاء وضو کو دھونے کو مسنون کہا گیا ہے، اس سے زائد اعضاء وضو کو دھونے والے پر تعدی اور ظلم کا اطلاق کیا گیا ہے، اسی طرح غسل میں تین مرتبہ مکمل طور پر پورے جسم پر پانی بہانے کو مسنون کہا گیا ہے اور اس سے زائد پانی بہانے کو اسراف اور مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ وضو میں ایک مد (688 ملی لیٹر) اور غسل میں ایک صاع (3800 ملی لیٹر) پانی استعمال کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ شریعت نے پانی کے باب میں خاص طور پر اسراف کی مذمت بیان کی ہے۔

11.3.1 توازن اور اعتدال

آلودگی کی قباحت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اسلام کے نظام اعتدال و توازن کو سمجھیں۔ اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اللہ تعالی کی اس کائنات میں کوئی چیز بے وجہ نہیں بنائی گئی ہے اور ہر چیز میں اعتدال اور توازن ہے، ایسا نہیں ہے کہ پانی بے حساب ہے ہم جتنا چاہیں پانی استعمال کریں اس سے ہمارے ماحولیات پر کوئی فرق نہیں پڑتا؛ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

- "إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ" (قمر:49)۔ ترجمہ: ہم نے ہر چیز کو ایک مقدار کے ساتھ پیدا کیا ہے۔
- "الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى" (اعلی:2)۔ ترجمہ: اپنے رب کے نام کے ساتھ تسبیح کرو جس نے پیدا کیا اور تناسب قائم کیا۔
- "وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِىَ وَانبتنا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ" (حجر:19)۔ ترجمہ: ہم نے زمین کو پھیلایا اس میں پہاڑ جمائے اس میں ہر نوع کی نباتات ٹھیک ٹھیک نپی تلی مقدار کے ساتھ اگائی۔
- "وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْم" (حجر: 21)۔ ترجمہ: کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں اور جس چیز کو بھی ہم نازل کرتے ہیں ایک مقرر مقدار میں نازل کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ کائنات کی تمام چیزیں اعتدال و توازن کے ساتھ قائم ہیں۔ اور یہ توازن ہی اس کی خوبصورتی اور ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر دیکھیں: انسان اور جانور سانس کے ذریعہ آکسیجن لیتے ہیں اور کاربن ڈائی آکسائیڈ باہر کرتے ہیں، کاربن ڈائی آکسائیڈ انسان اور جانور کے لیے زہر ہے جب کہ اسی کاربن ڈائی آکسائیڈ سے ہرے پودے اپنی غذا تیار کرتے ہیں اور آکسیجن خارج کرتے ہیں، اس طرح آکسیجن اور کاربن ڈائی اکسائیڈ کا توازن قائم ہے کہ انسان اور حیوان کی ضرورت آکسیجن ہے اور جب کہ کاربن ڈائی آکسائیڈ اس کے لیے زہر

ہے اور ہرے پودوں کو کاربن ڈائی آکسائیڈ کی ضرورت ہے اور آکسیجن ان کے لیے مضر ہے، اسی طرح انسان سانس کے ذریعہ جو آکسیجن لے کر کاربن ڈائی آکسائیڈ خارج کرتا ہے وہ کاربن ڈائی آکسائیڈ نباتات حاصل کرکے آکسیجن خارج کرتے ہیں اس طرح ایک توازن قائم ہے؛ لیکن اگر انسان اور جانور زیادہ ہو جائیں گے تو وہ ہوا میں سے زیادہ آکسیجن جذب کرلیں گے اور ساتھ ہی زیادہ کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس خارج کرکے ہوا کو آلودہ کردیں گے۔ اسی طرح اگر سبزہ زیادہ ہو جائے تو اسے زندہ رہنے کے لیے زیادہ مقدار میں کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس چاہیے جو کہ کم جانور پیدا نہیں کرپائیں گے اس طرح توازن بگڑ جائے گا اور ماحولیاتی آلودگی پیدا ہو جائے گی۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ پانی میں جذب کرنے اور مٹی میں تحلیل کرنے کی صلاحیت ہے اگر پانی میں معمولی فضلات ہو تو وہ پانی میں تحلیل ہو کر یا مٹی میں جذب ہو کر ماحول کو خراب ہونے سے بچالیں گے؛ لیکن اگر فضلات کی مقدار زیادہ ہو جائے یا ایسے کیمیکل مادے ہوں جو پانی میں تحلیل نہ ہو سکیں یا مٹی میں جذب نہ ہو سکیں تو وہ فاسد مادے پانی کی ہیئت اور زمین کی خاصیت کو بدل دیں گے، نتیجہ میں پانی کی خصوصیت سے ہم فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے؛ بلکہ پانی کے آلودہ ہونے کی وجہ سے ہماری طبیعت پر منفی اثر پڑے گا۔

11.3.2 آلودگی اور فقہ اسلامی

اسلام میں کسی قسم کی آلودگی پیدا کرنا ناجائز ہے اور آلودگی کے خاتمے کی کوشش کرنا ضروری ہے؛ اس لیے کہ آلودگی سے خود اپنے آپ کو بھی نقصان ہوتا ہے اور دوسروں انسانوں اور جانوروں کو بھی نقصان ہوتا ہے خود کو نقصان پہنچانا بھی درست نہیں ہے اور دوسروں کو نقصان پہنچانا بھی روا نہیں ہے اور نقصان کو دور کرنا بھی ضروری ہے۔ عام طور پر اپنی ضرورت کو پیش نظر رکھ کر عام انسانوں کی ضرورت کو نظر انداز کردیا جاتا ہے جب کہ اسلام میں عام ضرورتوں کے خیال کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ علامہ شاطبی موافقات میں لکھتے ہیں: لأنَّ المصالح العامة مقدمة على المصالح الخاصة۔ ترجمہ: عام لوگوں کے مصالح خواص کے مصالح پر مقدم ہیں۔

فتاوی عالمگیری میں ہے: رفع الضرر عن العامة أولى من رفع الضرر عن الواحد۔ ترجمہ: عام لوگوں کے نقصان کو دور کرنا ایک آدمی کے نقصان کو دور کرنے سے بہتر ہے۔

ماحولیاتی آلودگی پیدا کرنا فساد ہے اور فساد پیدا کرنے سے قرآن نے منع کیا ہے: "**وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا**" (اعراف: 56)۔ ترجمہ: زمین کی اصلاح و درستگی کے بعد اس میں فساد مت پھیلاؤ۔

اگر کوئی اپنی زمین میں ہی تصرف کرے؛ لیکن اس کے تصرف اور استعمال سے اس کے پڑوسی اور محلہ والوں کو تکلیف ہو تو اس کو روکا جاسکتا ہے۔: درمختار میں ہے: **لا يمنع الشخص من تصرف في ملكه إلا إذا كان الضرر بجاره ضرار بيناً فيمنع من ذلك**۔ ترجمہ: کسی شخص کو اپنی ملکیت میں تصرف کرنے سے نہیں روکا جائے گا ہاں اگر اس سے اس کے پڑوسی کو واضح نقصان ہو رہا ہو تو روکا جاسکتا ہے۔

یہی مسئلہ مزید وضاحت کے ساتھ فقہ اسلامی کی اہم کتاب تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق میں ہے:

"ہر شخص کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنی ملکیت میں جو چاہے تصرف کرے، جب کہ اس کے پڑوسی کو ظاہری طور پر واضح نقصان نہ ہو رہا ہے اگر کوئی اپنے گھر میں روٹی کے لیے مستقل طور پر تنور لگانا چاہے جیسا کہ دکانوں میں ہوتا ہے یا آٹا پیسنے کے لیے چکی لگانا چاہے یا دھوبیوں کے پاٹ رکھنا چاہے تو یہ درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ اس سے اس کے پڑوسی کو ایسا واضح نقصان ہوگا جس سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ قیاس کے مطابق تو جائز ہونا چاہیے اس لیے کہ یہ اپنی ملکیت میں تصرف ہے لیکن یہاں مصلحت کی وجہ سے استحساناً قیاس کو ترک کر دیا گیا"۔

اس سلسلے میں ایک اہم قاعدہ ہے: لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ فِي الإِسْلَام۔ جس سے اسلام کے بنیادی اصولوں پر رہنمائی پڑتی ہے اور ماحولیات کے باب میں ہمیں اس سے بڑی مدد ملتی ہے، اس قاعدہ کا حاصل یہ ہے کہ اسلام نہ تو خود نقصان اٹھانے کو پسند کرتا ہے اور نہ ہی دوسروں کو نقصان پہنچانے کو پسند کرتا ہے؛ اس لیے ایسا کام کرنا جس سے خود کو یا دوسروں کو نقصان ہو درست نہیں ہے۔ زمین میں گندگی پھیلانا جس سے زمینی آلودگی پھیل جائے، یا پانی کو گندہ کرنا جس سے آبی آلودگی کے مسائل پیدا ہوں، اتنا زور سے بولنا کہ دوسروں کے لیے تکلیف کا باعث ہو جائے، کسی ایسی جگہ کارخانہ بنانا جس کی آواز سے یا دھواں سے، لوگوں کو تکلیف پہنچے پانی کا ضرورت سے زائد استعمال جس سے بعد والے کے لیے آبی مسائل جنم لیں، یا غذا میں ایسے کیمیکلز ملائے جائیں جس سے غذا آلودہ ہو جائے اور لوگوں کے ہلاکت اور بیماری کا باعث بن جائے یا سمندر میں غلاظت ڈال کر سمندری ذخائر کو برباد کر دیا جائے، اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا ہے اور ان تمام چیزوں کی بنیاد اسی قاعدہ پر ہے۔

11.4 اسلام میں صفائی کی اہمیت

آلودگی سے تحفظ کے لیے صفائی ستھرائی بہت ضروری ہے۔ جب ماحول، گھر، بازار، سڑکیں، کارخانے دکانیں صاف ستھری ہوں گی تو فضا میں بھی صفائی ہوگی تو ہوائیں بھی پاکیزہ ہوگی، زمین میں صفائی ہوگی تو آبی ذخائر میں صفائی آئے گی، جو ہماری صحت کے لیے مفید ثابت ہوں گی۔ اسلام نے صفائی ستھرائی پر بہت زیادہ زور دیا ہے، اور نظافت کو دین کا حصہ قرار دیا ہے۔

بعض روایت میں صفائی کو نصف ایمان قرار دیا گیا ہے۔ حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے: الإسلام نظيف فتنظفوا فإنه لايدخل الجنة إلا نظيف۔ ترجمہ: اسلام صفائی ستھرائی کا نام ہے اس لیے صفائی کا خیال کرو؛ کیوں کہ جنت میں صاف ستھرا آدمی ہی داخل ہوگا۔

صفائی اسلام کی خصوصیات میں داخل ہے۔ اسلام نے نظافت و طہارت کو بنیادی درجہ دیا ہے؛ بلکہ طہارت جیسی جامع اصطلاح اسلام ہی کا حصہ ہے جو دوسرے مذہب میں نہیں ملتا۔ اسلام کے نظام طہارت کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کی احادیث پر مدون اکثر کتابیں طہارت کے باب سے شروع ہوتی ہیں، اسلام میں دو لفظ پاکی اور صفائی الگ الگ معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے اور دونوں کا وسیع مفہوم ہے۔ اسلام ہر قسم کی آلودگیوں بشمول مادی آلودگیوں کو انسانی زندگی اور اس کے ماحول میں ہونے سے سخت متنفر ہے اور انسانوں کو اس سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے اہل قبا کی اس بنیاد پر تعریف کی کہ وہ لوگ استنجا میں مٹی کے

ساتھ پانی بھی استعمال کرتے تھے: "فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْن" (توبہ:108)۔ ترجمہ: اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالی کو پاکیزگی اختیار کرنے والے پسند ہیں۔

آج ٹیشو پیپر کا استعمال کثرت سے ہو رہا ہے اور پانی سے صرف نظر کیا جا رہا ہے؛ جب کہ پانی کے ہوتے ہوئے صرف ٹیشو پر اکتفا کرنا کسی طرح آلودگی کے اعتبار سے درست نہیں ہے؛ کیوں کہ ٹیشو سے پانی کی طرح صفائی نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ صرف نجاست کو کم کیا جاتا ہے۔ اسلام میں انفرادی صفائی کے ساتھ اجتماعی صفائی کا بھی حکم دیا گیا ہے اور گندگی پھیلانے سے منع کیا ہے۔

اسلام میں جمعہ کے دن غسل کو ضروری قرار دیا گیا اور خوشبو لگا کر گھر میں موجود کپڑوں میں نئے کپڑے پہننے کی ہدایت کی گئی؛ اس لیے کہ جمعہ میں بڑا اجتماع ہوتا ہے اور ہر طرح کے لوگ مسجد میں اکٹھا ہوتے ہیں عہد نبوی میں لوگ کھیتوں میں کام کر کے بلا غسل کے مسجد آجاتے تھے بعض لوگوں کے پسینے کی بو سے دوسرے لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی؛ اس لیے آپ ﷺ نے یہ ہدایت دی تھی۔ اس حدیث کی روشنی میں تمام بڑے اجتماعات کو قیاس کیا جاسکتا ہے، عید کا موقع ہو یا کوئی بھی تہوار کا موقع ہو، میلہ، کانفرنس، نماز، تعلیم گاہ جہاں ہر قسم کے لوگ آتے ہیں اور لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے وہاں پر غسل کر کے، خوشبو لگا کر آنے کی ہدایت اس لیے ہے تاکہ ہماری ذات سے کسی کو تکلیف نہ ہو اور ہماری گندگی سے ماحول پر منفی اثر نہ پڑے۔

11.5 پانی کو آلودگی سے بچانا

آبی آلودگی سے بچنے کے لیے بنیادی طور پر پانی کا تحفظ ضروری ہے، اگر پانی کا تحفظ نہیں کیا گیا تو آبی آلودگی کے مسائل سنگین حد تک جاسکتے ہیں۔ پانی کی دو قسمیں ہیں کھارا پانی اور میٹھا پانی، ماہرین کی تحقیق کی مطابق سمندر میں 71٪ اور زمین یا زیر زمین 29٪ پانی ہے۔ اس میں پینے کے قابل پانی کا حصہ صرف تین فیصد ہے؛ اس لیے پانی کا تحفظ ضروری ہے۔ اسلام نے پانی کے تحفظ پر بہت زیادہ زور دیا ہے، اور اسلامی تعلیمات میں اس سلسلے میں کافی رہنمائی مل جاتی ہے۔

- سنن ابن ماجہ میں روایت ہے: عن جابرؓ أن النبی ﷺ نهى أن يبال في الماء الراكد۔ ترجمہ: آپ ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔

- ایک اور روایت ہے: عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: إن شرب أحدكم فلا يتنفس في الإناء۔ ترجمہ: آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی پانی پیے تو پانی میں سانس نہ لے۔

آپ ﷺ نے پانی پینے کے آداب بیان کیے اس میں یہ بھی ہے کہ جب کوئی پانی پیے تو پانی میں سانس نہ لے، اس لیے کہ سانس لینے کی صورت میں جسم کا کاربن ڈائی آکسائیڈ پانی میں جائے گا پھر وہ ہمارے جسم میں منتقل ہو جائے گا جو ہماری صحت کے لیے نقصان دہ ہو گا؛ اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

- سنن ابی داؤد میں مروی ہے: إنْ استيقظ أحدكم من نومه فلا يدخل يدهُ في الإِناء حتى يغسلها ثلاثاً فإنّ أحدكم لا

يدري أين باتت يده۔ ترجمہ: جو شخص سو کر بیدار ہو اسے چاہیے کہ برتن میں ہاتھ داخل نہ کرے یہاں تک کہ اس کو تین مرتبہ دھولے کیوں کہ تم میں سے کسیکو نہیں معلوم ہے کہ اس کے ہاتھ نہ رات کہاں گزاری ہے۔

- سنن ابن ماجہ کی روایت ہے: عن جابرؓ عن رسول الله ﷺ أنه قال: غَطُّوا الإِناء، وأَوْكِئُوا السِّقَاءَ، وأَغْلِقُوا الأبوابَ، وأَطْفِئُوا السِّرَاجَ۔ ترجمہ: آپ ﷺ نے فرمایا: [رات میں] برتنوں اور مشکیزوں کو ڈھک دیا کرو و دروزہ بند کر دیا کرو اور چراغ بجھا دیا کرو۔

- مسند احمد میں مروی ہے: عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ نهىٰ أنْ يشرب مِنْ فِي السِّقاء قال أيّوب فأُنْبئت أنّ رجلاً شرب مِنْ فِي السِّقاء فخرَجَتْ حَيّة۔ ترجمہ: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے حضور ﷺ نے مشکیزہ میں منہ لگا کر پانی پینے سے منع فرمایا: ایوب کہتے ہیں کہ مجھے معلوم ہوا کہ ایک شخص نے مشکیزہ میں منہ لگا کر پانی پیا تو اس سے سانپ نکل گیا۔

- صحیح مسلم میں ہے: لا يغتسل أحدكم في الماء الدّائم وهو جنُب قالوا كيف يفعل يا أبا هريرة ؟ قال: يتناوله تناولاً۔ ترجمہ: تم میں سے جس کو غسل کی ضرورت ہو وہ ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے، لوگوں نے عرض کیا اے ابوہریرۃ پھر کیسے کریں؟ تو فرمایا علاحدہ پانی لے کر۔

غسل خانہ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا؛ پانی کو ناک کی رینٹ یا تھوک وغیرہ سے آلودہ کرنے منع کیا گیا ہے؛ پانی کے گزرگاہوں میں بول وبراز سے روکا گیا ہے۔ ان تمام روایات سے پانی کے تحفظ کے سلسلے میں اسلام کا نقطہ نظر واضح ہو جاتا ہے کہ معمولی پانی کو بھی خراب کرنے سے اسلام نے منع کیا ہے، موجودہ حالات میں ہمیں ان تعلیمات سے بڑی روشنی ملتی ہے۔ آج ڈرینج لائنیں اور صنعتی فضلات جو ندیوں اور دریاؤں میں بہادئے جاتے ہیں جن سے بڑے بڑے دریا کا پانی آلودہ ہو چکا ہے جن دریاؤں کا پانی کبھی پینے کے لیے استعمال ہوتا تھا آج ان دریاؤں کے پاس سے گزرنا مشکل ہو رہا ہے ظاہر ہے کہ اسلامی تعلیمات اس کی اجازت نہیں دیتی ہے کہ اس طرح پانی کو آلودہ کر دیا جائے یہ اللہ تعالی کی نعمت کا غلط اور ناجائز استعال ہے یہی وجہ ہے کہ آج پانی کے مسائل سنگین حد تک پہنچ چکے ہیں۔

11.5.1 آبی آلودگی دور کرنے کے وسائل

پانی کو آلودگی سے بچانے کا ایک حصہ نظافت کا ہے۔ دوسرا حصہ آلودہ پانی کو صاف کرنا ہے۔ پانی میں تحلیل کی اللہ تعالی نے صلاحیت رکھی ہے؛ اس لیے پانی بہت سی چیزوں کو اپنے اندر تحلیل کر لیتا ہے بہت حد تک پانی میں شامل ہونے والے فضلات وقت کے ساتھ قدرتی نظام کے تحت تحلیل ہو جاتے ہیں، اگر پانی کو آکسیجن گیس ملتی رہتی ہے تو پانی پھر سے صاف ہو جاتے ہیں؛ لیکن اگر پانی میں ناقابل تحلیل کیمیائی اجزاء شامل ہو جائیں تو پھر وہ قدرتی طور پر تحلیل ہو کر صاف نہیں ہوتے؛ بلکہ ان کو صاف کرنے کی ضرورت پڑتی ہے ہم آئے دن دیکھتے ہیں کہ آج کل جو پینے کا پانی بازاروں میں دستیاب ہے وہ مشینوں کے ذریعہ فلٹر کرکے اس کے ناپاک اور فاسد ذرات کو نکالا جاتا ہے۔ قدیم زمانے میں بھی پانی کی آلودگی کو دور کرنے کے بعض وسائل تھے جن کا تذکرہ فقہی کتابوں میں موجود ہے، فقہ کی اصطلاح میں

اس کو "اسۡتَحَالَ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ استحال کے معنی ہیں: إنقلاب حقيقة إلى حقيقة أخرى، ایک حقیقت کی دوسری حقیقت کی طرف منتقل ہو جانا۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں (ترجمہ): نجاست جب تحلیل ہو جائے اور اس کے اوصاف و نتائج بدل جائیں تو وہ ناپاکی کے دائرے سے باہر آجاتی ہے؛ اس لیے کہ نجاست ایک خاص صفت سے متصف شئ کا نام ہے؛ لہذا جب یہ صفت ختم ہو گئی تو نجاست بھی ختم ہو جائے گی یہ ایسے ہی ہو گا جیسے شراب سرکہ بن جائے۔

آلودگی کو دور کرنے کا ایک طریقہ پانی میں بہاؤ پیدا کرنا ہے بہاؤ سے بھی نجاست کا ازالہ ہوتا ہے؛ اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ ماء جاری میں اگر نجاست گر جائے اور اس کے تینوں اوصاف میں سے کوئی وصف نہ بدلے تو پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے؛ اس لیے کہ بہتا پانی خود بھی ایک دوسرے کو صاف کرتا ہے اور اس کے آلودہ اجزا بھاپ بن کر فضا میں تحلیل ہو جاتے ہیں اس طرح بہتے ہوئے پانی سے آلودگی ختم ہو جاتی ہے۔ فقہاء نے بھی اس کو پانی کی تطہیر کا ایک طریقہ تسلیم کیا ہے۔

چوتھی صدی ہجری کے ایک مسلمان سائنس داں "محمد بن احمد تمیمی" نے اپنی کتاب "مَادَةُ البَقَاءِ لإصلاح فساد الهواء والتحرز من ضرر الأوباء" میں آبی آلودگی کے خاتمے کا ایک طریقہ لکھا ہے کہ آلودہ پانی کو آگ میں پکا دیا جائے؛ کیوں کہ جب آگ اس پانی کو گرم کرتی ہے تو گندگی پانی میں تحلیل ہو جاتی ہے پھر وہ بھاپ کے ساتھ اڑ جاتی ہے۔ ڈاکٹر خالد عرب کا کہنا ہے کہ تمیمی ایک ہزار سال پہلے آبی آلودگی اور اس کے علاج و صفائی کے سلسلے میں ایسے نظریات کے ساتھ میدان میں آئے جسے اس زمانے کی تہذیبی سبقت میں شمار کیا جاسکتا ہے اور سائنس دانوں نے ان میں سے بیشتر باتوں کو صحیح ثابت کر دیا ہے۔

موجودہ زمانے میں صنعتی ترقی نے بھی ایسی چیزیں ایجاد کی ہیں جو آبی آلودگی کے خاتمے کے لیے مفید ہیں۔ آج ری سائیکلنگ (recycling) کے ذریعہ، فلٹر کے ذریعہ اور کیمیکل سے آبی آلودگی کو ختم کیا جا رہا ہے، آبی آلودگی کے خاتمے کے لیے اس طرح کی چیزوں کو استعمال کرنا اسلامی نقطہ نظر سے درست ہے؛ بلکہ فقہاء کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ پانی کی صفائی کا مذکورہ طریقہ آج کی پیداوار نہیں ہے۔ ہاں یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ سائنس و ٹکنالوجی کی ترقی کی وجہ سے کام آسان اور اچھے انداز میں ہونے لگا ہے۔

11.5.2 آبی آلودگی کو کم کرنے کی تدبیریں

ماقبل کی تفصیلات کی روشنی میں آبی آلودگی کو کم کرنے کی مذکورہ صورتیں ہو سکتی ہیں:

(1) پانی میں پیشاب نہ کیا جائے

(2) کھلے میں قضائے حاجت نہ کی جائے

(3) کچرا زمین میں ڈالنے کے بجائے کچرے کے ڈبوں میں ڈالا جائے تاکہ نجاست زمین میں جذب ہو کر آبی ذخائر کو آلودہ نہ کریں

(4) فیکٹریوں کے فاسد مادوں یا گندے پانی کو صاف کیے بغیر زمین یا نالہ میں نہ بہایا جائے

(5) ڈرینج لائنوں کو ندی یانالے میں نہ بہایاجائے؛بلکہ اس کے مخزن تیار کرکے اس پانی کو صاف کیاجائے

(6) پانی میں اسراف اور فضول خرچی سے پرہیز کیاجائے

11.6 زمینی آلودگی

ماحولیات کے ارکان میں ایک رکن زمین ہے، جس کے ارد گرد ہم گھومتے ہیں، جس پر ہم چلتے ہیں اور جس پر ہم مکان بناتے ہیں، کھیتی کرکے غلہ اگاتے ہیں، سیر و تفریح کرتے ہیں، اور مختلف طرح سے ہم اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے زمین کی حقیقت وخاصیت اور اس کی افادیت کو مختلف پیرائے میں سمجھایاہے:"اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ لا یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ"(اعراف: 128)۔ترجمہ: یہ زمین اللہ تعالی کی ہے، اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتاہے مالک بنادیتاہے۔

ایک اور جگہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْأَرْضَ مَهْداً وَّجَعَلَ لَکُمْ فِیْهَا سُبُلاً لَّعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْن" (زخرف:10)۔ترجمہ: جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایااور اس میں اس نے تمہارے لیے راستے بنائے تاکہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو۔

زمین کو فرش سے تعبیر کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح انسان اپنے بستر کی حفاظت کرتاہے اور گندگی وغیرہ سے اس کو صاف رکھتاہے اسی طرح زمین کی حفاظت بھی اس کے لیے ضروری ہے اور اس کو پاک وصاف رکھنااس کا فرض ہے۔ زمین کا اللہ تعالی نے انسان کو وارث بنایاہے وارث کاکام یہ ہوتاہے کہ اپنے مورث کی وراثت کی حفاظت کرے اس کا صحیح استعمال کرے اور اس میں مزید ترقی کرے اور اچھی حالت میں اگلی نسلوں کے حوالے کرے وہ نااہل وارث ہوتے ہیں جو وراثت کو ضائع کردیتے ہیں۔

11.6.1 زمین کے فوائد

زمین اللہ تعالی کی قدرت کے مظاہر میں سے ہے اور اللہ تعالی نے دیگر تمام مخلوقات کی طرح زمین کو بھی انسانوں کی خدمت میں لگا رکھاہے، یہ زمین مختلف طرح سے انسانوں کی خدمت کرتی ہے۔ غور فرمائیں تو زمین کے بے شمار فائدے ہیں اگر یہ زمین اپنی حالت میں باقی رہے گی تو ہم ان گنت فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔ زمین کے فائدوں میں ایک فائدہ یہ ہے کہ زمین معدنیات کا مخزن ہے۔ آج سائنس داں تحقیق کرکے طرح طرح کی معدنیات کی کھوج کررہے ہیں اگر یہ معدنیات نہ ہوتیں تو دنیا آج اس قدر ترقی کے مراحل طے نہ کرسکتی۔ مُفَسّر فخر الدین رازی لکھتے ہیں (ترجمہ): زمین سے پیدا ہونے والی چیزیں معدنیات، نباتات، حیوانات اور زمین کے اوپر اور اندر کی چیزیں ہیں جن کی تفصیلات صرف اللہ کو ہی معلوم ہیں۔

زمین کے فوائد وخصوصیات میں زمین کا متنوع صفات سے متصف ہونا بھی ہے؛ چنانچہ بعض حصے ایسے ہیں جن میں نرمی اور سہولت پائی جاتی ہے اور بعض ایسے ہیں جو سخت اور ٹھوس ہیں، بعض حصے ریت ہی ریت ہیں؛ جب کہ بعض شوریدہ ہیں اور کچھ حصے سنگلاخ ہیں؛ اسی طرح زمین کے رنگوں میں بھی اختلاف اور تنوع پایاجاتاہے، بعض علاقوں کی زمین سرخ اور بعض جگہ سفید اور بعض کی سیاہ بعض کی خاکی پائی

جاتی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے مٹی کی مذکورہ خصوصیات کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: "وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ" (فاطر:27)۔ ترجمہ: اور پہاڑوں کے بھی مختلف حصے ہیں سفید اور سرخ کہ ان کے بھی رنگ مختلف ہیں اور بہت گہرے سیاہ۔

زمین کے دیگر فوائد میں یہ ہے کہ زمین سے ہی اللہ تعالی نے مختلف نہریں اور ندیاں جاری کی ہیں جو زمین پر جال کی طرح پھیلی ہوئی ہیں جن میں بہت سی نہروں کا پانی شیریں ہے، جس سے خلق خدا کی ایک بڑی تعداد سیر اب ہوتی ہے، اس کے علاوہ کھیتیاں سیر اب کی جاتی ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا" (رعد:3)۔ ترجمہ: اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور دریا رکھ دیئے۔

زمین کے کاموں میں ایک کام یہ ہے کہ زمین سے ہی نباتات یعنی گھاس پھوس، پیڑ پودے اگتے ہیں جن کے رنگ مختلف اور متنوع ہوتے ہیں جن کے منافع جدا جدا ہوتے ہیں۔ قرآن کریم کی اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے: "وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ" (ق:7)۔ ترجمہ: اور زمین کو ہم نے بچھا دیا اور اس میں ہم نے پہاڑ رکھ دی یے اور اس میں ہر قسم کی خوشنما چیزیں اگائیں۔

11.6.2 زمینی آلودگی کا مفہوم

زمین اللہ تعالی کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے، جس کے فوائد بے شمار ہیں اگر غور فرمائیں تو پانی اور مٹی قدرت کی وہ عظیم نعمتیں ہیں جن پر نہ صرف حیات انسانی کی بقا ہے؛ بلکہ حیوانات اور نباتات بھی زمین سے زندگی پاتے ہیں۔ زمین کی تخلیق کے مقاصد کو پیش نظر رکھ کر استعمال کرنا نعمت کی قدر دانی ہے۔ زمین کی آلودگی کا مفہوم یہ ہے کہ مٹی میں ایسے کیمیکل داخل ہو جائیں، یا ایسی گندگی سرایت کر جائے جس کی وجہ سے مٹی اپنی اصل خاصیت پر باقی نہ رہے؛ بلکہ اپنے مقصد تخلیق سے صرف نظر کرنے لگے اور وافر مقدار میں غلہ اگانے سے قاصر ہو جائے۔

11.6.3 زمینی آلودگی کے نقصانات

دیگر ماحولیاتی آلودگی کی طرح زمینی آلودگی بھی ماحول اور ماحول میں رہنے والے لوگوں کے لیے خطرناک ہے۔ زمینی آلودگی کی وجہ سے بہت سی بیماریاں جنم لیتی ہیں جن سے انسان اور دیگر حیوانات کو گزرنا پڑتا ہے، اسی طرح جب زمین آلودہ ہو جاتی ہے تو اس سے اس طرح کھیتی نہیں ہوتی جس طرح صاف زمین میں کھیتی ہوتی ہے، اسی طرح جو پھل اور سبزیاں تیار ہوتی ہیں وہ زہر آلودہ زمین کی وجہ سے ان سبزیوں اور پھلوں میں بھی وہ زہریلے مادے آجاتے ہیں جن کو کھا کر انسانی صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔ فصلوں سمیت تمام پودوں کی نشوونما کے لیے مٹی اہم ہے جب مٹی میں کیمیکل شامل ہو جاتے ہیں تو اس کا اثر فصلوں اور پھلوں میں بھی نمایاں ہوتا ہے۔

11.6.4 زمینی آلودگی کے اسباب

زمینی آلودگی کے اسباب میں صنعتی انقلاب (industrialization) بہت اہم ہیں۔ آج فیکٹریوں میں موجود فضلات کو یونہی زمین پر ڈال دیا جاتا ہے اس کے زہریلے اثرات زمین میں سرایت کر جاتے ہیں اور زمین کو بسا اوقات ناکارہ کر دیتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں عام طور پر گندگی کو یونہی زمین پر ڈال دیا جاتا ہے، زمین کی خاصیت جذب کرنے کی ہے جس کی وجہ سے زمین دھیرے دھیرے اس گندگی کو جذب کر لیتی ہے اور زمین آلودہ ہو جاتی ہے۔ ناپاک اور گندا پانی بھی زمین پر ڈالنے سے زمین میں آلودگی پیدا ہوتی ہے۔ زہریلی گیسوں، زرعی اور کیڑے مار ادویات اور کیمیاوی کھادوں کا بے جا استعمال بھی زمین کی آلودگی کا سبب بنتے ہیں۔

11.6.5 زمینی آلودگی اور اسلامی تعلیمات

اسلام نے زمین کی خاصیت اور اس کے فوائد اور اس کی قدر و قیمت کو واضح انداز میں اسی لیے بیان کیا ہے کہ انسان زمین کی عظمت و قیمت کو جانے اور اس کی حفاظت کرے۔ اسلام نے زمین کی پاکی وصفائی پر بہت زیادہ زور دیا ہے تا کہ زمین کسی طرح آلودہ نہ ہو۔

حدیث میں ہے:

- اتقوا الملاعن الثلاثة :البراز فی الموارد، و قارعة الطريق، والظل۔ (سنن ابی داؤد)، ترجمہ: تین قابل لعنت چیزوں سے بچو، گھاٹوں، راستوں اور سایہ میں قضائے حاجت کرنے سے۔
- مَنْ آذى المسلمين في طُرُقِهم وجبت عليه لعنتهم۔ (مجمع الزوائد)، ترجمہ: جو مسلمانوں کو ان کے راستوں کے حوالے سے تکلیف پہونچائے وہ لعنت کا مستحق ہوگا۔
- نهیٰ رسول الله ﷺ أنْ يَتَخَلَّى الرجل تحت شجرةٍ مُثمرةٍ ونهى أنْ يَتَخَلَّى على ضفَّةِ نهر جَارٍ ۔(مجمع الزوائد)، ترجمہ: حضور ﷺ نے پھل دار درخت کے سایہ میں قضاء حاجت سے منع فرمایا اور بہنے والی نہر کے کنارے میں استنجا سے منع کیا۔
- قال رسول الله ﷺ من سَلَّ سَخِيمَتَهُ على طريقٍ منْ طرقِ المسلمِينَ، فَعليهِ لَعْنَةُ اللهِ والملائكةِ والناسِ أجمعينَ۔ (المعجم الاوسط)، ترجمہ: جس نے مسلمانوں کے راستوں میں سے کسی راستہ میں جس پر وہ چلتے پھرتے ہیں غلاظت کی اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام مسلمانوں کی لعنت ہے۔
- فتاوی ہندیہ میں ہے: جاری پانی یا ٹھہرے پانی میں نہر یا کنویں یا حوض یا چشمہ کے کنارے یا پھل دار درخت کے نیچے یا کھیتی میں یا ایسے سایے میں جہاں بیٹھنے پر آرام ملے، اور مسجد کے برابر اور عید گاہ کے برابر اور قبروں میں اور چوپائے جانورں اور مسلمانوں کے راستہ میں پیشاب کرنا اور قضائے حاجت کرنا مکروہ ہے۔

ان تمام احادیث اور فقہی عبارتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام زمین کے تحفظ پر زور دیتا ہے، اور زمین کو کسی طرح آلودہ کرنے کو پسند نہیں کرتا ہے؛ خاص طور پر زمین کے ان حصوں کو گندہ کرنے سے سخت ناراضگی کا اظہار کرتا ہے جس سے عام لوگوں کا نفع

وابستہ ہو۔ روایات میں بہت سی جگہوں کا تذکرہ موجود ہے اور روایات کی روشنی میں ہم مزید یہ طے کر سکتے ہیں کہ عام سڑک، ریلوے اسٹیشن، بس اڈے، پبلک مقامات، پر پیشاب، پاخانہ، کرنا یا دیگر گندی چیزوں کو ڈال کر گندہ کرنا شریعت کی نگاہ میں درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ اس سے نہ صرف زمین کا اندرون ناپاک اور گندہ ہوتا ہے؛ بلکہ اس کے ظاہر کی غلاظت اور بدبو سے لوگوں کا راستہ چلنا، اور گزرنا دشوار ہو جاتا ہے، اس طرح کی گندگی سے فضا میں ایک قسم کا تعفن پھیل جاتا ہے جو مختلف بیماریوں کا سبب ہوتا ہے۔ زمین کی صفائی اور آلودگی سے حفاظت کے لیے اسلامی تعلیمات کا ذخیرہ بہت وسیع ہے، اسلام کے نقطہ نظر کو سمجھنے کے لیے یہ کافی ہے کہ راستے سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹانے کو نیکی اور ایمان کا شعبہ قرار دیا ہے۔ سنن الترمذی میں ہے: عن أبي هريرة عن النبي ﷺ أنه قال: بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي فِي طَرِيقٍ إِذْ وَجَدَ غُصْنَ شَوْكٍ فَأَخَّرَهُ فَشَكَرَ اللَّهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ۔ ترجمہ: ایک آدمی راستہ چلتا ہے اور وہ راستے میں کانٹے کی ٹہنی پاتا ہے تو اس کو ہٹا دیتا ہے تو اللہ تعالی اس کے عمل کو قبول کر لیتا ہے اور اس کو معاف کر دیتا ہے۔

جب اسلام راستے سے گندگی اور تکلیف دہ چیز کو ہٹانے کو ایمان کا جز قرار دیتا ہے اور اس قدر معمولی کام کو اس قدر اہمیت دیتا ہے تو اسلام کسی ایسی چیز کو جو پوری انسانیت کے لیے ہلاکت وتباہی کا ذریعہ ہو انسانوں کے ساتھ حیوانات کے لیے بھی نقصان دہ ہو اس کو کس طرح اجازت دے سکتا ہے؟ یہ حدیث اسلام کے نظام طہارت کو ہی بیان نہیں کرتی ہے؛ بلکہ آلودگی سے تحفظ کی روح بھی اس میں پوشیدہ ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کسی قسم کی آلودگی کو پسند نہیں کرتا ہے۔

11.7 غذائی آلودگی

غذا جسم کے لیے ایندھن کا کام دیتی ہے، اور غذا کی توانائی سے جسم میں توانائی ملتی ہے، اللہ تعالی نے ہمارے جسم کا نظام اس طرح بنایا ہے کہ اس میں ٹھوس اور سیال دونوں قسم کے مادے پائے جاتے ہیں دانت، کھوپڑی ہڈیاں سخت ہیں تو خون رقیق مادہ ہے دل جگر گردے نرم اعضا ہیں بنیادی طور پر جسم خلیوں سے بنا ہے اور یہ خلیہ ہی حیات کی اکائی ہے خلیے ٹوٹتے رہتے ہیں اور ان کی مرمت بھی ہوتی ہے اور نئے خلیے بھی بنتے رہتے ہیں ان خلیوں کی تعمیر و مرمت میں غذا انتہائی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

فضائی، آبی اور صوتی آلودگی جس طرح ماحول کے لیے نقصان دہ ہے اور اس کے نقصانات انسان اور حیوانات کو جھیلنے پڑتے ہیں اسی طرح غذائی آلودگی بھی انسان و حیوانات کے لیے انتہائی نقصان دہ ہے۔ غذا کی اہمیت کے لیے یہ کافی ہے کہ جس طرح پانی سے انسان و حیوانات کی زندگی وابستہ ہے اگر پانی نہ ہو تو انسان کے لیے زندگی گزارنا دشوار ہو جائے ٹھیک اسی طرح غذا بھی انسانی و حیوانی حیات کے لیے بقا کا ضامن ہے اس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے غذا اور رزق کو عظیم نعمت قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ“ (ہود:6)۔ ترجمہ: کوئی جاندار روئے زمین پر ایسا نہیں ہے کہ اس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو اور روہ ہر ایک کی زیادہ رہنے کی جگہ اور چند روزہ رہنے کی جگہ کو جانتا ہے سب چیزیں کتاب مبین میں ہے۔

11.7.1 غذائی آلودگی کا مفہوم

پانی یا زمین میں اس طرح کی چیزوں کا شامل ہو جانا جس کی وجہ سے غذا اپنی اصلی اور طبعی کیفیت پر باقی نہ رہے اور وہ غذا جو انسان کے صحت اور جسم کی بقا کے لیے ضروری ہے اس سے بجائے صحت کے بیماری پیدا ہو جائے۔ الفقہ البیئی میں غذائی آلودگی کی یہ تعریف کی گئی ہے (ترجمہ):

> غذائی آلودگی بیماری پیدا کرنے والے جراثیم یا قدرتی یا تابکار کیمیکلز پر مشتمل ہوتے ہیں جو پیٹ اور آنتوں کی شدید بیماری کی وجہ سے فوڈ پوائزن کے معاملات کا باعث بنتے ہیں۔ غذائی کیمیاوی آلودگی زندہ خلیوں میں جمع ہونے اور پھیلنے سے ہوتی ہے جہاں خوراک کی زنجیر سے گزرنے کے دوران کیمیاوی آلودگی کا ارتکاز بڑھ جاتا ہے۔ غذائی کیمیاوی آلودگی کی وجہ سے کینسر کی مختلف اقسام کے انفیکشن رونما ہوتے ہیں۔

خوراک اور غذا نباتات اور حیوانات سے تیار ہوتے ہیں۔ زمین میں سبزیاں اگتی ہیں جو انسان اور جانوروں کی غذا ہے، اسی طرح حیوانات میں سے بعض حیوانات بعض کے لیے غذا ہیں اسی طرح حیوانات انسانوں کے لیے غذا ہیں۔ اللہ تعالی نے نباتات کی غذائی ضرورت کی تکمیل کے لیے سورج کی شعاع، آسمانی بارش اور زرخیز زمین عطا کی ہے ان چیزوں کی مدد سے ہم فطری اور مصنوعی خوراک تیار کرتے ہیں، قرآن کریم میں اللہ تعالی نے اس کو بہت واضح انداز میں سمجھایا ہے:

"وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَخْرَجْنَا بِهٖٓ أَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى كُلُوْا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ" (طہ: 53-54)۔ ترجمہ: اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ سے مختلف قسموں کے نباتات پیدا کئے، خود کھاؤ اور اپنے مویشی کو چراؤ۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے خوراک کی پیدائش اور افزائش کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ آسمان کی بارش، زمین کا سبزہ یہ انسانوں اور حیوانات کی غذا کی تیاری میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

11.7.2 غذائی آلودگی کے اسباب

اللہ تعالی نے جس طرح صاف پانی عطا کیا ہے، اسی طرح صاف غذا کا بھی انتظام کیا ہے؛ لیکن انسان اپنے غلط عمل کی وجہ سے، جس طرح پانی کو آلودہ کر دیتا ہے؛ اسی طرح غلط عمل کی وجہ سے غذا کو بھی آلودہ کر دیتا ہے اور وہ غذا جسمانی توانائی عطا کرنے کے بجائے بیماری میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ غذائی آلودگی کے مختلف اسباب ہیں: ایک سبب تو یہ ہے کہ پانی کے آلودہ ہونے کی وجہ سے اسی طرح زمین کے آلودہ ہونے کی وجہ سے غذائی آلودگی پیدا ہو رہی ہے؛ اس لیے کہ غذا کی تیاری میں پانی اور زمین بنیادی عناصر کی طرح شامل ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ پانی کے گندہ ہونے یا زمین کے آلودہ ہونے کا اثر غذا پر پڑتا ہے۔ اسی طرح دولت کی ہوس نے بھی غذائی آلودگی کے مسائل کو جنم دیا ہے۔ آج کل فطری طور پر غذا کو تیار کرنے کے بجائے مصنوعی طریقہ پر توجہ دی جا رہی ہے اور انجکشن کے ذریعہ ایک مہینہ میں تیار ہونے والے غذا کو ایک ہفتہ میں تیار کیا جا رہا ہے، ایک خاص مقدار میں تیار ہونے والے غذا کو بڑے مقدار میں تیار کیا جا رہا ہے، فارمی مرغی کو ایسی غذا

دی جارہی ہے کہ ایک مہینہ میں دوسو یا تین سو گرام وزن بڑھنے کے بجائے ایک کلو اور دو کلو کا وزن ہو جاتا ہے، لوکی، کھیرا، تربوز، گاجر، مولی اور اس طرح کی بے شمار سبزیاں انجکشن کے باعث اپنی فطری صفت کھو دیتی ہیں، اور مصنوعی صفت اس میں پیدا ہو جاتی ہے۔ دو کلو دودھ دینے والی بھینس کو اس طرح انجکشن دیا جاتا ہے کہ وہ دس کلو دودھ دینے لگتی ہے یہ سب غذائی آلودگی کے اثرات ہیں۔ قدرتی مصنوعات میں ملاوٹ بھی غذائی آلودگی کا سبب ہے، انسان اپنے حقیر مفادات اور معمولی منفعت کی خاطر ہر طرح کی چیزوں میں ملاوت کر رہا ہے جس سے پاک صاف چیزیں گھٹیا ملاوٹ کی وجہ سے آلودہ ہوتی جارہی ہیں حد یہ ہے کہ مرچ میں اینٹ کے سفوف کی آمیزش کی جاتی ہے، گھی او رتیل میں چربی کی، اصلی دوا میں نقلی دوا کی، حتی کہ گھوڑے کی لید کو سکھا کر اور کیمیکل کے ذریعہ اس کے بدبو کو زائل کر کے دھنیے میں ملا کر فروخت کیا جاتا ہے، دودھ میں نقصاندہ پاؤڈر ملا دودھ کو فروخت کیا جارہا ہے۔ اس طرح کی چیزوں سے غذا بالکل آلودہ ہو چکی ہے، ماہرین کے مطابق سڑکوں پر ریڑی لگا کر غذائی اجزا فروخت کرنے والے کھانے پینے کی چیزوں کے ساتھ جو غلط اور غیر صحت بخش طریقہ کارا اختیار کرتے ہیں وہ بھی بہت سے ممالک میں غذائی معیار کی خرابی اور آلودگی کا سبب بنتا ہے۔ اسی طرح پھلوں اور سبزیوں کی افزائش میں اس طرح کے کیڑے مار دوا دی جاتی ہے کہ اس کا اثر پھلوں اور سبزیاں میں ظاہر ہو جاتا ہے نیز اس طرح کی کیڑے مار دواؤں کی کثرت کی وجہ سے زمین کی زرخیزی ختم ہوتی جارہی ہے اور غذا کی قلت پیدا ہو رہی ہے آج بھوک مری کی شرح میں جو اضافہ ہو رہا ہے اس میں ایک سبب یہ بھی ہے کہ زمین کی آلودگی کی وجہ سے غذا کی پیداوار میں کمی ہو رہی ہے اور قلت کے سبب مہنگائی بڑھ رہی ہے جس کی وجہ سے غریب طبقہ غذا سے دور ہو جاتا ہے اور بھوک مری کا شکار ہو جاتا ہے۔ اقوام متحدہ (UN) کی رپورٹ کے مطابق ہر سال دنیا بھر میں چھ سو ملین انسان ناقص غذا سے پیدا ہونے والی بیماریوں کا شکار ہوتے ہیں اور ان میں سے بیالیس لاکھ موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔

11.7.3 غذائی آلودگی اور اسلامی تعلیمات

اسلام نے دیگر آلودگی کی طرح غذائی آلودگی سے منع کیا ہے اور جو انسان، حیوانات اور جنات کی غذا ہے اس کو نقصان پہنچانے کو برا عمل قرار دیا ہے؛ اس لیے کہ غذا انسانوں اور دیگر ذی روح مخلوق کی ضرورت ہے؛ اسی لیے شریعت نے اس کا احترام کرنے کا حکم دیا ہے۔ فقہاء نے کھانے کی چیزوں سے استنجا کرنے سے منع کیا ہے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے: "يكره الإستنجاء بالعظم والروث والرجيع والطعام واللحم والزجاج والخزف وورق الشجر"۔ ترجمہ: ہڈی، گوبر، پاخانہ، کھانا، گوشت، شیشہ، ٹھیکرا اور درخت کے پتوں سے استنجا کرنا مکروہ ہے۔ کتاب الطھارہ شیخ مرتضی أنصاري (1281ھ) میں یہ حدیث ہے: "أنّ النبي صلى الله عليه وآله نهى عن الإستنجاء بالروث والرِّمَّة يعنى العظم البالي"۔ ترجمہ: نبی ﷺ نے گوبر اور بوسیدہ ہڈی (الرِّمَّة) سے استنجا کرنے سے منع فرمایا۔

کھانا اور گوشت سے استنجا کرنے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ یہ انسان کی غذا ہے، اس کا احترام کرنا ضروری ہے اس کو آلودہ کرنا درست نہیں ہے۔ اسی طرح ہڈی اور گوبر سے استنجا کرنا اس لیے منع ہے کہ یہ جنات کی غذا ہے۔ سنن ابی داؤد میں حضرت عبد اللہ بن مسعود کی ایک حدیث ہے؛ جنات کا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں اسلام قبول کرنے کے لیے حاضر ہوا اور انہوں نے آپ ﷺ سے درخواست کی: آپ اپنی امت کو ہڈی، لید اور کوئلے سے استنجا کرنے سے منع فرمادیں اس لیے کہ اللہ تعالی نے اسے ہمارا رزق بنایا ہے تو آپ

ﷺ اس سے (استنجا کرنے سے) منع فرمادیا۔

شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ ہڈی اور کوئلہ جنات کی غذا ہے اور لید جنات کے جانور کی غذا ہے۔ غور فرمائیں اسلام نے غیر مرئی مخلوق کا اس قدر خیال فرمایا اور ان کی غذا کو آلودہ کرنے سے منع فرمایا پھر اسلام انسانوں اور جانوروں کی غذا کو آلودہ کرنے کی اجازت کس طرح دے سکتا ہے ؟ قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"وَلَا تُلْقُوْا بِأَيْدِيْكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوْا إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ "(بقرہ: 195)۔ ترجمہ: اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو، احسان کا طریقہ اختیار کرو اللہ تعالی محسنوں کو پسند کرتا ہے)۔

سورہ مائدہ میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ أَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْساً بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعاً "(مائدہ:32)۔ ترجمہ: اسی وجہ سے بنی اسرائیل پر ہم نے یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا تو گویا کہ اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔

اس آیت کے ذیل میں علماء نے لکھا ہے کہ بلاوجہ قدرتی وسائل کو تباہ کرنے والا قدرتی وسائل کا قاتل کہلائے گا اور قدرتی وسائل کو اس طرح ہلاک کرنا غذائی مصنوعات کو آلودہ کرکے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے ساتھ گویا کہ انسانیت کے قتل کے جرم میں شریک ہونا ہے۔

11.8 بحری آلودگی

آلودگی کی ایک قسم بحری آلودگی ہے، زمین کا دو حصہ ہے خشکی اور تری، جس کو آپ "بحری" اور "برّی" سے تعبیر کر سکتے ہیں اور زمین کا دو تہائی حصہ پانی پر مشتمل ہے اور ایک تہائی حصہ خشکی کا ہے، انسانی ضرورت جس طرح خشکی کے حصے سے وابستہ ہے؛ اسی طرح پانی کے حصے سے بھی وابستہ ہے اور جس طرح خشکی پر مختلف قسم کے حیوانات رہتے ہیں اسی طرح پانی میں بھی وہ تمام حیوانات رہتے ہیں؛ بلکہ پانی میں حیوانات کے انواع خشکی کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ ہیں؛ اس لیے کہ خشکی میں جتنے انواع کے حیوانات رہتے ہیں وہ تمام پانی میں بھی موجود ہے اسی طرح پانی میں بہت سے انواع کے حیوانات ہیں جو خشکی میں نہیں ہے۔ فقہاء نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اگر پانی کے انسان کی شادی خشکی کے انسان سے ہو جائے تو نکاح درست نہیں ہو گا اس لیے کہ جنس الگ ہے معلوم ہوا کہ پانی میں بھی انسان ہیں جس کو عربی میں "انسان الماء" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

11.8.1 بحری آلودگی کا مفہوم

بحری آلودگی کا مطلب یہ ہے کہ سمندر میں اس طرح کے اجزا شامل ہو جائیں جس کی وجہ سے سمندر کا پانی خراب ہو جائے اور سمندر میں موجود مخلوق کی زندگی خطرے میں پڑ جائے، جس طرح خشکی کے زمین کی حفاظت ضروری ہے اور اس کو آلودہ کرنا ناجائز ہے اسی طرح سمندر، ندی تالاب کو آلودہ کرنا بھی درست نہیں ہے، سمندر ہمارے بے شمار فوائد کا منبع ہے، سمندر سے ہماری تجارتی زندگی بھی وابستہ

ہے اور معاشی ترقیات اور سیر و تفریح کی ضرورت بھی، سمندر ہماری غذائی ضرورت بھی پوری کرتا ہے؛ اس لیے سمندر کو آلودہ ہونے سے بچانا ہماری ترجیحات میں داخل ہونا چاہیے۔

11.8.2 بحری آلودگی کے اسباب اور نقصانات

بحری آلودگی کے مختلف اسباب ہیں: خشکی میں موجود غلاظت کا بڑا حصہ سمندر میں ڈال دیا جاتا ہے، تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ 80 فیصد بحری آلودگی کا سبب زمین پر موجود آلودگی ہے۔ عام طور پر گندا پانی بھی سمندر میں ہی منتقل کیا جارہا ہے، سمندر کو کھود کر تیل کے ذخائر پر قبضہ کرنے کی کوشش ہورہی ہے اور سمندر میں پائپ لائن بچھادی گئی ہے تیل کا سطح سمندر میں پھیل جانا آلودگی کا سبب ہے، سمندری جنگ میں بے شمار فاضل مادے سمندر میں ڈال دیے جاتے ہیں، فیکٹریوں کے فضلات سمندروں میں پھینکے جارہے ہیں، سمندری جہاز جس میں ہزاروں لوگ سفر کرتے ہیں اور وہ سارا فضلہ سمندر میں ڈال دیا جاتا ہے۔ بحری آلودگی پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر شہاب الدین سبیلی لکھتے ہیں:

> سمندری جنگ میں تیل کے ذخائر میں آگ لگادی جاتی ہے، اور تیل کی آلودگی سے سمندر کے نباتات بری طرح متاثر ہوتے ہیں، کیوں کہ جب تیل خارج ہوتا ہے تو یہ پانی کی سطح پر تیرتا رہتا ہے، جس کی وجہ سے آکسیجن کاربن ڈائی آکسائیڈ اور روشنی پانی کے اندر نہیں پہنچتے ہیں جب کہ ان پر نباتات کی بقا منحصر ہے اس عمل کو ماحولیات کی زبان میں فوٹو سنتھ تھیس (photosynthesis) کہا جاتا ہے، یعنی سمندر میں آکسیجن کا پہنچنا اور اس سے کاربن ڈائی آکسائیڈ کا خارج ہونا تیل کے دھبے سورج کی حرارت کو پانی میں پہنچنے سے روکتے ہیں نیز تیل میں کچھ ایسے زہریلے مادے ہوتے ہیں جو کئی ایسے جرثوموں کو ختم کردیتے ہیں جو سمندر میں رہنے والی مخلوقات کی بقا کے لیے ضروری ہیں، اسی طرح تیل کے دھبے پانی سے خارج والے بخار کو 20 فیصد گھٹادیتے ہیں جب کہ دریاؤں اور سمندروں ہی سے 90 فیصد پانی بخار بن کر ہوا میں جاتا ہے۔

11.8.3 بحری آلودگی اور اسلامی تعلیمات

جس طرح اسلام نے دیگر آلودگی سے روک تھام کی تعلیم دی ہے؛ اسی طرح بحری آلودگی سے بھی روک تھام کی تعلیم دی ہے، جہاں کہیں بھی اسلام نے پانی کی حفاظت اور صفائی پر زور دیا ہے اس میں سمندر داخل ہے، اسی طرح جہاں فساد پھیلانے سے روکنے کی بات کی ہے اس میں بحری آلودگی بھی داخل ہے: "ولا تفسدوا في الأرض بعد إصلاحها"۔ ترجمہ: زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد مت پھیلاؤ۔ اس میں بحری آلودگی کا فساد بھی داخل ہے۔

11.9 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- آلودگی کی تمام قسموں کو سمجھنے اور اس سے ماحول کو آلودہ ہونے سے بچانے کی ضرورت ہے۔
- اسلام کی تعلیمات کا حاصل یہ ہے کہ انسان کو دوسروں کے لیے نفع بخش ہونا چاہیے دوسروں کو نقصان پہنچانے والا نہیں بننا چاہیے۔
- ماحولیاتی آلودگی کے تئیں اپنے رویے میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے اور ماحولیات کے تئیں سماج کا شعور بیدار کرنا ضروری ہے۔
- پانی اللہ تعالی کی عظیم نعمت ہے اس کی حفاظت انسانوں کا شرعی، اخلاقی اور انسانی فرض ہے۔
- فضائی، صوتی آلودگی کی طرح، غذائی، زمینی اور بحری آلودگی بھی ماحول کے لیے خطرناک ہے۔
- اسلام نے اخلاق کی ظاہری وباطنی صفائی کا صرف حکم نہیں دیا ہے؛ بلکہ ماحول کی صفائی بھی حکم دیا ہے۔

11.10 نمونہ امتحانی سوالات

11.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. ڈبلو ایچ او کے مطابق کتنی عمر کے بچوں میں موت کی بہت سی عام وجوہات کو صاف پانی اور کھانا پکانے کے ایندھن سے روکا جاسکتا ہے؟
(a). تین سال سے سات سال (b). ایک ماہ سے پانچ سال (c). چھ ماہ سے تین سال (d). ایک سال سے پانچ

2. حضور ﷺ غسل میں کس قدر پانی استعمال کرتے تھے؟
(a). ایک مد (b). دو رطل (c). ایک صاع (d). چار مد

3. اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق ہر سال دنیا بھر میں کتنے انسان ناقص غذا سے پیدا ہونے والی بیماریوں کا شکار ہوتے ہیں؟
(a). چھ سو ملین (b). چالیس لاکھ (c). تین ملین (d). اسی لاکھ

4. قرآن کریم میں اللہ تعالی نے صفائی کا زیادہ خیال رکھنے پر کن لوگوں کی تعریف کی ہے؟
(a). اہل مکہ (b). اہل مدینہ (c). اہل قبا (d). اہل طائف

5. قدیم زمانے میں پانی کی آلودگی کو دور کرنے کے لیے جو وسائل تھے ان کو فقہ کی اصطلاح میں کس نام سے تعبیر کیا جاتا ہے؟
(a). استحال (b). تنقیہ (c). ری سائکلنگ (d). تحلیل

6. چوتھی صدی ہجری کے مسلمان سائنس داں "محمد بن احمد تمیمی" نے آبی آلودگی کے خاتمے کا طریقہ اپنی کس کتاب میں لکھا ہے؟
(a). کیف واجہت الحضارۃ الاسلامیۃ (b). اعلام الموقعین (c). القانون (d). مادۃ البقا

7. ہڈی سے استنجا کرنا منع ہے اس لیے کہ وہ غذا ہے؟

(a). انسان کی (b). جنات کی (c). دونوں کی (d). جنات کے جانوروں کی

8. تیل کے دھبے پانی سے خارج والے بخار کو کتنا فیصد گھٹا دیتے؟

(a). چالیس (b). بیس (c). نوے (d). ساٹھ

9. تیل کی آلودگی سے سمندر کے متاثر ہوتے ہیں؟

(a). حیوانات (b). نباتات (c). دونوں (d). دونوں نہیں

10. غذائی کیمیاوی آلودگی کی وجہ سے کون سی بیماری رونما ہوتی ہے؟

(a). کینسر (b)ذیابیطس (c). بخار (d). ہارٹ اٹیک

11.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. آبی آلودگی کے اسباب پر روشنی ڈالیے۔
2. بحری آلودگی اور اسلامی تعلیمات پر مختصر نوٹ لکھیے۔
3. غذائی آلودگی اور اسلامی تعلیمات پر مختصر نوٹ لکھیے۔
4. غذائی آلودگی کا مفہوم اور اس کے اسباب تحریر کیجیے۔
5. زمینی آلودگی کے اسباب ونقصانات کے موضوع پر مختصر مضمون قلم بند کیجیے۔

11.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. آلودگی کے سلسلے میں اسلامی نقطہ نظر پر تفصیلی گفتگو کیجیے۔
2. اسلام اور نظافت کے عنوان پر تفصیلی مضمون لکھیے۔
3. زمینی آلودگی اور اسلامی تعلیمات کے موضوع پر روشنی ڈالیے۔

11.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. آبی وسائل، شرعی احکام وضوابط	:	اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا
2. قرآن مجید اور عصر حاضر	:	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
3. مخاطر التلوث البیئی	:	دکتور کیمیائی / حمدی ابوالنجا
4. قرآن اور سائنس	:	سید عبدالرشید
5.ماحولیاتی آلودگی	:	مولانا اختر امام عادل

اکائی 12: ماحولیاتی اخلاقیات

اکائی کے اجزا:

12.0 تمہید

12.1 مقاصد

12.2 ماحولیاتی اخلاقیات

12.2.1 معنٰی و مفہوم

12.3 اسلام میں ماحولیاتی اخلاقیات کا فلسفہ

12.3.1 اسلام میں فساد پھیلانے کی ممانعت

12.4 قرآن اور اخلاقی اقدار

12.4.1 ماحولیات اور اخلاقی بنیادیں

12.5 قرآن اور ماحول دوست ذہن سازی

12.6 صوتی آلودگی

12.6.1 ماحول اور راستوں کی صفائی

12.7 قدرتی وسائل اور اقدار

12.8 ماحولیاتی بحران

12.8.1 فطرت کی صورت حال

12.8.2 ماحول اور مقاصد شریعت

12.9 اکتسابی نتائج

12.10 نمونہ امتحانی سوالات

12.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

12.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

12.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

12.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

12.0 تمہید

خالق کائنات نے اپنی مخلوقات میں سب سے بہتر انسان کو بنایا، جس کا مقصد یہ ہے کہ انسان اللہ کی عبادت واطاعت کرے اور کامیابیاں حاصل کرے، انسان کے لیے پوری دنیا کو آسمان، زمین، ستارے، ہوا، پانی نباتات وغیرہ کو عمدگی سے سجایا اور اس کے استعمال کے لیے معدود اشیاء کو پیدا کیا یعنی انسان کی پاکیزگی وطہارت کا انتظام کیا تاکہ انسان کا دل ہر قسم کی گندگی سے پاک ہو، صاف دل اور ستھرا ذہن عمدہ خیالات کا گہوارہ ہوتے ہیں اور ہر اچھا کام کرنے کی طرف آمادگی ہوتی ہے، اور وافر مقدار میں سکون حاصل ہوتا ہے، روحانی اور جسمانی لطف میسر ہوتا ہے، ایک دوسرے کے لیے خیر کے خیالات ابھرتے ہیں اور آہستہ آہستہ معاشرہ اچھا بنتا ہے اور ہر طرف خوشیاں ہی دکھائی دیتی ہیں اور اگر خدا کی عطاء کی ہوئی ان نعمتوں کی قدر نہ ہو تو ہر طرف تباہی کا سامان ہوتا ہے یعنی ماحول کی خرابی ہر طرح کی مشکل کو جنم دیتی ہے، بیماریاں، بے سکونی انسان کا مقدر بن جاتی ہیں۔

12.1 مقاصد

اس اکائی کے درج ذیل مقاصد ہیں:

1۔ طالب علم کو اسلام میں ماحولیات اور ماحولیاتی آلودگی سے متعارف کرایا جائے۔

2۔ ماحولیات میں اخلاقیات کا کیا تصور ہے اسے جاننا۔

3۔ قرآن واحادیث نبویہ میں ماحولیات سے متعلق کیا تعلیمات ہیں ان کی نشاندہی ہو جائے۔

4۔ موجودہ صورتحال میں ماحولیاتی بحران سے کیسے بچا جائے۔

5۔ ماحولیات سے متعلق اخلاقی بنیادیں کیا ہیں اس کی وضاحت۔

12.2 ماحولیاتی اخلاقیات

اپنی جاودانی و نیرنگیٔ حیات سے پر ہمارا یہ دلفریب اور پر بہار ماحول قدرت کا وہ لازوال تحفہ ہے جس کی زیبائش و آرائش کے لئے قادر مطلق نے انگنت خلقت کو مسخر کر رکھا ہے اور لاتعداد نعمتوں کو اس کے تابع کر دیا ہے لیکن کیا قدرت کی یہ کارفرمائی صرف اس لئے تھی کہ اللہ اپنی قدرت میں سے ادنیٰ درجہ کا مظہر پیش کر کے پھر اسے پارہ پارہ اور نیست ونابود کر دے! نہیں بلکہ کائنات کی تخلیق میں ایک مقصد چھپا ہوا تھا اور وہ یہ تھا کہ اس سرزمین پر ایک ایسی مخلوق کو بسایا جائے جو خلیفتہ اللہ فی الارض کی صحیح حقدار ہو۔ تاکہ وہ اللہ کے ذریعہ مقرر کردہ احکامات کو منظم انداز میں نافذ کر سکے۔ اس عظیم مقصد کے لئے جس مخلوق کا انتخاب ہونا تھا وہ انسان ہی تھا، اسی کو کائنات کی دیگر

مخلوقات کی قیادت کی ذمہ داری سونپی جانی تھی لہٰذا اللہ نے انسانی فطرت کے مد نظر اس کی ضرورت کی تکمیل کے لئے تمام اشیاء واجسام بہترین انداز وطریقہ پر پیدا کیں۔

سورج کی شعائیں، چاند کی خوشنماء روشنی، سیاروں کی گردش، ستاروں کے جھرمٹ، صبح وشام کا دلکش منظر، زمین پر رینگتے مخلوق ہوں یا فضا میں تیرتے چرند وپرند، زمین سے ابلتے ہوئے پانی کے چشمے یا فلک بوس پہاڑوں کی قطاریں ہوں ہر جگہ اور ہر چیز میں اللہ کی قدرت جلوہ گر ہے اور یہ سارا نظام اسی کے اشارے پر محو سفر ہے۔ کائنات کا یہ سارا نظام اس لئے سجایا گیا ہے کہ انسان دنیا میں رہ کر اپنی زندگی کی راہ راست فطرت کی روشنی میں متعین کرے اور اللہ نعمتوں سے خوب خوب فائدہ اٹھائے۔ اللہ نے قرآن میں واضح لفظوں میں ارشاد فرمایا ہے: هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (بقرہ:29) ترجمہ: وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین میں جو کچھ ہے سب پیدا کیا۔

ایک دوسری جگہ اللہ فرماتا ہے: الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً (بقرہ:22) ترجمہ: وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کا فرش بچھایا اور آسمان کی چھت بنائی۔

ان آیات سے یہ بات بلکل صاف ہو جاتی ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ بھی ہے ساری کی ساری انسانوں کے لئے ہی بنائی گئی ہیں۔ اللہ اسی بات کو سورۃ حج میں اس طرح فرماتا ہے أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ (حج آیت:65) ترجمہ: آپ نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے آپ کے لئے زمین کی تمام چیزوں کو مسخر کر دیا ہے۔

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے: وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِنْهُ (جاثیہ:13) ترجمہ: آسمان و زمین کی تمام چیزوں کو اللہ نے اپنی طرف سے تمہارے کام میں لگا دیا ہے۔

12.2.1 معنٰی ومفہوم

لغت میں ماحول کا معنی حالت ہے، عربی میں اس کو ہیئت کہا جاتا ہے، ماحول کا مفہوم اس طرح بھی بیان کیا جاسکتا ہے۔ ہر وہ حالت جس میں انسان رہتا ہو اور وہ اثر انداز ہوتی ہو چاہے وہ ماحول قدرتی ہو یا سیاسی اور اجتماعی وانفرادی۔ ہر صورت میں وہ کیفیت ماحول سے تعبیر کی جاتی ہے۔

اس صورت حال کے مطابق جس میں انسان رہتا ہے وہ ہوا، پانی، زمین اور مٹی ہیں اس کے ساتھ اخلاقی، ثقافتی، تعلیمی، سیاسی، معاشرت، معاش بھی ماحول کے اندر داخل ہوں گے۔ اسی طرح وہ موقع جس میں آپسی رابطہ کا مدار ہو اور تعلقات کے بننے اور بگڑنے میں معاون ہوں سب ماحول کا حصہ ہیں یعنی جن چیزوں کی ہمیں ضرورت ہو اور زندگی اس کے اطرف گھومتی ہو وہ سب ماحول کی تعریف میں داخل ہیں جیسے کھانا، پینا، علاج ورہائش وغیرہ

اگر ماحول میں توازن ہو اور فطری حالت میں ہو تو ہماری انسانی زندگی میں انقلاب اور پر سکون ہو گی اور ہر طرف امن ہی امن ہو گا

اور اگر اس میں بگاڑ اور خرابی پیدا ہو تو فتنہ وفساد اور مصائب انسانی زندگی میں ہر طرف ہو گا، صحت انسانی کا معیار اچھا نہ ہو گا، بیماریوں کا سیلاب ملک وملت سے دور نہ ہو گا، ہر امیر، غریب، چھوٹے بڑے کو خوشی میسر بالکل نہ ہو گی۔

12.3 اسلام میں ماحولیاتی اخلاقیات کا فلسفہ

ماحولیاتی آلودگی کے خاتمہ اور اس کے بچاؤ کے لیے اسلام نے کس طرح کی اخلاقی تعلیمات دی ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر ماحولیاتی آلودگی سے انسانوں کو بچایا جاسکتا ہے اور خود ماحول کو پراگندہ ہونے سے روکا جاسکتا ہے۔ اس تعلیمات کو مفصل انداز میں پیش کیا جارہا ہے۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ آج ہماری اخلاقی قدریں اس مادہ پرست دنیا میں کہیں غرق ہو گئی ہیں آج کا انسان جدید آلات سے مزین تو ضرور ہے لیکن اس نے اقدار کو چھوڑ دیا ہے اور یہی سبب ہے کہ آج ہم سب کبھی ختم نہ ہونے والی خواہشات کے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ نہ کوئی اخلاقی لگام ہے نہ ہی کسی طرح کی پابندی۔ مفاد پرستی، مادی مسابقت، بے تحاشہ دولت کا حصول، ظلم وجور اور دیگر اخلاقی بیماریاں اس پر قابض ہیں۔ ان امراض کا بالواسطہ یا بلاواسطہ منفی اثر ماحولیات پر بھی پڑرہا ہے جس کی سیدھی سی مثال یہ ہے کہ کسی شخص کے پاس اگر ایک گاڑی ہے تو وہ دوسری گاڑی کی کوشش میں سرگرداں ہے۔ جس کے لگژری گاڑیاں ہے وہ پرائیوٹ جیٹ یا ہیلی کاپٹر حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی دیگر مثالیں ہیں جیسے اس وقت دنیا میں سوپر پاور بننے کے لیے ممالک کے درمیان ایک ہوڑ سی لگی ہوئی ہے جس کے لیے ہر ملک نے نیوکلیر ہتھیار بنانے کے لیے راستے فراہم کر رکھے ہیں اور یہی وہ چیزیں ہیں جو ہمارے ماحول پر اپنا منفی اثر چھوڑ رہی ہیں جس سے ماحول تباہ وبرباد ہو رہا ہے۔ ماحول کی اس تباہی کو روکنے کے لیے اسلام کی اخلاقی تعلیمات اہم رول ادا کر سکتی ہیں۔ کیونکہ یہ بات بھی مد نظر رہنی چاہیے کہ اگر انسانوں میں اخلاق کا فقدان ہو تو وہ کبھی بھی عدل وانصاف کے راستے پر گامزن نہیں رہ سکتا ہے۔

12.3.1 اسلام میں فساد پھیلانے کی ممانعت

اسلام نے آلودگی کو ایک ہمہ گیر فساد قرار دیا ہے جس میں بگاڑ ونقصان کے سوا کچھ نہیں، اللہ نے فساد پھیلانے سے بڑی سختی کے ساتھ منع کیا ہے قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا (اعراف:56) ترجمہ: اور ملک میں اس کی درستگی کے بعد فساد نہ مچاؤ۔

دوسری جگہ ارشاد ہے كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ (بقرہ:60) ترجمہ: کھاؤ پیو اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو۔

اللہ نے انسانوں کو غذا حاصل کرنے اور اس کے استعمال سے منع نہیں کیا مگر اسکے بیجا استعمال اور ماحول میں آلودگی کے ارتکاب سے تاکیدا منع کیا ہے۔ کیوں کہ اس سے اجتماعی فساد کا خدشہ بڑھ جاتا ہے چنانچہ اللہ نے قرآن میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (اعراف:85) ترجمہ: تم ناپ تول پورا پورا کرو، لوگوں کی شیزوں میں کمی نہ کرو اور زمین میں اصلاح کے بعد

بگاڑ نہ پیدا کرو، اگر تم ایمان رکھتے ہو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔

دراصل فساد اللہ کے بنائے ہوئے نظام فطرت میں بگاڑ پیدا کرنے اور انسانی ماحول میں پاکیزگی نظافت، صفائی ستھرائی جو کہ اللہ کی طرف سے انسانوں کے لئے انتظام وانصرام کیا گیا ہے اس کی کھلی ہوئی خلاف ورزی کا نام ہے۔ اس لئے جو لوگ اس نظام فطرت کو بدلنا چاہتے ہیں وہ انسانیت کے دشمن ہیں اور اللہ کے سرکش وباغی ہیں اور شیطان وابلیس کے ساتھی وہمنواں ہیں، کیوں کہ نظام فطرت میں سب سے پہلے تبدیلی لانے کی کوشش شیطان مردود نے کی تھی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنَاثًا وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا ○ لَعَنَهُ اللَّهُ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا ○ وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُبِينًا(نساء:117-119)ترجمہ: اصل میں وہ سرکش شیطان کی پوجا کر رہے ہیں، جس پر اللہ کی لعنت ہے، جس نے اللہ سے کہا تھا کہ میں تمہارے بندوں سے ایک مقرر حصہ لیکر رہوں گا۔ میں ضرور انہیں گمراہ کروں گا، انہیں آرزوئیں دلاؤں گا، ان کو سکھاؤں گا کہ جانور کے کان کاٹیں اور ان کو حکم دوں گا کہ اللہ کی تخلیق میں تبدیلی کریں۔ اور جس نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنالے اس نے کھلا ہوا نقصان اٹھایا۔

یہ ایک بڑا المیہ ہے کہ ہم جس معاشرے میں زندگی گزار رہے ہیں اس میں اس شیطانی ذہنیت رکھنے والوں کی ایک بڑی تعداد ہے، جو بظاہر اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے انسانیت نواز ہونے کا دعوا تو کرتے ہیں اور خود کو حقوق انسانی کا علم بردار قرار دیتے ہیں لیکن ان کے طرز عمل سے پر سکون ماحول اور صالح معاشرہ میں بگاڑ پیدا کرنے کی ابلیسی خواہش کارفرما نظر آتی ہے۔ جس کے بارے میں قرآن یوں بیان کرتا ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللَّهَ عَلَى مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ○ وَإِذَا تَوَلَّى سَعَى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ○ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ۔(بقرہ:204-206)ترجمہ: بعض لوگ وہ ہیں کہ دنیوی زندگی میں آپ کو ان کی بات اچھی معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنے دل کے حال پر اللہ کو گواہ بھی بناتے ہیں؛ حالاں کہ وہ سخت ترین دشمن ہیں۔ جب وہ حکومت پالیتے ہیں تو زمین میں اس بات کے لئے دوڑ دھوپ کرتے ہیں کہ فساد برپا کریں اور کھیتوں اور جانوروں کو ہلاک وبرباد کردیں اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتے۔

اس پس منظر میں ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ انسان نے خود ہی اپنی زندگی کو پریشان کن بنالیا ہے اور خوشنما ماحول کو تباہی وبربادی کا سامان بنالیا ہے چنانچہ اسلام ان تمام طریقوں کی نفی کرتا ہے جو اللہ کی ناراضگی کا سبب بنیں اور ان تمام طریقوں کی حمایت کرتا ہے جو رضاء الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہوں۔

12.4 قرآن اور اخلاقی اقدار

ماحولیات کے ضمن میں اخلاقیات سے مراد اسلام کی وہ اخلاقی تعلیمات ہیں جن پر عمل کر کے ماحول کو تباہی سے بچایا جاسکتا ہے جس کی واضح رہنمائی قرآن وحدیث کی روشنی میں ہمیں ملتی ہے۔ جیسے اللہ نے قرآن میں حرص ولالچ پر پابندی لگائی ہے۔ حسد اور کینہ سے روکا ہے۔ زمین میں فساد برپا کرنے کی ممانعت کی ہے۔ دکھاوا کرنے اور ایک دوسرے پر مالی سبقت حاصل کرنے کی تگ ودو سے منع کیا گیا ہے اور ساتھ ہی اللہ نے امانت کا تصور دیا، اچھے کام کا انجام دینے اور برے کاموں کو روکنے کی تاکید کی ہے نیز انسانیت کو فائدہ پہنچانے والے ہر کام کو انجام دینے کی انسانوں کو ترغیب دی گئی ہے۔ اس کے برعکس راہ عامہ پر کوڑا ڈالنا، فضا کو آلودہ کرنا، انسانی وحیوانی جان کو نقصان پہنچانے والے افعال سے اجتناب کرنا، شوروغل کرنا وغیرہ کام ممنوع قرار دیے گیے ہیں۔ مذکورہ تمام باتیں کسی نہ کسی پہلو سے ماحولیاتی اخلاقیات کی طرف ہماری رہنمائی کرتی ہے نیز اس پر عمل پیرا ہونے کا حکم بھی دیتی ہے۔

آج زمانہ ماحولیات کے مسائل اور چیلنجز کے حل کے لیے عالم گیر اخلاقیاتی نظام کی تلاش میں ہے۔ ان مسائل کے حل کی طرف اسلام بہت وضاحت کے ساتھ رہنمائی کرتا ہے اور ہدایت دیتا ہے۔ صنعتی پیداوار اور جدید نظام کے نام پر متعدد ماحولیاتی مسائل پیدا ہو گیے ہیں، ان مسائل سے مقابلہ کرنے کے لیے مذہب کس طرح کی اخلاقی تعلیمات دیتا ہے اس پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

12.4.1 ماحولیات اور اخلاقی بنیادیں

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں انسان کو تبھی جنت مل سکتی ہے جب وہ ایمان لائے اور عمل صالح کرتا رہے۔ عمل کیا ہے اور اس میں کیا چیزیں شامل ہیں؟ عمل کی دراصل تین قسمیں ہیں۔

- عبادات : روزہ، زکوۃ، وغیرہ
- معاملات : لین دین، خرید وفروخت وغیرہ
- اخلاقیات : اخلاقیات کے ضمن میں بہت سی چیزیں آتی ہیں جنہیں ذیل میں تحریر کیا جارہا ہے۔

لالچ

لالچ وطمع کسی دوسرے کی چیزوں میں خواہشمندی ظاہر کرنے کو کہتے ہیں۔ جس کا لازمی اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان مادیت کی طرف راغب ہو جاتا ہے اور تمام اخلاقی اقدار پامال کر دیتا ہے۔ مادیت پرستی کی وجہ سے عدم تحفظ، ناانصافی، ظلم وغیرہ بڑھ کر جنگ وجدال میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اخلاقیات دراصل ایک ایسا نظام میں جو ہماری طبعی ونفسیاتی حرکات وسکنات کو نظام انسانی سے ہم آہنگ کر دیتی ہے۔ یہ وہی تعلیمات ہیں جو ایک بہتر ماحول اور ماحول دوست معاشرہ پیدا کر سکتی ہیں اور جن کے فقدان سے ہمیں انسانوں کے ذریعہ کیے گیے عمل سے نقصان اٹھانا پڑ سکتا ہے۔ یہ نقصان ماحول اور انسانوں دونوں کا ہے۔

ظلم

یہاں ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ ماحولیاتی اخلاقیات میں ظلم کا کیا تعلق ہے لیکن یہ ایک مسلمہ صداقت ہے کہ ظلم واستبداد سے معاشرہ تباہ وبرباد ہو جاتا ہے۔ دراصل ماحولیات کے تعلق سے جب ظلم کی بات کی جاتی ہے تو اس سے مراد ہماراوہ عمل جس سے کسی انسان، حیوانات، یانباتات اور فضاپر منفی اثر پڑتا ہے۔ جیسے آبی ذخائر میں زہریلی آبی آلودگی ڈالنا، عام راستے پر غلاظت پھینکنا، فصلوں کی پیداوار کے لیے ایسی کھاد اور فرٹلائزرس استعمال کرنا جس سے کیڑے مکوڑے مر جائیں لیکن وہ انسان کے لیے مضر ہو جائیں۔ نیز ایسی سواری کا استعمال جس سے ماحول متاثر ہو یہ سب ظلم میں شامل ہیں۔

دشمنی

اسی طرح دشمنی بھی ایک ایسا عمل ہے جو ماحولیات کو تباہ کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ دنیا کے مختلف ممالک ایک دوسرے کی دشمنی اور سبقت حاصل کرنے لیے جدید ہتھیار بنارہے ہیں یہاں تک کہ طبعی کیمکل کے ہتھیار عام ہو رہے ہیں نیز ایٹمی ہتھیار بھی بکثر بنائے جارہے ہیں جس کے استعمال سے دنیا کے بڑے حصہ فضائی آلودگی بپاہو گی اور نہ جانے کتنے انسان وحیوانات فنا ہو جائیں گے۔ لہٰذا اسلام نے دشمنی کرنے پر پابندی عائد کردی اللہ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے ۔ **وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا** (مائدہ:2) ترجمہ: اور کسی قوم کی یہ برائی کہ انہوں نے تم کو مسجد حرام سے روک دیا تھا، تمہارے حد سے گزر جانے کا باعث نہ ہو جائے۔

غصہ

غصہ ایک ایسا عمل ہے جس کی وجہ سے انسان اپنے اوصاف حمیدہ سے منحرف ہو جاتا ہے اور جرائم تک کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔ غصہ ایک ایسا عمل ہے جس سے انسان کے اندر خود اعتمادی ختم ہوتی ہے اور ساتھ ہی عدل وانصاف پر بھی اس کے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

یہ مثالیں ماحولیاتی اخلاق سے متعلق ہیں جن کا اخلاقی تعلیمات سے خاص ربط ہے۔ مثال کے طور پر حرص ولالچ کی وجہ سے ہم قدرتی وسائل جیسے پانی، ہوا، پھول، پھل وغیرہ کا بیجا اور غیر ذمہ دارانہ انداز میں استعمال کرتے ہیں جس کی بدولت ان میں روز بروز کی واقع ہورہی ہے۔ حالات یہاں تک پہنچ چکے ہیں کہ بعض وسائل تو ناپیدگی کے دہانے پر ہیں۔ اسی طرح دوسری مثال ظلم سے متعلق ہے جیسے ضرورت سے زیادہ ایندھن کا استعمال، درختوں کو بے دریغ کاٹنا ایسے امر ہیں جن سے ایک طرف ماحول آلودہ ہوتا ہے تو دوسری طرف ماحول سے دشمنی کی زیادتی نظر آتی ہے۔ اس کے برخلاف اخلاقی اقدار میں قناعت، صبر، شکر، عدل وانصاف، دوستی ایسے امور ہیں جن کا مثبت اثر ماحول کو پراگندہ ہونے سے بچاتا ہے۔

12.5 قرآن اور ماحول دوست ذہن سازی

اسلامی لٹریچر میں فطرت اور ماحول سے متعلق مختلف انداز میں ہدایت آئی ہیں کہیں آسمان، زمین، ستارے، سیارے، شمس و قمر، لیل ونہار، وغیرہ جیسے مظاہر فطرت کو بیان کیا گیا ہے تو کہیں ہوا کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔ کہیں پانی کی کہیں نور وظلمت کے فرق کو واضح کیا گیا ہے۔ اس طرح قرآن متعدد مقامات پر دیگر مخلوقات کا ذکر کرتا ہے جیسے گھوڑا، بکری، گائے، بھیڑیا، گدھا، خچر، اونٹ، ہاتھی، چوپائے وغیرہ۔ ساتھ ہی مختلف پرندوں، کیڑوں مکوڑوں کا بھی ذکر ہے۔ جیسے کوّا، ہدہد، شہد کی مکھی، چیونٹی، مکڑی وغیرہ۔ اسی طرح حجر و شجر، سمندر، چٹان، غار، وادیاں، نہر، فضا وغیرہ کا ذکر بار بار آیا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف قسم کی سبزیاں، پھل اور دوسری کھانے کی چیزیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ جیسے پیاز، دال، شہد، انگور، زیتون، کھجور، سیب، کیلا، انار وغیرہ۔ یہ وہ اوصاف اور نعمتیں ہیں جو ہمیں ماحولیات دوست نظریہ قائم کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

قرآن نے ماحول دوست ذہن سازی کے بعد فطرت اور قدرتی وسائل کے تحفظ اور اسے تباہ وبرباد کرنے سے منع کیا ہے جیسے قرآن کی مختلف آیتوں میں مظاہر فطرت کے ساتھ میزان اور عدل کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ نیز ان میں یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ اللہ نے ہر چیز کو متعینہ مقدار کے ساتھ اتارا ہے اور جس کی ذمہ داری انسانوں پر عائد کی ہے اور ساتھ ہی انسان کو خلیفہ فی الارض بھی قرار دیا گیا ہے نیز زمین کے خزانوں کا محافظ وامین بنایا گیا، امانت کا تصور پیش کیا، اسراف سے منع کیا، ظلم وجور سے روکا اور سب سے بڑا اور اہم تصور دیا اور وہ فساد فی الارض کا تصور ہے جس میں ماحولیات کے تمام مسائل شامل ہیں۔

اگرچہ قرآن میں ماحولیات اور اس کے مسائل سے متعلق کوئی ہدایت نہیں ہے لیکن مختلف آیتوں کے ذریعے انسانوں کی ایسی ذہن سازی کی کوشش کی گئی ہے جس کی وجہ سے انسان کے اندر ماحولیات کے تئیں اہمیت اور عظمت پیدا ہو جائے، وہ ماحول کو خدا کی نعمت اور امانت تصور کرے۔ تمام مخلوقات کے حقوق ادا کرے۔ وہ اسراف سے بچے، قناعت پسند بنے، فضول خرچی کو اچھا نہ جانے، کسی بھی جاندار کو تکلیف دینا گناہ سمجھے۔ یہی وہ تعلیمات ہیں جن کے ذریعہ انسان ماحول کو خوشگوار بناتا ہے نیز اسے بہتر سے بہتر بنانے کی تگ ودو میں لگا رہتا ہے جس کے ذریعہ انسان کے اندر اخلاقی اقدار پروان چڑھتا ہے اور ایک بے مثال معاشرے کی بنیاد پڑتی ہے۔

نباتات

انسانی زندگی کی بقاء میں نباتات نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ جو بنی نوع انسانی کی ضرورت کے لحاظ سے جنگلات و پیڑ پودے کی شکل میں ہمارے اس معاشرے کا لازمی حصہ ہیں اور وہ حیوانات اور صنعتی کارخانوں اور دیگر انسانی سرگرمیوں کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی زہریلی گیس کاربن ڈائی آکسائیڈ اور ہائیڈروجن کو جذب کرکے آکسیجن میں تبدیل کرنے کا اہم کام انجام دیتے ہیں۔ اسی لیے انہیں آکسیجن فیکٹریز کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔ جدید معلومات کے مطابق اب تک نباتات کی کل 2 لاکھ 50 ہزار اقسام دریافت ہو چکی ہیں۔ یہ درخت جہاں ایک طرف ہمارے لیے صاف وتازہ ہوا فراہم کرتے ہیں تو وہیں دوسری طرف وہ پانی کی حفاظت کا سبب بھی ہیں اور ساتھ ہی

زمین کے کٹاؤ کو روکنے کا کام بھی انجام دیتے ہیں۔

آج کا انسان ان جنگلات کی شجر کشی میں لگا ہوا ہے کیونکہ اس کو ان درختوں کا استعمال ایندھن، عمارتی تزئین اور اسمگلنگ نیز آبادی کو بسانے کے لیے جنگلات کی زمین کا استعمال کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے دنیا کے بہت سے ممالک درختوں کے فوائد اور صحت مند اثرات سے محروم ہیں۔ اس کے علاوہ حیوانات کی 70 فیصد تعداد ان ہی جنگلات میں بستی ہے جنگلات کے اختتام کے نتیجہ میں ہم حفظان صحت کے تعلق سے ان قیمتی جانوروں سے بھی محروم ہو رہے ہیں۔ اگر شجر کشی کا تناسب اسی طرح جاری رہا تو آنے والے 50 سالوں بعد دنیا Tropical forest سے بالکل محروم ہو جائے گی اور اس کے نتیجہ میں تباہی و بربادی کی تلافی نہ سکے گی۔

ان درختوں اور جنگلات کی انسانی زندگی میں کتنی اہمیت ہے اس کا اندازہ قرآن کی ان آیات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جس میں اناج، سبزہ، گھنے باغات اور ترکاریوں کا ذکر وان کی پیدائش کا بیان کیا گیا ہے۔ اللہ سورہ عبس: 24 تا 32 میں ارشاد فرماتا ہے۔ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ○ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ○ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ○ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ○ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ○ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ○ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ○ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ○ مَتَاعًا لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ۔ ترجمہ: پھر ذرا انسان اپنے آپ کو دیکھے۔ ہم نے ہی اوپر سے پانی برسایا۔ پھر زمین کو ہموار کیا پھر اس کے اندر غلے اگائے اور ترکاریاں اور زیتون اور کھجور اور گھنے باغ اور طرح طرح کے پھل اور چارے تمہارے مویشیوں کے لیے سامان زندگی کے طور پر۔

مسلمان ہونے کی حیثیت سے نباتات کی حفاظت کی ذمہ داری ہم پر لازم ہو جاتی ہے۔ اسلام نے درختوں کی حفاظت اور شجر کاری کی طرف خصوصی توجہ دلائی ہے آپ ؐ نے ارشاد فرمایا "مسلمان کوئی درخت لگائے اور اس میں سے انسان، درندہ، پرندہ، چوپائے کھائے تو وہ اس کے لیے صدقہ ہو جاتا ہے۔ اللہ کے رسول نے درختوں کو کاٹنے سے سختی سے منع کیا ہے یہاں تک کہ حالت جنگ میں بھی اس کی ممانعت ہے۔

اسی لیے تاریخ اسلامی کے مطالعے میں یہ بات واضح طور پر نظر آتی ہے کہ خلفاء اسلام مسلمان افواج کو یہ ہدایت دیتے تھے کہ وہ دوران جنگ یا فتح و کامیابی کے بعد شہروں و فصلوں کو برباد نہ کریں۔ نبی کریم ؐ کی تعلیمات میں درختوں کی اہمیت کا اندازہ اس حکم سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ؐ نے پھل دار درخت کو پتھر مارنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ نیز آپ ؐ نے درخت کو بلا وجہ کاٹنے پر سخت وعید سنائی بلکہ اسے کافروں کا عمل قرار دیا ہے۔

حیوانات

حیوانات انسانی دنیا کے اس ماحول کا حصہ ہیں جس کی حفاظت کی ذمہ داری اسلام نے ان پر رکھی ہے۔ حیوانات انسانوں کے ساتھ ساتھ نباتات کے لیے بھی مختلف طریقوں کار آمد ہیں جیسے ان کے فضلات کی وجہ سے زمین کی زرخیزی میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور انسان ان سے غذا حاصل کرنا اور متعدد بے شمار ضرورتیں پوری کرنا ہے دودھ، سواری، باربرداری اون اور حرارت وغیرہ کے حصول کے لیے ان ہی جانوروں کا استعمال کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید نے ان فوائد کا متعدد جگہوں پر اختصار اور تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے، سورہ نحل میں اللہ ارشاد

فرماتا ہے۔

"اور اس نے چوپایوں کو بنایا ان میں تمہارے جاڑے کا بھی سامان ہے اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے کھاتے بھی ہو اور ان کی وجہ سے تمہاری رونق بھی ہے جب کہ شام کے وقت لائے ہو اور جب کہ صبح کے وقت چھوڑ دیتے ہو اور وہ تمہارے بوجھ بھی ایسے شہر کو لے جاتے ہیں جہاں تم بدون جان کو محنت میں ڈالے ہوئے نہیں پہنچ سکتے تھے۔ واقعی تمہارا رب بڑی شفقت اور رحمت والا ہے اور گھوڑے اور خچر اور گدھے بھی پیدا کیے تاکہ تم ان پر سوار ہو نیز زینت کے لیے بھی اور وہ ایسی ایسی چیزیں بناتا ہے جن کی تم کو خبر بھی نہیں۔"

اسی طرح احادیث نبوی میں بھی جانوروں سے متعلق متعدد احکامات وارد ہوئے ہیں۔ اللہ کے رسول نے جانوروں پر ظلم وزیادتی کرنے ان کو تکلیف پہنچانے کی سخت ممانعت کی ہے یہاں تک کہ بغیر ضرورت صرف شوق کے لیے ان کا شکار کرنے کی بھی ممانعت ہے۔ ابن عباس کی ایک روایت میں ہے کہ "اللہ کے رسول نے چار طرح کے جانوروں کے قتل سے منع فرمایا: (1) چیونٹی (2) شہد کی مکھی (3) ہدہد (4) چڑیا وغیرہ

ایک طرف جہاں جانوروں کے متعدد فوائد ہیں وہیں ماحولیات کے تحفظ میں بھی ان کا اہم کردار ہے، چنانچہ بہت سے ایسے زہریلے جانور ہیں جو فضاء میں موجود زہریلی گیسوں کو پی لیتے ہیں اگر یہ جانور نہ ہوں تو انسان زہر آلود سانس لینے کی وجہ سے موت کی نیند سو جائے۔ ماحولیات کے تحفظ کے لیے جانوروں کی حفاظت بے حد ضروری اور ناگزیر عمل ہے۔ لیکن دور جدید میں اس طرف بے اعتنائی ولاپرواہی برتی جا رہی ہے اور اس بے توجہی کے نتیجہ میں حیوانات کی تقریباً 40 / 50 قسمیں ہر سال ناپید ہو رہی ہیں۔ اگر یہی گراف بڑھتا رہا تو مستقبل بعید میں ماحول عدم توازن کا شکار بن جائے گا نتیجتاً انسان کے ساتھ ساتھ نظام کائنات بھی درہم برہم ہو جائے گا۔ اس کو بچانے کے لیے اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا پڑے گا اور دنیا تحفظ ماحولیات میں ان کے کردار سے محروم نہیں ہو گی۔

12.6 صوتی آلودگی

آواز کی آلودگی ماحولیاتی آلودگی کی ایک قسم ہے جس کے ضرورت سے زیادہ بڑھ جانے سے مختلف قسم کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ شہروں میں کارخانوں اور فیکٹریوں سے آنے والی آواز، ٹریفک کی گھن گرج، گانے باجے سے ہونے والا شور صوتی آلودگی کے اسباب ہیں جو انسانی زندگی میں پریشانی کا سبب بنتے ہیں۔ گانے باجے جہاں اخلاقی تخریب کی وجہ بنتے ہیں وہی مشینوں کا فل انسانی ذہن پر اپنا منفی اثر چھوڑ جاتا ہے۔ جس سے ذہنی تناؤ، جلد کی سوزش ذہنی ارتعاش، عارضہ قلب، گھبراہٹ، سماعت کی شکایت، بے چینی، چڑچڑاہٹ وغیرہ کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ ایک انسان 80DB سے زیادہ طاقت کی آواز کو برداشت نہیں کر سکتا ہے۔ اگر وہ ایک ایسے ماحول میں پروان چڑھ رہا ہے جہاں ہر طرف ہر وقت 80 DB سے زیادہ آواز کا شور رہتا ہو تو درج بالا بیماریوں کا شکار ہو جائے گا۔ اسی لیے سائنس دانوں نے معاشرے میں آواز کے شور کا جو پیمانہ مقرر کیا ہے وہ دن کے وقت میں 50 DB شام میں 45DB اور رات کے وقت میں 40DB سے زیادہ تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔ مگر سائنسی ایجادات نے ان پیمانوں کو توڑ دیا ہے یہی وجہ ہے کہ صوتی آلودگی ماحولیاتی آلودگی کا بڑا مسئلہ بن گیا ہے۔

یوں تو اعتدال پسندی اور میانہ روی اسلام کا خاصی امتیاز ہے لیکن زندگی کے ہر شعبہ میں اسلام ہماری رہنمائی کرتا ہے ایسے آواز سے متعلق قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں خصوصیت کے ساتھ ہدایات ملتی ہیں چنانچہ قرآن میں اونچی آواز کو گدھے کی کی آواز سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ (سورہ لقمان:19) ترجمہ: اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو اور اپنی آواز کو پست رکھو کہ سب سے بری آواز گدھے کی آواز ہے۔

اسلام آواز کے بارے میں بھی میانہ روی کے نظریہ کو پسند کرتا ہے۔ آواز نہ بہت زیادہ بلند ہو اور نہ اتنی دھیمی کہ سنائی نہ دے اللہ سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد فرماتا ہے۔ اور آپؐ اپنی نماز نہ زیادہ بلند آواز سے پڑھئے نہ بالکل پست آواز سے بلکہ ان کے درمیان اوسط درجہ کا لہجہ اختیار کیجیے۔ اسی طرح سورہ حجرات میں آواز کی خفت کو تقویٰ کی نشانی کے طور پر پیش کیا ہے۔ جب کہ شور غل کرنا، سیٹیاں بجانا اسلام میں ناپسندیدہ عمل ہے۔ سورہ انفال میں اسے کفار و مشرکین کی حرکات قرار دیا ہے۔ تیز آواز میں بات کرنا ماحولیاتی آلودگی کا سبب بنتا ہے جس سے اخلاقی اقدار کی برائی سامنے آتی ہے۔ اس لیے اسلام ہمیشہ نرم خوئی اور شگفتگی سے بات کرنے پر زور دیتا ہے یہاں تک کہ نبی کریمؐ نے نماز میں، مساجد میں آواز بلند کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام ماحول کو آلودگی سے بچانے کے لیے خاموشی سکون، متانت کو پسند کرتا ہے تاکہ ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق کام انجام دے سکے۔

12.6.1 ماحول اور راستوں کی صفائی

اسلام نے نہ صرف یہ کہ ذاتی اور شخصی نظافت کا حکم دیا ہے، بلکہ انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر انتہائی حد تک پاکیزگی اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔ اسلام نے ان تمام اسباب کا سدباب کیا ہے جن کی وجہ سے کسی فرد یا عام لوگوں کی طبیعت کو گزند پہنچے یا تکلیف کا سامنا کرنا پڑے۔ صفائی ذاتی طور پر ہو یا اپنے گھر، ماحول اور پڑوس کی صفائی کا مسئلہ ہو یا پھر گاؤں شہروں کی سڑکوں اور ندیوں کا نیز نالوں اور عام گزرگاہوں کی حفاظت کا اسلام ہر زاویہ سے ماحول کو بہتر بنانے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ فقہ اسلامی میں "باب الطہارت" کے نام سے ایک باب ہی منسوب ہے۔ اللہ نے عبادت کی صحت کا مدار بھی طہارت نفس اور مکان کو فرمایا ہے چنانچہ سورہ بقرہ 222 میں اللہ ارشاد فرماتا ہے۔" إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ "۔ ترجمہ: یقیناً اللہ محبت رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں سے اور محبت رکھتے ہیں پاک وصاف رہنے والوں سے۔

اسی طرح اللہ کے رسولؐ نے ارشاد فرمایا: "ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں ہیں جس کی اعلیٰ شاخ کلمہ طیبہ ہے اور ادنی شاخ راستہ سے اذیت دہ چیز کا ہٹانا ہے"۔

اذیت دہ چیزوں میں غلاظت، گندگی، کانٹے، پتھر، رکاوٹ، پیشاب، پاخانہ، مردہ جانور وغیرہ سب شامل ہیں۔ اسلام نے ان چیزوں کو راستہ سے ہٹا کر راستہ پاک وصاف رکھنے کو ایمان کی شاخ قرار دیتا ہے۔ اللہ کے رسول نے تو راستوں سے ہڈیوں کو ہٹانے کو صدقہ بتایا ہے چونکہ صفائی کی وجہ سے انسان بلاتردد رات کی تاریکی میں بھی جہاں چاہے سفر کر سکے۔ نبی کریمؐ کے اس فرمان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر ایک طرف راستوں، گلیوں، سڑکوں اور شاہ راہوں پر غلاظت، گندگی اور مردار اشیاء وہاں سے ہٹائی جائیں۔ یہ اسلامی تعلیم کے

لحاظ سے ہر مسلمان کی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کو نہ خود اذیت دے بلکہ اذیت پہنچانے والی اشیاء سے بچانے کی کوشش کرے۔ یہ تمام تعلیمات ماحولیاتی اخلاقیات کی ضمن میں آئیں گی کیونکہ اگر انسان ان تعلیمات پر عمل پیرا نہ ہو تو ماحول آلودہ ہو گا جس سے متعدد بیماریاں پیدا ہوں گی اور انسانی حیات پر بھی اس کے گہرے اثرات مرتب ہوں گے۔

12.7 قدرتی وسائل اور اقدار

پانی

پانی اللہ کی مخلوقات میں بہت ہی اہم چیز ہے، اس کائنات کا ذرہ ذرہ پانی سے بنایا گیا، تمام اشیاء کی تخلیق، نشوونما، ترقی میں پانی کا بڑا کردار ہے، مخلوقات میں سے حیوانات، جمادات، نباتات کی بقا اور ترقی کا مدار پانی پر رکھا گیا ہے۔ اللہ نے اپنی مخلوقات میں سب سے افضل انسان کی تخلیق اور ترقی کا محور پانی کو قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے: وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا (فرقان:54) ترجمہ: وہ خدا ہی کی ہستی ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا۔ اللہ کے انسان کو پانی سے پیدا کیا اور پانی کو صاف ستھرا بنایا اور اس کی پاکی اعلان فرمایا" وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا (فرقان:48) ترجمہ: وہی خدا ہے جو اپنی رحمت سے پہلے ہواؤں کو خوش خبری دینے کے لئے بھیجتا ہے اور ہم ہی آسمان سے پاک پانی برساتے ہیں۔ بے شمار مقامات پر پانی کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

اسلام نے پانی کے سلسلے میں اخلاقی تعلیم دی ہے تاکہ پانی محفوظ رہے اور قلت کا سامنا نہ کرنا پڑے، ان میں سے کچھ تعلیمات حسب ذیل ہیں:

1۔ پانی میں گندگی نہ ڈالی جائے، حدیث میں ارشاد ہے: "لا یبولن احدکم فی الماء الدائم۔۔" تم سے کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں قطعاً پیشاب نہ کرے۔

2۔ اسراف حد سے زیادہ استعمال کو منع کیا گیا ہے وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا (اعراف:31) ترجمہ: کھاؤ پیو اسراف نہ کرو۔

3۔ وضو کرنے کے سلسلہ میں تین بار دھونے کے لیے حکم فرمایا اور فرمایا جس نے اس سے کم یا زیادہ کیا اس نے برا کیا اور ظلم کیا۔ (ابوداؤد)

4۔ پانی کی حفاظت کے لیے اس کو پیتے وقت اس میں سانس لینے سے منع فرمایا (مشکوۃ) اس طرح پانی کی حفاظت کے طریقے اسلام میں بتائے گیے ہیں۔

ان نکات کے علاوہ پانی کے متعلق معدود آیات میں اللہ نے اس سے فائدہ اٹھانے اور اس کو مختلف انداز میں انسانوں کے لئے نفع بخش بنانے کی بات کہی ہے جیسے سورۃ النحل میں اللہ ارشاد فرماتا ہے: وَاللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَسْمَعُونَ (نحل:65) ترجمہ: اللہ ہی نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ مردہ زمین کو زندگی عطاء

فرمائی، بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سنا کرتے ہیں۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَنْشَرْنَا بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا كَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ (زخرف:11)ترجمہ:اور جس نے ایک اندازہ کے مطابق آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم نے اس کے ذریعہ مردہ شہر کو زندہ کر دیا اسی طرح تم بھی نکالے جاؤگے۔

اللہ نیز فرماتا ہے:وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ○ لِنُحْيِيَ بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا وَنُسْقِيَهُ مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا وَأَنَاسِيَّ كَثِيرًا۔(فرقان:48-49)ترجمہ:اور ہم ہی آسمان سے پاک پانی برساتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ مردہ شہر کو نئی زندگی عطاء کریں اور ہماری پیدا کی ہوئی بہت سی مخلوقات کو پانی پلائیں۔

اس صدی کے اواخر تک زمین پر جانداروں کے ساتھ ساتھ انسانوں کے لئے بھی سب سے بڑا سوال پانی کی دستیابی کا رہے گا۔ چاہے وہ پانی پینے کے لئے، زراعت کے لئے یا پھر صنعت کے لئے ہو۔ ماہرین کا ماننا ہے کہ آنے والے سالوں میں پانی کی حصولیابی کے لئے ممالک ایک دوسرے سے برسرپیکار ہوں گے۔ موجودہ تحقیق کے مطابق سمندر میں پانی کی دستیابی ٪71 اور زمین یا زیر زمین پانی کے وسائل ٪29 ہیں۔ اس میں پینے کے لائق پانی کا حصہ صرف تین فیصد ہے جس میں سے استعمال شدہ پانی کا فیصد 0.01 ہے، جس کو نہ تو صحیح استعمال کیا جارہا ہے اور نہ ہی اس کی حفاظت کی جارہی ہے۔

فضاء

جن چیزوں پر انسانی زندگی کا مدار ہے ان میں سے "فضاء" بھی ہے، اس میں خالق نے انسانی خدمت کے لیے مختلف چیزوں کو لگا دیا ہے اس فضا میں ہوا، آکسیجن، کاربن ڈائی اکسائڈ، کاربن مونو اکسائڈ، مونیا، نائٹروجن اور کسی اور کئی طرح اشیاء رکھا ہے تاکہ ہم کھلی فضا میں اچھی طرح سانس لے سکیں اور ہر چیز بہت مناسب مقدار میں رکھا ہے تاکہ ہم خشکی، تری، پہاڑ اور جنگل وغیرہ میں جہاں بھی جائیں آرام سے رہ سکیں۔

اس فضاء میں موجود گیسوں کے مختلف مقاصد ہیں جیسے اوروں کا کام صرف مضر شعاؤں کو روکنا اور میتھین گیس سورج شعاؤں کو حد اعتدال سے آگے نہیں بڑھنے دیتی ہے۔ اس لیے کروڑوں سال گزرنے کے بعد بھی سردی، گرمی اور بارش وغیرہ کی سطح تقریباً برابر سی رہی ہے لیکن اب یہ فضا کا توازن ڈگمگا رہا ہے اور فضا آلودہ ہوتی جارہی ہے، ترقی یافتہ ممالک خاص طور سے یورپ میں تیزابی بارش سے مزید فضا خراب ہوتی ہے۔

فضا میں موجود گیسوں کا اعتدال سے بڑھ جانا آلودگی کہلاتا ہے اور مضر بھی ہے اس سے کئی طرح کی بیماریاں جیسے سانس، جگر اور گردے کے بیماریاں زیادہ ہوتی ہیں اس آلودگی کے اسباب میں کچھ درج ذیل ہیں۔ ا۔ لکڑی، کوئلہ وغیرہ کا ہے غلط استعمال 2۔ ٹریفک کی زیادتی اور فطرت سے ہٹ کر اس کا استعمال 3۔ نباتات اور جنگلات کا ناپید ہونا4۔ ہتھیاروں کی ذخیرہ اندوزی5۔ سگریٹ پینا6۔ زہریلی گیسوں کا نکلنا۔ اور بھی کئی چیزیں فضا کی آلودگی میں سبب بن رہی ہیں مختصراً کچھ عرض کر دیا گیا ہے۔

لکڑی، تیل کے بے تحاشا استعمال، صنعتی کارخانے، اسلحہ کی فیکٹریوں سے نکلنے والے دھوئیں فضا میں تحلیل ہو کر کاربن ڈائی اکسائیڈ کے اضافہ کا سبب بن رہی ہیں، فضائی آلودگی میں ٹرانسپورٹ کا حصہ 10٪ بجلی وتوانائی کا 25٪ اور زراعت کا 25٪ ہے۔ ان زہریلی گیسوں کی وجہ سے اوزون (جو سردی، گرمی، کیٹرول کرنے میں معاون ہوتا ہے) کو نقصان پہنچتا ہے اور اس نقصان کی وجہ سے زمین کا ماحولیاتی توازن بگڑ جاتا ہے اور ذہنی تناو، بلڈ پریشر وغیرہ ہے امراض میں اضافہ ہوتا اور کینسر جیسا موذی مرض بھی اسی آلودہ فضا کی وجہ سے ہوتا ہے۔ زمین کا درجہ حرارت بڑھنے کی وجہ سے کہیں بھی برف پگھلنے سے اچانک سیلاب اور کہیں سخت قحط سالی کا سامنا ہو سکتا ہے۔

فضائی آلودگی کے سلسلہ میں اسلام کے رہنمایانہ اقدار بڑی وضاحت کے ساتھ موجود ہیں، اسلام نے فضا کو آلودہ کرنے کی بالکل اجازت نہیں دیا ہے کہ ہوا کو گندہ کریں اور اس زمین پر بسنے والے انسان جنات، حیوانات وغیرہ کے لیے تکلیف کا باعث بنیں، اسی لیے نبیؐ نے رات کو سوتے وقت چراغ بجھانے کا حکم دیا ہے (شرح السنہ 39) اگر چراغ کا دھواں اور آگ مضر ہوتے ہیں تو گاڑیوں، ہوائی جہاز، فیکٹریوں سے نکلنے والے کئی طرح کے اجزاء اسی ممانعت میں داخل ہوں گے۔ اسی فضائی آلودگی کے پیش اسلام نے تدفین کا حکم دیا ہے تا کہ اس کو جلانے وغیرہ میں فضا زہریلی نہ ہو جائے اور طبرانی میں یہ اصول لکھا ہے کہ لاضرر ولا ضرر۔ یعنی ایسا کوئی طریقہ نہ اختیار کیا جائے جو اپنی ذات یا دوسروں کے تکلیف کا سبب بنے۔

مٹی

انسانی ضرورت کی تقریباً تمام چیزیں زمین کے ارد گرد گھومتی ہیں، ہر چیز کا رشتہ زمین سے ہی ملتا ہے، چاہے وہ انسانی جسم کو غذا فراہم کرتی ہوں یا روح وذہن کو بالیدگی، پاکیزگی دینے والے پودے، پھول اور پتیاں ہوں، آسمان میں اڑتے جہاز اور روڈ پر دوڑتی گاڑیاں مٹی کی مرہون منت ہیں۔ پٹرول، ڈیزل، گیس، مٹی تیل وغیرہ کا شجرہ نسب مٹی ہے غرض یہ کہ جس چیز پر نظر ڈالا جائے اس کی بقا اور پروان چڑھانے میں مٹی ضرور ملے گی۔

دنیا کی آدھی ضرورت سے زیادہ مدار زمین سے نکلنے والی معدنیات پر انحصار ہے اگر یہ دھاتیں نہ ہوتیں تو ٹرین، جہاز اور دوسرے ذرائع حمل ونقل کا وجود نہ ہوتا اور زمین کو مختلف انداز میں بنایا گیا ہے کچھ حصہ نرم اور کچھ سخت، اس کے دامن سے بڑے بڑے چشمے اور نہریں جاری ہیں جن سے ساری دنیا نفع اٹھا رہی ہے۔ اگر یہ وسائل نہ ہوتے تو کاشت کاری کا سارا عمل تقریباً ٹھپ پڑ جاتا اور مخلوقات کی ایک بڑی تعداد پانی کی تلاش میں سرگرداں نظر آتی اور ادھر ادھر بھٹک کر سب کچھ ضائع کر دیتے۔ ایسی قیمتی اور کارآمد نعمت کو بھی انسان نے تباہ کیا ہے۔

مٹی کے آلودہ ہونے میں انسان کے بنائے ہوئے کیمکلز اور دوسری تبدیلیوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ زراعت میں استعمال ہونے والے کیمیائی مادے، صنعتی سرگرمی، نامناسب طریقے سے کچرے کی نگہداشت (دیکھ بھال) بھی ہے۔ پٹرولیم ہائیڈرو کاربن، سالوینٹس، کیڑے مار داوائیں، سیسہ وغیرہ بھی مٹی آلودگی کا سبب بنتے ہیں۔ مٹی زندگی کے ہر شعبہ سے منسلک ہے اس لیے اس کی آلودگی صحت کے ہر شعبہ میں اثر انداز ہوتی ہے اور موسم میں تبدیلی آتی ہے جس کی وجہ سے کئی طرح کی مشکلات رونما ہو سکتی ہیں اور تباہی کا خطرہ ہر وقت رہتا

ہے۔

اسلام نے زرعی زمین کو آباد کرنے کا حکم دیتا ہے اور اس پر ابھارتا ہے مسلم شریف میں ہے کہ رسولؐ نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان پودا لگاتا ہے یا کھیتی اگاتا ہے تو جب اس میں سے انسان حیوان کھاتے ہیں تو اس کو صدقہ کا ثواب ملتا ہے،(مسلم) زمین پر فتنہ فساد کرنے اور کھیتوں کو تباہ و خراب کرنے سے منع کیا ہے اور جنگ میں بھی اس کو خراب کرنے کی اجازت نہیں چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: وَإِذَا تَوَلَّى سَعَى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ (بقرہ:205) ترجمہ: جب وہ حکومت پالیتے ہیں تو زمین میں اس بات کے لئے دوڑ دھوپ کرتے ہیں کہ فساد برپا کریں اور کھیتوں اور جانوروں کو ہلاک و برباد کردیں اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتے۔

زمین پر اگنے والی کھیتی کو خراب کرنے کو پسند نہیں فرماتا تو زمین خراب کرنے کی اجازت بالکل نہ ہوگی اسلام اپنے ماننے والوں کو یہاں یہ ادب و تعلیم دیتا ہے کہ کسی مٹی، کھیتی اور پیڑ پودے کو خراب و برباد نہ کریں۔

12.8 ماحولیاتی بحران

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ماحولیاتی بحران جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کے ترقی کے نتیجہ میں وجود میں آیا۔ زمانہ قدیم میں انسان ماحول دوست زندگی بسر کر رہا تھا لیکن ترقی، سہولت اور نفسیاتی ضرورت کی وجہ سے ماحول پر دباؤ بڑھ گیا۔ صنعتی انقلاب نے اس میں مزید ترقی کی نتیجتاً ماحول دوست نظام حیات میں سرعت کے ساتھ تبدیلی واقع ہوئی اور فضا میں گرین ہاؤس گیسز میں اضافہ ہونے لگا، جنگلات کاٹے جانے لگے، حیاتیاتی تنوع میں کمی واقع ہونے لگی۔ چونکہ جدید سائنس کی نشو و نما مغرب میں الحاد و دہریت کے زیر اثر ہوئی اس لیے وہ ہر قسم کے نظام اقدار واخلاق سے عاری ہے۔ اس کا مقصد پوری طرح مادیت ہے جس کی بنیادی تعلیم خود غرضی، مفاد پرستی اور استحصال پر قائم ہے۔ جس میں انسان کا مقصود تن آسانی، تن پروری، لذت طلبی، نفسانی خواہشات کی تکمیل ہے۔ کیونکہ جس ٹیکنالوجی اور سائنس کا استعمال انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے ہونا چاہئے تھا وہ آج انسانوں کی تباہی و بربادی میں استعمال ہو رہے ہیں۔

جدید دور میں دنیا کے متعدد سائنس داں، مفکرین اور دانشور اس ماحولیاتی بحران کو اخلاق واقدار کا بحران قرار دے رہے ہیں جو دراصل انسانی زندگی میں روحانی تعلیمات کے خلاء کی وجہ سے وجود میں آیا ہے۔ انسانی زندگی میں خدا کا تصور انسان کو ایک صالح اور متوازن شخصیت بناتا ہے۔ وحید الدین خان اس بارے میں لکھتے ہیں کہ: ”حقیقت یہ ہے کہ وہ سب کچھ تمدن کی تعمیر کے لیے درکار ہے۔ اس کا واحد اور حقیقی جواب صرف مذہب کے پاس ہے۔ مذہب ہمیں حقیقی قانون ساز کی طرف رہنمائی کرتا ہے وہ قانون کی موزوں ترین اساس فراہم کرتا ہے وہ زندگی کے بارے میں صحیح ترین بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اس طرح مذہب ہمیں وہ سب کچھ دیتا ہے جس کی ہمیں اپنے تمدنی تعمیر کے لیے ضرورت ہے جب کہ لامذہبیت ان میں سے کچھ نہیں دے سکی اور نہ حقیقتاً دے سکتی ہے۔“

مذکورہ مطالعہ کے نتیجہ میں ہم بآسانی یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ نے تمام مخلوقات کو پیدا کرنے کے بعد ایک دوسرے کے ساتھ ربط

وتعلق اور تعاون کے رشتہ میں باندھ دیا تاکہ دنیا میں اعتدال و توازن برقرار رہے اس لیے ہم سب پر بھی یہ بات فرض ہوتی ہے کہ ہم ان قدرتی وسائل کی بقاو تحفظ کے لیے کوشش کریں۔

12.8.1 فطرت کی صورت حال

ماحولیاتی لٹریچر کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ فطری ماحول کی تمام صورتیں اب اپنی حالت پر باقی نہیں ہیں اور پانی، ہوا، مٹی، اخلاقی تعلیم اور انسانوں کے حقوق وغیرہ کو پراگندہ کر دیا گیا ہے اور کوئی چیز مفید حالت میں ہم انسانوں نے باقی نہیں رکھی ہے اور اس گندگی میں ہر گزرتے وقت کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے، اس ماحولیاتی بربادی کے مختلف اسباب ہیں۔ فیکٹریوں کا دھواں اور گندا پانی، مختلف قسم کی گاڑیوں سے نکلنے والا دھواں، شوروغل وغیرہ اہم اسباب میں سے ہیں، حاصل کلام انسان فطری ماحول سے کافی دور ہو چکا ہے اور ہر طرح کی آلودگی ہر سمت دکھائی دیتی ہے اور روز بروز صورت حال سنگینی ہوتی جارہی ہے۔

12.8.2 ماحول اور مقاصد شریعت

مقاصد شریعت میں انسان جان، مال، عزت و آبرو، عقل، نسل اور مذہب کی حفاظت کی بات شامل ہے یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامی میں وہ تمام افعال ممنوع اور حرام قرار دیے ہیں جن سے کسی کے مذہب عقل، نسل، جان و مال اور عزت کو خطرہ لاحق ہو۔ اسی طرح اسلام کا ایک جامع اصول "لاضرر ولاضرار" ہے، جس کی تعلیم یہ ہے کہ انسانی زندگی میں ایسے اسباب فراہم نہ کیے جائیں جو کسی بھی درجہ میں اپنی ذات یا انسانیت کے لیے نقصان دہ ہوں۔ کارخانوں و فیکٹریوں سے نکلنے والے فضلات، سڑکوں پر گاڑیوں کا ہجوم، ایٹمی اسلحہ کی کھیپ کا تیار ہونا اور اس سے نکلنے والی زہریلی گیسوں کی بہتات جن کے نتیجہ میں تباہ کن بیماریوں کی زیادتی یہ سارے کام اسلامی نقطہ نظر کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ اسلام نے کسی کو بھی یہ اختیار نہیں دیا ہے کہ وہ مخلوق خدا کو کسی طرح کی تکلیف پہنچائے۔

12.9 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- قرآن نے ماحول دوست ذہن سازی کے بعد فطرت اور قدرتی وسائل کے تحفظ اور اسے تباہ و برباد کرنے سے منع کیا ہے جیسے قرآن کی مختلف آیتوں میں مظاہر فطرت کے ساتھ میزان اور عدل کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ نیز ان میں یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ اللہ نے ہر چیز کو متعینہ مقدار کے ساتھ اتارا ہے اور جس کی ذمہ داری انسانوں پر عائد کی ہے اور ساتھ ہی انسان کو خلیفہ فی الارض بھی قرار دیا گیا ہے اسلام نے نظام فطرت اور ماحول پر کیا کیا تعلیمات پیش کی ہیں اس کا ادراک ہو گا۔
- پانی اللہ کی مخلوقات میں بہت ہی اہم چیز ہے، اس کائنات کا ذرہ ذرہ پانی سے بنایا گیا، تمام اشیاء کی تخلیق، نشوونما، ترقی میں پانی کا بڑا کردار ہے، مخلوقات میں سے حیوانات، جمادات، نباتات کی بقا اور ترقی کا مدار پانی پر رکھا گیا ہے۔ اللہ نے اپنی مخلوقات میں سب سے افضل انسان کی تخلیق اور ترقی کا محور پانی کو قرار دیا ہے۔ اسلام نے پانی کے سلسلے میں اخلاقی تعلیم دی ہے تاکہ پانی محفوظ رہے

اور قلت کا سامنانہ کرنا پڑے۔ اسی طرح پانی کو آلودگی سے بچانے کے متعلق تعلیمات موجود ہیں۔

- انسان کی بیشتر ضرورتیں مٹی اور زمین سے وابستہ ہوتی ہیں۔
- ماحولیاتی بربادی کے مختلف اسباب ہیں۔ فیکٹریوں کا دھواں اور گندا پانی، مختلف قسم کی گاڑیوں سے نکلنے والا دھواں، شوروغل وغیرہ اہم اسباب میں سے ہیں۔ اخلاقی اقدار کو بہتر بنانے سے ماحول میں بگاڑ کو روکا جاسکتا ہے۔
- کہ اللہ نے تمام مخلوقات کو پیدا کرنے کے بعد ایک دوسرے کے ساتھ ربط و تعلق اور تعاون کے رشتہ میں باندھ دیا تاکہ دنیا میں اعتدال و توازن برقرار رہے اس لیے ہم سب پر بھی یہ بات فرض ہوتی ہے کہ ہم ان قدرتی وسائل کی بقاو تحفظ کے لیے کوشش کریں۔

12.10 نمونہ امتحانی سوالات

12.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. اسلام نے آلودگی کو ایک ہمہ گیر۔۔۔۔۔ قرار دیا ہے جس میں بگاڑ، نقصان کے سوا کچھ نہیں۔
2. قرآن نے ماحول دوست سازی کے بعد فطرت اور قدرتی وسائل کے تحفظ اور اسے ۔۔۔۔۔ کرنے سے منع کیا ہے۔
3. اللہ کے رسول نے درختوں کو کاٹنے سے ۔۔۔۔۔۔ کیا ہے، یہاں تک کہ حالت جنگ میں بھی اس کی ۔۔۔۔ ہے۔
4. قرآن میں اونچی آواز کو ۔۔۔۔۔۔ کی آواز سے تشبیہ دی گئی ہے۔
5. لا یبولن احدکم فی ۔۔۔۔۔ الدائم۔
6. اللہ نے تمام مخلوقات کو پیدا کرنے کے بعد ایک دوسرے کے ساتھ ربط و تعلق اور تعاون کے رشتہ میں باندھ دیا تاکہ دنیا میں ۔۔۔۔۔۔۔۔ برقرار ہے۔
7. اسلام ہمیشہ نرم خوئی اور شگفتگی سے بات کرنے پر زور دیتا ہے یہاں تک کہ نبی کریمؐ نے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں آواز بلند کرنے سے منع فرمایا ہے۔
8. ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ زندگی کے ہر شعبہ سے منسلک ہے اس لیے اس کی آلودگی صحت کے ہر شعبہ میں اثر انداز ہوتی ہے۔
9. رسولؐ نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان پودا لگاتا ہے یا کھیتی اگاتا ہے تو جب اس میں سے انسان حیوان کھاتے ہیں تو اس کو ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کا ثواب ملتا ہے
10. ایمان کی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سے زیادہ شاخیں ہیں جس کی اعلیٰ شاخ کلمہ طیبہ ہے اور ادنی شاخ راستہ سے اذیت دہ چیز کا ہٹانا ہے۔

12.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. اسلام اور ماحولیات کا تعارف کرائیے۔
2. قرآن میں فساد فی الارض کے متعلق کیا احکامات ہیں بیان کیجیے۔
3. ماحولیاتی اخلاقیات سے کیا مراد ہے واضح کریں۔
4. ماحولیاتی بحران پر روشنی ڈالیے۔
5. ماحولیات اور مقاصد شریعت پر ایک نوٹ لکھیے۔

12.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. اسلام میں ماحولیاتی اخلاقیات کے فلسفہ پر تبادلہ خیال کیجیے۔
2. قرآن نے ماحول سے متعلق انسان کی کیسے ذہن سازی کی ہے وضاحت کیجیے۔
3. ماحولیاتی وسائل اور اقدار کیا ہیں جامع نوٹ لکھیے۔

12.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. اسلام اور ماحولیات : محمد جہانگیر حیدر قاسمی
2. Environmental Studies : Erach Bharuch
3. Environmental Pollution: Sources, Causes, Effect and Control : Dr. Renu Bhargava
4. Environmental Pollution And Control : J. Jeffrey Peirce, P. Aarne Vesilind
5. Environmental Science : Dr. Y. K. Singh

اکائی 13: اسلام میں خواتین کا مقام و مرتبہ

اکائی کے اجزا

13.0 تمہید

13.1 مقاصد

13.2 عورت قدیم معاشرہ میں

13.3 عورت زمانہ جاہلیت میں

13.4 عورت اسلام کی نظر میں

13.5 اسلام کا نظام مساوات مرد وزَن

13.5.1 برابری ہر اعتبار سے نہیں ہے

13.6 عورت بحیثیت ماں

13.7 عورت بحیثیت بیٹی

13.8 عورت بحیثیت بیوی

13.8.1 مرد کے قوام (نگراں) ہونے کا مطلب

13.8.2 شبہات کے اعتراضات

13.9 اکتسابی نتائج

13.10 نمونہ امتحانی سوالات

13.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

13.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

13.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

13.0 تمہید

ہم خانہ بدوش قبائل، آدم خور وحشیوں سے لے کر بڑے بڑے دانش وروں، فلسفیوں اور پروردگان تہذیب و تمدن پر طائرانہ نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں عورت انسان ہی نہیں سمجھی جاتی تھی، وہ مردوں کی نظر میں مال و متاع، لطف اندوزی اور ہوس رانی کا ایک ذریعہ تھی ان کے یہاں عورتوں کی رائے اور ارادے کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی، جانوروں کی طرح فروخت کی جاتیں، تحفہ و تحائف میں دی جاتیں، قبروں میں زندہ دفنائی جاتیں اور نذر آتش کی جاتی تھیں، ان کے یہاں عورت کے بارے میں یہ تصور کبھی نہیں ابھرا کہ عورت نفس انسانی کا ایک حصہ، جنس بشری کی خالق، بچوں کے کاشانۂ زندگی کی محافظ اور انسان کے عناصر وجود کی امانت دار ہے۔

اسلام وہ پہلا مذہب ہے جس کے قوانین میں ہمہ گیریت ہے، اسلام نے عورت کو اس کا اصلی مرتبہ دینے اور اس کی شخصیت کو ٹھوس بنانے کے لیے زندگی کے ہر منزل میں اسے ایک خاص درجہ دیا، اس کو بیٹی کیحیثیت سے درجہ دیا اور اس کی نگہداشت و تربیت کے لیے خاص ہدایتیں دیں، اور بیٹی کی پرورش پر جنت کی بشارت سنائی، اسے بیوی کی حیثیت سے مرَدوں کے برابر درجہ دیا اور اُس مرد کو بہترین مرد کہا جو بیوی کے ساتھ حسن سلوک کرے، اسے ماں کی حیثیت سے عظمت و تقدس کا درجہ دیا اور مرد کا سر اس کے قدموں میں جھکا دیا اور ماں کے قدموں میں جنت بتلایا۔ یہ وہ تصورات ہیں جو رسالت محمدی سے پہلے ہمیں کہیں نظر نہیں آتے؛ بلکہ اس درجہ عورتوں کے بارے میں دیگر اقوام کے خیال میں بھی نہیں آیا تھا۔

13.1 مقاصد

اسلام نے جو سماجی اصلاحات کیے ہیں ان میں ایک اہم سماجی اصلاح خواتین کے سلسلے میں تصورات کی اصلاح ہے۔ بعثت محمدی سے پہلے زمانہ جاہلیت میں کفار مکہ اور دیگر اقوام کے حالات میں ہمیں عورتوں کے تعلق سے وہ تصور نظر نہیں آتا جو آج ہے، اقوامِ عالم کی نگاہ میں عورت کو آج جو مقام ملا ہے اس میں اسلامی تعلیمات کا بڑا کردار ہے۔ اسلام نے عورتوں کے تعلق سے یہ نظریہ دیا کہ مرد و عورت انسانیت کی دو علاحدہ علاحدہ اکائی ہیں اور دونوں سے مل کر انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے، اور دونوں نفس واحدہ کے حصہ ہیں۔ تاہم موجودہ زمانہ میں مساوات کے نام پر عورت کو بے حیثیت کر دیا گیا ہے اور اسی کو عورت کی عزت کا نام دے دیا گیا ہے اور یہ الزام بھی شد و مد کے ساتھ لگایا گیا ہے کہ اسلام نے عورتوں کو وہ عزت نہیں دی جس کی ایک عورت حق دار ہے۔ اس اکائی میں آپ یہ پڑھیں گے کہ اقوام عالم میں عورت کا کیا مقام ہے، اسلام میں عورتوں کا کیا مقام و مرتبہ ہے، اسلامی نظام عورت کے لیے رحمت ہے یا زحمت؟ اور آج دنیا جس پروپیگنڈہ کی شکار ہے اس کی کیا حیثیت ہے؟ اسلام میں عورتوں کے ساتھ کس طرح کا سلوک کیا گیا ہے۔ باختصار شدید اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہم عورت کے حقیقی مقام کو پہچان سکیں۔

13.2 عورت قدیم معاشرہ میں

رسالت محمدی سے پہلے عورت کے بارے میں مختلف تصور پائے جاتے تھے،ان تمام تصوروں میں قدرے مشترک یہ تھا کہ عورت کوئی انسان نہیں ہے،اور مرد وعورت میں تخلیقی اعتبار سے فرق ہے۔اب اگر ہم جائزہ لیں تو ہمیں یقین کرپانا مشکل ہوگا کہ کیا بعثت رسول ﷺ سے پہلے عورت کے بارے میں مہذب اور غیر مہذب قومیں اس طرح کا خیال رکھتی تھیں۔عام خیال یہ تھا کہ عورت کوئی قابل احترام چیز نہیں ہے۔چین جیسے مہذب معاشرے میں عورت کو بہت حقیر نظر سے دیکھا جاتا تھا؛ چناں چہ ایک چینی خاتون اپنے معاشرے میں عورت کی حیثیت متعین کرتے ہوئے لکھتی ہیں: ہم عورتوں کا مقام انسانیت میں سب سے گراہوا ہے اسی وجہ سے ہمارے حصے میں سب سے حقیر کام آئے۔ہندوستان جیسے ملک میں بھی عورت کو کوئی مقام نہیں دیا گیا تھا؛ بلکہ یہاں یہ تصور تھا عورت شوہر کی خدمت کے لیے پیدا کی گئی ہے اسی لیے عورت کی نگاہ میں اس کا شوہر ''خدا'' کا درجہ رکھتا تھا اور شوہر کے مرنے پر عورت کو اپنے شوہر کی چتا پر ''ستی'' ہو جانا پڑتا تھا،ہندوستانی معاشرے میں مشہور یہ تھا کہ عورت گندگی کی پوٹلی ہے اور اس کی ذات سراپا عذاب ہے۔

قدیم یونان میں بھی معاشرے کی ترقی میں عورت کا کوئی حصہ نہیں تھا،وہ گھر کے اندھیرے میں اس طرح زندگی گزارتی تھی جیسے کوئی گری پڑی چیز ہو،قدیم یونانی مورخین کا تصور یہ تھا کہ عورت کے نام کو بھی اس کی ذات کی طرح گھر میں قید کردینا چاہیے، نیز اس سے زیادہ عورت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

رومی تہذیب جہاں سب سے پہلے جمہوری نظام قائم ہوا اور جمہوری نظام میں جہاں سب کو برابر درجے کے حقوق دیے جاتے ہیں لیکن رومی تہذیب عورتوں کو اس کا حق دینے سے قاصر تھا؛ بلکہ ان کے یہاں عورت ہونا تمام اہلیت کو ساقط کرنے کے لیے کافی تھا۔

یہودیت جو آسمانی دین پر عمل پیرا ہونے کے دعویدار تھے اس میں عورت کو کوئی مقام نہیں دیا گیا تھا ان کے یہاں عورت کی حیثیت صرف خدمت گار کی تھی،اسے بھائیوں کے ساتھ وراثت میں حصہ نہیں دیا جاتا تھا باپ کو اپنی بیٹی فروخت کرنے کا حق حاصل تھا خواہ لڑکی بالغ ہو یا نابالغ ہو۔مولانا جلال الدین عمری اپنی کتاب میں یہودیت کا نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> یہودیت میں یہ تصور تھا کہ مرد نیک سرشت اور نیک کردار ہے اور عورت بد طینت اور مکار ہے، نسل انسانی کے پہلے فرد حضرت آدم علیہ السلام جنت میں عیش وراحت کی زندگی گزار رہے تھے اس لیے کہ وہ خدا کے فرماں بردار تھے ؛لیکن ان کی بیوی حوا نے انہیں سب سے پہلے خدا کی نافرمانی پر اکسایا اور ان کو ایک ایسا پھل کھلایا جس کے کھانے سے خدا نے انہیں روکا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خدا کی نعمتوں سے محروم کر دیے گئے اور ان کو مشقت اور تکلیف کی زندگی بسر کرنی پڑی اس کی دو سزائیں حوا کو دی گئیں ایک یہ کہ حمل کی تکلیف میں مبتلا کیا گیا اب وہ اس کے بعد ہی بچہ پیدا کر سکے گی، دوسری سزا یہ دی گئی کہ ہمیشہ کے لیے مرد کا اقتدار اس پر قائم کر دیا گیا۔

عیسائی علماء نے عورت کے مقام کو گرانے میں مبالغہ سے کام لیا، عیسائی علماء کے اقوال عورتوں کے تعلق سے حیرت انگیز ہیں۔ان کی مقدس شریعت کے الفاظ ہیں: ''عورت کو شرم سے گڑ جانے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ عورت ہے نیز یہ کہ انسان کو دنیا میں اتارے جانے جیسی لعنت کا سبب عورت ہے''۔ ان کا خیال ہے کہ عورت جہنم کا دروازہ اور گناہ مجسم ہے، بعض عیسائی علماء کا خیال ہے کہ عورت شیطان کی اولاد ہے، عیسائی علماء اس حد تک گفتگو کرنے لگے تھے کہ کیا عورت مرد کی طرح خدا کی عبادت کر سکتی ہے؟ کیا وہ جنت میں داخل ہو گی۔ سینٹ پال نے اپنے ایک خط میں لکھا ہے:

> پس میں تمہیں آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہر عورت کا سر مرد، ہر مرد کا سر مسیح اور مسیح کا سر خدا ہے۔ وہ مرد خدا کی صورت اور اس کا جلال ہے، مگر عورت مرد کا جلال ہے اس لیے کہ مرد عورت سے نہیں بلکہ عورت مرد سے ہے اور مرد عورت کے لیے نہیں بلکہ عورت مرد کے لیے پیدا ہوئی ہے پس فرشتوں کے سبب سے عورت کو چاہیے کہ اپنے سر پر محکوم ہونے کی علامت رکھے (پولس رسول کا پہلا خط کرنتھیوں کے نام باب 11)۔

13.3 عورت زمانہ جاہلیت میں

بعثت محمدی سے پہلے عربوں کی صورت حال عورت کے حوالے سے دیگر اقوام سے مختلف نہ تھی؛ بلکہ عربوں کے یہاں بھی عورت کے بارے میں اسی قسم کے تصورات پائے جاتے تھے، عرب عورت کو اپنے لیے ننگ و عار محسوس کرتے تھے، عرب چوں کہ لڑاکو اور جنگ جو تھے ان کے لیے جنگ و جدال کے لیے عورت مانع ہو سکتی تھی؛ اس لیے وہ عورت کی تذلیل کرتے تھے، بعض عرب قبائل بچیوں کو زندہ در گور کر دیتے تھے، قرآن کریم میں عرب کے مختلف تصورات کو بیان کیا ہے ایک جگہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وَإِذَا الْمَوْؤُودَةُ سُئِلَتْ ○ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ (تکویر: 8-9)۔ ترجمہ: (جب زندہ در گور کی ہوئی بچیوں سے سوال ہو گا کہ کس جرم میں تمہیں قتل کیا گیا۔

اس آیت میں در حقیقت عرب معاشرے کی اُس وقت کی صورت حال کی عکاسی کی گئی ہے۔ اسی طرح عربوں کا حال یہ تھا کہ جب انہیں لڑکی کی ولادت کی اطلاع دی جاتی تو وہ اپنے لیے بہت عار محسوس کرتے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے ان کے اس تصور کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

وَاِذَا وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنثَى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ○ يَتَوَارَى مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَى هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ (نحل: 58-59)۔ ترجمہ: اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خبر ملتی ہے تو اس کا منہ غم کے سبب کالا پڑ جاتا ہے اور وہ اندر ہی اندر گھٹنے لگتا ہے اور اس خبر بد کے سبب جو وہ سنتا ہے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے سوچتا ہے کہ آیا ذلت برداشت کر کے لڑکی کو زندہ رہنے دے یا زمین میں گاڑ دے۔ دیکھو یہ جو تجویز کرتے ہیں بہت بری ہے۔

حضرت عمرؓ جاہلیت اور اسلام کے زمانے میں عورتوں کے ساتھ ہونے والی تبدیلی پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں: واللہ إنّا كنّا في الجاهلية ما نعدّ للنّساء أمراً حتّى أنْزل الله فيهن ما أَنْزل وقسّم لهنّ ما قسم (مسلم: 1479)۔ ترجمہ: خدا کی قسم ہم جاہلیت کے زمانے میں عورتوں کو کوئی حیثیت نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالی نے ان کے بارے میں حکم نازل فرمایا اور ان کے لیے جو حصہ مقرر کرنا تھا وہ کیا۔

غور فرمائیں کہ عرب میں عورت کی کیا صورت حال تھی اور کس قدر وہ اپنے لیے لڑکی کو ذلت کا باعث سمجھتے تھے کہ اس کو زندہ دفن کرنے کے بارے میں سوچتے تھے: بلکہ تاریخی واقعات اس کے شاہد ہیں کہ بعض قبیلے اس قبیح عمل کو انجام بھی دیتے تھے۔ سنن دارمی میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے:

ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا ہم لوگ جاہلیت میں بتوں کی پوجا کرتے تھے اور بچوں کو قتل کر دیا کرتے تھے، میری ایک بیٹی تھی جب میں اسے بلاتا تو وہ مسکرا کر میری پاس آجاتی ایک دن میں نے اسے بلایا تو وہ میرے پیچھے آنے لگی یہاں تک کہ میں اسے لے کر اپنے کنویں پر آیا جو بہت دور نہیں تھا پھر میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کنویں میں پھینک دیا وہ آخری وقت میں ''ابا جان۔۔ابا جان'' کہہ رہی تھی آپ ﷺ اس کی یہ بات سن کر آبدیدہ ہو گئے یہاں تک کہ آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے مجلس میں سے ایک شخص نے کہا کہ تم نے حضور کو آبدیدہ کر دیا آپ نے فرمایا کہ اپنی زبان پر قابو رکھو پھر آپ نے اس سے فرمایا کہ ''دوبارہ اپنا واقعہ بیان کرو''، دوسری مرتبہ سن کر آپ ﷺ اس قدر آبدیدہ ہو گئے کہ آنسوؤں سے آپ کی داڑھی مبارک تر ہو گئی پھر آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالی نے جاہلیت کے گناہوں کو معاف کر دیا اس لیے از سر نو نیک عمل کرو'' (دارمی: 2)۔

13.4 عورت اسلام کی نظر میں

اس صورت حال کو سامنے رکھ کر جائزہ لیں کہ اسلام نے عورت کو کیا مقام دیا ہے، عورت کے سلسلے میں اسلام کے تصورات کیا ہیں؟ قرآن کریم کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ اسلام نے عورت کے بارے میں جو بنیادی تصور دیا ہے وہ یہ ہے کہ عورت اور مرد دونوں مل کر انسانیت کی تکمیل کرتے ہیں۔ صرف مرد سے انسانیت کی تکمیل نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی صرف عورت سے، بلکہ یہ دونوں انسانیت کی علاحدہ علاحدہ اکائی ہیں اور دونوں سے مل کر انسان بنتے ہیں مرد و عورت چکی کے دو پاٹ ہیں کسی کو بھی علاحدہ کر کے زندگی کا نظام جاری نہیں رکھا جا سکتا ہے۔ گویا قرآن ہمیں عورت کے سلسلے میں پہلا تصور یہ دیتا ہے کہ عورت مرد سے کم تر کوئی چیز نہیں ہے؛ بلکہ مردوں کے ہم پلہ ہے۔ عورت کے سلسلے میں تمام قومیں ہر طرح کا نظریہ رکھتی تھیں لیکن ان کے یہاں عورت و مرد کے مساوات کا نظریہ نہیں تھا اسلام نے دنیا کے سامنے عورت و مرد کے مساوات کا نظریہ پیش کیا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے اس تصور کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ''يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُواْ رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُواْ اللهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالأَرْحَامَ إِنَّ اللهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا'' (نساء: 1)۔ ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں

ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیے اور اللہ تعالی سے ڈرو جس کے ذریعہ تم ایک دوسرے سے مدد طلب کرتے ہو اور رشتوں کا احترام کرو اور بے شک اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

اس آیت کو غور سے پڑھیے! عورت کے سلسلے میں اسلام کا تصور بالکل واضح ہو جائے گا۔ اسلام نے صاف لفظوں میں بیان کیا ہے کہ ''نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ'' سے اللہ نے مرد کو بنایا پھر اسی سے اس کا جوڑا یعنی عورت کو بنایا پھر اسی مرد و عورت سے کائنات میں بے شمار مرد و عورت کو جنم دیا۔ اسلام کا تصور یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ہر چیز کا جوڑا بنایا ہے اور مرد و عورت یہ جوڑا ہے: ''وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ'' (ذاریات: 49)۔ ترجمہ: اور اللہ تعالی نے ہر چیز کا جوڑا بنایا ہے۔ تاکہ تم لوگ نصیحت حاصل کر سکو۔

جوڑے (Pair) سے ہی ہر چیز کی تکمیل ہوتی ہے؛ دستانے اور موزے میں جوڑا ہوتا ہے ایک موزہ کسی کام کا نہیں ہوتا ہے جب تک کہ اس کا جوڑا نہ مل جائے، جوڑے کے دونوں جز کبھی موافق ہوتے ہیں اور کبھی مخالف ہوتے جیسے رات اور دن جوڑے ہیں، زمین اور آسمان جوڑے ہیں، جو دونوں آپس میں مختلف ہیں۔

13.5 اسلام کا نظام مساوات مرد و زَن

آیئے ذرا اس پر بھی غور کر لیتے ہیں کہ اسلام میں مرد عورت کی برابری کا مفہوم کیا ہے اور اس کی حد کیا ہے؟ تمام چیزوں میں برابری ہے یا بعض چیزوں میں برابری ہے؟ غور فرمائیں تو عورت اور مرد یہ زندگی کی دو پہیے کی طرح ہیں ان میں سے کسی کے بغیر تمدن کی گاڑی آگے نہیں بڑھ سکتی ہے، اسلام نے دینی و اخلاقی اعتبار سے عورتوں کو مردوں کے برابر قرار دیا ہے، اخلاقی و روحانی اعتبار سے جو صفات مردوں کے بیان کیے ہیں وہی تمام صفات عورتوں کے لیے بھی بیان کیے گئے ہیں۔ سورہ احزاب میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا'' (احزاب: 35)۔ ترجمہ: یقیناً جو مرد اور جو عورتیں مسلم ہیں ایمان والے ہیں اور ایمان والیاں ہیں، مطیع فرماں بردار ہیں راست گو اور راست باز ہیں، صبر کرنے والے اور صبر کرنے والیاں ہیں، اللہ کے آگے جھکنے والے اور جھکنے والیاں ہیں، صدقہ دینے والے اور صدقہ دینے والیاں ہیں، روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیاں ہیں عصمت مآب اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں ہیں اللہ تعالی نے ان مردوں اور عورتوں کے لیے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔

اس آیت میں دینی و اخلاقی اعتبار سے جو صفات مردوں کے بیان کیے گئے ہیں وہی تمام صفات عورتوں کے بھی بیان کیے گئے ہیں، اس میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے بلکہ جن بلند اخلاق کے حامل مرد ہو سکتے ہیں عورتیں بھی ان اعلی اخلاق کے ساتھ متصف ہو سکتی ہیں، اس اعتبار سے عورت مرَدوں کے ساتھ کامل مساوات رکھتی ہے۔ اسی طرح قرآن کریم اجتماعی اور انفرادی معاملات میں مرد و عورت کو یکساں حکم دیتا

ہے: ''وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلاَةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللّهَ وَرَسُولَهُ أُوْلَـئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّهُ إِنَّ اللّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ'' (توبۃ: 71)۔ ترجمہ: مومن مرد اور مومن عورتیں یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں، اور اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالی کی رحمت نازل ہو کر رہے گی، بیشک اللہ تعالی غالب حکمت والا ہے۔

اسی طرح آدم علیہ السلام کے قصے میں ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالی نے حضرت آدم اور حضرت حوا دونوں کی طرف یکساں خطاب کیا ہے: ''وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلاَ مِنْهَا رَغَداً حَيْثُ شِئْتُمَا وَلاَ تَقْرَبَا هَـذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الْظَّالِمِينَ'' (بقرۃ: 35)۔ ترجمہ: پھر ہم نے آدم سے کہا کہ تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو اور یہاں بفراغت جو چاہو کھاؤ مگر اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ ظالموں میں شمار ہو گے۔

عیسائی علماء تورات کی روشنی میں عورت کی تذلیل و تحقیر اسی لیے کرتے ہیں کہ حضرت حوا نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کر کے بنی نوع آدم کو جنت سے باہر کرنے کا سبب بنی ہے اسی کی وجہ سے حضرت آدم کو پھر ان کی اولاد کو دنیا میں آنا پڑا اور عتاب کا سامنا کرنا پڑا۔ قرآن نے اس نقطہ نظر کی نفی کر دی اور یہ بتلایا کہ یہ سب مشیتِ خداوندی کے مطابق ہوا تھا؛ اسی لیے بہکانے کی نسبت شیطان کی طرف کی اور توبہ کی نسبت دونوں کی طرف کی ہے: ''قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ'' (اعراف: 23)۔ ترجمہ: دونوں نے کہا اے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہماری مغفرت نہ فرمائے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم نامرادوں میں سے ہو جائیں گے۔

13.5.1 برابری ہر اعتبار سے نہیں ہے

معلوم ہوا کہ اسلام عورت کو وہ مقام دیا ہے جو رسالت محمدی سے پہلے صرف مرد کو حاصل تھا، اسلام نے آکر دونوں کو ایک دوسرے کا ساتھی اور اس کا رفیق بنادیا۔ البتہ مرد و عورت میں یہ مساوات ہر اعتبار سے نہیں ہے اس لیے کہ مرد و عورت دونوں کی صنف اور خلقت جدا جدا ہے اس لیے کامل مساوات کا نظریہ پیش کرنا عقل و خرد کے منافی ہے، عورت کو اللہ تعالی نے تخلیقی اعتبار سے کمزور بنایا ہے اور مرد کو طاقت ور بنایا ہے اسی لیے مردوں کی ذمہ داری اور بوجھ زیادہ ڈالا ہے، معیشت کے لیے محنت اور طاقت کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ صفت مرد میں زیادہ ہے، اسی طرح بچوں کی تربیت اور پرورش کے لیے محبت اور گھریلو ماحول کی ضرورت ہوتی ہے اور محبت اور ممتا کی صفت عورت میں زیادہ اس لیے یہ ذمہ داری عورت کو دی گئی یہ تقسیم کار مساوات کے منافی نہیں ہے اگر کوئی یہ کہے کہ عورت کسی اعتبار سے مرد سے کم نہیں اور پچاس کلو چاول کی بوری مرد کے بجائے عورت کے کندھے پر ڈال دے تو یہ عورت کی عزت نہیں؛ بلکہ مساوات کے نام پر ذلیل کرنا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے علم تشریح کے ماہرین اور علم فزیالوجی اور سائیکالوجی کے جلیل القدر علماء یورپ کے اقوال نقل کر کے

سائنسی تجربات اور مشاہدات سے ثابت کیا ہے کہ عورت و مرد ہر اعتبار سے برابر نہیں ہیں، بلکہ مرد کو عورت پر برتری حاصل ہے، کیوں کہ قدرت نے دونوں میں علاحدہ قوت رکھی ہے، مرد کو جہاں جسمانی اور عقلی قوی دیا گیا تاکہ اس کے ذریعہ تمدنی فرائض کو انجام دے سکے وہیں عورت کے اندر وہ صلاحیت ودیعت کی گئی جس کی ایک عورت کو ضرورت ہوتی ہے، پس اس حیثیت سے دونوں جنسوں کا درجہ مساوی ہے اور دونوں نظام کائنات میں برابر حصہ رکھتے ہیں: مولانا ابوالکلام آزاد تحریر فرماتے ہیں:

> علم تشریح کی تحقیقات سے ثابت ہو چکا ہے کہ مرد کی جسمانی حالت عورت کی بنسبت بہت زیادہ قوی ہے، یہ جسمانی اختلاف محض قیاس وظن پر مبنی نہیں ہے، بلکہ اس یقینی درجہ تک پہونچ چکا ہے جس کو تسلیم نہ کرنا مشاہدات اور محسوسات کا انکار کرنا ہے، اس جسمانی اختلاف کی بناپر یورپ میں بعض علماء تشریح عورت کو موجودہ زمانے کی ترقی یافتہ مرد کا حقیقی مقابل تسلیم نہیں کرتے۔

13.6 عورت بحیثیت ماں

اسلام نے عورتوں کو جو مقام مرتبہ دیا ہے اس کا ایک پہلو مطلق ہے اسلام نے عورت کے متعلق اپنے تصورات کا اظہار کیا ہے کہ عورت کوئی حقیر شئے نہیں؛ بلکہ زندگی کی گراں مایہ ہے، اور مرد کے مقابل اور برابر درجے کی حیثیت رکھتی ہے اس کائنات کی رنگارنگی اور حسن وجمال میں عورت کا حسن بھی شامل ہے اقبال نے اسی کو کہا ہے:

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ ❖ اسی کے ساز سے ہے زندگی میں سوز دروں

عورت کی عظمت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ عورت کی مختلف حیثیتوں کے اعتبار سے اسلام نے عورتوں کی عظمت واہمیت کا اعتراف واقرار کیا ہے؛ چنانچہ ماں کی حیثیت سے اسلام نے عورت کے بارے جو نظریہ پیش کیا ہے وہ دنیا کی کسی بھی قوم میں نہیں پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالی نے اپنی عبادت کے بعد مختلف مقامات پر ماں باپ کی خدمت و اطاعت کا حکم دیا ہے: ''وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا''(اسراء: 23)۔ ترجمہ: اور آپ کے پرودگار نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو سوائے اپنے رب کے اور اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

اسلام نے ماں کے ساتھ حسن سلوک کی وجہ یہ بیان کی کہ ماں بچوں کی پیدائش اور تربیت میں بہت زیادہ تکلیف برداشت کرتی ہے، حمل کے زمانے سے لے کر بچہ کے جننے تک اور اس کے بعد دودھ پلانے اور اس کی تربیت کے لیے بہت زیادہ مشقت برداشت کرتی ہے اس لیے ماں کا حق باپ کے مقابلہ میں بھی زیادہ قرار دیا گیا ہے: ''وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إحساناً حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْناً عَلَىٰ وَهْنٍ وَّفِصٰلُهُ فِيْ عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيْر ''(لقمان: 14)۔ ترجمہ: اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے۔ [اسی لیے ہم نے اس کو نصیحت کی] کہ میرا شکر گزار بن اور اپنے والدین کا شکر بجالا اور میری ہی طرف تجھے لوٹنا ہے۔

''وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحساناً حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصٰلُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْراً''

(احقاف:15)۔ ترجمہ: اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے۔اس کی ماں نے مشقت اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور مشقت اٹھا کر ہی اس کو جنا اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگے۔

دونوں آیت میں اللہ تعالی نے عورت کی فضیلت اور ماں کی عظمت کو اس لیے بیان کیا ہے کہ ماں باپ کے مقابلے میں بچے کے تعلق سے زیادہ تکلیف اور مشقت برداشت کرتی ہے۔ حدیث میں ہے ایک صحابی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا:

''من أحق الناس بحسن صحابتي؟ قال: امك، قال: ثم من؟ قال: امك قال: ثم من؟ قال: امك قال: ثم من؟ قال ابوك''(بخاری:5971)۔ ترجمہ: لوگوں میں میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟آپ ﷺ نے فرمایا''تیری ماں''، اس نے کہا پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا:''تیری ماں''، اس نے کہا پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا:''تیری ماں''، اس نے کہا پھر کون؟آپ ﷺ نے فرمایا:''تیرا باپ''۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں کا درجہ باپ سے تین گنا بڑھا ہوا ہے۔ عورت کی عظمت اور ماں کے خدمت کا اسلام نے اس قدر تاکید کی ہے کہ اگر ماں مشرکہ ہو تو بھی اس کی خدمت واطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا۔ایک حدیث میں ہے:

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ کی والدہ مدینہ منورہ ان سے ملاقات کے لیے آئیں تو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ میں اپنی مشرکہ ماں کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہوں؟آپ ﷺ نے فرمایا:''ہاں اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو''(بخاری:2620)

ماں کے ساتھ حسن سلوک اور خدمت واطاعت کے مختلف پہلو کی طرف اسلام نے رہنمائی کی ہے جس سے ماں کی عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ نہ صرف ماں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے؛ بلکہ ماں کے تمام قرابت داروں کے ساتھ بھی حسن سلوک کی تعلیم دی گئی ہے بالخصوص خالہ، خالو، ماموں پھوپھی پھوپھا اور چچا اور چچی کے ساتھ بھی حسن سلوک کی تلقین کی گئی ہے۔ایک حدیث میں ہے:

ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس گیا اور عرض کیا کہ میں نے گناہ کیا اس کے توبہ کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟آپ ﷺ نے پوچھا کہ: ''تمہاری ماں زندہ ہے''؟اس نے کہا نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہاری خالہ ہیں''؟اس نے کہا ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کے ساتھ حسن سلوک کرو''(مسند احمد:4625)۔

اسی طرح اسلام نے ماں کے حقوق اور جذبات کی اس قدر رعایت کی ہے کہ طلاق شدہ ماں کو اپنی اولاد کی پرورش وپرداخت کے لیے زیادہ حق دار کیا اور اس سلسلے میں باپ کے مقابلے میں ماں کو ترجیح دی۔ایک حدیث میں ہے کہ:

ایک عورت حضور کی خدمت میں آئی اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! یہ میرا بیٹا ہے میرے پیٹ میں رہا ہے میرا دودھ پیا ہے اور میری آغوش میں پلا بڑھا ہے اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی اور اس بچے کو مجھ سے چھیننا چاہتا ہے اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اس کی

زیادہ حق دار ہو جب تک تم نکاح نہ کرو"(مسند احمد: 6707)۔

ان آیات و روایات کو سامنے رکھ کر آپ اسلام میں ماں کے مقام و مرتبہ ان کی اہمیت اور خدمت واطاعت کے سلسلے میں اسلام کے حکم اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔

13.7 عورت بحیثیت بیٹی

بعثت محمد ﷺ سے پہلے بیٹیوں کو ذلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، لیکن اسلام نے پہلی مرتبہ یہ تصور دیا کہ بیٹیاں ذلت نہیں عزت کی باعث ہیں، بیٹیاں زحمت نہیں رحمت ہیں، جاہلیت میں لوگ فقر وفاقہ کے خوف سے یا اس عار سے کہ پرورش کرنے کے بعد اسے کسی دوسرے کے حوالے کرنا ہو گا زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ اسلام نے بیٹی کی پرورش کی عظیم بشارت سنائی تاکہ لوگ بیٹی کو رحمت تصور کریں اور اس کی پرورش کو اپنے لیے آخرت کا ذخیرہ خیال کریں۔ حدیث میں ہے:

حضور ﷺ نے فرمایا: جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی، یہاں تک کہ وہ سن بلوغ کی پہنچ گئیں تو میں اور وہ قیامت میں اس طرح ایک ساتھ ہوں گے۔ آپ نے اپنی انگلیوں کو ملایا (مسلم: 2631)۔

حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت ہے: جس کے پاس لڑکی ہو اور وہ اسے نہ زندہ درگور کرے اور نہ اسے حقیر سمجھے اور بچوں کو اس پر ترجیح نہ دے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کریں گے (مسند احمد: 1957)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے: جو شخص ان بچیوں میں سے کسی چیز کے ذریعہ آزمایا گیا اور اس نے ان کے ساتھ حسن سلوک کیا تو وہ اسے آگ سے بچالیں گی (مسلم: 2629)۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے: "جس کی تین لڑکیاں ہوں اور تنگ دستی و مفلسی اور خوش حالی و بدحالی میں انتہائی صبر و تحمل کے ساتھ ان کی پرورش کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو محض اس لیے جنت میں داخل فرمائیں گے کہ اس نے ان کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ کیا"، ایک شخص نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! جس کے دو ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اور جس کے دو ہوں وہ بھی"، ایک شخص نے عرض کیا اور جس کے ایک ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اور ایک والا بھی" (ابن ابی شیبہ: 25440)۔

اسلام نے نہ صرف لڑکیوں کی پرورش اور تربیت کی تعلیم و ترغیب دی، بلکہ آپ ﷺ نے لڑکیوں سے محبت کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا، اور اپنے عمل کے ذریعہ بھی لڑکیوں سے محبت کی تعلیم فرمائی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں آپ نے فرمایا: "فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے جو اس کو ناراض کرے گا وہ مجھے ناراض کرے گا" (بخاری: 3714)۔ روایت میں ہے کہ شادی کے بعد جب حضرت فاطمہ ملاقات کے لیے تشریف لاتیں تو آپ ﷺ ان کے لیے اپنی جگہ سے کھڑے ہو جاتے ان کے لیے اپنی جگہ چھوڑ دیتے اور چادر بچھا کر اس پر بیٹھنے کے لیے فرماتے۔

غور فرمائیں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو چار بیٹیوں کا باپ بنایا، اللہ نے آپ کو بیٹا بھی دیا لیکن ان کو نو عمری میں ہی لے لیا اس کے ذریعہ

اسلام نے ان لوگوں کو تعلیم اور تسلی دی جن کی صرف بیٹیاں ہوتی ہیں ان کے پاس بیٹوں کی بھی حسرت ہوتی ہے وہ لوگ حضور ﷺ اور آپ کے طرز عمل کے ذریعہ تسلی حاصل کر سکتے ہیں۔ اسلام کا تصور بیٹوں کے سلسلے میں وہ ہے جو ایک شاعر نے کہا ہے:

بیٹیاں سب کے مقدر میں کہاں ہوتی ہیں ❖ گھر جو اللہ کو پسند ہوتا ہے وہاں ہوتی ہیں

بعثت محمدی سے پہلے بیٹیاں کسی چیز کی مالک نہیں ہوتی تھیں، بلکہ باپ جس کے ہاتھ چاہے بیٹی کو فروخت کر دیتا تھا، لیکن اسلام نے بیٹے کی طرح بیٹی کے لیے بھی حق ملکیت کو تسلیم کیا اگر بیٹی کی ملکیت میں کوئی خاص مال ہے تو باپ کو اس مال میں سوائے حسن انتظام کے کوئی اختیار نہیں دیا، اسی طرح شادی بیاہ میں بھی اسلام نے لڑکی کی رضا اور پسند کو باپ کی رضا اور پسند پر ترجیح دی اگر لڑکی بالغہ ہے تو اس کی اجازت کے بغیر نکاح درست نہیں ہوگا بلکہ اگر لڑکی ثیبہ (شوہر آشنا) ہے تو صراحت کے ساتھ اس کی اجازت کو ضروری قرار دیا اور اگر وہ کنواری ہے جس پر حیا کا غلبہ رہتا ہے اور وہ شرم وحیا کی وجہ سے زبان سے اپنی رضا کو ظاہر نہیں کر پاتی اس کے حق میں خاموشی کو ہی رضامندی قرار دیا لیکن اگر بالغہ لڑکی نے صراحت کے ساتھ نکاح سے منع کر دیا تو باپ کے لیے اس کا نکاح کرنا جائز نہیں اور اگر کر دیا تو نکاح نہیں ہوگا۔ روایت ہے:

حضرت خنسا بن خزام کا نکاح ان کے والد نے ان سے مشورہ کیے بغیر کر دیا اور وہ (ثیبہ) شوہر دیدہ تھیں انہوں نے اپنے والد کے رویے کو ناپسند کیا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں تو آپ نے نکاح فسخ کرا دیا (ابی داؤد: 2101)۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ ایک کنواری لڑکی حضور کے پاس آئی اور اس نے بتایا کہ اس کے والد نے اس کی شادی کر دی ہے اور وہ اسے ناپسند کرتی ہے تو آپ ﷺ نے اسے اختیار دے دیا (ابن ماجہ: 1875)۔

ان تعلیمات کی روشنی میں آپ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اسلام نے لڑکیوں کا کس قدر احترام کیا ہے، اسلام نے بیٹیوں کو مالک بنایا، تعلیم کا اختیار دیا، اور ماں باپ پر بیٹی کی تعلیم کو لازم قرار دیا، نکاح کے باب میں اس کی پسند کو ترجیح دی اور بیٹی کی تعلیم وتربیت اور اچھی جگہ نکاح کرنے پر جنت کی بشارت سنائی۔

13.8 عورت بحیثیت بیوی

رسالت محمدی سے پہلے بیوی کے بارے میں عام تصور یہ تھا کہ بیوی شوہر کی خدمت کا ایک سامان ہے اس سے زائد بیوی کی کوئی حیثیت نہیں ہے؛ لیکن اسلام نے بتایا کہ شوہر بیوی خاندانی زندگی کے دو پہیے ہیں دونوں کے حقوق برابر ہیں، دونوں کے درجات برابر ہیں، نکاح کے ذریعہ شوہر بیوی کا مالک نہیں ہو جاتا ہے بلکہ دونوں ایک معاہدہ کے تحت زندگی گزارنے کا عہد کرتے ہیں اسی لیے نکاح صرف شوہر کے قبول کرنے سے منعقد نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ عورت کے قبول کرنے پر موقوف رہتا ہے۔

اسلام نے مرد وعورت کو برابر درجے میں رکھ کر دونوں کے لیے علاحدہ علاحدہ حقوق اور ذمہ داریاں طے کی ہیں؛ اور کچھ مشترکہ حقوق اور ذمہ داریاں طے کیں؛ قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْم ''(بقرہ: 228)۔ ترجمہ: اور جیسے عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں، اسی طرح مردوں پر بھی عورتوں کے

حقوق ہیں اور مرد کو ایک درجہ فضیلت حاصل ہے، اور اللہ تعالی غالب حکمت والا ہے۔

اسلام کا تصور یہ ہے کہ نکاح کے ذریعہ دونوں ایک دوسرے سے فائدہ اٹھائیں، ایک دوسرے سے سکون حاصل کریں، اور باہم محبت کی زندگی بسر کریں: ''وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ'' (روم: 21)۔ ترجمہ: اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت ورحمت پیدا کی۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔

باہمی الفت ومحبت کی مثال آپ ﷺ نے اپنے عمل سے بھی پیش کی ہے؛ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: میں حالت حیض میں ہڈی منہ میں لیتی (تاکہ اس پر لگا ہوا گوشت کھاؤں) تو آپ ﷺ ہڈی پہ اسی جگہ اپنا دہن مبارک رکھتے جہاں سے میں نے کھایا تھا میں حیض کی حالت میں کسی برتن میں پانی پیتی تو آپ ﷺ اپنا دہن اسی جگہ رکھ کر پانی پیتے جہاں سے میں نے پیا تھا (ابن ماجہ: 635)۔

بیوی کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دیتے ہوئے قرآن اور حدیث میں کہا گیا: ''وَعَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ کَرِھْتُمُوْھُنَّ فَعَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّیَجْعَلَ اللّٰہُ فِیْہِ خَیْرًا کَثِیْرًا'' (نساء:19)۔ ترجمہ: اور تم لوگ اپنی بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کرو اور اگر تمہیں ان کی کوئی چیز ناپسند ہو تو ممکن ہے کہ تمہیں کوئی چیز ناگوار گزرے لیکن اللہ تعالی تمہارے لیے اس میں خیر رکھ دے۔

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: أكمل المؤمنين إيماناً أحسنهم خلقاً وخيركم خيركم لنسائهم (ترمذی: 1162)۔ ترجمہ: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: کامل ایمان والا وہ ہے جو اخلاق میں اچھا ہو اور تم میں بہترین لوگ وہ ہیں، جو اپنی عورتوں کے حق میں بہترین ہوں۔

عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله ﷺ: ''خيركم خيركم لأهله وأنا خيركم لأهلي (ترمذی: 3895)۔ ترجمہ: حضرت عائشہ سے روایت ہے: حضور ﷺ نے فرمایا: تم میں بہترین وہ ہیں جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہوں اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے اچھا سلوک کرنے والا ہوں۔

13.8.1 مرد کے قوام (نگراں) ہونے کا مطلب

شریعت محمدی نے عورتوں کے تعلق سے جو تصورات ہمیں دیے ہیں دنیا کی کسی تہذیب اور کسی مذہب نے نہیں دیے ہیں۔ اگر کوئی انصاف کی آنکھ سے مطالعہ کرے گا تو یقیناً اس کا اعتراف کرے گا۔ عورت کے تعلق سے اسلام نے اس کی حیثیت کا، اس کی ملکیت کا اس کے اختیار اور اس کی خوشی کا ہر جگہ لحاظ رکھا ہے، اور مرد جو اپنے صنف کے اعتبار سے طاقت ور ہے اس کو عورتوں کی حفاظت اور نگرانی کی ذمہ داری عطا کی، اس کے حقوق ادا کرنے کی تاکید کی، مرد عورت پر ''قوام'' ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مرد عورت کا حاکم ہے وہ عورت میں جس طرح کا تصرف کرنا چاہے کر سکتا ہے؛ بلکہ قوام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عورت کے ناتواں کندھے پر شریعت نے کسب معاش کی ذمہ داری

نہیں دی؛ بلکہ مردوں کے قوی و توانا کندھے پر یہ بوجھ ڈال کر مرد کو عورت کی کفالت کی ذمہ داری سونپی، عورت کی حیثیت وزیر داخلہ اور مرد کی حیثیت وزیر خارجہ کی بنائی۔ اسلام نے دونوں کے صنف کی رعایت کی ہے اور دونوں کو برابر درجہ قرار دیا ہے۔

13.8.2 شبہات کے اعتراضات

اسلام کی واضح تعلیمات کے باوجود مغربی تہذیب نے عورت کو جس مقام پر لا کھڑا کیا ہے بجائے اس کے کہ مغربی تہذیب پر اعتراض کیا جاتا کہ اس نے عورت کو بالکل بے حیثیت کر دیا؛ لیکن الٹا مغربی پروپیگنڈا اس پر ہونے لگا کہ اسلام نے عورتوں کے حقوق سلب کر لیے ہیں، اسلام نے عورت کی آزادی چھین لی ہے، عورت کو گھر میں قید کر دیا ہے، مردوں کو عورتوں پر فوقیت دی ہے، مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کو اختیارات کم دیے گئے ہیں اس طرح کے اعتراضات ہمارے معاشرے کا حصہ بن گئے ہیں اور عام انسان یہی سمجھتا ہے کہ اسلام نے عورت کو وہ مقام نہیں دیا ہے جس کی وہ حق دار ہے؛ اس لیے ہمیں علمی بنیاد پر جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ ان اعتراضات میں کس قدر سچائی ہے۔

13.8.2.1. مساوات مرد وزن

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اسلام نے مرد و عورت کے درمیان برابری نہیں کی ہے؛ بلکہ مردوں کو اس پر قوام بنایا ہے۔ اس اعتراض میں کس قدر صداقت ہے اس کا ہم پچھلے صفحات میں کئی جگہوں پر جائزہ لے چکے ہیں، رسالت محمدی وہ شریعت ہے جس نے برابری کا تصور پیش کیا اس سے پہلے برابری کا کوئی واضح تصور نہیں تھا، قرآن نے کہا: ''هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ'' کہ عورت تمہارے لباس ہے اور تم ان کے لیے لباس ہو، یعنی مرد عورت کے ذریعہ اپنے عیب کو چھپاتا ہے اور عورت مرد کے ذریعہ اپنے عیب کو چھپاتی ہے، اسلام نے کہا عورت اور مرد دونوں ایک ہی جنس سے ہیں، اسلام نے کہا نکاح کے ذریعہ مرد عورت کا مالک نہیں ہوتا ہے بلکہ دونوں ایک دوسرے کے شریک اور ساتھی ہوتے ہیں اور ایک معاہدہ کے تحت دونوں زندگی گزارتے ہیں اور جس طرح مرد ایک فریق ہے اسی طرح عورت بھی ایک فریق ہے، جہاں تک اس کا تصور ہے کہ مرد قوام ہے تو اس کو سمجھنے کے لیے قرآن کی اس آیت پر غور فرمائیں: ''اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ''(نساء: 32)۔ ترجمہ: مرد عورتوں پر قوام ہے اس وجہ سے کہ اللہ تعالی نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مرد اپنے مالوں میں سے خرچ کرتے ہیں۔

در حقیقت مرد و عورت نکاح کے بعد ایک خاندان کو جنم دیتے ہیں اور خاندان ایک انتظامی ادارہ ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کا کوئی ایک حاکم اور نگراں ہو اس لیے کہ کسی بھی ادارے کے لیے کسی سربراہ کا ہونا ضروری ہوتا ہے اور کسی بھی ادارے کا دو شخص مساوی درجے کا سربراہ نہیں ہو سکتا ہے یہ عقلا ناممکن ہے؛ اس لیے کسی ایک حاکم کی ضرورت ہے۔ اب غور فرمائیں جو قرآن مختلف مواقع پر عورت کے حقوق اور احترام کی تلقین اور برابری کا بار بار تصور پیش کر رہا ہے وہ یہاں پر مرد کو قوام اور نگراں قرار دے رہا ہے اور اس کی دو وجہ بھی بیان کر رہا ہے ایک تو یہ کہ مرد کو بعض وجوہ سے عورتوں پر تخلیقی فضیلت حاصل ہے اس لیے کہ اللہ تعالی نے مردوں میں جسمانی قوت زیادہ

رکھی ہے، ان میں بھاگ دوڑ کی صلاحیت زیادہ ہے، ان میں حکمرانی و جہاں بانی کا حوصلہ اور ولولہ زیادہ ہے، ان کی فطرت میں جنگ و جدال کا جذبہ اور داعیہ زیادہ ہے، معاشی جد جہد اور محنت و کوشش کا مادہ زیادہ ہے اس لیے اللہ تعالی نے تخلیقی اعتبار سے مردوں کو فضیلت دی ہے ۔دوسری وجہ یہ ہے کہ معاشی بوجھ مرد پر ڈالا گیا ہے، بیوی کے نفقہ کی ذمہ داری، شوہر پر ہے، بچے کے نفقہ کی ذمہ داری مرد پر ہے حتی کہ اگر طلاق ہو جائے تو بچہ ماں کی پرورش میں رہے گا؛ لیکن خرچ باپ کے ذمہ ہو گا، آپ غور فرمائیں تو کسی طرح کی مالی ذمہ داری عورت پر نہیں ڈالی گئی ہے، حتی کہ نکاح میں مہر شوہر کے ذمہ ہے، نکاح کی دعوت جسے ولیمہ کہتے ہیں وہ شوہر کے ذمہ ہے، گھریلو ساز سامان اور امور خانہ داری کی فراہمی کی ذمہ داری مرد پر ہے؛ اس لیے انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے کہ نگراں اور قوام کی حیثیت بھی مرد کو حاصل ہو اور مرد کے قوام ہونے سے عورت کی حیثیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا ہے اور نہ مساوات مرد وزن کا تعلق اس سے وابستہ ہے۔

13.8.2.2. طلاق کا نظام

اسلام پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اسلام نے طلاق کا قانون رکھ کر عورت کے ساتھ ظلم کیا ہے، پھر اگر طلاق کا نظام رکھنا ہی تھا کہ اس کا اختیار عورت کو ہونا چاہیے تھا کہ نہ کہ مرد کو جب کہ اسلام نے طلاق کا اختیار مرد کو دیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے عورت و مرد کے ساتھ برابری نہیں کی ہے۔

نظام طلاق کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اسلام سے قبل کے نظام طلاق کو دیکھا جائے، شریعت محمدی سے پہلے طلاق کی کوئی حد نہیں تھی ایک مرد جس قدر عورت کو چاہے طلاق دے پھر رجوع کر لے اس طرح ایک عورت کبھی بھی آزاد نہیں ہوتی تھی؛ بلکہ شوہر اس کو ہمیشہ کے لیے لٹکائے رکھتا تھا اسلام کے ابتدائی زمانہ میں ایک عورت کو اس کے شوہر نے کہا کہ تمہیں لٹکا کر رکھوں گا انہوں نے پوچھا کہ وہ کیسے تو انہوں نے کہا تمہیں طلاق دوں گا پھر جب عدت پوری ہونے لگے گی تو رجوع کر لوں گا اس طرح نہ تمہیں آزاد کروں گا اور نہ ہی تمہیں بیوی کی طرح رکھوں گا اس پر وہ عورت حضور ﷺ کی خدمت میں آئی تو آپ نے کوئی جواب نہیں دیا؛ بلکہ وحی کا انتظار کیا اس موقع پر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی: (ترمذی: 1192)۔

''اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاک بِمَعْرُوْفٍ اَوْتَسْرِیْح بِاِحْسَان'' (بقرہ: 229)۔ ترجمہ: طلاق صرف دو مرتبہ ہے چاہو تو بھلائی کے ساتھ روک کے رکھو یا بھلائی کے ساتھ رخصت کر دو۔

اس کے ذریعہ مقدار طلاق کی تحدید کر دی گئی کہ ایک شوہر لاتعداد طلاق کا مالک نہیں ہے جس طرح جاہلیت میں وہ مالک ہوا کرتا تھا؛ بلکہ اب صرف تین طلاق کا مالک ہے اور دو مرتبہ اس کو اختیار ہے کہ عدت میں رجوع کرے یا بعد عدت کے دوبارہ نکاح (جدید مہر اور دونوں فریقین کی رضامندی کے ساتھ) کر لے لیکن جب تیسری مرتبہ طلاق دے دے تو اب اس سے نکاح کی کوئی صورت نہیں ہے دونوں مرد اور عورت مکمل طور پر ایک دوسرے پر حرام ہو جائیں گے۔

جہاں تک یہ سوال ہے کہ طلاق کا نظام کیوں رکھا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح کے ذریعہ دو اجنبی مرد عورت ایک ساتھ

زندگی گزارنے کا عہد کرتے ہیں اور کبھی دونوں کے مزاج میں بہت زیادہ تفاوت ہوتا ہے اور ذہنی ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے دونوں کا ایک ساتھ زندگی گزارنا دشوار ہو جاتا ہے اب اگر اس نکاح کو ختم کرنے کا کوئی راستہ نہ رہے تو دونوں کی زندگی اجیرن بن جاتی ہے اس لیے جب نبھاؤ کی تمام تر صورتیں ختم ہو جائیں تو اسلام نے اس کی اجازت دی کہ مرد عورت کو طلاق دے کر آزاد کر دے۔ اگلی آیت پر غور کیجیے:

- ''اور اگر تمھیں میاں اور بیوی میں اختلاف اور نااتفاقی کا خوف ہو تو ایک حکم [مُنصِف] میاں کے خاندان سے اور ایک حکم [مُنصِف] بیوی کے خاندان سے مقرر کرو، اگر وہ دونوں [حکم] اصلاح [میل ملاپ] کرنا چاہیں تو اللہ ان میں موافقت اور اتفاق پید کر دے گا۔ بیشک اللہ علم رکھتا ہے، باخبر ہے [کہ شرارت کس کی طرف سے شروع ہوئی اور کون ظالم ہے...]''(ترجمہ، نساء: 35)۔

اور صرف ایک طلاق دے تاکہ اگر طلاق کے بعد دوبارہ ساتھ میں رہنا چاہیں تو رجعت کے ذریعہ ساتھ رہ سکتے ہیں۔ اگلی دو آیتوں پر غور کیجیے:

- ''اے پیغمبر! جب تم [یعنی مسلمان] طلاق دینا چاہو تو اُن کی عدّت کے زمانہ میں انہیں طلاق دو [ایک طلاق، طُہر کی حالت میں، جس میں ہم بستری/جماع نا ہوئی ہو، نہ کہ حیض کی حالت میں] اور عدّت کی مدت کو شمار کرتے رہو اور اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے ڈرتے رہو [اس کی ناراضگی سے بچو] پھر جب وہ اپنی مدت [عدّت] کو پہنچ جائیں [اور اُن سے جڑا رہنا ہو] تو اُن کو [دستور کے موافق] اچھی طرح سے رکھو یا [علیحدگی کرنا ہو تو] اچھی طرح [دستور کے موافق] چھوڑ دو، اور اپنے میں سے دو معتبر گواہ بھی کر لو...''(ترجمہ، طلاق: 2-1)۔

لیکن دو مرتبہ کے طلاق کے بعد اگر یہ یقین ہو جائے کہ ساتھ میں رہنے کی کوئی سبیل نہیں ہے تو پھر تیسری مرتبہ طلاق دے کر دونوں ہمیشہ کے لیے الگ ہو سکتے ہیں۔

اسلام کا یہ نظام حکمت پر مبنی ہونے کے ساتھ عورتوں کے حق میں انصاف اور احترام کے جذبہ پر مبنی ہے، آج کے کئی ممالک میں طلاق کا نظام رائج ہے، بعض جگہ طلاق کا اختیار صرف عدالت کو دیا گیا اس میں طلاق دینے کے لیے شوہر کو وجہ بتانی ہوتی ہے اور وجہ بتانے کے لیے شوہر بیوی کی کردار کشی کرتا ہے اور بیوی کو بدچلن آوارہ تک قرار دیتا ہے تاکہ عدالت طلاق کو منظور کر لے اس صورت میں غور فرمائیں طلاق تو ہوتی ہی ہے ساتھ میں عورت کی کردار کشی بھی ہوتی ہے جب کہ اسلام کے نظام طلاق میں شوہر بلا وجہ بتائے طلاق دے دیتا ہے اس طرح دنیا کی نگاہ میں شوہر ظالم قرار پاتا اور عورت مظلوم شمار ہوتی ہے اور اس کے لیے دوسری شادی کے راستے آسان ہو جاتے ہیں۔

ایک سوال یہ بھی ہوتا ہے کہ اسلام میں کیا طلاق کا اختیار صرف مرد کو ہی دیا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے، شریعت کے حکمت و مصلحت کے پیش نظر عورت کے لیے مکمل دروازہ بند نہیں کیا گیا؛ بلکہ عورت بھی شوہر سے علاحدگی حاصل کر سکتی ہے۔ درج ذیل حالتوں پر غور کیجیے:

- بیوی کو طلاق کا حق ''تفویض'' کے ذریعہ مل سکتا ہے، عقد نکاح کے وقت یا بعد میں بھی، دونوں فریقین کی رضامندی کے ساتھ، جس

میں بیوی کو طلاق بائن (غیر رجعی) دینے کا حق حاصل ہوتا ہے۔

- اگر شوہر عورت کو طلاق نہ دے رہا ہو تو عورت خلع کے ذریعہ بھی شوہر سے علاحدگی حاصل کر سکتی ہے۔ خلع ایک سنگل طلاق بائن کے حکم میں آتا ہے۔
- اور اگر خلع کے لیے بھی تیار نہ ہو تو اسلامی عدالت میں یا غیر مسلم ممالک کے دار القضا میں عورت اپنی مظلومیت کو ثابت کر کے فسخ نکاح کرا سکتی ہے۔

اس طرح کسی صورت میں عورت کے ساتھ ظلم نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی نظام طلاق کی بنا پر یہ اعتراض کرنا درست ہے کہ اسلام نے عورت کا خیال نہیں کیا ہے۔

13.8.2.3. تعلیم نسواں

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اسلام نے جس طرح مردوں کی تعلیم کی حوصلہ افزائی کی ہے اس طرح عورتوں کی تعلیم کی حوصلہ افزائی نہیں ہے گویا تعلیم کے باب میں مساوات نظر نہیں آتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام نے جس طرح مردوں کی تعلیم کی حوصلہ افزائی کی ہے؛ اسی طرح عورتوں کی تعلیم کی بھی حوصلہ افزائی کی ہے، اسلامی نظام سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے کہ اسلام عورتوں کی تعلیم کا مخالف ہے، ہاں اسلام کے ابتدائی زمانے میں اس طرح تعلیمی نظام رائج نہیں تھا جو آج ہے اس لیے ہم غلط فہمی کے شکار ہو جاتے ہیں۔ عہد نبوی میں مرد بھی مسجد میں آتے تھے اور عورتیں بھی مسجد میں آتی تھیں، عورتوں کے مسجد میں آنے کی ایک اہم وجہ تعلیم بھی تھی۔ آپ ﷺ عورتوں کے پاس علاحدہ خطبہ دیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے زمانے میں عورتوں کے لیے کھلی آزادی تھی کہ کوئی بھی مجمع میں سے سوال کر سکتی ہیں، عورتوں کے لیے سوال کرنے کی کوئی ممانعت نہیں تھی۔ حدیث میں ہے: ''طلب العلم فريضة على كل مسلم'' (سنن ابن ماجہ: 224)۔ ترجمہ: علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے

-

اس حدیث کی تشریح میں علماء نے لکھا ہے تعلیم کے حاصل کرنے کی فرضیت میں مرد و عورت دونوں برابر ہیں، اور مسلم کے لفظ میں مرد و عورت دونوں داخل ہیں، مالک بن حویرث کہتے ہیں کہ جب ہم لوگ حضور کے پاس تعلیم حاصل کر کے لوٹنے لگے تو آپ نے فرمایا:

''إرجعوا إلى أهليكم فأقيموا فيهم وعلّموهم ومرّوهم'' (بخاری: 631)۔ ترجمہ: اپنے گھر والوں میں لوٹ جاؤ اور ان کے درمیان رہو انہیں تعلیم دو اور ان کو عمل کی ترغیب دو۔

حضرت شفاء بنت عبد اللہ عدویہ کہتی ہیں: میں حضرت حفصہ کے پاس تھی آپ ﷺ تشریف لائے تو آپ نے فرمایا: ''ألا تعلّمين هذه رقية النّملة كما علّمتيها الكتابة'' (ابی ابوداؤد: 3887)۔ ترجمہ: تم ان کو نملۃ (ایک قسم کا مرض) کی رقیہ کیوں نہیں سکھا دیتی جس طرح تم نے انہیں لکھنا سکھایا ہے۔

ان روایتوں سے آسانی سے فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام نے عورتوں کو تعلیم سے منع نہیں کیا ہے؛ بلکہ حضرات فقہاء کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دارالاسلام میں عورتوں کے لیے تعلیم حاصل کرنا اس کا لازمی حق اور بنیادی ذمہ داری ہے یہی وجہ یہ کہ اگر آزاد عورت مسئلہ نہ جاننے کی وجہ سے کسی مسئلہ پر عمل نہیں کرتی ہے تو اس کی جہالت قابل عذر نہیں ہے۔ حضرات فقہاء نے لکھا کہ اگر لڑکی کا نکاح اس کے باپ دادا کے علاوہ رشتہ دار نے نابالغی کی حالت میں کر دیا تو بالغ ہوتے ہی لڑکی کو خیار بلوغ حاصل ہوتا ہے جس کے مطابق لڑکی بالغ ہوتے ہی اپنے نکاح کو ختم کرنے کا اختیار رکھتی ہے؛ لیکن اگر لڑکی کو مسئلہ معلوم نہ ہو اور وہ بالغ ہونے کے فوراً بعد نکاح کو ختم نہ کرے اور چند دنوں کے بعد اسے مسئلہ معلوم ہوا اور وہ نکاح کو ختم کرنا چاہے تو اب ختم نہیں کر سکتی ہے؛ اس لیے کہ مسئلہ سے جہالت اس کے لیے عذر نہیں ہے؛ کیوں کہ آزاد عورت علم کے حاصل کرنے کے لیے آزاد تھی اس کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ اسی طرح آٹھویں صدی کے مشہور مالکی عالم علامہ ابن الحاج ''المدخل'' میں لکھتے ہیں: فلو طلبت المرأة حقها في أمردينها من زوجها رفعته إلى الحاكم و طالبته بالتعليم لأمر دينها لأن ذلك لها إمّا بنفسه أو بواسطة إذنه لها في الخروج إلى ذلك لوجب على الحاكم جبره على ذلك كما يجبره على حقوقها الدنيوية إذْ أنّ حقوق الدين آكد و أولى۔ ترجمہ: اگر عورت دین کے معاملہ میں اپنا حق شوہر سے طلب کرے اور حاکم کے پاس اپنی بات لے جائے، اور اپنی دینی تعلیم کا اس سے تقاضا کرے، کیوں کہ اس کا یہ حق ہے کہ یا تو شوہر خود ہی اسے تعلیم دے یا اس کو گھر سے باہر جا کر تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دے تو حاکم کے لیے ضروری ہے کہ وہ شوہر کو اس مطالبہ کی تکمیل پر مجبور کرے جس طرح وہ دنیوی حقوق کے سلسلے میں کرتا ہے؛ کیوں کہ دینی حقوق زیادہ موکد اور زیادہ اہم ہیں۔

معلوم ہوا کہ اسلام عورتوں کو تعلیم سے منع نہیں کرتا ہے؛ بلکہ جس طرح مردوں کے لیے تعلیم کو ضروری قرار دیتا ہے اسی طرح عورتوں کے لیے بھی تعلیم کو ضروری قرار دیتا ہے۔

13.8.2.4. وراثت میں کمی بیشی

اسلام پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اسلام وراثت کے امور میں عورت و مرد کے درمیان فرق کرتا ہے بیٹے کو جتنا میراث میں حصہ ملتا ہے بیٹی کو اس کا آدھا ملتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے اس کو بیان کیا ہے: ''لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ'' (نساء: 11)

- **مذکر کے لیے مونث کا دوگنا حصہ ہے**

اس سلسلے میں اعتراض سے پہلے ضروری ہے کہ جس ماحول میں اسلام نے بیٹی کو وارث بنایا ہے اس کا جائزہ لیا جائے، شریعت محمدی سے پہلے کسی بھی قوانین میں عورت کو وراثت میں حصہ نہیں دیا جاتا تھا، شریعت محمدی سب سے پہلی شریعت ہے جس نے عورت کو وراثت میں ایک معلوم اور مقدر حصہ دیا ہے۔ پھر بیٹی کو نصف دینے میں عورت کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں ہے؛ اس لیے کہ اسلام نے کفالت کا ذمہ مردوں پر عائد کیا ہے عورتوں پر نہیں، اس طرح مال خرچ کرنا صرف مردوں پر لازم ہے، لڑکی شادی سے پہلے باپ کی کفالت میں رہتی ہے اگر باپ نہیں ہے تو بڑا بھائی ذمہ دار ہوتا ہے وہ بھی نہیں تو دوسرے رشتہ دار پر کفالت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور شادی کے بعد شوہر کی کفالت میں ہوتی ہے۔ اب ذرا غور فرمائیں ایک شخص تین لاکھ روپیے چھوڑ کر مرا اس کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے، اسلام کے اصول میراث کی

روشنی میں دولاکھ بیٹے کوایک لاکھ بیٹی کوملے گااس طرح عورت ایک لاکھ کی مالک توہوگئی لیکن اس میں سے خرچ کچھ بھی نہیں کرناہےاور بیٹاپر اپنی غیر شادی شدہ بہن کا خرچ ہے اب یاتوکماکراپنااور اپنی بہن کی ضروریات پوری کرے یاپھراسی میں سے خرچ کرے، پھرجب وہ شادی کرے گاتوپچاس ہزارروپیہ اس نے مہر کے نام پراپنی بیوی کودے دیااس طرح اس کے پاس اب دیڑھ لاکھ بچے اور بہن کی شادی ہوئی تواسے بھی مہر کے نام پر پچاس ہزار ملے اس طرح دونوں بھائی بہن کی مالیت برابر ہوگئی جب کہ بہن کواس میں کچھ خرچ کرنانہیں ہے اور بھائی کواپنے اوراپنی بیوی پر خرچ کرناہے اس طرح غور فرمائیں توبھائی کودوحصہ اور بہن کوایک حصہ دے کراسلام نے کوئی ناانصافی نہیں کی ہے۔

اسلام میں وراثت کے معاملات پر نظرڈالیں توہمیں یہ پتہ چلتاہے کہ تیس(30) سے زائد صورتوں میں عورت کومرد سے زیادہ یا برابر وراثت ملتی ہے۔جب کہ مرد کوصرف چار(4)صورتوں میں عورت سے زیادہ وراثت ملتی ہے۔عورت کووراثت کانصف حصہ چار(4) صورتوں میں ملتاہے جب کہ مرد کو یہ رقم صرف ایک (1) صورت میں ملتی ہے یہ بھی معلوم ہوناچاہیے کہ ترکہ کی تقسیم اصحاب فرائض (اصحاب الفروض) سے شروع ہوتی ہے؛اصحاب فرائض کل بارہ افراد ہیں جن میں چار مرداور آٹھ عورتیں ہیں، یعنی کہ اکثریت عورتوں کی ہے۔پھرایسے بھی کئی صورتیں ہیں جس میں مرد کووراثت ہی نہیں ملتی۔ایک اور حقیقت یہ ہے کہ وراثت کاسب سے بڑاحصہ جوکہ وراثت کا دوتہائی ہے، صرف عورت کاہے۔

قرآن کے نظام وراثت کوپیش نظر رکھتے ہوئے مشہور مورخ غوستاف لوبون(Gustave Le Bon) کہتاہے کہ اسلامی قانون نے بیویوں کووراثت میں حقوق عطاکیے ہیں جوہمارے(مغربی) قوانین میں نہیں مل سکتے۔

13.8.2.5. دوعورت کی گواہی ایک مرد کے برابر

فقہاء کااتفاق ہے کہ عورتوں کی شہادت مردوں کے ساتھ دیون اور اموال سے متعلق مقدمات میں قبول کی جاتی ہے۔البتہ حدود وقصاص میں عورتوں کی شہادت سے متعلق فقہاء میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک جائزہے اور بعض نے جائزقرار نہیں دیا۔اس کے علاوہ عورتوں کے مخصوص معاملات سے متعلق مختلف مقدمات میں تنہاعورت کی شہادت جائزہے باتفاق جمہور علماء۔اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔

دیون اور اموال سے متعلق قرآن کریم میں اللہ تعالی نے دوعورتوں کی گواہی کوایک مرد کے قائم مقام قرار دیاہے جیساکہ سورہ بقرہ کی اس آیت میں اس کی صراحت ہے:''وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَإِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدٰهُمَا الْأُخْرٰى''(بقرہ:282)۔ترجمہ:اور گواہ بناؤاپنے مردوں میں سے دوکواگردومرد موجود نہ ہوں توپھرایک مرداور دوعورتیں جن کوتم گواہوں میں سے پسند کروتاکہ اگرایک بھول جائے تودوسری یاد لاسکے۔

قرآن کی اس آیت کی بنیادپر اسلام پرایک اعتراض یہ کیاجاتاہے کہ اسلام شہادت کے باب میں مردوعورت میں برابری کاقائل نہیں

ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ خود قرآن کریم نے اس کی وضاحت کردی ہے کہ دو عورتوں کو اس لیے رکھو کہ ایک بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا سکے، نسیان تو مردوں کو بھی لاحق ہو سکتا ہے لیکن مرد کے مقابلہ میں اس طرح کے معاملہ میں عورت میں نسیان زیادہ ہوتا ہے؛اس لیے کہ عموماً عورت امور خانہ داری سے دلچسپی لیتی ہے، اگر ماں ہے تو اس کی توجہ کا مرکز اولاد ہوتی ہے، اگر کنواری ہے تو اسے شادی کی فکر دامن گیر ہوتی ہے، یہی وجہ سے معاملات میں اس کییادداشت کمزور ہوتی ہے اور اس کا علم اللہ تعالی کی ذات سے زیادہ کسی کو نہیں ہو سکتا ہے؛اس لیے کہ مرد و عورت کی تخلیق اللہ تعالی نے کی ہے تو دونوں کی فطری ساخت کا علم اللہ سے بہتر کسی کو نہیں ہو سکتا ہے: اللہ تعالی خود فرماتا ہے: ''أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَاللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ''(ملک: 14)۔ ترجمہ: کیا وہی نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا ہے حالاں کہ وہ باریک بین اور باخبر ہے۔اس لیے بقرہ کی آیت 282 کو لے کر عورت کی گواہی کو بنیاد بنا کر اسلام کے نظریہ مساوات پر اعتراض کرنا درست نہیں ہے۔

13.8.2.6. گھر سے باہر نکلنے کا حکم

جہاں تک یہ سوال ہے کہ اسلام میں عورتوں کو گھر سے نکلنے سے روک دیا ہے، یہ اعتراض غلط ہے۔ جہاں تک گھر سے باہر نکلنے کا تعلق ہے کہیں اس کی صراحت نہیں ہے کہ عورتوں کے لیے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے؛بلکہ ہمیں اس طرح کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ عہد نبوی اور عہد خلافت راشدہ میں عورتیں اپنی ضروریات کے لیے گھر سے باہر نکلا کرتی تھیں، خواہ وہ اپنی ذاتی کاروبار کے لیے ہو یا کوئی خاص سرکاری نوکری یا پھر شہر کے دفاع کے لیے۔ مروی ہے کہ اسماءبنت ابو بکر اپنے شوہر حضرت زبیر ابن عوام کی زمین تک اپنے سر پر بیج لے کر جاتی تھی، وہ زمین مدینہ سے ایک میل کے فاصلے پر تھی۔ ابن عبدالبر کی ''الاستیعاب'' میں مروی ہے کہ خلافت عمر بن خطابؓ میں شفاء بنت عبداللہ عدویہ کو الحسبۃ(بازار میں اخلاق کو برقرار رکھنا) سونپا گیا تھا۔ ایک اور صحابیہ سمراءبنت نہیک الاسدیہ کا کام کچھ ایسا ہی تھا۔ دفاعی اور جنگی میدان میں نمایاں مقام کی حامل خواتین میں سے بعض کے نام یہ ہیں: صفیہ بنت عبد المطلب، ام عطیہ انصاریہ، ام الخیر بنت حریش، زرقاء بنت عدی بن قیس، ام سنان بنت خیثمہ، ازرہ بنت حارث بن کلدہ، ام حِرام بنت مِلحان (سمندر کی شہیدہ)۔ اسی طرح قرآن کریم میں حضرت شعیب کی دو بیٹیوں کا تذکرہ موجود ہے جو اپنے جانوروں کو پانی پلانے کے لیے خود نکلتی تھیں اس لیے کہ ان کے گھر میں کوئی مرد اس کام کو انجام دینے والا نہیں تھا۔ روایت میں صراحت ہے کہ عورت اپنی ضرورت پر گھر سے باہر نکل سکتی ہے: ''قَدْ أذن الله لَكُنّ أَنْ تخرجْن لِحَوائجكنّ''(بخاری: 5237)۔ ترجمہ: اللہ تعالی نے تم کو اجازت دی ہے کہ تم اپنی ضروریات کے لیے گھر سے نکل سکتی ہو۔

13.9 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں درج ذیل نکات سیکھے:

- رسالت محمدی سے پہلے کسی بھی تہذیب و قوم میں عورت کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔
- شریعت محمدی نے عورت کو عزت دی، مردوں کے برابر درجہ اور حقوق دیے۔
- عورت کی مختلف حیثیتوں کی رعایت کرتے ہوئے عورت کے تعلق سے شفقت و محبت اور احترام کا نظریہ پیش کیا۔

- قرآن نے عورت و مرد کے درمیان مساوات کا نظریہ پیش کیا ہے، ہاں بعض جگہوں پر تخلیق کی رعایت کرتے ہوئے ذمہ داریاں تقسیم کی گئیں ہیں جو مساوات کے منافی نہیں ہے۔
- اسلام نے عورت کی تعلیم پر اس قدر توجہ دی ہے جس قدر مرد کی تعلیم پر توجہ دی ہے۔
- اسلام میں وراثت کے معاملات پر نظر ڈالیں تو ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ تیس(30) سے زائد صورتوں میں عورت کو مرد سے زیادہ یا برابر وراثت ملتی ہے۔ جب کہ مرد کو صرف چار(4) صورتوں میں عورت سے زیادہ وراثت ملتی ہے۔
- اسلام پر عورتوں کے حوالے سے جو اعتراضات کیے گئے ہیں وہ انصاف پر مبنی نہیں ہیں اس کا حقیقت پسندانہ جائز لینے کی ضرورت ہے۔
- طلاق کا نظام عورت کے لیے رحمت ہے اگر طلاق کا نظام نہ ہو تو عورت کے لیے زندگی اجیرن بن جائے گی۔

13.10 نمونہ امتحانی سوالات

13.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. حضرت خنسا بن خزام کا نکاح ان کے والد نے ان سے مشورہ کیے بغیر کردیا تو آپ ﷺ نے .... کا حکم دیا۔

(a). طلاق رجعی (b). خلع (c). فسخ نکاح (d). تمام غلط

2. مشرکہ ماں کی خدمت کی اجازت کا سوال آپ ﷺ سے کس نے کیا تھا؟

(a). حضرت اسماء (b). حضرت شفا (c). حضرت عائشہ (d). حضرت حفصہ

3. اس صورت میں میاں کی رضامندی ضروری نہی ہے:

(a). خلع (b). فسخ (c). تفویض (d). طلاق رجعی

4. حضرت حفصہ کو لکھنا کس نے سکھایا تھا؟

(a). حضرت عائشہ (b). حضرت اسماء (c). حضرت شفاء (d). حضرت زینب

5. اصحاب فرائض کل بارہ افراد ہیں جن میں .... عورتیں ہیں۔

(a). دو (b). چار (c). چھ (d). آٹھ

13.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. عورت بحیثیت بیٹی کے عنوان پر مختصر نوٹ لکھیے۔
2. اسلام میں عورت اور نظام وراثت پر گفتگو کیجیے۔
3. اسلام کے مساوات مرد و زن پر روشنی ڈالیے۔

4. اسلام کے نظام طلاق پر گفتگو کیجیے۔

5. عورت عہد جاہلیت میں کے عنوان پر مختصر نوٹ لکھیے۔

13.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. بعثت محمدی سے پہلے عورت کے مقام و مرتبہ پر تفصیلی روشنی ڈالیے۔

2. اسلام میں عورت کا مقام کے عنوان پر تفصیلی مضمون قلم بند کیجیے۔

3. مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ کے موضوع پر تفصیلی گفتگو کیجیے۔

13.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. عورت اسلامی معاشرے میں	:	مولانا سید جلال الدین عمری
2. عورت کا مقام اسلام کی نظر میں	:	ڈاکٹر یوسف القرضاوی
3. اسلام میں عورت کا مقام	:	ڈاکٹر اسرار احمد
4. مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ	:	مولانا سید جلال الدین عمری
5. عورت عہد رسالت میں	:	عبد الحلیم ابو شقہ
6. اسلام اور عورت	:	مولانا مظہر الدین صدیقی
7. مسلمان عورت	:	مولانا ابو الکلام آزاد

اکائی 14:   اسلام میں خواتین کے بنیادی حقوق (حصہ اول)

اکائی کے اجزا

14.0 تمہید

14.1 مقاصد

14.2 اسلام میں خواتین کے بنیادی حقوق

14.3 عورت کے انسانی حقوق

14.3.1 زندگی کا حق

14.3.2 پرورش وپرداخت کا حق

14.3.3 مساوات کا حق

14.3.4 عزت وآبرو کی حفاظت کا حق

14.3.5 علم حاصل کرنے کا حق

14.4 عورت کے معاشی حقوق

14.4.1 میراث کا حق

14.4.2 مہر کا حق

14.4.3 نان ونفقہ کا حق

14.4.4 حصول آمدنی کے لئے کام کرنے کا حق

14.5 اکتسابی نتائج

14.6 نمونہ امتحانی سوالات

14.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

14.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

14.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

14.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

14.0 تمہید

عورت خود اپنے حقوق کے حصول کے لئے ہمیشہ سے کشمکش میں رہی ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب میں اگر عورت کے حقوق کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بہ خوبی عیاں ہو جائے گی کہ اسلام نے جس قدر اس کے مقام و مرتبہ میں اضافہ کیا ہے اور اسے اس کے بنیادی حقوق سے نوازا ہے، کسی دوسرے مذہب میں اس کی مثال نہیں ملے گی۔ اس اکائی میں اسلام میں عورتوں کے بنیادی حقوق اور اس کی اہمیت وافادیت پر بات کی گئی ہے، نیز اس کے انسانی و معاشی حقوق کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

14.1 مقاصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ اسلام میں عورت کے بنیادی حقوق کے بارے میں قرآن و حدیث کی روشنی میں جان لیں گے اور آپ کو اس کے انسانی و معاشی حقوق کی تفصیل بھی معلوم ہو جائے گی۔

14.2 اسلام میں خواتین کے بنیادی حقوق

اسلام نے عورت کے حقوق کو انتہائی مضبوط اور مستحکم انداز میں اس طرح بیان کر دیا ہے کہ اس کے اوپر ظلم کے تمام راستے بند ہو گئے ہیں۔ جس قدر اسلام نے عورت کو حقوق دے کر مضبوط بنایا اس کا تصور دنیا کے کسی اور مذہب میں نہیں ہے۔ عورت کے حقوق کے بارے میں قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ" (بقرہ:228)۔ یعنی: جیسے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں ویسے ہی عورتوں کے حقوق مردوں پر ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا گیا: "هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ" (بقرہ: 187)۔ ترجمہ: عورتیں مردوں کا اور مرد عورتوں کا لباس ہیں۔

درج بالا آیات سے معلوم ہوا کہ جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں ویسے ہی عورتوں کے حقوق بھی مردوں پر ہیں، نیز باہم جو حقوق ہیں، ان کی ادائیگی کے بارے میں خدا کے حضور میں دونوں مسئول ہوں گے اور اس کے متعلق دونوں سے مواخذہ کیا جائے گا۔ رسول ﷺ کو عورتوں کے حقوق کا اس درجہ خیال تھا کہ آپ ﷺ نے اپنے آخری خطبے میں بھی اس پر زور دیا اور مردوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! اپنی بیویوں کے متعلق اللہ سے ڈرتے رہو۔ خدا کے نام کی ذمہ داری سے تم نے ان کو بیوی بنایا..."۔

عرب سماج میں عورتوں کے تعلق سے جو پراگندہ خیالات پائے جاتے تھے، قرآن کریم کی ان تعلیمات نے انہیں رد کر دیا، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: "كنّا في الجاهلية لا نعد النساء شيئا فلمّا جاء الإسلام وذكر هنّ الله رأينا لهنّ بذلك علينا حقا" (مسلم)۔ ترجمہ: ہم لوگ اسلام سے پہلے عورتوں کو کسی شمار و قطار میں نہیں رکھتے تھے، اسلام آیا تو اس نے عورتوں کے بارے میں مختلف احکام نازل

کیے اور ان کے حقوق بھی مقرر کیے۔

ذیل میں ان حقوق کا جائزہ لیا جارہا ہے جو اسلام نے عورتوں کو عطا کیے ہیں:

14.3 عورت کے انسانی حقوق

اسلام نے عورت کو اس کی انسانیت کے مد نظر درج ذیل انسانی حقوق دیے ہیں:

14.3.1 زندگی کا حق

اسلام نے عورت کو زندہ رہنے کا حق دیا ہے، وہ اسے مکمل تحفظ فراہم کرتا ہے اور لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے یا عورت کو قتل کرنے کی سختی سے ممانعت کرتا ہے، جو بھی شخص کسی لڑکی کو قتل کرے گا تو اسے قیامت کے دن جواب دینا ہو گا جیسا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ○ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ" (تکویر: 9-8)۔ ترجمہ: اس وقت کو یاد کرو جب اس لڑکی سے پوچھا جائے گا جسے زندہ دفن کر دیا گیا تھا کہ تجھے کس جرم میں مارا گیا؟۔

اسلام کی نظر میں عورت کی جان بھی اتنی ہی قیمتی ہے جتنی مرد کی، عورت پر ظلم کے لئے اسلام کا نظامِ قصاص انصاف دیتا ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ..." (مائدۃ: 45)۔ ترجمہ: تورات میں ہم نے یہودیوں پر یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان۔

ایک اور آیت میں ارشاد باری ہے: "مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ..." (مائدہ: 32)۔ ترجمہ: اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر [تورات میں] لکھ دیا تھا کہ جس نے کسی شخص کو [ناحق] بغیر قصاص کے یا زمین میں فساد انگیزی (کی سزا) کے بغیر قتل کر دیا تو گویا اس نے [معاشرے کے] تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا اور جس نے اسے زندہ رکھا تو گویا اس نے [معاشرے کے] تمام لوگوں کو زندہ رکھا۔

عورت اور مرد دونوں حیاتِ انسانی کا اجتماعی نظام کا برابر حصہ ہیں۔ قرآن کریم کا بیان کردہ یہ قانون صرف مرد کے لئے نہیں ہے، بلکہ اس قانون میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔

14.3.2 پرورش و پرداخت کا حق

اسلام نے والدین پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ وہ اپنے بچوں کی پروش اچھی طرح سے کریں اور بہتر زندگی فراہم کرنے میں ان کی مدد کریں، یعنی ان کو زندہ رکھا جائے اور بہت ہی پیار و شفقت کے ساتھ ان کی پرورش کی جائے، لڑکوں کی پرورش تو سبھی لوگ اچھی طرح کرتے ہیں، لیکن عام طور پر لڑکیوں کی پرورش میں لوگ جان بوجھ کر بے توجہی کا شکار ہو جاتے ہیں، جب کہ اسلام نے لڑکیوں کی پرورش پر

خاص ترغیب دی ہے، نیز ان کی بہترین پرورش کرنے پر اجر وثواب کا وعدہ بھی فرمایا ہے، جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے: "مَن بلي مِن هذه البنات شيئاً فأحسن إليهنّ كنّ له ستراً مِن النّار"۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس شخص کو اس کی لڑکیوں کے ذریعہ کچھ بھی آزمائش میں ڈالے اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے، تو وہ اس کے لئے جہنم سے بچاؤ کا ذریعہ ہوں گی۔

اس حدیث میں لڑکیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے لئے کہا گیا ہے اور اس میں کوئی تخصیص نہیں کی گئی ہے کہ کس معاملہ میں حسن سلوک کیا جائے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کے ہر معاملے میں لڑکیوں کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، جس میں ان کی پرورش وپرداخت اور تعلیم وتربیت سب شامل ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: "مَن عال جاريتين حتّى تبلغا جاءَ يوم القيامة أنا وهو وضمّ أصابعه" (مسلم)۔ ترجمہ: جو شخص دو بچیوں کی جوانی کو پہنچنے تک پرورش کرے گا، قیامت کے دن میں اور وہ اس طرح ہوں گے، یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگشت ہائے مبارک کو ملادیا۔

اسلام بچے یا بچی کے والد پر یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ وہ ان کی پرورش کرے، اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس طرح بیان کیا ہے: "وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ" (بقرہ: 233)۔ ترجمہ: بچہ جس کا ہے [یعنی والد] اس پر دودھ پلانے والیوں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق واجب ہے۔ اسی طرح جب تک لڑکی کی شادی نہ ہو جائے تب تک اس کے نان ونفقہ کی ذمہ داری والد کی ہے اور جب شادی ہو جائے تب یہ ذمہ داری اس کے شوہر پر عائد ہوتی ہے۔

14.3.3 مساوات کا حق

14.3.3.1. تخلیق میں مساوات

مرد اور عورت دونوں کی تخلیق قانون فطرت کے مطابق ہوئی ہے، انسان میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں، باعتبار خلقت ان دونوں میں انسانیت کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں رکھا گیا ہے، قرآن کریم نے صاف لفظوں میں عام انسانوں کے لئے چاہے وہ مرد ہو یا عورت، اعلان کیا ہے: "لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ" (تین: 4)۔ ترجمہ: ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے۔

ایک جگہ اللہ تعالیٰ اس طرح بھی فرماتا ہے: "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلاً" (بنی اسرائیل: 70)۔ ترجمہ: ہم نے بنی آدم کو مکرم بنایا اور خشکی اور تری میں ہم نے اس کو سوار کیا اور پاکیزہ چیزیں انہیں کھانے کو دیں اور بیشتر مخلوق پر ہم نے اس کو فضیلت دی۔

قرآن کا یہ بیان کردہ حکم تمام بنی آدم کے لئے ہے، چاہے وہ مرد ہوں یا عورت۔

اسلام مرد اور عورت میں کوئی تفریق نہیں کرتا، تخلیق کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں، اس بات کی وضاحت قرآن اس طرح کرتا ہے: "يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيراً وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيباً" (نساء: 1)۔ ترجمہ: لوگو! اپنے رب سے

ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورت دنیا میں پھیلا دئے، اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو، اور رشتہ اور قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو، یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔

درج بالا آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک نفس سے پیدا کیا، پھر اسی نفس واحد سے انسان کا جوڑا پیدا کیا یعنی صنف نازک کی تخلیق بھی اسی نفس واحد سے عمل میں آئی، جس سے مرد کو پیدا کیا گیا ہے، یہاں نہ صرف عورتوں اور مردوں کی اصولی مساوات کا اعلان کیا گیا ہے بلکہ سارے انسانوں کو بلا امتیاز نسل و خون اور قومیت مساوی قرار دیا گیا ہے، کیوں کہ سب کے سب بالآخر اسی نفس واحد کی پیداوار ہیں، اس آیت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ عورت اور مرد دونوں کا خمیر ایک ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ فرمایا ہے: "وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجاً وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَنِينَ وَحَفَدَةً وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ" (نحل:72)۔ ترجمہ: اور وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے تمہاری ہم جنس سے بیویاں بنائیں اور اسی نے ان بیویوں سے تمہیں بیٹے اور پوتے عطا کئے اور اچھی اچھی چیزیں تمہیں کھانے کو دیں۔

دوسری جگہ اس طرح فرمایا گیا ہے: "فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجاً وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجاً يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ" (شوریٰ:11)۔ ترجمہ: آسمانوں اور زمین کا بنانے والا جس نے تمہاری اپنی جنس سے تمہارے لئے جوڑے پیدا کئے اور اسی طرح جانوروں میں بھی جوڑے بنائے اور اسی طریقہ سے وہ تمہاری نسلیں پھیلاتا ہے۔۔۔ ایک دوسری جگہ فرمایا: "وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجاً لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً" (روم:21)۔ ترجمہ: اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے تاکہ تم ان کی طرف سکون پاؤ اور اس نے تم دونوں کے درمیان محبت اور ہمدردی پیدا کی۔

درج بالا آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی تصور حیات کی رو سے دونوں صنفیں اپنی خلقت کے اعتبار سے ایک نفس سے متعلق ہیں اور ایک ہی خالق کی حکمت کا اظہار ہیں، اس لئے اس میں کسی قسم کی عدم مساوات غلط ہے، اور حکمت خداوندی کے منافی ہے۔ اپنی خلقت کے اعتبار سے مرد کو برتری کے مقام پر فائز کرنا اور عورت کو فروتر قرار دینا، دنیا کی تخلیق کے عمل کو ناقص قرار دینا ہے۔

14.3.3.2. دین میں مساوات

اسلام میں عورت دین کے اعتبار سے بھی برابر ہے، اگر عورت نیک عمل کرے گی تو وہ بھی جنت کی اتنی ہی حقدار ہو گی جتنا کہ مرد ہے، قرآن میں اس کا ذکر ان لفظوں میں ہے: "يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَى نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ بُشْرَاكُمُ الْيَوْمَ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا" (حدید:12)۔ ترجمہ: اس دن جب تم مومن مردوں اور عورتوں کو دیکھو گے کہ ان کے آگے اور ان کی دائیں جانب نور دوڑ رہا ہو گا [اور ان سے کہا جائے گا:] تمہیں بشارت ہو آج

[تمہارے لئے] ایسے جنتیں ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں جن میں [تم] ہمیشہ رہو گے۔

ایک جگہ اس طرح فرمایا: "وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا" (نساء:124)۔ ترجمہ: اور جو نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مومن تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرہ برابر حق تلفی نہ کی جائے گی۔

اسی طرح کی ایک اور آیت ہے: "مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ" (نحل:97)۔ ترجمہ: اور جو نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مومن ہو، اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور [آخرت میں] ایسے لوگوں کو ان کے اجر کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے۔

اوپر کی دونوں آیتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسلام میں ثواب کے حصول کے لئے جنس کی کوئی قید نہیں ہے۔ جنس، رنگ، نسل ذات برادری اور مال و دولت کی وجہ سے کسی کو جزا نہیں ملے گا، بلکہ ثواب ملنے کے لئے تقوی کی ضرورت ہے، جیسا کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ..." (آل عمران: 195)۔ ترجمہ: جواب میں ان کے رب نے فرمایا: "میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں، خواہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو..."۔

عورت اور مرد دونوں برابر ہیں، ازلی اور ابدی طور پر نہ تو کسی کی برتری لکھ دی گئی ہے اور نہ کسی کی کم تری۔ اس میں سے جو بھی ایمان اور حسن عمل سے آراستہ ہو گا وہی شخص دنیا اور آخرت میں کامیاب ہو گا۔ قرآن میں ہے: "إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَّدِّقَاتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضاً حَسَناً يُضَاعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ" (حدید: 18)۔ ترجمہ: بلاشبہ صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اللہ کو خلوص کے ساتھ قرض دے رہے ہیں وہ صدقہ [باعتبار ثواب کے] ان کے لئے بڑھادیا جائے گا اور ان کے لئے پسندیدہ اجر ہے۔

مسئولیت یا ذمہ داری سے متعلق فرمایا: "وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى" (بنی اسرائیل: 15)۔ ترجمہ: اور کوئی شخص کسی [کے گناہ] کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔

مذکورہ بالا آیتوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جس طرح مرد کو اس کے اچھے کام کا اچھا صلہ ملے گا اسی طرح عورت کو بھی اس کے نیک کام کا بہتر صلہ ملے گا، اگر مرد گناہ کرے گا تو اس کا گناہ عورت کو نہیں ملے گا بلکہ مرد کو ہی ملے گا۔

14.3.4 عزت و آبرو کی حفاظت کا حق

اسلام نے عورت کو عزت و آبرو کی حفاظت کا پورا حق دیا ہے اور وہ اس کی عزت کو دنیا کی سب سے قیمتی چیز مانتا ہے۔ اسلام میں

مردوں کے لئے عورت کی عزت وآبرو کی حفاظت کرنا لازمی ہے۔ باپ، بھائی، شوہر سب اس کی عزت کے رکھوالے ہیں اسی لئے مرد کو عورت کا قوّام بنایا گیا ہے۔ مردوں اور عورتوں دونوں کو غض بصر یعنی نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، قرآن میں غض بصر کے متعلق حکم ہے: "قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ ... وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ "(نور:30-31)۔ آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں...اور مومن عورتوں سے [بھی] کہہ دیجئے کہ وہ [بھی] اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔

ایک حدیث میں عورت کی عفت کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا تتبع النظرة النظرة فإن لك الأولى وليست لك الأخرى "(ترمذی)۔ یعنی کہ اگر کسی عورت پر اتفاقیہ نظر پڑ جائے تو پھر دوبارہ بالارادہ نظر مت کرو، پہلی نگاہ قابل عفو ہے لیکن دوسری نگاہ جو ارادتاً ہو قابل مواخذہ ہے۔

اسی طرح کسی عورت پر بدچلنی کی تہمت لگانے سے بھی اسلام نے نہ صرف روکا ہے، بلکہ اسے بہت سنگین جرم قرار دیا ہے اور ایسا کرنے والے کے لئے سزا بھی تجویز کی ہے۔ سورہ نور کی آیت نمبر 4 میں فرمایا: ترجمہ: جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں اور [ثبوت میں] چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسّی کوڑے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو وہ خود ہی فاسق ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے انسان کو ہلاک کرنے والے سات گناہوں میں سے ایک اس گناہ کو بھی شامل کیا ہے، یعنی کہ پاک دامن، ایمان والی، اور بھولی بھالی عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگانا۔

مزید برآں اسلام نے عورت کی عفت وعصمت کی حفاظت کے لئے ہر چھوٹی سے چھوٹی بات کا بھی خیال رکھا ہے، جیسے اس نے وہ شخص جو دوسرے کے گھر میں داخل ہونا چاہتا ہو تو اس کے لئے ضروری قرار دیا ہے کہ بغیر اجازت حاصل کئے اور سلام کئے بغیر داخل نہ ہو (سورہ نور:27)۔ اس کے علاوہ وہ لوگ جو گھر میں ہی رہتے ہیں جیسے گھر کے کام کرنے والے اور نابالغ بچے کے لئے یہ حکم دیا گیا ہے کہ نماز فجر سے پہلے اور دوپہر کے وقت اور عشاء کی نماز کے بعد اجازت لئے بغیر داخل نہ ہوں یہ تینوں اوقات پردے کے ہیں (سورہ نور:58)۔ اور جب گھر میں رہنے والے بچے بھی بلوغت کو پہنچ جائیں، اور صنفی احساس اور میلان سے ان کی طبیعت آشنا ہو جائے تو ان کو بھی استیذان کی صورت اختیار کرنی چاہیے (سورہ نور:59)۔

14.3.5 علم حاصل کرنے کا حق

تعلیم ہی ایمان کی اصل اور عقیدہ کی روح ہے، تعلیم ہی پر انسان کی ترقی کا دارومدار ہے۔ انسان کی ترقی علم سے وابستہ ہے، علم سے بے بہرہ انسان زندگی کے میدان میں فکری اور عملی ہر لحاظ سے پیچھے رہ جاتا ہے، اسی لئے اسلام کی پہلی وحی "اقرأ" نازل ہوئی، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "إِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ○ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ○ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ "(علق:1-4)۔ ترجمہ: [اے پیغمبر!] پڑھ اپنے رب کے نام سے، جس نے [ہر چیز کو] پیدا فرمایا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی، پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا، انسان کو وہ علم

دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔

حضور ﷺ نے علم کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے ارشاد فرمایا:

- "طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلم"۔ترجمہ:علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔
- "الْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا"۔ ترجمہ: علم و عقل کی بات مومن کا گمشدہ مال ہے، پس جہاں بھی اسے پائے حاصل کرنے کا وہ زیادہ حقدار ہے۔

واضح رہے کہ یہ بات آج سے چودہ سو برس پہلے کی ہو رہی ہے جب خواتین کو کسی بھی قسم کے حقوق حاصل نہیں تھے، ان کی حیثیت ذاتی املاک سے بڑھ کر نہ تھی، اس وقت اسلام نے خواتین کی تعلیم پر زور دیا اور عورتوں کو علوم سیکھنے کی نہ صرف اجازت دی گئی ہے بلکہ ان کی تربیت بھی مردوں کی طرح ضروری قرار دی گئی، چنانچہ نبی اکرم ﷺ سے دین و اخلاق کی تعلیم جس طرح مرد حاصل کرتے تھے اسی طرح عورتیں بھی حاصل کرتی تھیں۔

ایک مرتبہ عورتوں کا وفد بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ ایک مخصوص جلسہ وعظ ہمارے لئے ہو:" عورتوں نے رسول ﷺ کی خدمت میں عرض کیا مردوں نے حضور کو گھیر رکھا ہے، لہذا آپ ہمارے لئے ایک دن مقرر فرما دیجئے، تو آپ ﷺ نے وعدہ فرمالیا اور ان کی خصوصی مجلس میں تشریف لے گئے اور وعظ فرمایا اور ان کو احکام بتائے"۔

رسول ﷺ کے تعلیمی مشن میں ہفتہ میں ایک دن صرف خواتین کی تعلیم و تربیت کے لئے مخصوص ہوتا تھا، اس دن خواتین آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں اور آپ ﷺ سے مختلف قسم کے روز مرہ کے مسائل معلوم کرتی تھیں۔ نبی کریم ﷺ کو عورتوں کی تعلیم و تذکیر کا اس درجہ خیال تھا کہ اگر کسی وقت آپ محسوس فرماتے کہ آپ کی بات سن نہیں سکی ہیں تو دوبارہ ان کے قریب جا کر وعظ فرماتے۔ کبھی کبھی نبی کریم ﷺ اپنی جگہ کسی اور کو عورتوں کو تعلیم دینے کا حکم فرماتے تھے۔ نیز امہات المومنین کو بھی آپ ﷺ نے حکم دے رکھا تھا کہ وہ خواتین کو مخصوص مسائل سے آگاہ کیا کریں، نیز آپ ﷺ نے خواتین کے لئے کتابت یعنی لکھنے کی بھی تاکید فرمائی۔ حضرت شفاء بنت عبد اللہ لکھنا جانتی تھیں تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ تم حضرت حفصہؓ کو بھی لکھنا سکھادو۔ چنانچہ انہوں نے حفصہؓ کو لکھنا سکھایا۔ اس طرح خواتین میں بھی لکھنے کا ذوق عام ہو گیا تھا۔

حضور ﷺ نے مردوں کی طرح خواتین کی تعلیم و تربیت کو اہم اور ضروری قرار دیا۔ اسلامی معاشرہ میں یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ کوئی شخص لڑکی کو لڑکے سے کم درجہ دے کر اس کی تعلیم و تربیت نظر انداز کر دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:" اگر کسی شخص کے پاس ایک لونڈی ہو پھر وہ اسے تعلیم دے اور یہ اچھی تعلیم ہو اور اس کو آداب مجلس سکھائے اور یہ اچھے آداب ہوں پھر آزاد کر کے اس سے نکاح کرے تو اس شخص کے لئے دوہرا اجر ہے"۔ یعنی ایک اجر تو اس بات کا کہ اس نے اسے اچھی تعلیم دی اور اچھے آداب سکھائے اور دوسرا اجر اس لئے کہ اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا۔ اس طرح اس کا درجہ بلند کیا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اسلام اگر باندیوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کو کار ثواب قرار دیتا ہے تو وہ آزاد لڑکیوں کو تعلیم سے محروم رکھے جانے کو کیوں کر گوارا کر سکتا ہے۔

آپ ﷺ اس بات کی کوشش فرماتے تھے کہ آپ ﷺ کے آس پاس رہنے والی خواتین بنیادی احکام سے باخبر رہیں۔ آپ ﷺ نے صرف اتنی بات کافی نہیں سمجھی کہ عورت صرف دین سے ہی واقف ہو بلکہ آپ ﷺ نے عورت کے لئے کتابی تعلیم کو بھی ضروری قرار دیا۔ اس کے علاوہ فن تیر اندازی کو بھی آپ ﷺ نے ایک ضروری علم مانا مرد اور عورت دونوں کے لیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "مَنْ تَعلّم الرمي ثمّ تركه فليس مِنّا"۔ ترجمہ: جس نے تیر اندازی (کا فن) سیکھ لیا پھر اس سے غافل ہو گیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ کی طرف سے خواتین کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ عہد نبوی میں متعدد ایسی خواتین پیدا ہوئیں جنہوں نے اپنے علم و فن کی بنیاد پر بسا اوقات مردوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ جیسے حضرت عائشہؓ ایک عظیم عالمہ تھیں، موسیٰ بن طلحہ فرماتے ہیں: "میں نے حضرت عائشہ سے زیادہ کسی کو فصیح نہیں دیکھا" (ترمذی)۔ ابو موسیٰ اشعری جیسے فقیہ و عالم صحابی عائشہؓ سے علم حاصل کرنے سے متعلق اپنا اور اپنے ساتھیوں کا تجربہ بیان کرتے ہیں: "ہم، اصحاب رسول، کو جب کبھی کسی حدیث کے معاملہ میں کوئی مشکل پیش آئی اور ہم نے اس سلسلہ میں حضرت عائشہ سے دریافت کیا تو دیکھا کہ ان کو اس کے متعلق علم ضرور ہے" (ترمذی)۔

اسی طرح حضرت ام ورقہ بنت نوفل ایک صحابیہ گذری ہیں ان کے متعلق مروی ہے: "وہ قرآن پڑھی ہوئی تھیں، حضور ﷺ نے ان کو ان کے گھر والوں کی امامت کا حکم دیا تھا" (ابو داؤد)۔ صحابیہ ام درداء کے علم و فضل کے بارے میں بخاری میں ذکر ہے کہ وہ ایک فقیہ تھیں۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود نے ایک مرتبہ ایک مسئلہ بیان کیا تو بنو اسد کی ایک عورت ام یعقوب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: "مصحف کی دونوں دفتیوں کے درمیان جو کچھ ہے (یعنی پورا قرآن) میں پڑھ چکی ہوں (لیکن آپ کا بیان کردہ مسئلہ) کہیں نہیں دیکھا" (بخاری)۔

تربیت یافتہ اور مہارت شدہ خواتین کو معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے اپنا کردار ادا کرنے سے باز نہیں رکھا گیا۔ خلافت عمر بن خطابؓ میں ام سلیمان بنت عبد اللہ (الشفاء) کو کچھ حسبۃ (بازار میں اخلاق کو برقرار رکھنا) کی ذمہ داری دی گئی تھی۔ بعض خواتین کو طبی اور جنگی ذمہ داریاں بھی سونپی گئیں تھیں، اس میدان میں نمایاں مقام کی حامل خواتین میں سے بعض کے نام گزشتہ اکائی میں ذکر کیے گئے ہیں۔ مزید برآں متعدد صحابیات ایسی تھیں جو لوگوں کو مختلف مسئلے اور مسائل بتایا کرتی تھیں، ان میں، حضرت ام سلمہ، حضرت صفیہ، حضرت ام حبیبہ، اسماء بنت ابو بکر، ام شریک، فاطمہ بنت قیس بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

درج بالا آیات کریمہ، احادیث نبوی اور مختلف واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ تعلیم کے حوالے سے اسلام کا خطاب عورت اور مرد دونوں کے لیے ہے، اس نے دونوں کو عبادات، اخلاق اور احکام شریعت کا پابند بنایا ہے جو علم کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح ایک عورت (معاشرے کی ایک رکن کی حیثیت سے) اور جس معاشرے میں وہ رہتی ہے اس کے درمیان تعلقات بہت اہم، انتہائی پیچیدہ اور بڑی نزاکتوں کے حامل ہوتے ہیں، ان میں عورت کے حقوق بھی ہیں اور ذمہ داریاں بھی، جب تک اسے ان کا علم نہ ہو، وہ ٹھیک ٹھیک نہ تو اپنی ذمہ داریاں ادا کر سکتی ہے اور نہ ہی اپنے حقوق کی حفاظت کر سکتی ہے اور نہ ہی بوقت ضرورت پر کسب معاش کر سکتی ہے۔

14.4 عورت کے معاشی حقوق

معاشرے میں جو لوگ جاہ وثروت کے مالک ہوتے ہیں لوگ اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اسی کی بدولت وہ اپنی زندگی گزارتا ہے اور معاشرے میں اپنی قدرومنزلت کو برقرار رکھ سکتا ہے۔ اسلام کے علاوہ دنیا کے باقی تمام مذاہب اور نظاموں نے عورت کو معاشی حیثیت سے بہت کمزور رکھا، چنانچہ اس کی یہ معاشی کمزوری اس کی بے بسی اور بیچارگی کا سبب بن گئی۔ عورت کی اسی مظلومیت کا مغرب نے حل نکالنا چاہا تو عورت کو گھر سے باہر لا کر فیکٹریوں اور آفسوں میں کام پر لگا دیا، اس طرح عورت کا گھر سے باہر نکل کر کمانا دوسری بہت سی خرابیوں کا باعث بنا۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم نے عورتوں پر احسان کیا ہے کہ انہیں مردوں کے برابر قرار دیا ہے، اب وہ دوش بدوش مردوں کے ساتھ کام کرتی ہیں اور مردوں سے کسی بات میں پیچھے نہیں ہیں، مگر اس عمل سے ان کے گھر اور خاندان کا نظام تباہ وبرباد ہو گیا، اس کے برعکس اسلام نے عورت کو نہایت وسیع معاشی حقوق دے کر اسے مضبوط کیا ہے اور اسے یہ حقوق آج سے ڈیڑھ ہزار برس پہلے ملے ہیں، ان میں سے بعض اہم حقوق کا ذیل میں ذکر کیا جا رہا ہے۔

14.4.1 میراث کا حق

اسلام نے صدیوں پہلے ہی عورت کو وراثت کا حق دیا۔ اس حوالے سے اگر قرآن کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو گا کہ سورہ بقرہ، سورہ نساء اور سورہ مائدہ وغیرہ میں عورت کا بحیثیت بیوی، ماں، بہن اور بیٹی وراثت میں حصہ باقاعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین کردہ ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ غزوہ احد کے بعد حضرت سعد بن ربیع کی بیوی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا! اے اللہ کے رسول، سعد جنگ میں شہید ہو گئے اور اپنے پیچھے انہوں نے دو جوان لڑکیاں چھوڑی ہیں، ان کی شہادت کے بعد ان کے چچا نے ساری جائیداد لے لی ہے اور اب ان کی شادی کا مسئلہ ہے جو بغیر مال کے ممکن نہیں۔ آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ خدا کے فیصلہ کا انتظار کرو۔ اس کے بعد یہ آیت میراث نازل ہوئی:

"يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ..." (نساء: 11-12)۔ ترجمہ: تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے اگر [میت کے وارث] دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو انہیں ترکے کا دو تہائی دیا جائے اور ایک ہی لڑکی وارث ہو تو آدھا ترکہ اس کا ہے اگر میت صاحب اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکہ کا چھٹا حصہ ملنا چاہیے اور اگر وہ صاحب اولاد نہ ہو تو والدین ہی اس کے وارث ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ دیا جائے اور اگر میت کے بھائی بہن بھی ہوں تو چھٹے حصہ کی حقدار ہو گی [یہ سب حصے اس وقت نکالے جائیں گے] جب کہ وصیت جو میت نے کی ہو پوری کر دی جائے اور قرض جو اس پر ہو ادا کر دیا جائے، تم نہیں جانتے کہ تمہارے ماں باپ اور تمہاری اولاد میں سے کون بلحاظ نفع تم سے قریب تر ہے یہ حصے اللہ نے مقرر کر دیئے ہیں اور اللہ یقیناً سب حقیقتوں سے واقف اور ساری مصلحتوں کا جاننے والا ہے۔ اور تمہاری بیوی نے جو کچھ چھوڑا ہو اس کا آدھا حصہ تمہیں ملے گا اگر وہ بے اولاد ہوں ورنہ بے اولاد ہونے کی صورت میں ترکہ کا ایک چوتھائی حصہ تمہارا ہے جب کہ وصیت جو انھوں نے کی ہو پوری کر دی جائے اور قرض جو ان پر ہو ادا

کر دیا جائے اور وہ تمہارے ترکہ میں سے ایک چوتھائی کی حقدار ہوں گی اگر تم بے اولاد ہو، ورنہ صاحب اولاد ہونے کی صورت میں ان کا حصہ آٹھواں ہو گا بعد اس کے کہ جو وصیت تم نے کی ہو پوری کر دی جائے اور جو قرض تم نے چھوڑا ہو ادا کر دیا جائے، اور اگر مرد یا عورت [جس کی میراث تقسیم طلب ہے] بے اولاد ہو اس کے ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں، مگر اس کا ایک بھائی یا ایک بہن موجود ہو تو بھائی اور بہن ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو کل ترکہ کے ایک تہائی میں وہ سب شریک ہوں گے جب کہ وصیت جو کی گئی ہو پوری کر دی جائے اور قرض جو میت نے چھوڑا ہو ادا کر دیا جائے بشرطیہ کہ وہ ضرررساں نہ ہو یہ حکم ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ دانا، بینا اور نرم خو ہے۔

درج بالا آیت کریمہ کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے دونوں لڑکیوں کے چچا کو بلا کر ان سے کہا کہ سعد کی دونوں بیٹیوں کو دو تہائی اور ماں کو آٹھواں حصہ دے کر جو باقی بچے وہ تمہارا ہے۔ یہ بیٹیوں میں وراثت جاری کرنے کی پہلی مثال ہے جو اسلام نے قائم کی۔ ان آیتوں میں ترکہ کی تقسیم کی تفصیل پیش کی گئی ہے، نیز اس سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ عورت کا حصہ وراثتوں میں بدلتا رہتا ہے اور اس کا تعین میت سے اس کے قرب اور بعد کی بنیاد پر ہوتا ہے، اس طرح مختلف قرابت داروں کے ساتھ اس کی حیثیت مختلف ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ بیوی کے تعلق سے قرآن کا ارشاد ہے: (وہ تمہارے ترکہ میں سے ایک چوتھائی کی حقدار ہوں گی، اگر تم بے اولاد ہو، ورنہ صاحب اولاد ہونے کی صورت میں ان کا حصہ آٹھواں ہو گا)۔

"لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ" (نساء:11)۔ ترجمہ: ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے۔ اس آیت سے بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ اسلام نے لڑکی کو لڑکے کا نصف حصہ دے کر عورت ہونے کی بنیاد پر اس کے ساتھ امتیاز برتا ہے۔ مخالفین اسلام اس بات کو نشانہ بنا کر اکثر اسلام پر الزام لگاتے ہیں کہ اس نے عورت کو مرد کے برابر حصہ نہ دے کر اس پر ظلم کیا ہے اور اس کی مالی پوزیشن کمزور کر دی ہے، لیکن یہ الزام سراسر غلط ہے۔ سابقہ اکائی میں آپ نے پڑھا کہ:

> اسلام میں وراثت کے معاملات پر نظر ڈالیں تو ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ تیس (30) سے زائد صورتوں میں عورت کو مرد سے زیادہ یا برابر وراثت ملتی ہے۔ جب کہ مرد کو صرف چار (4) صورتوں میں عورت سے زیادہ وراثت ملتی ہے۔ عورت کو وراثت کا نصف حصہ چار (4) صورتوں میں ملتا ہے جب کہ مرد کو یہ رقم صرف ایک (1) صورت میں ملتی ہے یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ترکہ کی تقسیم اصحاب فرائض (اصحاب الفروض) سے شروع ہوتی ہے؛ اصحاب فرائض کل بارہ افراد ہیں جن میں چار مرد اور آٹھ عورتیں ہیں، یعنی کہ اکثریت عورتوں کی ہے۔ پھر ایسے بھی کئی صورتیں ہیں جس میں مرد کو وراثت ہی نہیں ملتی۔ ایک اور حقیقت یہ ہے کہ وراثت کا سب سے بڑا حصہ جو کہ وراثت کا دو تہائی ہے، صرف عورت کا ہے۔

اگر اسلام کے پورے خاندانی نظام پر غور کیا جائے تو حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ جن صورتوں میں وراثت میں مرد کو عورت کے

مقابلہ میں دوگنا حصہ دیا گیا ہے وہاں یہ بھی غور کرنا ضروری ہے کہ:

1. مرد کو خاندان کی مالی ذمہ داری سنبھالنے کا مکلف قرار دیا گیا ہے، گھر چلانے کا پورا بوجھ اس کے کندھوں پر ڈالا گیا ہے، چنانچہ وہ اپنی بیوی کو نفقہ دینے اور بچوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرنے کا پابند ہے۔ اس صورت حال میں اس کا مال جسے وہ کماتا ہے یا جو کچھ اسے ترکہ میں ملتا ہے، صرف اپنی ذات پر نہیں بلکہ بیوی اور بچوں پر بھی خرچ ہوتا ہے جب کہ عورت ان تمام ذمہ داریوں سے بری الذمہ ہے۔
2. بیوی کے مال، ترکہ، مہر یا شادی اور دیگر پروگرام میں ملنے والے تحفے تحائف وغیرہ پر شوہر یا کسی رشتے دار کو تصرف کا اختیار نہیں ہے، کیوں کہ فقہی طور پر وہ ان کی اکیلے کی حقدار ہوتی ہے۔ اس پہلو کو اگر سامنے رکھا جائے کہ شرعاً مرد کے کندھے پر گھر کا سارا بوجھ اور مختلف ذمہ داریاں ہوتی ہیں تو اس کا دوگنا حصہ کچھ زیادہ محسوس نہیں ہوگا۔ اس بات کو سامنے رکھ کر کوئی بھی انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ ایسی حالت میں اسلام نے عورت پر ظلم کیا ہے۔

14.4.2 مہر کا حق

مہر اس رقم یا مال کو کہتے ہیں جو حق زوجیت پر بلا کسی معاوضہ کے بطور ہدیہ مرد اپنی منکوحہ کو دیتا ہے، یہ کوئی متعین رقم نہیں ہے بلکہ مرد کی استطاعت کے لحاظ سے جو نکاح کے وقت طے ہو جائے وہ اسے ادا کرنی ہوتی ہے۔ مہر عورت کا حق ہے اس پر تصرف کا حق بھی صرف عورت کو حاصل ہے کہ وہ اسے کس طرح صرف کرے گی یا کسی کاروبار میں لگائے گی؟ ان سب کا فیصلہ وہ خود کرے گی۔ شوہر یا کسی اور کو اس سلسلے میں کسی طرح کا دباؤ ڈالنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

مہر شریعت اسلامی کی رو سے نکاح کی ایک لازمی شرط ہے۔ یہاں یہ یاد رہے کہ "رکن" اس کو کہتے ہیں جس پر کسی چیز کی کینونۃ (وجود) موقوف ہو اور وہ اس چیز کی جوہر یا ماہیت میں داخل ہوتی ہو، اس کے مقابلہ میں شرط وہ ہے جس پر بھی چیز کا وجود موقوف ہوتا ہے لیکن وہ اس کی جوہر یا ماہیت میں داخل نہیں ہوتی۔ نکاح میں ایجاب و قبول رکن ہے اور رکن کے بغیر نکاح نہیں ہوتا اور مہر محض ایک شرط ہے، مہر مذکور نہ ہو تو "مہر مثل" واجب ہو جاتا ہے۔

یہ عورت کا ایک ایسا حق ہے جو اس میں خود اعتمادی اور عزت نفس پیدا کرتا ہے۔ مالی بوجھ کے عوض عورت کا بحیثیت بیوی حصول، مرد پر یہ بات واضح کرتا ہے کہ وہ نہایت قیمتی اور قابل قدر ہستی ہے، نیز اس کے حقوق کی حفاظت، اس کا احترام اور اس کے ساتھ حسن سلوک کی شوہر کو حتی المقدور کوشش کرنی چاہیے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً" (نساء:4)۔

ترجمہ: اور عورتوں کے مہر خوش دلی سے ادا کیا کرو۔

قرآن نے مہر کے لئے لفظ "نِحْلَة" استعمال کر کے اس کی حقیقت واضح کر دی کہ یہ خاوند کی طرف سے بیوی کو تحفہ بے بدل ہے، یہ عورت کی قیمت نہیں کہ اس کا باپ وصول کرے جیسا کہ جاہلیت میں رواج تھا۔ ولی اس رقم کو بالواسطہ یا بلاواسطہ کسی شکل میں اپنے لئے

وصول نہیں کر سکتا ہے، یعنی اسلامی شریعت میں نکاح شغار کی اجازت نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نکاح شغار سے منع فرمایا ہے اور شغار یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیٹی کا نکاح دوسرے شخص کے ساتھ اس شرط پر کر دے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح اس کے ساتھ کر دے گا اور دونوں جانب سے کوئی مہر نہ ہو۔ شغار سے منع کرنے کا سبب یہی ہے کہ دونوں عورتوں میں سے کسی کو بھی کچھ نہیں ملتا اور مرد آپس میں معاملہ کر کے مہر کی ادائیگی سے بچ جاتے تھے۔ اسلام نے عورت کی معاشی حیثیت کو یہ کہہ کر اور مستحکم کر دیا ہے: "وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا" (نساء:20)۔ ترجمہ: اور اگر تم عورتوں کو بہت سامال دے چکے ہو تب بھی اس میں سے کچھ واپس مت لو۔

قرآن مرد سے اس بات کا بھی مطالبہ کرتا ہے کہ وہ عورت سے تمتع اٹھانے سے پہلے اس کا حق مہر ادا کر دیں:

"فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُم بِهِ مِن بَعْدِ الْفَرِيضَةِ" (نساء:24)۔ ترجمہ: پھر جو ازدواجی زندگی کا لطف تم ان سے اٹھاؤ اس کے بدلے ان کے مہر بطور فرض کے ادا کرو البتہ مہر کی قرارداد ہو جانے کے بعد اگر آپس میں رضامندی سے تمہارے درمیان کوئی سمجھوتہ ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

قرآن مسلمان مردوں کو حق مہر ادا کرنے کی اس طرح تنبیہ کرتا ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ" (نساء:19)۔ ترجمہ: اے ایمان والو! تمہارے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن بیٹھو اور نہ یہ حلال ہے کہ انھیں تنگ کر کے اس مہر کا کچھ حصہ اڑا لینے کی کوشش کرو جو تم انھیں دے چکے ہو سوائے اس کے کہ وہ کھلی فحاشی کی مرتکب ہوں، اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے برتاؤ کرو۔

مہر کی درج ذیل صورتوں پر غور کیجیے:

- اگر نکاح کے وقت تعداد مہر کی صراحت اور تعین نہیں ہے اور خلوت صحیحہ ہو جائے تو شوہر پر مہر مثل واجب ہو گا (مہر مثل لڑکی کی بہنوں، پھوپیوں وغیرہ کے مہر کی مقدار کے برابر ہوتا ہے)۔
- اگر نکاح کے وقت تعداد مہر کی صراحت اور تعین نہیں ہے اور شوہر کی طرف سے طلاق واقع ہو تو اس صورتحال میں:

اگر شوہر نے ہاتھ نہ لگایا ہو تو شوہر پر "مُتْعَة" (طلاق کے بعد عورت کو دیئے جانے والا ضرورت کا سامان) واجب ہو گا۔ مرد کو اپنے مقدور کے مطابق ضرور کچھ نہ کچھ عورت کو دینا ہو گا، جیسا کہ قرآن میں کہا گیا ہے: "لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ" (بقرہ:236)۔ ترجمہ: اگر تم عورتوں کو ان کے پاس جانے اور ان کا مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دے دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہاں اس صورت میں انہیں کچھ نہ کچھ ضرور دو، خوش حال آدمی اپنے مقدور کے مطابق اور غریب آدمی اپنی حیثیت کے مطابق معروف طریقے

پر دے۔ متعہ نقد کی شکل میں بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔

- اگر نکاح کے وقت تعداد مہر کی صراحت اور تعین ہو چکی اور خلوت صحیحہ ہو جائے تو پورا مہر دینا پڑے گا۔
- اگر نکاح کے وقت تعداد مہر کی صراحت اور تعین ہو چکی اور شوہر کی طرف سے طلاق واقع ہو تو اس صور تحال میں:

اگر شوہر نے ہاتھ نہ لگایا ہو تو شوہر پر نصف مہر واجب ہو گا، جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا:" وَإِن طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إَلاَّ أَن يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَأَن تَعْفُواْ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَلاَ تَنسَوُاْ الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ اللّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ "(بقرہ:237)۔ ترجمہ: اور اگر تم نے انہیں چھونے سے پہلے طلاق دے دی درآنحالیکہ تم ان کا مَہر مقرر کر چکے تھے تو اس مَہر کا جو تم نے مقرر کیا تھا نصف دینا ضروری ہے سوائے اس کے کہ وہ [اپنا حق] خود معاف کر دیں یا وہ [شوہر] جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے معاف کر دے [یعنی بجائے نصف کے زیادہ یا پورا ادا کر دے]، اور [اے مَردو!] اگر تم معاف کر دو تو یہ تقویٰ کے قریب تر ہے، اور [کشیدگی کے ان لمحات میں بھی] آپس میں احسان کرنا نہ بھولا کرو، بیشک اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔

مہر چوں کہ عورت کا حق ہے، اس لئے یہ اسی وقت معاف ہو سکتا ہے جب عورت خود معاف کر دے، جیسا کہ قرآن میں ہے:

- "إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ "(بقرہ:237)۔ ترجمہ: مگر یہ کہ عورتیں نرمی برتیں۔
- "فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا"(نساء:4)۔ ترجمہ: اگر عورتیں دل کی خوشنودی سے کچھ حصہ معاف کر دیں۔

البتہ مہر معاف کرانے کے لئے عورت پر کسی طرح کا دباؤ نہیں ڈالا جا سکتا۔ درج بالا نکات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے عورت کو مہر کا حق دے کر اس کی معاشی حیثیت کو مضبوط کر دیا ہے، مرد اس کو طلاق دینے سے پہلے ضرور سوچے گا اور اگر اس نے طلاق دے بھی دی تو عورت کے پاس اپنی کچھ پونجی ہو گی تو وہ کسی کی محتاج نہیں ہو گی اور نہ ہی اسے کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑے گا۔

14.4.3 نان ونفقہ کا حق

اسلام نے عورت کو نان ونفقہ کا بھی حق دیا ہے جو اسے پوری زندگی حاصل رہے گا۔ شادی سے پہلے عورت کا نفقہ باپ کے ذمہ ہے اور شادی کے بعد شوہر کے ذمہ ہے۔ عورت کو مختلف طریقے سے جو کچھ مال پہنچتا ہے اس میں ملکیت قبضہ اور تصرف کے تمام اختیارات اور حقوق اسی کو دیئے گئے ہیں، جن میں مداخلت کرنے کا اختیار نہ اس کے باپ کو حاصل ہے، نہ شوہر کو اور نہ ہی اور کسی کو مداخلت کرنے کا حق حاصل ہے، اس کے علاوہ اگر وہ کسی تجارت میں اپنا مال لگا کر یا خود محنت کر کے کمائے تو اس کی مالک بھی وہ مکمل طور پر خود ہی ہو گی، اس سب کے باوجود اس کا نفقہ ہر حال میں اس کے باپ اور شوہر پر واجب ہے، البتہ نفقہ شوہر کی معاشی حیثیت اور سوشل اسٹاٹس کے مطابق ہی رکھا جائے گا۔ اگر شوہر مالدار ہے تو نفقہ بھی اسی کے حساب سے ہو گا اور اگر شوہر غریب ہے تو نفقہ بھی اسی کے مطابق ہو گا، جیسا کہ قرآن میں کہا گیا ہے: "عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ "(بقرہ:236)۔ یعنی: ایک خوشحال آدمی اپنی استطاعت کے مطابق اور غریب

آدمی اپنی استطاعت کے مطابق معروف طریقے سے نفقہ دے۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا" (طلاق:7)۔ ترجمہ: خوش حال آدمی اپنی خوش حالی کے مطابق نفقہ دے اور جس کو رزق کم دیا گیا ہو وہ اسی مال میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے اللہ نے جس کو جتنا کچھ دیا ہے اس سے زیادہ کا وہ اسے مکلف نہیں کرتا بعید نہیں کہ اللہ تنگ دستی کے بعد فراخ دستی بھی عطا فرمادے۔

درج بالا آیتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عورت کا نفقہ دینا مرد کے ذمہ ہے، نیز اسے رہائش مہیا کرانا بھی مرد کے ذمہ ہے، جیسا کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے: "أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ" (طلاق:6)۔ ترجمہ: ان کو اس جگہ رکھو جہاں تم رہتے ہو جو بھی جگہ تمہیں میسر ہو اور انہیں تنگ کرنے کے لئے ان کو نہ ستاؤ۔ اور اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ رہائش کے ساتھ ساتھ اس کو تمام سہولیات بھی مہیا کی جانی چاہیے۔

14.4.4 حصول آمدنی کے لئے کام کرنے کا حق

اسلام نے عورت کو صرف گھر کی چار دیواری میں بند نہیں کیا ہے، بلکہ اسے بعض فطری شرائط کے ساتھ گھر سے باہر جانے کی بھی اجازت دی ہے جیسا کہ اس حدیث میں بیان ہوا ہے: حضرت عائشہؓ احکام حجاب کے نازل ہونے کے بعد کا واقعہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت سودہؓ کو باہر دیکھ کر تنقید کی تو وہ (خاموشی سے) گھر واپس چلی آئیں اور حضور ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا، اس کے فوراً بعد آپ ﷺ پر وحی کی سی کیفیت طاری ہوگئی، جب یہ کیفیت ختم ہوگئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "قَدْ أَذِنَ اللَّهُ لَكُنَّ أَنْ تَخْرُجْنَ لِحَوَائِجِكُنَّ" (بخاری)۔ ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی ضرورت کے لئے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی ہے۔

اس حوالے سے یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے:

> عبادہ بن صامتؓ عنہ کی بیوی ام حرامؓ کے گھر پر نبی کریم ﷺ آرام فرمارہے تھے کہ اچانک مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے ام حرامؓ نے وجہ مسرت دریافت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ خواب میں مجھے میری امت کے وہ بلند مرتبہ افراد دکھائے گئے جو خدا کی راہ میں جہاد کے لئے سمندر کا سفر کریں گے جس کا اجر اتنا بڑا ہے کہ وہ جنت میں بادشاہوں کی طرح تخت پر متمکن ہوں گے۔ ام حرامؓ نے رسول ﷺ سے درخواست کی، دعا کیجیے اللہ مجھے بھی ان لوگوں میں داخل فرمادے، آپ ﷺ نے اس سعادت مند گروہ میں ان کی شمولیت کی دعا کی پھر آپ ﷺ لیٹ گئے اور دوبارہ اٹھے تو اس وقت بھی مسرت و شادمانی کے وہی آثار نمایاں تھے، ام حرامؓ نے سبب معلوم کیا تو وہی پہلا سبب بتایا، ام حرامؓ نے اس مرتبہ بھی دعا کی درخواست کی تو فرمایا: (پریشان کیوں ہو) تمہارا شمار سابقین میں ہے۔ (بخاری)

اس حدیث کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ عورت کی دفاعی جنگ (اور وہ بھی سمندر پار کرکے) میں شرکت کی دعا فرمارہے ہیں حالاں کہ قتال عورت پر فرض نہیں ہے، اس سے عورت کے بارے میں اسلام کے مزاج کا پتہ چلتا ہے کہ وہ یہ نہیں چاہتا کہ عورت اجتماعی سرگرمیوں سے بالکل کنارہ کش رہے اور گھر سے باہر کبھی کوئی کام ہی انجام نہ دے۔ عورت اسلامی حدود میں رہ کر معاش کے لئے جدوجہد کرسکتی ہے حالاں کہ ایسا کرنا اس پر فرض نہیں کیا گیا ہے، بلکہ یہ عورت کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہے، چاہے تو کرے چاہے تو گھر بیٹھے، اس پر ایسا کرنے کے لئے کوئی زور زبردستی نہیں کی جائے گی۔

عورت کو بہت سے پیشوں اور صنعتوں کے اپنانے کا بھی حق ہے، مثال کے طور پر وہ طب کے شعبہ کو اختیار کرسکتی ہے، یوں بھی خواتین کے علاج کے لئے ہمیں ماہر خواتین ڈاکٹروں اور نرسوں کی ضرورت ہے۔ اسی طرح عورت مردوں کا بھی علاج کرسکتی ہے، کیوں کہ عہد نبوی میں میدان جنگ میں عورتیں زخمی مردوں کا علاج کرتی تھیں، اگر عورتوں کے لئے مردوں کا علاج کرنا جائز نہ ہوتا تو وہ اس وقت بھی مردوں کا علاج نہ کرتیں۔ روایتوں میں آتا ہے کہ رسول ﷺ ام سلیم ﷺ اور انصار کی مختلف عورتوں کو بھی جہاد پر لے گئے تھے، یہ عورتیں زخمیوں کو پانی پلاتیں اوران کی دواوعلاج کرتی تھیں (ابو داؤد)۔ حضرت ربیع بنت معوذ سے مروی ہے انہوں نے کہا: "ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد میں شریک رہتے، مجاہدین کو پانی پلاتے اوران کی خدمت کرتے، نیز مقتول اور مجروح لوگوں کو مدینہ لے کر آتے تھے (بخاری)۔ ام عطیہؓ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات جنگوں میں شریک رہی، میں خیموں میں رہا کرتی، لوگوں کے لئے کھانا پکاتی، زخمیوں کی دوا کرتی اور مریضوں کی تیمارداری کرتی تھی (ابن ماجہ)۔ ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ عورت کسی غیر محرم کا علاج بھی کرسکتی ہے۔ اسی طرح تعلیم کے شعبہ میں خواتین اساتذہ کا ہونا ضروری ہے، عورتیں مردوں کو بھی تعلیم دے سکتی ہیں کیوں کہ امہات المومنین کے پاس بہت سے صحابہ کرام مختلف مسئلے مسائل پوچھنے آیا کرتے تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری جیسے فقیہ وعالم صحابی حضرت عائشہؓ سے علم حاصل کرنے سے متعلق اپنا اور اپنے ساتھیوں کا تجربہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ما أشكل علينا أصحاب رسول الله ﷺ حديث قط فسئلنا عائشة إلا وجدنا عندها منه علما" (ترمذی)۔ ترجمہ: ہم اصحاب رسول اللہ ﷺ کو جب کبھی کسی حدیث کے معاملہ میں کوئی مشکل پیش آئی تو ہم نے اس سلسلہ میں حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا تو دیکھا کہ ان کو اس کے متعلق علم ضرور ہے۔ اور بھی کئی متنوع وجدید پیشے ہیں جیس میں عورت ایک فعّال اور بناء کردار ادا کرسکتی ہے نہ صرف اپنے اور اپنے خاندان کے لیے بلکہ اپنے وطن کے لیے بھی۔

14.4.4.1. کاروبار کرنے کا حق

اسلام عورت کو کاروبار کرنے کی بھی اجازت دیتا ہے، اس سلسلے میں ام المومنین حضرت خدیجہؓ کی مثال ہمارے سامنے ہے، وہ اپنے دور میں مکہ کی مالدار خواتین تاجروں میں شمار ہوتی تھیں اور نبی کریم ﷺ ان کی جانب سے کاروباری ذمہ داریاں سر انجام دیتے رہے، اس سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ عورت کاروبار میں ہاتھ بٹانے کے لئے کسی مرد کا سہارا بھی لے سکتی ہے۔

14.4.4.2. کاشت کاری کا حق

اسلام عورت کو کاشت کاری کی بھی اجازت دیتا ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ میری خالہ کو ان کے شوہر نے طلاق دے دی، (دوران عدت ہی میں) انہوں نے اپنے کھجور کے چند پیڑ کاٹے اور انہیں فروخت کرنے کا ارادہ کیا تو ایک صاحب نے سختی سے منع کیا کہ اس مدت (عدت) میں گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے۔ وہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں گئیں تو آپ ﷺ نے جواب دیا: "کھیت جاؤ اور اپنے کھجور کے درخت کاٹو (اور فروخت کرو) اس رقم سے بہت ممکن ہے کہ تم صدقہ و خیرات یا اور کوئی بھلائی کا کام کر سکو (جو اجر آخرت کا سبب ہو گا)" (ابو داؤد)۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت ضرورت کے تحت دوران عدت بھی گھر سے باہر نکل سکتی ہے۔ حضرت سہل بن سعد ایک خاتون کا ذکر کرتے ہیں جن کی اپنی کھیتی تھی اور وہ پانی کی نالیوں کے اطراف میں چقندر کی کاشت کیا کرتی تھیں، جمعہ کے دن سہل بن سعد اور بعض دیگر صحابہ ان سے ملاقات کے لئے جاتے تو وہ چقندر اور آٹے سے تیار کردہ حلوہ ان کو کھلاتی تھیں (بخاری)۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صاحبزادی حضرت اسماء اپنا ابتدائی حال بیان کرتی ہیں کہ رسول ﷺ نے حضرت زبیر (شوہر) کو میرے مکان سے دو میل کے فاصلہ پر ایک زمین کاشت کرنے اور فائدہ اٹھانے کے لئے دے رکھی تھی، میں اس زمین سے کھجور کی گٹھلیاں لایا کرتی تھی (بخاری)۔

14.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- اسلام میں عورت کو مختلف بنیادی حقوق دئے گئے ہیں، جو قرآن و سنت سے ثابت ہیں۔
- اسلام نے عورت کو انسانی، معاشی، سیاسی، تعلیمی اور ازدواجی حقوق سے نوازا ہے۔
- انسانی حقوق کے تحت عورت کو زندگی کا حق اور پرورش و پرداخت، مساوات، عزت و آبرو کی حفاظت اور علم حاصل کرنے کا حق دیا گیا ہے۔
- معاشی حقوق کے تحت عورت کو میراث، مہر، نان و نفقہ اور نوکری وغیرہ جیسے اہم حقوق سے نوازا گیا ہے۔

14.6 نمونہ امتحانی سوالات

14.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. عورت سے نکاح کے لئے دی جانے والی رقم کس حق کے تحت آتی ہے؟

(a) میراث کا حق (b) نان نفقہ کا حق (c) مہر کا حق (d) حصول آمدنی کا حق

2. مندرجہ ذیل میں سے کون سا حق عورت کے معاشی حقوق میں سے ہے؟

(a)زندگی کا حق (b)مساوات کا حق (c)علم حاصل کرنے کا حق (d)میراث کا حق

3. آیت میراث کس صحابی کی بیوی کے انتظار کے بعد نازل ہوئی؟

(a)حضرت ابوبکرؓ (b)حضرت سعد بن ربیعؓ (c)حضرت عمرؓ (d)حضرت عثمانؓ

4. آپ ﷺ نے کس صحابیہ سے کہا کہ وہ حضرت حفصہ کو لکھنا سکھادیں؟

(a)حضرت شفا بنت عبداللہ (b)حضرت عائشہؓ (c)حضرت صفیہؓ (d)حضرت میمونہؓ

5. کون سی صحابیہ نے نبی کریم ﷺ سے جہاد میں شرکت کے لئے خصوصی دعا کرائی؟

(a)ام ہانی (b)ام حرام (c)ام امارہ (d)ام کلثوم

6. زندگی کا حق حقوق کی کس قسم میں سے ہے؟

(a)معاشی حقوق (b)ازدواجی حقوق (c)انسانی حقوق (d)سیاسی حقوق

7. قرآن کی کس سورہ میں زندہ در گور کی گئی لڑکی سے سوال کئے جانے کی بات کہی گئی ہے؟

(a)الرحمٰن (b)التکویر (c)العلق (d)الفلق

8. غض بصر کی آیت کس حق کے تحت بیان کی گئی ہے؟

(a)حق مساوات (b)حق مہر (c)حق خلع (d)حق عزت و آبرو کی حفاظت

9. حضرت سعد بن ربیع کس جنگ میں شہید ہوئے؟

(a)جنگ بدر (b)غزوہ احد (c)غزوہ خندق (d)جنگ تبوک

10. اقرأ (پڑھ) کا لفظ سب سے پہلے کس سورہ میں استعمال ہوا ہے؟

(a)رحمٰن (b)کوثر (c)علق (d)ناس

14.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. اسلام میں عورت کے حصول علم کے حق کا جائزہ لیجیے۔
2. عورت کے حق مساوات کا بیان کیجیے۔
3. میراث میں عورتوں کے حق کے بارے میں اپنی معلومات قلم بند کیجیے۔
4. عورت کے حق مہر کے متعلق لکھیے۔

5. نان ونفقہ کے حق کے بارے میں نوٹ لکھیے۔

14.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. اسلام میں عورتوں کے حقوق کا جائزہ لیجیے۔
2. اسلام میں عورت کے انسانی حقوق کا جائزہ لیجیے۔
3. اسلام میں عورت کے معاشی حقوق پر مفصل مضمون لکھیے۔

14.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. عورت اسلامی معاشرہ میں	:	سید جلال الدین عمری
2. عورت عہد رسالت میں	:	عبدالحلیم ابو شقہ
3. عورت اور اسلامی تعلیم	:	مالک رام
4. خاتون اسلام	:	مولانا وحید الدین خان
5. اسلام میں خواتین کے حقوق	:	مرتضی مطہری
6. اسلام میں حیثیت نسواں	:	محمد مظہر الدین صدیقی

اکائی 15: اسلام میں خواتین کے بنیادی حقوق (حصہ دوم)

اکائی کے اجزا:

15.0 تمہید

15.1 مقاصد

15.2 عورت کے ازدواجی حقوق

15.2.1 نکاح میں عورت کی رضامندی کا حق

15.2.2 شوہر کے انتخاب کا حق

15.2.3 فسخ نکاح کا حق

15.2.4 حقوق زوجیت

15.2.5 کفالت کا حق

15.2.6 اعتماد کا حق

15.2.7 حسن سلوک کا حق

15.2.8 تشدد سے تحفظ کا حق

15.2.9 نکاح کا پیغام بھیجنے کا حق

15.2.10 عقد ثانی کا حق

15.2.11 خلع کا حق

15.3 عورت کے سیاسی حقوق

15.3.1 رائے دینے کا حق

15.3.2 سیاست میں حصہ لینے کا حق

15.3.3 ریاست کی دفاعی ذمہ داریوں میں نمائندگی کا حق

15.3.4 عورت کو امان دینے کا حق

15.4 عورت کے قانونی حقوق
15.4.1 گواہی دینے کا حق
15.5 اکتسابی نتائج
15.6 نمونہ امتحانی سوالات
15.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
15.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
15.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
15.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

15.0 تمہید

مسلمان عورتوں کے بارے میں معاشرے میں غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے کہ اسے اپنے نکاح میں کوئی حق حاصل نہیں ہے اور نہ ہی اس کی مرضی کی کوئی اہمیت ہے۔ جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے اسلام نے نکاح میں عورت کی رضامندی کو خاص اہمیت دی ہے۔ ساتھ ہی اس معاملے میں دیگر حقوق سے بھی نوازا ہے۔ جس میں اس کے سیاسی اور قانونی حقوق شامل ہیں۔

15.1 مقاصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلباء اسلام میں عورت کے ازدواجی، سیاسی اور قانونی حقوق کی تفصیل قرآن وحدیث کی روشنی میں جان لیں گے۔

15.2 عورت کے ازدواجی حقوق

نکاح مقدس ایک اہم رشتہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اللہ نے اس رشتے میں جہاں مردوں کو حقوق واختیارات دیے ہیں وہیں عورت کو بھی بہت سے ازدواجی حقوق سے نوازا ہے، جو مندرجہ ذیل ہیں:

15.2.1 نکاح میں عورت کی رضامندی کا حق

اسلام سے قبل عورتوں کو مردوں کی ملکیت تصور کیا جاتا تھا۔ جس طرح عورت کو زندگی کے اہم معاملات ومسائل میں بولنے کا حق نہیں تھا اسی طرح وہ اپنی شادی اور نکاح کے بارے میں بھی زبان نہیں کھول سکتی تھی، اس کے ماں باپ یا خاندان کے بزرگ جس شخص کے

ساتھ اس کا رشتہ کر دیتے اس سے انکار کی اسے اجازت نہ تھی اس معاملہ میں اس کا زبان کھولنا سخت ناپسندیدہ اور معیوب سمجھا جاتا تھا، اپنے رشتہ کے بارے میں اظہار خیال کرنا اور اپنے بڑوں کے منتخب کردہ رشتہ کو رد کرنا آوارگی کی علامت تصور کیا جاتا۔ لیکن اسلام نے اسے نکاح کا حق دیا، مزید یہ کہ بالغ ہونے کے بعد وہ اپنی عائلی زندگی کے بارے میں خود فیصلہ کر سکتی ہے۔ اور اس کو یہ حق ہے کہ وہ چاہے تو نکاح کو رکھے یا ختم کر دے۔

اسلام میں نکاح کے لئے فریقین کی رضامندی لازمی شرط ہے۔ یعنی مرد اور عورت دونوں کو اس رشتے کے لئے راضی ہونا چاہیے، لڑکی کے والدین لڑکی کی شادی کے لئے اس کے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے۔ اس کا ذکر حدیث میں اس طرح ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: 'بیوہ اپنے نفس کی زیادہ مالک ہے اپنے سرپرست سے اور باکرہ سے، اس کے بارے میں اجازت لی جائے گی، عرض کیا یا رسول اللہ وہ تو بولتے ہوئے شرماتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا سکوت اس کی رضامندی ہے' (ابن ماجہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'بیوہ کا نکاح بغیر اس کے حکم کے اور کنواری کا بغیر اجازت کے نہ کیا جائے اور کنواری کی خاموشی اس کی اجازت ہے' (ابن ماجہ)

حضرت عبد الرحمٰن بن حسین کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'بیوہ اپنی جان کی زیادہ مالک ہے اور کنواری کی خاموشی اس کی اجازت ہے' (ابن ماجہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'کنواری لڑکی جو بالغ ہو جائے اور اس کا باپ نہ ہو تو وہ اپنے نکاح میں پوچھی جائے گی اگر چپ رہے تو وہی اس کا اذن ہے اور اگر انکار کیا تو اس پر جبر نہیں' (ابو داؤد) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'مشورہ لو عورتوں سے ان کی بیٹیوں کے نکاح میں' (89) ان احادیث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ عورت نکاح کے معاملہ میں آزاد ہے، اس پر کسی طرح کا دباؤ نہیں ڈالا جا سکتا ہے۔ اس کا نکاح (چاہے وہ ثیّبہ ہو یا باکرہ) اس کی مرضی کے بغیر جائز نہیں۔ اگر ایسا کیا گیا تو عورت کو اس نکاح کو فسخ (ختم) کرنے کا حکم ہے جیسے درج ذیل احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا سے روایت ہے کہ 'ایک جوان لڑکی ان کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میرے باپ نے میرا نکاح اپنے بھتیجے کے ساتھ کر دیا ہے تا کہ میرے سبب سے اس کی نحوست اور خساست جاتی رہے اور میں اس کے ساتھ نکاح ہونے سے ناراض ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا نے فرمایا: تو بیٹھ جا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو آجانے دے، پھر رسول صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو اس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلا بھیجا، پھر اختیار دیا اس لڑکی کو (کہ وہ چاہے تو نکاح ختم کر دے) تو وہ لڑکی کہنے لگی یا رسول اللہ جو کچھ کر چکا میرا باپ وہ تو ہو چکا، یعنی اب تو نکاح ہو چکا اور باپ کا کیا ہوا کام میں رد نہیں کرتی لیکن میں یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ اس معاملہ میں عورتوں کا بھی کچھ اختیار ہوتا ہے یا نہیں' (نسائی)

حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا ایک لونڈی تھیں جن کا نکاح مغیث نامی ایک غلام سے ہوا تھا، ایک عرصہ بعد بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا آزاد ہو گئیں تو انہوں نے مغیث کے نکاح میں رہنے سے انکار کر دیا کیوں کہ اصول شریعت کے تحت آزاد عورت کا غلام کے عقد

میں رہنا ضروری نہیں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتے ہیں کہ:

'ابن عباس ان زوج بريره كان عبد ا يقال له مغيث كانى انظر اليه يطوف خلفها يبكى ودموعه يسيل على لحيته فقال النبى ﷺ لعباس يا عباس الا تعجب من حب مغيث بريرة و من بعض بريرة مغيثا فقال النبىﷺ لوراجعته قالت يا رسول الله تامرنى قال انما اشفع قالت لا حاجة لى فيه' (بخاری) ترجمہ: بریرہ کا شوہر غلام تھا اس کا نام مغیث تھا گویا میں اس کو اس وقت دیکھ رہا ہوں وہ بریرہ کے پیچھے پیچھے روتا ہوا گھوم رہا تھا، اس کے آنسوں داڑھی پر بہہ رہے تھے، (وہ چاہتا تھا بریرہ میرے پاس رہے) آخر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حال دیکھ کر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: عباس تم کو تعجب نہیں آتا، دیکھ مغیث کو بریرہ سے کیسی محبت ہے اور بریرہ کو اس سے کیسی نفرت ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ سے فرمایا: تو مغیث کے پاس رہ جائے تو اچھا ہے، بریرہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ اس کا حکم دیتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں حکم نہیں ہے، بلکہ میں سفارش کے طور پر کہتا ہوں، بریرہ نے کہا: مجھ کو مغیث کے پاس رہنے کی کوئی خواہش نہیں ہے۔

ان احادیث سے یہ بات صاف ہو گئی کہ عورت نکاح کے معاملہ میں آزاد ہے، اس پر کسی طرح کا دباؤ نہیں ڈالا جا سکتا ہے۔

15.2.2 شوہر کے انتخاب کا حق

نکاح ایک بشری ضرورت اور افزائش نسل کا ذریعہ ہے۔ یہ عورت اور مرد کے درمیان اخلاص و محبت پر مبنی رشتہ ہے۔ اسلام کی نظر میں نکاح اہم اور محترم ہے اور اس رشتہ کو مضبوط اور پائیدار بنانے کے لئے اس میں زوجین کی رضامندی کو لازم قرار دیا ہے۔ لہذا اسلامی تعلیمات پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں مرد کی طرح عورت کو بھی انتخاب شوہر کا حق حاصل ہے، اور یہ حق اسلام نے آج سے تقریباً پندرہ سو سال پہلے دیا جب دوسرے تمام معاشرے میں عورت کے تعلق سے اس طرح کے کسی حقوق کی بات سوچی بھی نہیں جا سکتی تھی اور عورت کی حیثیت بکاؤ مال سے زیادہ کچھ نہ تھی، مغربی معاشرہ نے اب جا کر عورت کو یہ حق دیا ہے اور اسپیشل میرج ایکٹ کے تحت ہندوستان میں بھی ہر عاقل و بالغ عورت کے اس حق کو تسلیم کیا گیا ہے لیکن ہندوستانی سماج میں یہ ایکٹ بے نتیجہ ہے، آج بھی ہندوستان میں شوہر کے آزادانہ انتخاب کا حق مانگنے یا اپنی پسند کے لڑکے سے شادی پر اصرار کرنے والی لڑکی کو اچھا نہیں سمجھا جاتا ہے۔

اسلام ہر عاقل و بالغ لڑکی کو شریک حیات کے انتخاب کا حق دیتا ہے ولی یا سرپرست کو یہ اختیار نہیں ہے کہ لڑکی کی مرضی کے بغیر اسے کسی کے عقد میں دے دیں، اگر وہ خود اپنی پسند سے اور اچھی طرح سوچ سمجھ کر کسی صاحب کردار شخص سے شادی کرنا چاہتی ہے تو کسی کو جبراً اسے باز رکھنے کا حق و اختیار نہیں ہے۔ عورت دینی حدود کے اندر اپنی پسند سے نکاح کر سکتی ہے، نیز شرعاً کسی کو اس کا بھی حق نہیں ہے کہ عورت کی پسندیدگی کو رد کر کے اور اسے اس کے پسندیدہ شخص سے نکاح کرنے سے منع کرے، شرعاً ولی ہو یا غیر ولی وہ اس پر مجبور ہے کہ ازدواجی تعلق کے عقد کے لئے اس کی اجازت اور رضا حاصل کرے، اور اگر کوئی مرد عورت کی مرضی کے بغیر کسی سے اس کا نکاح کر دے گا تو عورت کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اس نکاح کو رد کر دے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'ثیبہ عورت تو اپنی جان کی خود مختار ہے بنسبت اپنے

ولی کے، یعنی ولی کا اس پر جبر نہیں پہنچتا نکاح میں، اور کنواری عورت سے نکاح کی اجازت مانگنا چاہیے اور اس کا چپ رہنا یہی اس کی اجازت ہے '(ابو داؤد)خنساء رضی اللہ تعالیٰ عنھا سے روایت ہے کہ 'ان کے باپ خذام نے ان کا نکاح کر دیا اور یہ ثیبہ تھیں تو ان کو برا معلوم ہوا تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح توڑ ڈالا '(ابو داؤد)

ان احادیث سے واضح ہوا کہ عورت اپنے نکاح کے سلسلے میں آزاد ہے وہ اپنی پسند سے نکاح کر سکتی ہے، لیکن ہمارے معاشرہ کی صورت حال اس تعلیم کے بالکل خلاف ہے یہاں ایجاب و قبول رسماً تو لڑکے اور لڑکی کے درمیان ہوتا ہے مگر اصلاوہ لڑکی کے ولی اور لڑکے کے درمیان ہوتا ہے لڑکی سے محض خانہ پوری کے لئے بوقت نکاح رضامندی طلب کی جاتی ہے، بعض اوقات لڑکی کے خاندان والے اس پر اپنی مرضی مسلط کر دیتے ہیں۔ وہ اس کا خیال نہیں کرتے کہ جس معصوم کو ایک غیر مرد کے ساتھ زندگی کا طویل سفر طے کرنا ہے کیا وہ خود اس شخص کے ساتھ دو قدم چلنے پر آمادہ ہے ؟

15.2.3 فسخ نکاح کا حق

نابالغ لڑکی یا لڑکے کا بلوغت سے قبل ولی کے کئے ہوئے نکاح کو بالغ ہونے پر رد کر دینے کا اختیار 'خیار بلوغ' کہلاتا ہے۔ اسلام نے خواتین کو ازدواجی حقوق عطا کرتے ہوئے خیار بلوغ کا حق عطا کیا، جو اسلام کے نزدیک عورت کے لئے ذاتی اختیار کی حیثیت کا درجہ رکھتا ہے۔ احناف کے نزدیک اگر کسی ولی نے نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کیا ہو تو وہ لڑکا یا لڑکی بالغ ہونے پر خیار بلوغ کا حق استعمال کر کے نکاح ختم کر سکتی ہے۔

15.2.4 حقوق زوجیت

مرد پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ حتی الوسع حق زوجیت ادا کرنے سے پیچھے نہ ہٹے عرب میں زمانہ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ اگر شوہر بیوی کو پریشان کرنا چاہتا تو قسم کھالیتا کہ میں بیوی سے مقاربت نہیں کروں گا اسے اصطلاح میں ایلاء کہتے ہیں، اس طرح عورت معلق ہو کر رہ جاتی ہے نہ مطلقہ نہ بیوہ اور نہ شوہر والی، کیوں کہ شوہر نے اس سے قطع تعلق کر لیا ہے۔ اسلام کے نزدیک یہ رویہ درست نہیں ہے، کیوں کہ جو عمل اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے حلال ٹھہرایا ہے انسان کو کوئی حق نہیں کہ اسے اپنے اوپر حرام قرار دے، قرآن میں بیان ہوا ہے کہ: 'لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ '(البقرہ۔226)ترجمہ: جو لوگ اپنی بیویوں کے قریب نہ جانے کی قسم کھالیں تو ان کے لئے چار ماہ کی مہلت ہے پھر اگر وہ اس مدت کے اندر رجوع کر لیں اور آپس میں ملاپ کر لیں تو اللہ رحمت والا بخشنے والا ہے۔ اس آیت سے واضح ہوا کہ اگر بیوی کی کسی غلطی کی وجہ سے تم نے یہ قسم کھائی ہے تو عفو و درگذر کرتے ہوئے اسے معاف کر دو، اور اگر کسی معقول سبب کے بغیر تم نے یوں ہی قسم کھالی ہے تو قسم کا کفارہ دے کر رجوع کر لو اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیوں کو معاف کر دے گا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں:

'قال النبیﷺ انک لتصوم الدھر و تقوم الیل فقلت:نعم قال:انک اذا فعلت ذلک ھجمت له العین، و نفھت

له النفس،لا صام من صام الدهر،صوم ثلاثة ایام صوم الدهر كله،قلت:فانی اطیق اکثر من ذلک،قال فصم صوم داء ود علیه السلام،کان یصوم یوما و یفطر یوما۔'(بخاری)ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ہمیشہ روزہ رکھتے اور ہمیشہ قیام کرتے ہو؟ میں نے کہا: جی فرمایا: اگر ایسا کرتے رہو گے تو تمہاری آنکھوں میں گڑھے پڑ جائیں گے اور تمہارا جسم بے جان ہو جائے گا نیز ہر مہینے میں تین روزے رکھنا گویا ہمیشہ روزے رکھنا ہے، میں نے عرض کیا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، فرمایا: داؤد علیہ السلام والے روزے رکھ لیا کرو جو ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن نہیں رکھتے تھے اور جب دشمن سے مقابلہ ہوتا تو پیٹھ نہیں دکھاتے۔ عبادت میں زیادہ شغف بھی بیوی سے بے توجہی کا باعث ہو سکتا ہے اگر شوہر دن بھر روزہ رکھے اور راتوں کو نماز پڑھتا رہے تو ظاہر ہے کہ وہ بیوی کے حقوق ادا کرنے سے قاصر رہے گا، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لگاتار روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

اسی طرح عبادت میں بھی اعتدال کا حکم فرمایا:

'عن عون بن ابی حجیفه،عن ابیه قال:اخی النبیﷺ بین سلمان و ابی الدردا فزار سلمان اباالدرداء فراء ی ام الدرداء متبذلة،فقال لها:ماشانک؟ قالت:اخوک ابو الدرداء لیس له حاجة فی الدنیا، فجاء ابو الدرداء فصنع له طعاما،فقال: کل، قال:فانی صائم،قال:ما انا باکل حتی تاکل،قال:فاکل،فلما کانالليل ذهب ابوالدرداء یقوم، قال: نم ،فنام ثم ذهب یقوم،فقال:نم،فلماکان من اخر اللیل قالسلمان،قم الان فصلیا فقال له سلمان:ان لربک علیک حقا ولنفسک علیک حقا ولا هلک علیک حقا فاعط کل ذی حق حقه، فاتی النبیﷺ فذکر ذلک له فقال النبی ﷺ:صدق سلمان'(بخاری)ترجمہ: حضرت ابو حجیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی اور ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان بھائی چارہ کروادیا تھا، حضرت سلمان ایک روز حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر گئے، ام درداء کو غمگین دیکھا تو حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے پوچھا: کہو یہ کیا حال کر رکھا ہے؟ ام درداء کہنے لگیں: تمہارے بھائی ابو درداء کو دنیا کی ضرورت نہیں ہے اتنے میں ابو درداء آگئے، کھانا تیار کروایا گیا اور کہا کہ آپ کھائیں تو ابو درداء بولے میرا روزہ ہے تو سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: جب تک تم نہیں کھاؤ گے میں بھی نہیں کھاؤں گا۔ جب رات ہوئی (اور دونوں نے کھانا کھالیا) تو ابو درداء نماز کے لئے اٹھنے لگے، سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے سو جاؤ اس پر ابو درداء سو گئے (رات گئے پھر کسی وقت) اٹھے اور (نماز کے لئے) جانے لگے تو سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر کہا کہ سو جاؤ، ابو درداء پھر سو گئے، آخیر رات میں سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، اب اٹھو چنانچہ دونوں نے اٹھ کر نماز ادا کی پھر سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے، تمہارے رب کا بھی تم پر حق ہے اور نفس کا بھی اور گھر والوں کا بھی، لہذا ہر حقدار کا حق ادا کرو، دن میں جب ابو درداء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سلمان نے سچ کہا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق حدیث میں بیان ہوا ہے۔ حضرت عثمان بہت عبادت گذار تھے ایک دن ان کی بیوی خولہ بنت حکیم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئیں، تو انہوں نے دیکھا کہ وہ ہر طرح کے زنانہ بناؤ سنگار سے عاری ہیں، پوچھا کہ کیا سبب ہے؟ بولیں کہ میرے شوہر دن بھر روزہ رکھتے ہیں، رات بھر نمازیں پڑھتے ہیں، میں سنگار کس

کے لئے کروں؟جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا نے قصہ بیان کیا اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا:

'یا عثمان!ان الرھبانیة لم تکتب علینا،افمالک فی اسوة؟ترجمہ: عثمان ہمیں رہبانیت کا حکم نہیں ہوا ہے، کیا تمہارے لئے میرا طرز زندگی پیروی کے لائق نہیں۔(احمد بن حنبل)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں صحابہ سے خاص طور پر فرمایا:واللہ !انی لاخشاکم للہ واتقاکم له لکنی اصوم وافطر واصلی وارقد،واتزوجالنساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی(بخاری)ترجمہ: خدا کی قسم میں تمہاری نسبت خدا سے بہت زیادہ ڈرتا ہوں اور بہت متقی ہوں،اس کے باوجود روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، پس جو میری سنت سے روگردانی کرے گا وہ میرے طریقے پر نہیں۔

جس طرح مرد کے بیوی پر کچھ حقوق ہیں اسی طرح عورت پر بھی کچھ ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں جیسے شوہر کی اجازت کے بغیر عورت نفلی روزہ نہ رکھے۔حدیث میں ہے کہ:لا تصوم المراء ة وبعلها شاھد الا باذنه(ابوداؤد)ترجمہ:اپنے شوہر کی موجودگی میں عورت (نفلی) روزہ نہ رکھے مگر اس کی اجازت سے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوی کے حق کی اہمیت کو اپنی سنت مبارکہ سے واضح فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ تھا کہ کسی سفر یا غزوہ پر تشریف لے جاتے تو بیویوں میں قرعہ ڈالتے اور جس کے نام کا قرعہ نکل آتا اسے ساتھ لے جاتے'۔(بخاری)

15.2.5 کفالت کا حق

مرد کو عورت کی تمام ضروریات کا کفیل بنایا گیا ہے اس میں اس کا کھانا پینا، سکونت، لباس وغیرہ سب شامل ہیں:

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ ' (النساء۔34) مرد عورت پر محافظ و منتظم ہیں اس لئے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، اور اس وجہ سے (بھی) کہ مرد (ان پر) اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ'(البقرہ۔233)ترجمہ: اور مائیں اپنے بچوں کو دو برس تک دودھ پلائیں یہ (حکم) اس کے لئے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے، اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور پہننا دستور کے مطابق بچے کے باپ کے ذمہ ہے، کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہ دی جائے (اور) نہ ماں کو اس کے بچے کے باعث نقصان پہنچایا

جائے اور نہ باپ کو اس کی اولاد کے نسبت سے ،اور وارثوں پر بھی یہی حکم عائد ہو گا پھر اگر ماں باپ دونوں باہمی رضامندی اور مشورہ سے (دو برس سے پہلے) دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں، اور پھر اگر تم اپنی اولاد کو (دایہ سے) دودھ پلانے کا ارادہ رکھتے ہو تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں ،جب کہ جو تم دستور کے مطابق دیتے ہو انہیں ادا کر دو، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ جان لو کہ بے شک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب دیکھنے والا ہے۔

ایک جگہ اس طرح فرمایا کہ:' وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ '(البقرہ۔ 241)ترجمہ:اور طلاق یافتہ عورتوں کو بھی مناسب طریقے سے خرچ دیا جائے یہ پرہیز گاروں پر واجب ہے۔'يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ' (الطلاق۔1)ترجمہ:اے نبی!(مسلمانوں سے فرمادیں)جب تم عورتوں کو طلاق دینا چاہو تو ان کے طہر کے زمانہ میں انہیں طلاق دو اور عدت کو شمار کرو، اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے اور انہیں ان کے گھروں سے باہر مت نکالو اور نہ خود باہر نکلیں سوائے اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کر بیٹھیں۔

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوفٍ وَإِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرَى ○ لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا '(الطلاق6۔7)ترجمہ: تم ان (مطلقہ) عورتوں کو وہیں رکھو جہاں تم اپنی وسعت کے مطابق رہتے ہو اور انہیں تکلیف نہ پہنچاؤ کہ ان پر (رہنے کا ٹھکانا) تنگ کر دو، اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ اپنا بچہ جن لیں، پھر اگر وہ تمہاری خاطر (بچے کو) دودھ پلائیں تو انہیں ان کا معاوضہ ادا کرتے رہو، اور آپس میں (ایک دوسرے سے) نیک بات کا مشورہ (حسب دستور) کر لیا کرو، اور اگر تم باہم دشواری محسوس کرو تو اسے (اب کوئی) دوسری عورت دودھ پلائے گی، صاحب وسعت کو اپنی وسعت (کے لحاظ) سے خرچ کرنا چاہیئے، اور جس شخص پر اس کا رزق تنگ کر دیا گیا ہو تو وہ اسی (روزی) میں سے (بطور نفقہ) خرچ کرے جو اسے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے، اللہ کسی شخص کو مکلف نہیں ٹھہراتا مگر اسی قدر جتنا کہ اس نے اسے عطا فرما رکھا ہے، اللہ عنقریب تنگی کے بعد کشادگی پیدا فرمادے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث مبارکہ میں عورت کے اس حق کی پاسداری کی تلقین فرمائی ہے:فاتقو الله في النساء فانكم اخذتموهن بامان الله واستحللتم فروجهن بكلمةالله، ولكم عليهن ان لا يوطئن فرشكم احدا تكرهونه،فان فعلن ذلك فاضربوهن ضربا غير مبرح،ولهن عليكم رزقهن و كسوتهن بالمعروف۔(ابن ماجہ)ترجمہ:عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو کیوں کہ تم نے انہیں اللہ کی امانت کے طور پر اپنے ماتحت کیا ہے اور اللہ کے کلمہ (نکاح) سے انہیں اپنے لئے حلال کیا ہے، ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ کسی آدمی کو تمہارا بستر نہ روندنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو، اگر وہ ایسا کریں تو تم ان کو ایسی سزا دو جس سے

چوٹ نہ لگے اور ان کا تمہارے اوپر یہ حق ہے کہ تم انہیں دستور (شرعی) کے مطابق خوراک اور لباس فراہم کرو۔

حکیم بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:ان رجلا ساء ل النبیﷺ: ماحق المراة علی الزوج ؟قال:ان یطعمها اذاطعم، وان یکسوھا اذا اکتسی،ولا یضرب الوجه،ولا یقبح،ولا یھجر الا فی البیت۔(ابن ماجہ)ترجمہ: ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: عورت کا شوہر پر کیا حق ہے ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب خود کھائے تو اسے بھی کھلائے، جب خود پہنے تو اسے بھی پہنائے، اس کے منہ پر نہ مارے، اسے برا نہ کہے اور گھر کے علاوہ تنہا کہیں نہ چھوڑے۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی ہندہ کے اپنے شوہر کی کنجوسی کی شکایت کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خذی ما یکفیک وولدک بالمعروف'(بخاری)ترجمہ: تو(ابوسفیان کے مال سے) اتنامال لے سکتی ہے جو تجھے اور تیرے بچوں کے لئے با عزت زندگی بسر کرنے کے لئے کافی ہو) اگر نفقہ واجب نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی کو ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجازت کے بغیر مال لینے کی اجازت نہ فرماتے۔

15.2.6 اعتماد کا حق

عورت کا مرد پر یہ بھی حق ہے کہ وہ عورت پر اعتماد کرے، گھر کے معاملات میں اس سے مشورہ کرتا رہے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس معاملہ میں یہی تھا، قرآن میں ہے: 'وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ '(التحریم۔3)ترجمہ: اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک زوجہ سے ایک رازدارانہ بات ارشاد فرمائی، پھر جب وہ اس(بات) کا ذکر کر بیٹھیں اور اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اسے ظاہر فرمادیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کا کچھ حصہ جتادیا اور کچھ حصہ (بتانے) سے چشم پوشی فرمائی۔

گھریلو معاملات میں عورت، مرد کی رازداں ہے لیکن اگر عورت غلطی یا نادانی سے کوئی کام خلاف مصلحت کر بیٹھے تو مرد کو چاہیے کہ اس کی تشہیر نہ کرے، نہ عورت کو اعلانیہ ملامت کرے، جس سے معاشرہ میں اس کی عزت خراب ہو، عورت کی حفاظت مرد کا فرض اولین ہے مرد کو چاہیے کہ وہ عورت کو اس کی غلطی سے آگاہ کردے اور آئندہ کے لئے اسے محتاط رہنے کا مشورہ دے، قرآن نے عورت اور مرد کے تعلقات کو نہایت لطیف مثال کے ذریعہ بیان کیا ہے: 'هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ '(البقرہ۔187)ترجمہ: عورتیں تمہارے لئے لباس (کا درجہ رکھتی) ہیں اور تم ان کے لئے لباس (کا درجہ رکھتے) ہو۔

اور لباس سے متعلق ایک دوسری جگہ کہا: 'يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا ' (الاعراف۔26) ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تمھیں لباس دیا ہے جو تمہارے عیب ڈھانکتا ہے اور تمہاری زینت (اور آرائش کا ذریعہ) ہے) یعنی مرد اور عورت ایک دوسرے کی خامیوں اور کوتاہیوں کا ازالہ کرنے والے ہیں مرد کا فرض ہے کہ وہ عورت کی غلطیوں پر پردہ ڈالے اور عورت کو چاہیے کہ وہ مرد کی کمیاں ظاہر نہ ہونے دے۔

15.2.7 حسن سلوک کا حق

اسلام سے پہلے عرب میں عورت کی خاندانی زندگی نہایت قابل رحم تھی، عزت تو درکنار اسے جانوروں سے بھی بدتر سمجھا جاتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: 'كنا في الجاهلية ما نعد للنساء امرا حتى انزل الله تعالى فيهن ما انزلو قسم لهن ما قسم' (مسلم) ترجمہ: خدا کی قسم زمانہ جاہلیت میں ہماری نظر میں عورت کی کوئی حیثیت نہیں تھی، حتی کہ خدا نے ان سے متعلق جو احکام نازل کرنا چاہے نازل کر دیے اور جو حقوق ان کے مقرر کرنے تھے مقرر کر دیے۔ عورت جانوروں اور دوسرے سازوسامان کی طرح رہن پر رکھی جاتی تھی۔ (بخاری) عورتیں رہن پر ہی نہیں رکھی جاتی تھی بلکہ فروخت بھی کی جاتی تھی۔ غرض یہ کہ وہ محض مرد کی خواہشات نفسانی کی تسکین کا ذریعہ تھی اور مرد پر اس کی طرف سے کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی تھی، اسلام نے واضح کیا کہ عورت کے بھی مرد پر ایسے ہی حقوق ہیں جیسے مرد کے عورت پر ہیں اور وہ ہر طرح کے انصاف اور حسن سلوک کی حقدار ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں بتایا گیا ہے: 'وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ' (النساء۔19) ترجمہ: عورتوں کے ساتھ معاشرت میں نیکی اور انصاف ملحوظ رکھو۔

خوشگوار زندگی بسر کرنے کے لئے شوہر پر جو ذمہ داریاں آتی ہیں، اس مختصر آیت میں وہ سب ہی سمیٹ دی گئی ہیں، خوش اخلاقی سے پیش آنا نرمی اور احسان کی روش اختیار کرنا، خرچ میں تنگی نہ کرنا، ان کو اچھی تعلیم اور اخلاق سے آراستہ کرنا، ان کے حقوق کی حفاظت کرنا اور اگر کئی بیویاں ہوں تو ان میں برابری کا سلوک کرنا۔ یہ ساری باتیں اس مختصر سی آیت میں آگئی ہیں، اسلام نے نکاح کو ایک معاہدہ قرار دے کر بھی اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے:

'وَأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا (النساء۔21) ترجمہ: اور تمہاری عورتیں تم سے مضبوط عہد لے چکی ہیں۔

اس مضبوط عہد کی تفسیر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں اس انداز میں فرمائی ہے:

'اتقو الله في النساء فانكم اخذتموهن بامانة الله' (ابن ماجہ) ترجمہ: عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو کیوں کہ تم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور امانت لیا ہے۔

گویا نکاح کو ایک امانت قرار دیا ہے۔ جیسے ہر ایک معاہدے میں دونوں فریقوں کے کچھ حقوق ہوتے ہیں اور ان پر کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں، اسی طرح امانت کا حال ہے، چوں کہ نکاح ایک معاہدہ اور امانت ہے اس لئے عورت کے سلسلے میں مرد کو گھریلو زندگی میں بھلائی اور حسن سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس حسن سلوک کی تاکید کرتے ہوئے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'خيركم خيركم لاهله' (ابن ماجہ) ترجمہ: تم میں سے اچھا وہی ہے جو اپنے اہل (یعنی بیوی بچوں) کے لئے اچھا ہے۔

اگر شوہر اپنے اختیارات کے استعمال میں ظلم سے کام لے تو عورت کو قانون سے مدد لینے اور عدالت کے ذریعہ اپنے حقوق وصول کرنے کا حق حاصل ہے۔

15.2.8 تشدد سے تحفظ کا حق

شوہر پر بیوی کا یہ بھی حق ہے کہ وہ اس پر ظلم وزیادتی نہ کرے: 'وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا' (البقرہ۔231) ترجمہ: اور ان کو ضرر پہچانے اور زیادتی کرنے کے لئے نہ روکے رکھو۔ جو ایسا کرے گا اس نے گویا اپنے اوپر ظلم کیا اور اللہ کے احکام کو مذاق نہ بنالو۔

یہ آیت دراصل اس موقع کی ہے جہاں شوہر اپنی بیوی کو بار بار طلاق دینے اور رجوع کرنے سے منع کیا گیا ہے کچھ شوہر اپنی بیوی کو پریشان کرنا چاہتے ہیں تو ایک ہی بار طلاق دے کر اسے آزاد نہیں کر دیتے بلکہ عورت کو طلاق دیتے ہیں۔ پھر عدت پوری ہونے سے پہلے ہی اس سے رجوع کر لیتے ہیں، پھر طلاق دیتے ہیں اور کچھ دن کے بعد رجوع کر لیتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عورت ایک دائمی تکلیف میں مبتلا رہتی ہے، یہ اللہ کے احکام اور رعایتوں کا مذاق بنانا ہے، اس لئے اس سے منع فرمایا گیا ہے، اس آیت میں ظلم کی تعیین نہیں کی گئی ہے کیوں کہ یہ جسمانی بھی ہو سکتی ہے اور روحانی بھی۔

15.2.9 نکاح کا پیغام بھیجنے کا حق

اسلام نے عورت کو یہ بھی اجازت دی ہے کہ اگر کسی شخص سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو وہ اس شخص کے پاس اپنی جانب سے پیغام نکاح بھیج سکتی ہے۔ اس بات پر اس کو کوئی روک نہیں سکتا ہے، جیسا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور امانت داری سے متاثر ہو کر ان کی طرف پیغام نکاح بھیجا تھا اور ان کے پیغام نکاح کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول بھی کیا۔
حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی ذات کو آپ کے لئے پیش کرتی ہوں، جب عورت نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا تو بیٹھ گئی (بخاری)

حضرت ثابت البنانی کہتے ہیں کہ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھا اور ان کی صاحبزادی ان کے پاس بیٹھی ہوئی تھی، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے کو پیش کرنے کے لئے آئی اور کہا: اے اللہ کے رسول کیا آپ کو میری ضرورت ہے؟ اس پر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی نے کہا: کتنی بے شرم ہے، ہائے بے شرمی! ہائے بے شرمی! حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: وہ تم سے بہتر ہے، اس نے رسول کی خواہش کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے آپ کو پیش کر دیا' (بخاری)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت جس شخص سے نکاح کرنا چاہتی ہے اسے خود بھی پیغام دے سکتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک اثر محفوظ ہے کہ: اسلمت ام سلیم قبل ابی طلحه فخطبها فقالت انی قد اسلمت فان اسلمت نکحت فاسلم فکان صداق ما بینهما۔ (نسائی) ترجمہ: ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنھا ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے مسلمان ہو گئی

تھیں۔ انہوں نے اس کے بعد ابو طلحہ کے پاس پیغام بھیجا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے، اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ تو میں تم سے نکاح کر لوں گی۔ چنانچہ ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کر لیا اور ان کا اسلام قبول کرنا ہی ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنھا کا مہر قرار پایا۔

اگر عورت کسی آدمی کے اخلاق اور اس کی دینداری سے متاثر ہو کر اس سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو اسے پیغام نکاح بھیج سکتی ہے، اس میں کسی طرح کی کوئی قباحت نہیں ہے۔

15.2.10 عقد ثانی کا حق

شریعت اسلامی میں شوہر سے ازدواجی رشتہ ختم ہونے پر عورت کو از سر نو اپنا گھر دوبارہ بسانے کا حق ہے چاہے عورت مطلقہ، بیوہ یا فسخ نکاح والی ہو اس کو اپنا نکاح دوبارہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اس میں رکاوٹ اور دشواری پیدا کرنا سخت ناپسندیدہ ہے، در اصل ایسی عورتیں بڑی بے کسی اور مظلومی کی زندگی گزارتی ہیں اس لئے ایسی عورتیں زیادہ رحم اور حسن سلوک کی حقدار ہوتی ہیں، لیکن ہر زمانہ میں ایسی عورتوں کے ساتھ بہت ظالمانہ سلوک ہوتا رہا ہے، اور ذلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے مزید ان کو حقوق انسانی سے محروم رکھا جاتا ہے، اس لئے ایسی عورتوں کی نکاح ثانی کے سلسلے میں مدد کرنی چاہیے۔ جیسا کہ اسلام نے کہا ہے: وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَى مِنْكُمْ '(النور۔23) ترجمہ: اور اپنے میں سے بیوہ عورتوں کے نکاح کر دو۔

'وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ '(البقرہ۔234) ترجمہ: تم میں سے جو لوگ مر جائیں ان کے پیچھے اگر ان کی بیویاں زندہ ہوں تو وہ اپنے آپ کو چار مہینے دس دن روکے رکھے پھر جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو انہیں اختیار ہے اپنی ذات کے معاملے میں معروف طریقے سے جو چاہیں کر لیں، تم پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں اللہ تعالیٰ تم سب کے اعمال سے با خبر ہے۔

' وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ذَلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكُمْ أَزْكَى لَكُمْ وَأَطْهَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ' (البقرہ۔232) ترجمہ: جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو پھر اس میں مانع نہ ہو کہ وہ اپنے زیر تجویز شوہروں سے نکاح کر لیں جب کہ وہ باہم معروف طریقے سے مناکحت پر راضی ہو جائیں، تمہیں نصیحت کی جاتی ہے (کہ ایسی حرکت ہر گز نہ کرنا) اگر تم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لانے والے ہو تمہارے لئے پاک اور شائستہ طریقہ یہی ہے کہ اس سے باز رہو اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ 'يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا '(النساء۔19) ترجمہ: اے ایمان والو! تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم زبردستی بیوہ عورتوں کے وارث بن جاؤ۔

ایک بیوہ کے ساتھ حسن سلوک یہی ہے کہ اس کا دوسرا نکاح کروا دیا جائے، ایسی بہت سی مثالیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

زمانہ کی ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ عورتیں ایک شوہر کے انتقال کے بعد دوسرے سے نکاح کر لیتی تھیں۔ جیسے سہیلہ بنت سہیل کا نکاح یکے بعد دیگرے چار اصحاب حضرت حذیفہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، عبد اللہ بن الاسود اور شماخ بن سعید رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ہوا۔ اسی طرح عبد اللہ بن ابی کی لڑکی جمیلہ کا عقد حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا وہ احد میں شہید ہو گئے تو ثابت بن قیس نے ان سے شادی کی، ثابت کے بعد مالک بن دخشم نے اور آخر میں حبیب بن یساف کے عقد میں وہ آئیں۔ حضرت اسماء بنت عمیس کی پہلی شادی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی ان کے انتقال کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور حضرت ابو بکر صدیق کے بعد حضرت علیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے نکاح کیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی ام کلثوم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیاہی گئیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے تو عون بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کا نکاح ہوا، عون بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد ان کے بھائی عبد اللہ نے ان سے نکاح کر لیا۔ (عورت اسلامی معاشرے میں)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دوسرا نکاح بڑی آسانی سے ہو جاتا تھا۔ یہ کوئی بری بات نہیں تھی جیسا کہ دوسرے مذاہب میں اس کو معیوب سمجھتے ہیں۔

15.2.11 خلع کا حق

جس طرح بیوی سے نباہ نہ ہونے پر شوہر کو طلاق دینے کا حق ہے۔ اسی طرح شوہر سے نباہ نہ ہونے کی صورت میں عورت کو حق ہے کہ وہ شوہر سے خلع لے سکتی ہے، خلع کے لغوی معنی کپڑا اتارنا ہے، شرعی اصطلاح میں معاوضہ لے کر مِلک نکاح کا زائل کرنا چاہے۔ یہ معاوضہ وہ خود دے یا کوئی اور دے خلع کہلاتا ہے۔ اگر بیوی کے پاس معقول عذر ہو یا میاں بیوی دونوں کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ اللہ کے حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو اس صورت میں اسلامی تعلیمات میں خلع کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ عورت شوہر کو مہر واپس کر کے خلع کرا سکتی ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

'وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ '(البقرہ۔229) ترجمہ: اور تمہارے لئے یہ بات حلال نہیں کہ (چھوڑنے کے وقت) کچھ بھی لو (گو) اس میں سے ہی سہی جو تم نے ان کو (مہر میں) دیا تھا مگر یہ کہ میاں بیوی دونوں کو احتمال ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ضابطوں کو قائم نہ کر سکیں گے۔ سو اگر تم لوگوں کو یہ احتمال ہو کہ وہ دونوں ضوابط خداوندی کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہو گا۔ اس (مال کے لینے دینے) میں جس کو دے کر عورت اپنی جان چھڑا لے۔

اصولاً قرآن کی تعلیم یہی ہے کہ مرد اور عورت اللہ کے ٹھہرائے ہوئے قانون کے تحت خوش و خرم ازدواجی زندگی بسر کریں۔ ان میں اگر کسی طرح کا اختلاف ہو جائے تو عورت کو چاہیے کہ وہ شوہر سے صلح کر لے اور نوبت خلع تک نہ پہنچے۔ لیکن اگر عورت کسی طرح شوہر کے ساتھ رہنے کو برداشت نہ کر سکے اور اسے اندیشہ ہو کہ وہ کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے گی تو خلع لے سکتی ہے، حدیث میں ہے کہ:

ایما امراء ۃ سالت زوجھا الطلاق ما باس فحرام علیھا رائحة الجنہ۔(بیہقی)ترجمہ:جو کوئی عورت اپنے شوہر سے بلا وجہ طلاق مانگے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

خلع کا سب سے پہلا مقدمہ جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا وہ جمیلہ بنت سلول رضی اللہ تعالیٰ عنھا کا ہے انہوں نے اپنے شوہر ثابت ابن قیس کو کچھ آدمیوں کے ساتھ آتے ہوئے دیکھا تو وہ انہیں بہت بدصورت اور بھدے لگے اور ان کے دل میں ان کے لئے نفرت پیدا ہو گئی:

عن ابن عباس:ان امراء ۃ ثابت بن قیس اتت النبیﷺ فقالت:یا رسول اللہ،ثابت بن قیس ،ما اعتب علیہ فی خلق ولا دین،ولکنی اکرہ الکفر فیالاسلام ،فقال رسولﷺ:اتر دین علیہ حدیقة؟قالت: نعم ،قال رسولﷺ:اقبل الحدیقة و طلقھا تطلیقہ۔(بخاری)ترجمہ:حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ثابت بن قیس کی بیوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئیں:یارسول اللہ!میں کسی بات پر ثابت بن قیس سے ناخوش نہیں ہوں،نہ ان کے اخلاق سے اور نہ ان کے دین سے ،لیکن میں اسلام میں احسان فراموش بننا ناپسند کرتی ہوں،تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:کیا تم ان کا باغ واپس دینا چاہتی ہو؟انہوں نے کہا:ہاں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:ان کا باغ دے دو اور ان سے طلاق لے لو۔

خلع کے معاملہ میں اگر عورت اور مرد کے درمیان گھر ہی گھر میں کوئی بات طے ہو جائے تو جو کچھ طے ہو جائے وہی مرد کو دیا جائے گا لیکن اگر معاملہ عدالت تک پہنچ جائے تو عدالت صرف اس بات کی تحقیق کرے گی کہ عورت اپنے شوہر سے اس قدر متنفر ہو چکی ہے کہ اب اس کے ساتھ نباہ ممکن نہیں ہے،اس بارے میں اطمینان ہو جانے کے بعد عدالت جو فدیہ تجویز کرے گی وہ عورت کو شوہر کو ادا کرنا پڑے گا۔خلع کے معاوضہ کے سلسلے میں علماء دین نے بالعموم اس بات کو ناپسند کیا ہے کہ شوہر جو مال(مہر)بیوی کو دے چکا ہو اس سے زیادہ شوہر کو دلوایا جائے۔

15.3 عورت کے سیاسی حقوق

اسلام نے جس طرح عورت کو ازدواجی اور دوسرے حقوق دیئے ہیں اسی طرح اس کو سیاست کے میدان میں بھی پیچھے نہیں رکھا ہے۔اسلام نے عورت کو مندرجہ ذیل سیاسی حقوق دیے ہیں:

15.3.1 رائے دینے کا حق

اسلام نے عورتوں کو اظہار رائے کی پوری آزادی دی ہے۔عورت اپنے ہر معاملہ میں خود فیصلہ کرنے کا حق رکھتی ہے۔جس طرح مرد اپنے معاملہ میں آزاد ہے اسی طرح عورت بھی آزاد ہے،عورت ذاتی،سماجی اور سیاسی معاملات میں اپنی رائے دینے کا حق رکھتی ہے، اگر عورت پر کوئی ظلم ہو رہا ہو تو وہ اس کے خلاف آواز بلند کر سکتی ہے،اور وہ اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے قاضی سے عدالت میں جا کر مدد لے سکتی ہے۔عورت کو سیاسی معاملات میں رائے دینے کا حق ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے حق رائے دہی کو قانونی بنیاد فراہم

کی ہے خلفائے راشدین نے اپنے ادوار میں خواتین کی رائے کی ریاستی معاملات میں شمولیت یقینی بنائی، نبی کری صلی اللہ علیہ وسلم اسلام میں داخل ہونے والے مردوں سے جس طرح بیعت لیتے تھے اسی طرح عورتوں سے بھی بیعت لیتے تھے۔ مختلف احادیث میں ہے کہ صحابیات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اپنی مرضی سے بیعت کیا کرتیں تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا روایت کرتی ہیں کہ:'ان رسول الله ﷺ كان يمتحن من هاجر اليه من المومنات بهذه الاية بقول الله:يا يها النبى اذا جاء ک المومنات يبايعنک على ان لا يشركن بالله شيئاولا يسرقن ولا يزنين ولا يقتلن اولادهن ولا ياتين ببهتان يفترينه بين ايديهن وارجلهن ولا يعصينک فى معروف فبايعهن واستغفر لهن الله ـ ان الله غفوررحيم قال عروه:قالت عائشه: فمن اقر بهذا الشرط من المومنات، قال لها رسول ﷺ : قد بايعتک كلاما،ولا والله ما مست يده يد امراة قط فى المبايعة، مايبايعن الا بقوله:قد بايعتک على ذلک (بخاری)

ترجمہ: جو مسلمان عورتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرکے آتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کی بیعت لیتے۔ "اے نبی! جب آپ کی خدمت میں مومن عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کے لئے حاضر ہوں اور اس بات کا عہد کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا کریں گی، اپنی اولاد کو قتل کریں گی، اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر نہ لائیں گی، اور کسی امر معروف میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی، تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے حق میں اللہ سے دعائے مغفرت کرو، یقینا اللہ در گزر فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ عروہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا نے فرمایا کہ جو مسلمان عورتیں ان شرائط کا اقرار کرتیں تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان عورتوں سے فرمادیا کرتے کہ میں نے تمہیں بیعت کرلیا اور خدا کی قسم، بیعت کرتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک نے کسی عورت کا ہاتھ قطعا نہیں چھوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عورتوں کو بیعت کرنا صرف زبانی کلام ہوتا کہ فرمادیتے کہ میں نے تمہیں فلاں بات پر بیعت کرلیا ہے۔

حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا روایت کرتی ہیں کہ: بايعنا النبى ﷺ،فقراء علينا:(ان لا يشركن بالله شيئا)و نهانا عن النياحة ،فقبضت امراء ة منا يدها ،فقالت:فلانة اسعدتنى،وانا اريد ان اجزيها، فلم يقل شيئا،فذهبت ثم رجعت،فما وفت امراء ة الا ام سليم، و ام العلائ، وابنة ابى سبرة امراء ة معاذ،او ابنه ابى سبرة،او امراة معاذ۔ (بیہقی) ترجمہ: ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: 'اور تم اللہ کا کسی کو شریک نہ ٹھرانا' اور ہمیں نوحہ کرنے سے منع فرمایا، چنانچہ ہم میں سے ایک عورت نے اپنا ہاتھ روک لیا اور عرض گزار ہوئی کہ فلاں عورت نے نوحہ کرنے میں میری مدد کی تھی اور میں اس کا بدلہ اتارنا چاہتی ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہ فرمایا وہ چلی گئی اور پھر لوٹ کر آئی یہ باتیں ام سلیم، ام العلاء، ابو سبرہ کی صاحبزادی اور معاذ کی بیوی کے سوا دیگر عورتوں سے نبھائی نہ جا سکیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت مبارکہ پر عمل خلافت راشدہ کے دور میں بھی جاری رہا اور رائے دہی کے معاملات میں خواتین کو بھرپور شمولیت دی گئی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بعد اپنے جانشین کے انتخاب کے لئے چھ لوگوں کو نامزد کیا حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت طلحہ، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنھم

اجمعین ان میں سے حضرت عبدالرحمن بن عوف نے اپنا نام واپس لے لیا اور خلیفہ چننے کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لی پھر انہوں نے تمام لوگوں سے فرداً فرداً جا کر مشورہ لیا کہ لوگ کس کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں اور ان مشورہ دینے والوں میں مرد اور عورت دونوں شامل تھے۔

15.3.2 سیاست میں حصہ لینے کا حق

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نظام خلافت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی مجلس شوریٰ میں خواتین کو بھی نمائندگی حاصل تھی ایک موقع پر جب آپ نے مجلس شوریٰ سے عورتوں کی مہر کی مقدار متعین کرنے پر رائے لی تو مجلس شوریٰ میں موجود ایک عورت نے کہا آپ کو اس کا حق اور اختیار نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: 'وَإِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا '(النساء-20) ترجمہ: اور اگر تم ایک بیوی کے بدلے دوسری بیوی بدلنا چاہو اور تم اسے ڈھیروں مال دے چکے ہو تب بھی اس میں سے کچھ واپس مت لو، کیا تم دہشت کے ذریعہ اور کھلا گناہ کر کے وہ مال (واپس) لو گے ؟۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی تجویز واپس لے لی اور فرمایا: امراء ة خاصمت عمر فخصمته۔ ترجمہ: ایک عورت نے عمر سے بحث کی اور وہ اس پر غالب آگئی۔ (المصنف عبد الرزاق)

اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ معاملہ کسی عوامی جگہ پر مشورہ نہیں کر رہے تھے، بلکہ کسی خاص مقام پر مشورہ لے رہے تھے، جس میں عامۃ الناس کے بجائے منتخب افراد ہی اس مشاورت میں شامل تھے، اور ایک عورت کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات پر اعتراض کرنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اس دور میں عورتوں کو ریاستی معاملات میں شرکت کرنے، حکومت میں شامل ہونے اور اپنی رائے پیش کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ مزید یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنی بات واپس لے لینا اور اپنی غلطی کا اعتراف کر لینا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اسلام میں جنسی امتیاز کے لئے کوئی جگہ نہیں، اور مرد و عورت کو اسلام میں یکساں حقوق حاصل ہیں۔ اس واقعہ سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اسلامی ریاست میں اگر کوئی بھی قانون پاس کرنا ہوتا تو اسے تمام لوگوں کے سامنے پیش کیا جاتا اور پھر ہر رکن اپنی رائے پیش کرتا، اگر مخالفت میں ٹھوس دلائل ہوتے تو وہ بل واپس بھی لے لیا جاتا ورنہ اتفاق رائے سے وہ حکم نافذ کر دیا جاتا، اس دور میں بھی جمہوریت تھی۔

اسلام سے قبل عورتوں کو کسی بھی سماجی یا سیاسی معاملات میں شریک نہیں کیا جاتا تھا لیکن اسلام نے عورتوں کو سماجی اور سیاسی مقام بھی عطا کیا ہے۔ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اپنے تمام معاملات میں مشورہ لیا کرتے تھے، ان کے علاوہ اور بیویوں سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشورہ لیا کرتے تھے، جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ: 'قوموافانحروا ثم احلقوا' ترجمہ: کھڑے ہو جاؤ اور قربانی کرو اور بال کٹواؤ۔ تو صحابہ کرام میں سے کوئی بھی کھڑا نہ ہوا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قیام گاہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے اور ان سے مشورہ کیا تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیتے ہوئے فرمایا: یا نبی اللہ:اتحب ذلک اخرج ثم لا تکلم احدا منهم کلمة حتی تنحر بدنک،وتدعوحالقک فیحلقک فخرج،فلم یکلم احدامنهم حتی فعل ذلک،نحر بدنه ودعا حالقه

فحلقه،فلما راوا ذلک قاموا فنحروا،و جعل بعضهم یحلق بعضا حتی کاد بعضهم یقتل بعضا غما۔(بخاری)ترجمہ: اے رسول اللہ! کیا آپ چاہتے ہیں کہ لوگ ایسا کریں۔ تو ایسا کیجئے کہ آپ کسی سے کچھ نہ کہیے، اٹھ کر اپنے اونٹوں کو نحر کر ڈالیے اور حجام کو بلوا کر حجامت کروایئے۔ آپ اٹھے اور کسی سے بات نہیں کی اپنے اونٹوں کو نحر کیا اور حجامت والے سے سر منڈوایا، جب لوگوں نے آپ کو ایسا کرتے دیکھا سب اٹھے اور نحر کیا اور ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے قریب تھا کہ حجام کی وجہ سے ایک دوسرے کو ہلاک کریں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے مشورہ لینے کی نہ صرف ترغیب دی بلکہ اس پر عمل کرنے کی تاکید بھی کی، جیسا کہ آپ نے خود حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کے مشورہ پر عمل کرکے دکھایا، جس کے سبب ایک بہت بڑا مسئلہ حل ہو گیا۔

15.3.3 ریاست کی دفاعی ذمہ داریوں میں نمائندگی کا حق

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں عورتیں جہاد میں برابر حصہ لیتی تھیں:عن انس قال:لما کان یوم احد انهز م الناس عن النبی ﷺ قال:ولقد رائیت عائشة بنت ابی بکر و ام سلیم و انهما لمشمر تان،اری خدم سوقهما،تنقزان القرب و قال غیره:تنقلان القرب علی متو نهما،ثم تفر غانه فی افواه القوم ثم ترجعان فتملا نها ثم تجیئان فتفر غانها فی افواه القوم۔(بخاری)ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب جنگ احد میں لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہو گئے تو میں نے حضرت عائشہ بنت ابو بکر اور حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنھا کو دیکھا کہ دونوں نے اپنا دامن سمیٹ رکھا ہے، اور میں ان کے پیروں کی پازیب دیکھ رہا تھا دونوں اپنی پیٹھ پر پانی کی مشکیں لاتیں اور پیاسے مسلمانوں کو پلاتی تھیں پھر لوٹ جاتیں اور مشکیزے بھر کر لاتیں اور پیاسے مسلمانوں کو پلاتیں۔

قال ثعلبة بن ابی مالک:ان عمر ابن الخطاب قسم مروطابین نساء من نساء المدینة فبقی مرط جید، فقال له بعض من عنده:یا امیر المومنین اعط هذاابنة رسول اللهﷺ التی عندک یریدون ام کلثوم بنت علی،فقال عمر:ام سلیط احق و ام سلیط من نساء الانصار ممن بایع رسول الله علیه وآله وسلم قال عمر:فانها کانت تزفر لنا القرب یوم احد۔(بخاری)ترجمہ: ثعلبہ بن ابو مالک روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ کی مستورات میں کچھ چادریں تقسیم کی تھیں، ایک عمدہ چادر باقی بچی رہی حاضرین میں سے کسی نے کہا اے امیر المومنین! یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صاحبزادی کو دے دیجئے جو آپ کے حرم میں ہے، ان کی مراد ام کلثوم بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنھا سے تھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ام سلیط زیادہ حقدار ہیں اور ام سلیط انصار کی ان عورتوں میں سے ہیں جنھوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی تھی اور یہ اس لئے بھی زیادہ حقدار ہیں کہ جنگ احد میں ہمارے لئے مشک بھر بھر کر لاتی تھیں'۔

عن انس قال کان رسولﷺ یغزو بام سلیم و نسوة معها من الانصار یسقینالماء و یدا وین الجر حی۔ (ابوداؤد)ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ام سلیم اور کچھ انصاری خواتین کے ہمراہ جہاد فرماتے

تھے، یہ خواتین پانی پلاتی تھیں اور زخموں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ ’ربیع بنت معوذ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شریک رہتے، مجاہدین کو پانی پلاتے ان کی خدمت کرتے (کھانا وغیرہ پکاتے) اور مقتول اور مجروح لوگوں کو لے کر مدینہ میں آتے‘۔(بخاری) ’ام عطیہ رضی اللہ تعالی عنھا نے فرمایا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات جنگوں میں شریک رہی میں خیموں میں رہا کرتی تھی، لوگوں کے لئے کھانا تیار کرتی زخمیوں کی دوا کرتی اور مریضوں کی تیمارداری کرتی‘(ابن ماجہ)

’انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت سے کہ ام سلیم (ان کی ماں) نے حنین کے دن ایک خنجر لیا وہ اس کے پاس تھا، یہ ابو طلحہ نے دیکھا تو عرض کیا یارسول اللہ یہ ام سلیم ہے اور ان کے پاس ایک خنجر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ خنجر کیسا ہے، ام سلیم نے کہا یا رسول اللہ اگر کوئی مشرک میرے پاس آئے گا تو اس خنجر سے اس کا پیٹ پھاڑ ڈالوں گی۔ یہ سن کر رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے، پھر ام سلیم نے کہا یارسول اللہ ہمارے سوا جو لوگ جھوٹے ہیں (فتح مکہ کے روز) ان کو مار ڈالئے، انہوں نے شکست پائی آپ سے (اس وجہ سے مسلمان ہو گئے اور دل سے مسلمان نہیں ہوئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ام سلیم کافروں کے شر کو خدائے تعالیٰ کفایت کر گیا اور اس نے ہم پر احسان کیا اب تیرے خنجر باندھنے کی ضرورت نہیں‘(مسلم)

حشرج بن زیاد کی دادی اور پانچ عورتیں بھی اس جنگ (خیبر) میں گئی تھیں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آنے کا مقصد ان الفاظ میں ظاہر کیا: یا رسول الله خرجنا نقزل الصوف و نعین به فی سبیل الله و معنا دواء للجرحیٰ و تناول السھام و نسقی السویق۔(ابوداؤد) ترجمہ: اے رسول اللہ! ہم اس لئے آئے ہیں کہ صوف بنیں گے اور اس کے ذریعہ اللہ کی راہ میں مدد کریں گے، ہمارے پاس زخمیوں کے لئے دوا ہے، ہم تیر اندازوں کو تیر فراہم کریں گے اور ضرورت پر مجاہدین کو ستو گھول کر پلائیں گے۔

ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں دفاعی ذمہ داریوں میں شریک ہوتیں تھیں۔

15.3.4 عورت کو امان دینے کا حق

اسلام نے عورت کے امان کی بھی قدر کی ہے عورت کے حق امان دہی سے عورت کے ریاستی کردار کا پتہ چلتا ہے کہ عورت بھی ریاست میں داخل ہے اور اگر وہ کوئی عمل کرتی ہے تو اس کو مانا جائے گا۔ ’حضرت ام ہانی بنت ابی طالب نے اپنے دیوروں میں سے دو اشخاص کو امان دی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی امان کو بھی برقرار رکھتے ہوئے فرمایا: قد امنا من امنت۔(ترمذی) ترجمہ: (اے ام ہانی) جس کو تم نے امان دی اس کو ہم نے بھی امان دی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان المرء اۃ لتاخذ للقوم، یعنی تجیر علی المسلمین۔(ترمذی) ترجمہ: عورت پوری قوم کے واسطے امان دے سکتی ہے، یعنی پناہ دلواتی ہے مسلمانوں سے۔

عورت کی امان کا صحیح ہونا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانہ میں ایک عام بات تھی یہاں تک کہ حضرت عائشہ رضی

اللہ تعالیٰ عنھا نے فرمایا: ان كانت المراء ة لتجير على المومنين فيجوز۔(ابوداؤد)ترجمہ:اگر کوئی عورت (مسلمانوں کی مصلحت کے خلاف بھی) کسی کو امان دے دے تو جائز ہے۔اسلام میں عورت کے ان تمام حقوق سے یہ بات اچھی طرح سے واضح ہو جاتی ہے کہ اس زمانہ میں جب عورت کو جانور سے بھی بدتر سمجھا جاتا تھا کسی عورت کو تکریم کا مستحق نہیں سمجھا جاتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو وہ حقوق دیے، جس سے اسے عزت پر مبنی سماجی اور معاشرتی مقام ملا، اور آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی یہ صرف اسلام کا عطا کردہ ضابطہ حیات ہے جہاں عورت کو تکریم اور بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ کی ضمانت میسر آسکتی ہے۔

15.4 عورت کے قانونی حقوق

15.4.1 گواہی دینے کا حق

گواہی کی تعریف یہ ہے کہ انسان جو دیکھے یا سنے اسے سچ سچ بیان کر دے۔ارشاد باری تعالی ہے کہ:'وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ '(البقرہ۔283)ترجمہ:اور گواہی کو مت چھپاؤ، جو اسے چھپائے گا اس کا دل گناہ گار ہے)اسی طرح ارشاد نبوی ہے: خير الشهود من ادى شهادة قبل ان يسالها،(ابن ماجہ)ترجمہ:سب سے اچھے گواہ وہ لوگ ہیں جو سوال کئے جانے سے بھی پہلے گواہی دے دیں۔

کچھ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ عورت کی گواہی مرد سے آدھی کیوں ہے؟اس کا جواب یہ ہے کہ ہر وقت اور ہر معاملہ میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر نہیں قرار دی گئی ہے ایسا صرف چند مخصوص صورتوں میں ہوتا ہے، قرآن میں تقریباً پانچ مقامات ایسے ہیں جہاں گواہی کا ذکر موجود ہے، بعض مقامات ایسے ہیں جہاں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر قرار دی گئی ہے قرآن میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

'وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى '(البقرہ۔282)ترجمہ:اور اپنے میں سے دو مردوں کو(ایسے معاملے میں) گواہ کر لیا کرو اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جن کو تم گواہ پسند کرو(کافی ہیں) کہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے گی تو دوسری اسے یاددلا دے گی۔

سورہ بقرہ کی اس آیت میں ذکر صرف مالی معاملات کا ہے صرف مالی اور معاشی نوعیت کے معاملے میں ایک مرد کی گواہی دو عورتوں کے برابر دی جارہی ہے، بلکہ یہ کہا جارہا ہے کہ مالی معاملات میں دو مردوں کی گواہی بہتر ہے اور اگر دو مرد گواہی دینے والے نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنیں۔

اسلام نے فکر معاش کا ذمہ دار مرد کو بنایا ہے،لہذا ظاہر ہے کہ اسلامی معاشرہ میں معاشی معاملات کے بارے میں مرد کو زیادہ علم ہو گا اور یہی وجہ ہے کہ معاشی معاملات میں دو مردوں کی گواہی کو ترجیح دی گئی ہے قرآن میں ارشاد ہے کہ:

'يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةُ الْمَوْتِ '(المائدہ۔106)ترجمہ:مومنو!جب تم میں سے کسی کی موت آموجود ہو تو شہادت (کا نصاب) یہ ہے کہ وصیت کے وقت تم مسلمانوں میں سے دو مرد عادل گواہ ہوں یا اگر (مسلمان گواہ نہ ملیں اور) تم سفر کر رہے ہو اور (اس وقت) تم پر موت کی مصیبت واقع ہو تو کسی دوسرے مذہب کے دو (شخصوں کو) گواہ کر لو۔

یہاں بھی معاملہ معاش سے تعلق رکھتا ہے۔لہٰذا مرد کی گواہی کو ترجیح دی گئی ہے۔بعض علمائے قانون کی رائے یہ ہے کہ قتل کے معاملہ میں بھی جرم کی مخصوص نوعیت کے پیش نظر اور عورت کی فطرت کے تقاضوں کو دیکھتے ہوئے یہی اصول لاگو ہونا چاہیے، یعنی دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے مساوی قرار دی جانی چاہیے۔لیکن تمام معاملات میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر نہیں ہو گی، بلکہ کچھ معاملات ایسے ہیں جہاں ایک عورت کی گواہی ایک مرد کے برابر مانی جائے گی جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے:

'وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ○ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ○ وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ○ وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ '(النور۔6۔9)ترجمہ:اور جو لوگ اپنی عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور خود ان کے سوا ان کے گواہ نہ ہوں تو ہر ایک کی شہادت یہ ہے کہ پہلے تو چار بار اللہ کی قسم کھائے کہ بے شک سچا ہے، اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت، اور عورت سے سزا کو یہ بات ٹال سکتی ہے، کہ وہ پہلے چار بار اللہ کی قسم کھائے کہ بے شک یہ جھوٹا ہے اور پانچویں دفعہ یوں کہے کہ اگر یہ سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب (نازل ہو)۔

اس آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی پر الزام لگائے یا بیوی اپنے شوہر پر الزام لگائے تو اس معاملہ میں دونوں کی ذاتی گواہی کافی ہو گی، اسی طرح چاند دیکھنے کے سلسلے میں بھی عورت اور مرد کی گواہی میں کوئی فرق نہیں ہے، بعض فقہاء کا کہنا ہے کہ رمضان کے چاند کی رویت کے لئے ایک اور شوال کے چاند کے لئے دو گواہ درکار ہوں گے، لیکن گواہ کے مرد یا عورت ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔کچھ معاملات ایسے ہیں جن میں صرف عورت کی گواہی ہی قبول کی جائے گی مثال کے طور پر اگر کسی عورت کی میت کے غسل کا معاملہ ہے تو عورت کو عورت ہی غسل دے گی اور اس معاملے میں گواہی بھی عورت ہی دے سکتی ہے، اسی طرح بچے کی رضاعت کے معاملے میں بھی عورت ہی گواہی دے گی جیسا کہ حدیث میں ہے کہ: تجوز شهادة المراء ة الواحد في الرضاع۔ترجمہ: بچے کی رضاعت میں ایک عورت کی گواہی بھی معتبر ہے۔(المصنف عبد الرزاق)

اگر بچہ کی ولادت اور بچے کے رونے کے مسئلے میں کوئی نزاع واقع ہو جائے تو یہاں صرف عورت کی گواہی معتبر ہو گی مرد کی نہیں اس لئے کہ یہ ان امور میں سے ہے جن پر اکثر اوقات مرد مطلع نہیں ہو سکتے۔اس معاملے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دائی کی تنہا گواہی جائز قرار دی ہے۔اس کے علاوہ حیض کے کسی بھی اختلاف پر گواہی عورت ہی دے سکتی ہے۔

اسلام میں عورت کے ان تمام حقوق سے یہ بات اچھی طرح سے واضح ہو جاتی ہے کہ اس زمانہ میں جب عورت کو جانور سے بھی

بد تر سمجھا جاتا تھا کسی عورت کو تکریم کا مستحق نہیں سمجھا جاتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو وہ حقوق دیے، جس سے اسے عزت پر مبنی سماجی اور معاشرتی مقام ملا، اور آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی یہ صرف اسلام کا عطا کردہ ضابطہ حیات ہے جہاں عورت کو تکریم اور بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ کی ضمانت میسر آسکتی ہے۔

15.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- اسلام نے عورت کو نکاح میں کئی اہم حقوق سے نوازا ہے۔ عورت کی مرضی کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا ہے۔ عورت نکاح سے مطمین نہیں ہے تو اسے خلع لینے کا حق دیا گیا ہے۔
- اسلام نے عورت کو رائے دینے اور گواہی دینے کا حق دیا ہے۔
- اسلام نے عورت کو مختلف سیاسی حقوق بھی عطا کئے ہیں اور ریاست کی دفاعی ذمہ داریوں میں دفاع کا حق دیا گیا ہے۔

15.6 نمونہ امتحانی سوالات

15.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. حضرت بریرہؓ کا نکاح کس غلام سے ہوا تھا؟

(a)بلالؓ (b)زیدؓ (c)مصعبؓ (d)مغیثؓ

2. مندرجہ ذیل میں سے کون سا عورت کے ازدواجی حقوق میں سے ہے؟

(a)رائے دینے کا حق (b)عقد ثانی کا حق (c)امان دینے کا حق (d)میراث کا حق

3. ام درداءؓ نے کس سے ابو درداءؓ کی شکایت کی؟

(a)حضرت ابو بکرؓ (b)حضرت سلمانؓ (c)حضرت عمرؓ (d)حضرت عثمانؓ

4. حضرت خولہؓ کے شوہر کا نام کیا تھا؟

(a)حضرت عثمان بن مظعونؓ (b)حضرت سلمان فارسیؓ (c)حضرت ابو درداءؓ (d)حضرت مصعبؓ

5. مرد کے قوام ہونے کی آیت کس سورہ میں ہوئی ہے؟

(a)الرحمٰن (b)الکوثر (c)العلق (d)الناس

6. ام سلیمؓ نے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کو نکاح کا پیغام بھیجا۔

7. بیوہ کی عدت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ دن ہے۔

8. کون سی صحابیہ تھیں جن کا نکاح یکے بعد دیگر چار اصحاب سے ہوا؟

9. حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد حضرت ام کلثومؓ کا نکاح۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ صحابی سے ہوا؟

10. ام سلیمؓ نے مشرکوں کو قتل کرنے کے لئے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جنگ میں خنجر لیا ہوا تھا؟

15.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. حق خلع کے بارے میں لکھیے۔
2. شوہر کے انتخاب میں عورت کے حق کے بارے میں نوٹ لکھیے۔
3. کفالت کے حق کو مختصرا بیان کیجیے۔
4. عورت کے حق خلع کے بارے میں لکھیے۔
5. حق امان مختصرا لکھیے۔

15.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. اسلام میں عورتی کے ازدواجی حقوق کا جائزہ لیجیے۔
2. عورت کے سیاسی حقوق مفصل بیان کیجیے۔
3. عورت کے حقوق زوجیت کے بارے میں مفصل لکھیے۔

15.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. عورت اسلامی معاشرہ میں	:	سید جلال الدین عمری
2. عورت عہد رسالت میں	:	عبد الحلیم ابو شقة
3. عورت اور اسلامی تعلیم	:	مالک رام
4. خاتون اسلام	:	مولانا وحید الدین خان
5. اسلام میں خواتین کے حقوق	:	مرتضی مطہری
6. اسلام میں حیثیت نسواں	:	محمد مظہر الدین صدیقی

اکائی 16: خواتین کے خصوصی حقوق اور رعایتیں

اکائی کے اجزا:

16.0 تمہید

16.1 مقاصد

16.2 خواتین کے حقوق کا اجمالی جائزہ

16.3 عزت واحترام کا حق

16.4 خلع کا حق

16.5 کسبِ معاش کا حق

16.5.1 ملازمت کے سلسلے میں علماء کی آراء

16.6 مہر کا حق

16.6.1 مہر: معجل اور موٴجل

16.7 نان ونفقہ کا حق

16.8 میراث کا حق

16.9 مال میں تصرف کا حق

16.10 سماجی حق

16.11 نکاح میں رضامندی کا حق

16.12 مسجد میں داخلہ کا حق

16.13 حالتِ حیض ونفاس میں عبادت میں رعایت

16.14 اکتسابی نتائج

16.15 کلیدی الفاظ

16.16 نمونہ امتحانی سوالات

16.16.1 معروضی سوالات

16.16.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

16.16.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

16.17 تجویز کردہ اکتسابی مواد

16.0 تمہید

خواتین کے حقوق ہر زمانے میں زیر بحث رہے ہیں، ان کے حقوق کی بازیابی کی کوششیں مختلف ناموں اور مقاصد کے تحت ہوتی رہی ہیں۔ ظلم وجبر سے آزادی، مرد وزن کی برابری، مرد کی ماتحتی سے آزادی۔ عورت کی عورت سے آزادی اور اس کے معاشی استحقاق کی کوششیں یعنی عورت خود کفیل ہو، وہ کسی کے سہارے کی محتاج نہ ہو۔ اس اکائی میں خواتین کے حقوق اور رعایت کا ذکر کیا جائے گا۔ اسلام نے خواتین کو کیا حقوق دیے ہیں؟ کیا اسلام میں خواتین دوسرے درجہ کی حیثیت رکھتی ہیں، اس غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

16.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد خواتین کے خصوصی حقوق اور خصوصی رعایت کو بیان کرنا ہے۔ اسلام نے عورت کو کیا حقوق دیے ہیں؟ اور ان کا دائرہ کار کیا ہے؟ اس اکائی میں خواتین کے گیارہ حقوق بیان کیے گئے ہیں؛ عزت واحترام کا حق، کسبِ معاش کا حق، میراث کا حق، خلع کا حق، نان ونفقہ کا حق، مہر کا حق، میراث کا حق، مال میں تصرف کا حق، سماجی حق، سیاسی حق، حیض ونفاس میں عبادات میں رعایت وغیرہ مسجد میں خواتین جاسکتی ہیں یا نہیں اس پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔

16.2 خواتین کے حقوق کا اجمالی جائزہ

اسلام نے مسلم خواتین کے لیے آزادی کا جو تصور دیا ہے، وہ اس سے بڑی حد تک مختلف ہے جو مغربی تہذیب کے زیر اثر دنیا میں پروان چڑھ رہا ہے۔ یعنی مرد وزن ہر اعتبار سے یکساں حقوق کے حقدار ہیں، وہ ہر کام مردوں کے شانہ بشانہ کر سکتی ہیں۔ خواتین بھی ان سارے کاموں میں حصہ لینے کی مستحق ہیں جو مرد کر سکتا ہے۔ وہ گھروں میں محصور نہیں رہیں گی، بلکہ سماجی زندگی کے ہر میدان میں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں گی۔ وہ خاتون خانہ بن سکتی ہیں اور شمع محفل بھی۔ اس تصورِ آزادی سے بعض مسلم مفکرین بھی متاثر ہوئے اور آزادیِ نسواں کے لیے صفحات کے صفحات سیاہ کر ڈالے۔

اسلام میں عورت کی بہت زیادہ تکریم کی گئی ہے، بہ حیثیت ماں اس کی خدمت کو جنت کی بشارت اور بہ حیثیت بیوی شوہر کی خوشنودی حاصل کرنے کو سرفرازی کی ضمانت اور بہ حیثیت بیٹی اسے رحمت کہا گیا ہے۔ یعنی اسلام میں بیٹی کی کفالت باپ کے ذمہ اور بیوی کی

شوہر کے ذمہ اور ماں کی اولاد کے ذمہ ہے۔ یہی وجہ کہ مسلم معاشرے میں عورت کی جوانی اور بڑھاپا دونوں محفوظ ہیں۔ اس کے برعکس مغربی تہذیب میں اس کے حقوق کے تحفظ کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ اس لیے عورت کی جوانی بازار کے نذر ہو جاتی ہے، بڑھاپا اولڈ ایج ہوم کے حوالے ہو جاتا ہے۔

اسلام انسانی حقوق میں عدل کا قائل ہے۔ وہ مرد و عورت کی بنیاد پر کسی بھی قسم کی تفریق نہیں کرتا ہے۔ اسلام نے ہر ایک کے بنیادی و فطری وظائف کی روشنی میں اس کے حقوق متعین کیے ہیں اور ہر ایک سے متعلق کچھ ذمہ داریاں طے کی ہیں۔ ہر ایک کا دائرہ عمل متعین کیا ہے، تاکہ ایک دوسرے کے حقوق کی انجام دہی میں کسی قسم کی دشواری پیدا نہ ہو۔ یہ فطری بات ہے، اگر دونوں کا دائرہ عمل ایک ہی کر دیا جائے تو دونوں کا حق اور سکون متاثر ہو گا۔ اسلام نے ہر ایک کی فطری صلاحیت، ذہنی و جسمانی طاقت اور پسند و ناپسند کے حساب سے کارگہ حیات انجام دینے کی اجازت دی ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (و-1979ء) اس حوالے سے اپنی کتاب "پردہ" میں رقم طراز ہیں:

"مغرب نے عورت کو بہ حیثیت عورت ہونے کے کوئی عزت نہیں دی ہے۔ یہ کام اسلام اور صرف اسلام نے کیا ہے کہ عورت کو تمدن و معاشرت میں اس کے فطری مقام پر رکھ کر عزت و شرف کا مرتبہ عطا کیا اور صحیح معنوں میں انوثت کا درجہ بلند کیا ہے۔ اسلامی تمدن کے لیے دونوں کی اہمیت یکساں مفید اور یکساں قدر کی مستحق ہیں۔ نہ رجولیت میں کوئی شرف ہے نہ انوثت میں کوئی ذلت۔ جس طرح مرد کے لیے عزت اور ترقی اور کامیابی اسی میں ہے کہ وہ مرد رہے اور مردانہ خدمات انجام دے۔ اسی طرح عورت کے لیے بھی عزت اور ترقی اور کامیابی اسی میں ہے کہ وہ عورت رہے اور زنانہ خدمات انجام دے۔"

16.3 عزت و احترام کا حق

اسلام نے عورت کا دوسرا حق یہ تسلیم کیا ہے کہ وہ عزت و احترام کی مستحق ہے۔ جس طرح مرد عزت و احترام کا حق رکھتے ہیں، اسی طرح خواتین بھی عزت کی مستحق ہیں۔ وہ مرد کے مقابلے میں عزت و احترام میں کسی بھی درجہ کم نہیں ہیں۔ اسلام باندیوں کو بھی ویسے ہی عزت و احترام کا مستحق سمجھتا ہے جیسے آزاد عورتیں ہوں، باندیوں کی دیکھ بھال کرنا، ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا، انہیں آزاد کرنا انہیں اجر کے حصول کا ذریعہ بنادیا ہے۔

بیوی کے ساتھ حسن سلوک کی نہایت تاکید کی گئی ہے۔ بیوی اور شوہر ایک دوسرے کے لیے لباس ہیں، بیوی کے ساتھ حسن معاشرت کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا: **وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ** (سورۃ النساء:19) "ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو"

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: خير كم خيركم لاهله وأنا خير كم لأهلى "تم میں سب سے اچھا وہ ہے جس کا سلوک اس کے گھر والوں کے ساتھ سب سے اچھا ہو اور میں گھر والوں کے ساتھ سلوک کے معاملے میں تم میں سب سے اچھا ہوں۔" [سنن ترمذی)

آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ خواتین کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کیا جائے، انہیں عزت دی جائے،

ان کی کوتاہیوں اور لغزشوں سے صرف نظر کیا جائے۔

عمرو بن احوص بیان کرتے ہیں کہ میں حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا، آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور لوگوں کو وعظ ونصیحت کی، پھر فرمایا:"عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی میری وصیت قبول کرو، اس لیے کہ عورتیں تمہاری ماتحت ہیں، لہٰذا تم ان سے اس (جماع) کے علاوہ کسی اور چیز کے مالک نہیں ہو، الا یہ کہ وہ کھلی بدکاری کریں، اگر وہ ایسا کریں تو ان کو خواب گاہ سے جدا کر دو، ان کو مارو لیکن سخت مار نہ مارو، اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو پھر ان پر زیادتی کے لیے کوئی بہانہ نہ ڈھونڈو، تمہارا عورتوں پر حق ہے، اور ان کا حق تم پر ہے، عورتوں پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارا بستر ایسے شخص کو روندنے نہ دیں جسے تم نہ پسند کرتے ہو اور وہ کسی ایسے شخص کو تمھارے گھروں میں آنے کی اجازت نہ دیں، جسے تم ناپسند کرتے ہو، سنو! اور ان کا حق تم پر یہ ہے کہ تم اچھی طرح ان کو کھانا اور کپڑا دو"۔ [سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب حق المرأۃ علی الزوج، حدیث:1851]

اسلام نے خواتین کو عزت واحترام کا جو مقام دیا ہے، اسی سے متاثر ہو کر مغربی خواتین تیزی سے اسلام قبول کر رہی ہیں، ایک نومسلمہ اسلام کے بارے میں اپنے تاثرات ان الفاظ میں بیان کرتی ہیں؛"اسلام عورتوں کے لیے قید خانہ نہیں جیسا کہ امریکہ میں برسوں سے سمجھا جاتا ہے۔ ہر شائستہ اور مہذب معاشرے کی طرح اسلام بھی معقول رہنما خطوط اور قوانین رکھتا ہے، تاہم اسلام میں لچک ہے جب کہ بعض دوسرے قوانین "پتھر کی تحریر" اور ان میں کسی بھی صورت کوئی رعایت ممکن نہیں۔ وہ مزید کہتی ہیں کہ بعض لوگ جو اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں پھیلانا چاہتے ہیں کہتے ہیں کہ اسلام میں عورتوں سے دوسرے درجے کا شہریوں والا سلوک کیا جاتا ہے، یا یہ کہ اسلام میں عورت، مرد سے کمتر سمجھی جاتی ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے شوہر اور بچوں کو کھانا کھلائے اور پھر جو کچھ بچ رہے وہ خود کھائے۔ یہ بات حقیقت کو بھونڈے طریقے سے مسخ کرنے کے مترادف ہے۔ بلاشبہ بعض اوقات عورتیں اپنے گھر کے دیگر افراد کو کھانا کھلانے کے بعد خود کھاتی ہیں لیکن یہ کوئی سزا یا ان کے عورت ہونے کی وجہ سے ان کے خلاف کسی فیصلے کا نتیجہ نہیں۔ مسلمان عورت ایسا اپنی محبت اور احساس ذمہ داری کے تحت کرتی ہے۔[پروفیسر ڈاکٹر انیس احمد، سہ ماہی مغرب اور اسلام، شمارہ ر 1، 2012ء، ص:73]

اسلام نے عورت کو عزت وتقدس کے لیے اسے ماں کی حیثیت سے، خالہ کی حیثیت سے بیٹی اور بیوی کی حیثیت سے محترم اور قابل احترام قرار دیا ہے۔

ماں کا تقدس بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:الجنة تحت أقدام الأمهات 'جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ ایک روایت معاویہ بن جاھمہ سلمی سے ہے کہ وہ کہتے ہیں میرے والد جاہمہؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرا جہاد میں جانے کا ارادہ ہے۔ اور میں آپؐ سے اس بارے میں مشورہ لینے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا"هل لک من أم؟ قال: نعم قال : فالزمها فان الجنة تحت رجلها "کیا تمھاری ماں ہے؟" انہوں نے عرض کیا ہاں!۔ آپ ﷺ نے فرمایا:"تو پھر اس کے پاس جاؤ اور اس کی خدمت میں رہو، اس کے قدموں میں تمھاری جنت ہے۔"[سنن نسائی، کتاب الجہاد، حدیث:3106]

آپ ﷺ نے متعدد مواقع پر ماں کے ساتھ حسن سلوک کی نصیحت فرمائی ہے:

حضرت ابو ھریرۃؓ کہتے کہ لوگوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! حسن سلوک (اچھے برتاؤ) کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "تمھاری ماں" پھر پوچھا: اس کے بعد کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "تمھاری ماں"، پھر پوچھا اس کے بعد کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "تمھارا باپ" پھر پوچھا: اس کے بعد کون حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق ہے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "پھر جو ان کے بعد تمہارے زیادہ قریبی رشتے دار ہوں، پھر اس کے بعد جو قریبی ہوں"۔ [سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، باب بر الوالدین، حدیث:3658]

ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے، تو کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے ؟ آپ ﷺ نے پوچھا "تمھاری ماں زندہ ہے ؟ اس نے عرض کیا کہ ماں تو نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تو کیا تمھاری کوئی خالہ ہے ؟" اس نے عرض کیا کہ 'ہاں خالہ موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اس کی خدمت اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ [سنن ترمذی، کتاب البر والصلۃ عن رسول اللہؐ، باب ماجاء فی بر الخالۃ، حدیث:1904]

16.4 خلع کا حق

اسلام نے عورت کو یہ حق بھی دیا ہے کہ اگر اس کا اپنے شوہر کے ساتھ نباہ نہ ہو رہا ہو، اور شوہر اس پر مسلسل زیادتی کرتا ہو، تو وہ اس سے علیحدگی کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ اسے شرعی اصطلاح میں "خلع" کہتے ہیں۔

خلع کے لغوی معنی: خلع عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "اتارنے" کے آتے ہیں، عرب کہتے ہیں خلعت اللباس (میں نے لباس اتار دیا) اس لفظ کو زوجین کی جدائی کے لیے اس لیے مستعار لیا گیا ہے کہ قرآن کریم میں شوہر اور بیوی کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا گیا ہے، اور خلع کے ذریعہ دونوں اپنا یہ معنوی لباس اتار دیتے ہیں۔

نکاح اور دوسرے شرعی معاملات کی طرح خلع بھی ایجاب و قبول کے ذریعہ انجام پاتا ہے۔ لیکن اگر زیادتی مرد کی طرف سے ہو تو تقریباً تمام فقہاء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شوہر کے لیے معاوضہ لینا جائز نہیں، اسے چاہیے کہ معاوضہ کے بغیر عورت کو طلاق دے دے اسی صورت میں اگر مرد معاوضہ لے گا تو مرتکب حرام اور سخت گناہ گار ہو گا۔ اس لیے کہ اس بارے میں قرآن کریم کا واضح ارشاد موجود ہے:

وَإِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا (سورۃ النساء:20) ترجمہ: اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لے آنے کا ارادہ ہی کر لو تو خواہ تم نے اسے ڈھیر سا مال ہی کیوں نہ دیا ہو، اس میں سے کچھ واپس نہ لینا۔ کیا تم بہتان لگا کر اور صریح ظلم کر کے واپس لو گے ؟۔

اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے خلع سے عورت بائنہ ہو جاتی ہے، یعنی اس کے بعد شوہر یکطرفہ طور پر رجوع نہیں کر سکتا، ہاں دونوں کی باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔

خلع کی مثال عہد نبوی ﷺ میں بھی پائی جاتی ہے کہ حبیبہ بنت سہل انصاریؓ حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ سے بیاہی گئی تھیں۔ ایک صبح رسول اللہ ﷺ نماز فجر کے لیے کاشانہ نبوی سے نکلے تو دیکھا کہ ایک عورت کپڑوں میں لپٹی ہوئی دروازے پر کھڑی ہے۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: "کیا بات ہے؟" سیدہ حبیبہؓ نے عرض کیا: نہ تو میں ثابت بن قیس کے ساتھ ہوں اور نہ ثابت میرے ساتھ ہیں یعنی ہم دونوں میاں بیوی میں نباہ کی کوئی صورت نہیں ہے۔ آپؐ اس کی یہ بات سن کر نماز کے لیے تشریف لے گئے۔ سیدنا ثابت بن قیسؓ جب خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ثابت! حبیبہ سے مہر کا عطیہ واپس لے لو"۔ یہ سن کر سیدنا ثابتؓ نے بیوی سے اپنا عطیہ واپس لے لیا اور اس طرح دونوں میں جدائی ہو گئی۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ عطیہ باغ تھا جو ثابت بن قیس کی بیوی نے انہیں واپس کر دیا۔ حافظ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ثابت سے فرمایا: اقبل الحديقة و طلقها واحدة ۔ باغ لے لے اور اس کو ایک طلاق دے دے"۔[صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب الخلع و کیف الطلاق فیہ، حدیث:5273]

16.5 کسبِ معاش کا حق

اسلام نے عورت کی فطری، جسمانی اور نفسیاتی تقاضوں کا اعتبار ولحاظ کرتے ہوئے کسب معاش کی ذمہ داری اس پر نہیں ڈالی ہے۔ معاشی تگ و دو سے اسے آزاد رکھا ہے، البتہ اسلام اس بات کی اجازت ضرور دیتا ہے کہ اگر کوئی عورت گھریلو مسائل سے نبٹنے اور اپنے شوہر کی مضبوط معاشی پوزیشن کے استحکام کے لیے ذریعہ معاش سے جڑنا چاہتی ہے اس کے لیے اس بات کی پوری اجازت ہے۔

اسلام خواتین کے سماجی اور حرکی رول کو نہ صرف قبول کرتا ہے بلکہ عورت کو معاشرہ کا اہم جز تسلیم کرتے ہوئے، اس کے اپنے دائرہ میں حدود وآداب کا لحاظ کرتے ہوئے سماجی، قومی وملی سرگرمیوں میں فعال کردار ادا کرنے پر ابھارتا ہے۔ پروفیسر یٰسین مظہر صدیقیؒ نے خواتین کا حق خرید و فروخت اور کسبِ معاش پر مفصل بحث کی ہے وہ اس بحث میں مسلم معاشرہ کی خواتین کے تعلق سے پائی جانے والی حوصلہ شکنی اور منفی ذہنیت پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں؛

"آج کے مسلم معاشروں میں عورتوں کے کسب معاش کی مساعی کو بنظر استحسان نہیں دیکھا جاتا بالخصوص روایتی دینی حلقوں میں۔ ان کے کسبِ معاش کے حق کو یا خرید و فروخت اور دستکاری و مزدوری کے معاملات کو بعض صحیح اصول کی بے اصول دھند میں چھپا دیا جاتا ہے۔ دلیل وہی ہے کہ عورت پر مال وکسب کی ذمہ داری ہی نہیں لہٰذا اسے کمانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اس کے بعد اس پر تجارت وکسب اور دستکاری وحرفت اور نوکری واجیری کے تمام دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔"[نبی اکرم ﷺ اور خواتین ایک سماجی مطالعہ، نشریات، لاہور، 2008ء، ص:139]

عہد نبوی ﷺ کی خواتین کپڑے بھی بنتی اور سیتی تھیں، حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ ایک عورت "بردہ" لے کر آئی، حضرت سہل نے اتنا کہہ کر دریافت فرمایا: "بردة" جانتے ہو کسے کہتے ہیں؟ حاضرین نے کہا جی ہاں! اس چادر کو کہتے ہیں جس کے کنارے کڑھائی کر دی جاتی ہے، پھر حضرت سہل نے کہا اس عورت نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے یہ چادر اپنے ہاتھ سے بنی ہے تا کہ میں یہ آپ

کی خدمت میں پیش کروں، آپ نے وہ چادر قبول کرلی، آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی، پھر آپ ہمارے پاس آئے تو وہ آپ کا ازار تھی، ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ مجھے عنایت فرمادیجیے، آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے، آپ مجلس میں بیٹھے پھر اندر جاکر اس کو اتار کر تہہ کیا اور اس شخص کو بھیج دی، لوگوں نے اس شخص سے کہا: تم نے آپؐ سے چادر مانگ کر کوئی اچھا کام نہیں کیا ہے، تم تو جانتے ہو کہ آپؐ کسی سے انکار نہیں کرتے ہیں، اس شخص نے عرض کیا: بخدا میں نے تو یہ چادر اس لیے مانگی تھی کہ وہ وفات کے بعد میرا کفن بنے، حضرت سہل نے بیان کیا کہ پھر یہ چادر اس کا کفن بنی۔[صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب ذکر النساج، حدیث:2093]

16.5.1 ملازمت کے سلسلے میں علماء کی آراء

اس سلسلے میں مشہور سعودی عالم ڈاکٹر صالح بن فوزان الفوزان رقم طراز ہیں؛

گھر کے باہر خواتین کی سروس یا دیگر کام کرنے کے ہم مخالف نہیں ہیں بشرطیکہ وہ مندرجہ ذیل ضوابط کے تحت ہوں۔

1. عورت اس ملازمت کی یا معاشرہ اس کے کام کا واقعی ضرورت مند ہو، مردوں میں اس کام کو انجام دینے والا موجود نہ ہو۔
2. گھریلو ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے بعد ہی وہ گھر کے باہر سروس کرسکتی ہے کیونکہ گھریلو ذمہ داریوں کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔
3. مردوں سے دور رہ کر محض خواتین کے بیچ میں اس طرح کی سروس کی جاسکتی ہے، مثال کے طور پر عورتوں کی تعلیم وتربیت، ان کی تیمارداری اور ان کا علاج ومعالجہ
4. اسی طرح دینی امور کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے عورتوں کے گھر سے باہر نکلنے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ یہ ایک ضروری چیز ہے، جن دینی مسائل کی عورت کو ضرورت ہو انہیں سیکھنے اور حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ انہیں عورتوں کے درمیان رہ کر حاصل کیا جائے، مساجد وغیرہ میں قائم کیے جانے والے وعظ ونصیحت کے دروس کی حاضری میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے، بشرطیکہ پردہ کے ساتھ اور مردوزن کے اختلاط سے دور ہو، جیساکہ ابتداء اسلام میں خواتین مساجد میں حاضر ہوکر سیکھتی اور سکھاتی تھیں۔[خواتین کے مخصوص مسائل، ڈاکٹر صالح بن فوزان الفوزان، ص:16-17]

اس سلسلے میں عالمی شہرت یافتہ عالم دین مولانا سید جلال الدین عمری حفظہ اللہ ایک سوال کے جواب میں کہتے ہیں؛

عورت اگر پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرتی ہے تو اسے اس کا حق ہے۔ اس پر پابندی لگانا درست نہ ہوگا۔ خاندان کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے بعد وہ شوہر کی اجازت سے کوئی ذریعہ معاش اختیار کرنا چاہتی ہے یا عمر کے ایک مرحلے میں وہ اس کے لیے زیادہ وقت دینے کا موقف رکھتی ہے تو اسے اس کے مواقع فراہم ہونے چاہئیں۔ اس کے لیے مناسب تدابیر سوچی جانی چاہئیں۔ اسی ذیل میں اس کی ملازمت کا سوال بھی سامنے آتا ہے۔ اس وقت جو ضابطے اور قوانین موجود ہیں ان میں زیادہ تر مردوں کی سہولتوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ مردوں کے لیے جو اوقاتِ کار معروف ہیں، ہوسکتا ہے کہ وہ خواتین کے لیے موزوں نہ ہوں۔ مردوں کے تقرر اور سبک دوشی کے جو قواعد ہیں۔ خواتین کے لیے ان میں تبدیلی لانی پڑے۔ چالیس برس کی عمر میں بھی اگر عورت ملازمت شروع کرنا چاہے تو اسے اس کے مواقع حاصل ہوں، اور اسے سبک دوش بھی ساٹھ سال کے بعد کیا جائے۔ اس کے ساتھ اس کی قوت کار اور صحت وتوانائی کو بھی پیش نظر رکھنا پڑے گا۔ اس پہلو سے

ہم سب کو غور کرنا چاہیے، لیکن اصلاحِ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی نقطہ نظر سے ان تمام پہلوؤں کا جائزہ لے اور خواتین کی خدمات کے لیے کوئی نیا نقشہ کار مرتب کرے۔[خواتین: معاشی اختیار اور تعلیم، مرتبین؛ خالد رحمن، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، سلیم منصور، 2007ء ص:166]

16.6 مہر کا حق

اسلام نے عورت کو مختلف حیثیت سے معاشی استحکام پہنچانے کی کوشش کی ہے، اور شوہر کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ اس کے ذمہ جو عورت کا واجبی حق بنتا ہے اسے ادا کرے۔ نکاح کی رضامندی کے بعد جب عورت رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو جاتی ہے تو اسلام نے شوہر کے ذمہ مہر کی ادائیگی کو لازم قرار دیا ہے، قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا (سورۃ النساء:4)

ترجمہ:"اور عورتوں کے مَہر خوش دلی کے ساتھ (فرض جانتے ہوئے) ادا کرو، البتہ اگر وہ خود اپنی خوشی سے مہر کا کوئی حصہ تمھیں معاف کر دیں تو اسے تم مزے سے کھا سکتے ہو۔"

16.6.1 مہر معجل اور مؤجل

اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ نکاح کے وقت ہی مہر کا ادا کر دینا ضروری نہیں۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ پورا مہر فوراً ادا کر دیا جائے، اس کو "مہر معجل" کہتے ہیں، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پورا مہر ادھار ہو، مہر ادھار ہونے کی صورت میں بہتر ہے کہ ادائیگی مہر کی مدت متعین کر دی جائے، تاہم اگر مدت متعین نہیں کی گئی، تب بھی نکاح درست ہو جاتا ہے، البتہ ایسا مہر جلد از جلد ادا کرنے کی سعی کرنی چاہیے، اور یہ بھی درست ہے کہ مہر کا کچھ حصہ نقد اور کچھ ادھار ہو، بلکہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ مہر کا کچھ حصہ یکجائی کے وقت ادا کر دے، اگر مطلق مہر متعین کیا، اور معجل یا مؤجل (نقد یا ادھار) کی تعیین نہیں کی، تو فقہاء اس کو "معجل" شمار کرتے ہیں، لیکن ہمارے یہاں عرف میں ایسا مطلق مہر مؤجل یعنی ادھار ہی شمار کیا جاتا ہے، اسی طرح اگر مہر تو مؤجل متعین کیا، لیکن ادائیگی کا وقت ذکر نہیں کیا، تو فقہاء کے نزدیک اس کا شمار "مہر معجل" نقد میں ہے، اور عورت کو فوری طور پر مطالبہ کا حق حاصل ہے۔[قاموس الفقہ، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، زمزم پبلشرز، کراچی، ج:5، ص:151]

احادیث نبوی ﷺ میں بھی مہر کی ادائیگی کے تعلق سے متعدد واقعات منقول ہیں۔

عبد الرحمن بن عوفؓ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی شادی کی اطلاع دیتے ہوئے کہا: میں نے ایک عورت سے شادی کی ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: تم نے اسے مہر کیا دیا ہے؟ جواب دیا: کھجور کی گٹھلی کے وزن کے برابر سونا (جو پانچ درہم کے وزن کے برابر ہوتا تھا) آپؐ نے دعا دی: بارک اللہ لک (اللہ تیرے لیے برکت نازل فرمائے) ولیمہ کرو خواہ ایک بکری ہی کا ہو۔[مسلم کتاب النکاح، باب صداق وجواز کونہ تعلیم القرآن، حدیث: مسلم1427]

حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمن سے روایت ہے کہ انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے پوچھا رسول اللہ ﷺ (کی ازواج مطہرات) کا مہر کیا تھا؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ بارہ اوقیہ اور ایک انش۔ پھر حضرت عائشہؓ نے پوچھا جانتے ہو انش کتنا ہوتا ہے۔ ابو سلمہؓ نے کہا نہیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا نصف اوقیہ اور یہ سارا پانچ سو درھم بنتا ہے۔ یہ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کا مہر تھا۔[مسلم کتاب النکاح، باب صداق وجواز کونہ تعلیم القرآن، حدیث:1426]

مہر عورت کی قیمت نہیں ہے دراصل یہ شوہر کی طرف سے اس کی عزت و تکریم کا ایک رمز ہے، یہ ایک معاہدہ کی علامت بھی ہے۔ مہر کی افادیت کے سلسلے میں مولانا سید جلال الدین عمری رقم طراز ہیں؛

مہر عقد زواج کو باقی رکھنے کا بھی ایک ذریعہ ہے۔ یہ ایک نفسیاتی بات ہے کہ آدمی جس چیز کے حصول کے لیے اپنا صرف پیسہ صرف کرے اس کو آسانی سے ضائع کرنا نہیں چاہتا بلکہ اس کو حتی الوسع باقی رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے علاوہ طلاق کی راہ میں بھی یہ ایک رکاوٹ ہے۔ کیونکہ طلاق میں ایک تو موجودہ بیوی کا مہر جائے گا اور پھر دوسری شادی کے لیے اس کو دوبارہ مہر کی رقم خرچ کرنی ہوگی۔

مہر میں ایک پہلو سے عورت کی دل جوئی بھی ہے اور مالی مدد بھی۔ اس سے وہ اپنی ضروریات میں بھی فائدہ اٹھا سکتی ہے، کئی بہتر مصرف میں اس کو صرف کر سکتی ہے، یا نفع بخش کاموں میں لگا سکتی ہے۔[اسلام میں عورت کے حقوق، سید جلال الدین عمری، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، 1993، ص:125-122]

16.7 نان ونفقہ کا حق

اسلام نے عورت کو معاشی تگ و دو کی ذمہ داری تو نہیں ڈالی ہے البتہ اگر بیوی کی حیثیت سے ہے تو شوہر کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کی کفالت کرے، اس کے اخراجات کا معقول نظم کرے، شرعی اصطلاح میں اسے نان ونفقہ کہا جاتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ (سورۃ النساء :34) ترجمہ: مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بناء پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور اس بنا پر مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا: وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا (سورہ البقرۃ:233) ترجمہ: اور جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ مطلقہ عورتوں کا کھانا کپڑا ہے، وہ یہ خرچ معروف طریقے سے دیں مگر کسی پر اس کی وسعت سے زیادہ بار نہ ڈالا جائے۔

سورۃ طلاق میں نفقہ کا ذکر ان الفاظ میں ہوا ہے: لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا (سورۃ الطلاق:7) ترجمہ: خوش حال آدمی اپنی خوش حالی کے مطابق نفقہ دے، اور جس کو رزق کم دیا گیا ہو وہ اسی مال میں سے خرچ کرے، جو اللہ نے اسے دیا ہے۔ اللہ نے جس کو جتنا کچھ دیا ہے اس سے

زیادہ کا وہ اسے مکلف نہیں کرتا۔ بعید نہیں کہ اللہ تنگ دستی کے بعد فراخ دستی بھی عطا فرمادے۔

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ (سورۃ الطلاق:6)ترجمہ: ان کو (زمانۂ عدت میں) اسی جگہ رکھو جہاں تم رہتے ہو، جیسی کچھ بھی جگہ تمہیں میسر ہو۔

حکیم بن قشیریؒ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ شوہر پر بیوی کا کیا حق ہے؟ آپؐ نے فرمایا: "ان تطعمها اذا طعمت و تکسوها اذا اکتسیت اواکتبست ولا تضرب الوجه ولا تقبح ولا تهجرالا فی البیت" کہ جب تو کھائے تو اسے بھی کھلائے اور جب تو پہنے تو اسے بھی پہنائے اور اس کے منہ پر نہ مار اور اسے برا بھلا نہ کہو اور گھر کے سوا اس سے علیحدگی نہ اختیار کر۔ [سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی حق المرأۃ علی زوجھا، حدیث:2142]

خلاصہ یہ ہے کہ بیوی کے نان ونفقہ کی شوہر پر ذمہ داری ہے تو اس میں کوتاہی اور لاپرواہی پر شوہر خدا کے یہاں جواب دہ ہوگا۔ شوہر اگر تنگدست ہے تو اپنی استطاعت کے بقدر خرچ کرے اور اگر خوش حال ہے، مال واسباب ہے تو اسی حساب سے خرچ کرنا ہوگا۔ قرآن میں اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ (سورۃ البقرۃ:236)ترجمہ: خوش حال آدمی اپنی مقدرت کے مطابق اور غریب آدمی اپنی مقدرت کے مطابق معروف طریقہ سے دے۔ یہ حق ہے نیک آدمیوں پر۔

عہد نبوی ﷺ میں بعض خواتین کو اپنے شوہروں سے نان ونفقہ کی شکایت ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا۔ کتب حدیث وسیرت میں درج دو واقعات ذیل میں بیان کیے جارہے ہیں:

حضرت ہند بنت عتبہ حضرت ابو سفیانؓ بن حرب اموی کی زوجہ محترمہ تھیں۔ فتح مکہ کے دن اسلام لائیں اور رسول اکرم ﷺ سے حاضر ہو کر عرض کیا کہ ابوسفیان کنجوس شخص ہیں۔ وہ مجھے اور میرے بچوں کو اتنا نہیں دیتے جو ان کے لیے کافی ہو تو کیا میں ان کے مال سے بلا اجازت لے سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بس اتنا مال لے سکتی ہو جتنے مال کی تمہیں ضرورت ہو، ان کو معروف کے ساتھ کھلانے اور پالنے پوسنے کے بقدر مال میں کوئی حرج نہیں ہے۔ [بخاری، کتاب المظالم والغصب، باب قصاص المظلوم اذا وجد مال ظلمہ، حدیث:2460]

حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کو ان کے شوہر حضرت ابو عمرؓ بن حفص مخزومی نے تین طلاقیں دے دیں اور ایک غزوہ میں یمن چلے گئے۔ انھوں اپنے وکیل کے ذریعہ حضرت فاطمہ کو پانچ صاع کھجوریں اور پانچ صاع جو بھیجے۔ مگر فاطمہ کو وہ پسند نہ آیا۔ ان کے سسرالی عزیزوں نے کہا کہ اب تمہارا نان ونفقہ ہمارے ذمہ نہیں ہے۔ پہلے حضرت خالد بن وکدی مخزومی نے اور پھر خود حضرت فاطمہؓ نے بھی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر نان ونفقہ کا مطالبہ کیا مگر رسول اللہ ﷺ نے ان کے بیان کے مطابق فرمایا: ان کے لیے اب کوئی نان ونفقہ نہیں ہے۔

16.8 میراث کا حق

اسلام سے قبل عورتوں کو میراث سے محروم رکھا جاتا تھا۔ انہیں اپنے مال میں تصرف کا حق حاصل نہیں تھا، اسلام نے عورت کا حصہ مقرر کیا، نظام میراث کی جتنی تفصیل قرآن میں بیان ہوئی ہے کہ کسی اور فریضے کی ادائیگی کے سلسلے میں اتنی تفصیلات بیان نہیں ہوئی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے لیے مال و جائداد سب سے زیادہ جھگڑے کا سبب بنتے ہیں، اس کی وجہ سے خونی رشتوں میں نفرت و عداوت پیدا ہو جاتی ہے، نوبت لڑائی اور جھگڑے تک پہنچ جاتی ہے۔ میراث میں اس کا اور زیادہ امکان بڑھ جاتا ہے کہ چونکہ میت کا ہر قریبی اس کے ترکہ کو اپنا حق سمجھ کر دوسرے کو محروم کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس لیے ضروری تھا کہ میت کے ترکہ کی تمام تفصیلات بیان کی جائیں تاکہ کسی نزاع کی نوبت نہ آئے۔

اسلام نے مرد اور عورت دونوں کا حصہ مقرر کیا ہے، کس کو کب ملے گا اور کتنا کس صورت میں ملے گا، اس کی پوری تفصیل بیان کی گئی ہے۔ مرد اور عورت دونوں میت کے ترکہ میں شریک ہوں گے اس سلسلے میں درج ذیل آیت کریمہ میں واضح حکم موجود ہے، ارشاد باری ہے: لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا (سورۃ النساء:7) ترجمہ: مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، خواہ تھوڑا ہو یا بہت، اور یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے۔

عورتوں کے میراث کے حوالے سے یہ غلط فہمی عام ہے کہ اسلام نے مرد کے بہ نسبت ان کا نصف حصہ مقرر کیا ہے، یہ بات صحیح نہیں ہے، ان کا نصف حصہ مقرر کرنے میں دوسری حکمتیں ہیں۔ اس سلسلے میں مشہور عالم دین ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی اپنی ایک تحریر ''اسلام میں عورت کا حقِ ملکیت'' میں لکھتے ہیں؛ تقسیمِ وراثت کی مختلف صورتوں میں عورت کا حصہ مرد سے زیادہ ہوتا ہے اور متعدد صورتوں میں مرد کے برابر۔ صرف چند صورتوں میں اس کا حصہ ہم درجہ مرد کے مقابلے میں نصف ہوتا ہے۔ لیکن یہ تفریق جنس کی بنیاد پر نہیں، بلکہ نظام خاندان میں مالی ذمہ داریوں کی بنا پر ہے۔ عورت کو جو کچھ ملے اسے کہیں نہیں خرچ کرنا ہے اور مرد کو جو کچھ ملے اس کے ذریعہ اسے اپنے بیوی بچوں اور ماں باپ کی کفالت کرنی ہوتی ہے۔ اس بنا پر مرد اور عورت کا حصہ برابر کر دیا جائے تو یہ مرد کی حق تلفی ہوئی۔''

اسلام کے قوانین میراث میں عورت کی حصہ داری یا شمولیت پر گفتگو کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں؛

1. جو رشتے دار کسی حال میں بھی محروم نہیں ہوتے، ان میں تین مرد ہیں، (باپ، بیٹا، شوہر) اور تین عورتیں (ماں، بیٹی، بیوی) ہیں۔
2. تقسیم میراث میں جن رشتے داروں کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے، انھیں ذوی الفروض کہتے ہیں۔ یعنی جن کے حصے مقرر ہیں۔ مرد کا شمار چھ حالتوں میں ذوی الفروض میں ہوتا ہے، جب کہ عورت سترہ (17) حالتوں میں ذوی الفروض میں شامل ہو کر مستحق میراث بنتی ہے۔

3. مالِ وراثت اس کتاب سے تقسیم نہیں ہوتا؛ دو تہائی، نصف، چوتھائی۔ چھٹا حصہ، آٹھواں حصہ۔ دو تہائی حصہ کسی مرد کو نہیں ملتا، جب کہ عورت چاروں حالتوں میں حصہ پاتی ہے۔ نصف حصہ صرف ایک مرد (لاولد شوہر) پاتا ہے، جب کہ چار عورتیں یہ حصہ پاتی ہیں۔

مرد عورت کے مقابلے میں دوگنی میراث کا حق دار اس لیے ہے کہ وہ بعض دیگر ایسی چیزوں کا ذمہ دار ہے جنہیں وہ عورت کو دیتا ہے جیسے مہر اور نفقہ وغیرہ۔

شیخ یوسف القرضاوی نے اس کی وضاحت کرنے کے لیے ایک مثال دیتے ہوئے لکھا ہے کہ؛ اگر والد کا انتقال ہو، اس کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو، ترکہ میں وہ فرض کر لیجیے ڈیڑھ لاکھ روپئے چھوڑتا ہے تو بیٹا ان میں ایک لاکھ کا حق دار ہو گا اور بیٹی پچاس ہزار کی، پھر بیٹا شادی کرے گا تو مہر اور ہدیہ عورت کو پیش کرے گا ہم اسے 52 / ہزار کے بقدر مان لیتے ہیں، یعنی اب اس کے پاس صرف 57 ہزار بچے، پھر جب اس کی بہن کی شادی ہو گی تو اسے مہر اور دیگر ہدیے شوہر سے ملیں گے، اس کو ملنے والے ان ہدیوں اور مہر کو بھی ہم 52 ہزار کے بقدر مان لیں تو اس کا حصہ بڑھ کر اس کے پاس ایک لاکھ ہو جائیں گے، اب دیکھئے یہ دونوں برابر ہو گئے۔ [کارگہ حیات میں خواتین کی شرکت، وصفی عاشور ابوزید، مترجم، الیاس نعمانی ندوی، انسٹی ٹیوٹ آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی 2012ء ص:121]

16.9 مال میں تصرف کا حق

اسلام نے عورت کو اپنے مال میں تصرف کا پورا اختیار دیا ہے، وہ اپنے مال کی خود مالک ہو گی۔ اسے جائز اور مطلوب کاموں پر خرچ کرنے کا پورا حق ہے۔ اپنے مال میں سے انفاق کر سکتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے؛

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (سورۃ البقرۃ:195) ترجمہ: اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ احسان کا طریقہ اختیار کرو اللہ محسنوں کو پسند کرتا ہے۔

إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَّدِّقَاتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَاعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ (سورۃ الحدید:18)

ترجمہ: مردوں اور عورتوں میں سے جو لوگ صدقات دینے والے ہیں اور جنھوں نے اللہ کو قرض حسن دیا ہے، ان کو یقیناً کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا اور ان کے لیے بہترین اجر ہے۔

جو مال اسے میراث میں ملا ہو، یا شوہر سے ملنے والی رقم سے بچا ہو اور زیورات جو اس کی ملکیت میں ہو ان کی زکوۃ بھی ادا کرنی ہو گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے؛ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ (سورۃ الاحزاب:33) ترجمہ: نماز قائم کرتی رہو اور زکوۃ ادا کرتی ہو۔

عورت پر زکوۃ کی فرضیت سے یہ بات از خود ثابت ہو جاتی ہے کہ عورت اپنے مال کی ملکیت اور اس میں تصرف کا حق رکھتی ہے۔

اپنے مال کی وصیت کر سکتی ہیں؛ ارشاد باری ہے؛ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ (سورۃ النساء:12) ترجمہ: اس وصیت

کی ادائیگی کے بعد وہ جو کر گئی ہوں یا قرض کے بعد۔

کسی کو ہدیہ اور قرض بھی دے سکتی ہیں اس کی بھی پوری اجازت ہے؛وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا(سورۃ النساء:۴)ترجمہ:اور عورتوں کے مہر خوش دلی کے ساتھ (فرض جانتے ہوئے)ادا کرو،البتہ اگر وہ خود اپنی خوشی سے مہر کا کوئی حصہ تمہیں معاف کر دیں تو اسے تم مزے سے کھا سکتے ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى (سورۃ البقرۃ:282)ترجمہ:اے ایمان والو!جب تم آپس میں ایک دوسرے سے میعاد پر قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔

اس آیت کریمہ میں مرد اور عورت دونوں سے خطاب کیا گیا ہے، قرآن میں جب "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُو" کہا جاتا ہے تو اس سے مومن مرد اور مومن عورتیں دونوں مقصود ہوتے ہیں۔

16.10 سماجی حق

اسلام خواتین کو سماجی زندگی سے بالکلیہ دور نہیں کرتا ہے بلکہ کچھ حدود کے ساتھ اپنی صلاحیت اور خدمت کو سماجی کاموں میں لگانے کی اجازت ہی نہیں بلکہ ترغیب بھی دیتا ہے۔اس کی تفصیل نامور کویتی عالم دین وصفی عاشور ابوزید نے اپنی کتاب "مشاركة المرأة في العمل العام" میں بیان کی ہے۔

عہد نبوی ﷺ میں خواتین کا سماجی رول نہایت فعال تھا۔ڈاکٹر محمد عمارہ کہتے ہیں: "اسلام نے عورت کے سامنے آزادی کے دروازے کھول دیے، اور آزادی کو فطرت کے ضابطوں نیز اسلام کی اقدار کا پابند کیا ہے، اسلامی آزادی کے عطا کردہ امکانات کے ذریعے مسلم خاتون نے اپنی صلاحیتوں کا احیاء کیا جو بت پرستانہ جاہلیت کے زمانے میں ماند پڑ گئی تھیں۔اس لیے ہم اسے عبادات سے معاملات تک کے تمام میدانوں میں مردوں کے ساتھ شریک پاتے ہیں، وہ صرف گھریلو ذمہ داریاں ہی نہیں نبھاتی تھی بلکہ شوریٰ، سیاست و معاشرت کے میدانوں میں بھی اس کی حصہ داری تھی، اس طرح وہ جائز تفریح میں بھی شریک ہوتی تھی، بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر ہم مدرسۂ نبوت کی تربیت یافتہ خاتون کو مردوں کے ساتھ جنگ کے میدانوں میں بھی شریک دیکھتے تھے۔[بحوالہ کارگہ حیات میں خواتین کی شرکت ص:80،81]

کتب حدیث کے ابواب کا مطالعہ کرتے ہیں تو عہد نبوی ﷺ کی خواتین کے سماجی رول کا بھی اندازہ ہوتا ہے یہاں صحیح بخاری سے چند ابواب کے عناوین درج کیے جا رہے ہیں۔

باب جهاد النساء(باب:عورتوں کا جہاد)

باب غزو المرأة في البحر (باب: سمندر میں عورت کا جہاد)

باب غزوة النساء و قتالهن مع الرجال(باب: مردوں کے ساتھ غزوات اور جنگوں میں خواتین کی شرکت)

باب مداواة النساء الجرحى(باب: عورتوں کے ذریعہ زخمیوں کا علاج اور ان کی تیمارداری)

باب رد النساء القتلى و الجرحى(باب: عورتوں کا مقتولین اور زخمیوں کو واپس لانا)

باب هل يجعل للنساء يوم على حدة في العلم(باب: کیا عورتوں کے لیے تعلیم کا ایک الگ دن مخصوص کیا جا سکتا ہے)

باب ذهاب النساء و الصبيان الى العرس(باب: عورتوں اور بچوں کی شادی میں شرکت)

باب قيام المرأة على الرجال في العرس وخدمتهم بالنفس(باب: شادی میں عورت کے ذریعے مردوں کی خدمت)

باب عظة الامام النساء و تعليمهن(باب: امام کا عورتوں کو نصیحت کرنا اور تعلیم دینا)

باب عيادة النساء الرجال(باب: عورتوں کے ذریعہ مردوں کی عیادت)

باب المرأة ترقي الرجل(باب: عورت کا مرد پر دم کرنا)

باب هل يداوي الرجل المرأة والمرأة الرجل(باب: کیا مرد عورت کا علاج اور تیمارداری کر سکتا ہے اور کیا عورت مرد کا علاج اور تیمارداری کر سکتی ہے)

باب تسليم الرجال على النساء والنساء على الرجال(باب: مردوں کا عورتوں کو اور عورتوں کا مردوں کو سلام کرنا)

باب بيعة النساء(باب: عورتوں کی بیعت)[حوالہ سابق، ص82،81]

اسلام میں مرد اور عورت کے یکساں حقوق نہیں ہیں، انھیں گھر کی چہار دیواری میں مقید اور محدود کر دیا جاتا ہے۔ مسلمان خاتون اپنی مرضی کی مالک نہیں ہوتی ہے۔ اسے مردوں سے کمتر گردانا جاتا ہے۔ اس غلط فہمی کی بنیاد جہاں ناواقفیت ہے وہیں اس کی وجہ غیر تعلیم و تربیت یافتہ مسلم معاشرے میں خواتین کے ساتھ ہونے والا غیر اسلامی سلوک بھی ہے۔ تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے دینی لٹریچر میں عورت کے حقوق پر بے شمار کتابیں موجود ہیں ان پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات دیے گئے ہیں۔ لیکن ہمارے یہاں نادانستہ ہی سہی خواتین کے حقوق کے سلسلے میں ہونے والی تشریحات میں یہ بات بھی جگہ پا گئی ہے کہ مرد خواتین سے اعلیٰ و افضل ہیں۔ یہ دراصل قرآن کریم کی آیت کریمہ الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ (سورۃ النساء:34) کے غلط ترجمہ اور فہم کا نتیجہ ہے۔ یہی سوء فہم ہمارے فقہی لٹریچر کی بنیاد بن گیا اور خواتین کے تعلق سے یہ بات معروف و مشہور ہونے کے باوجود کہ ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔ یہ غلط فہمی جگہ پا گئی کہ عورت اپنی تمام تر فضیلتوں کے باوجود بہر حال مردوں کے بہ نسبت کمتر درجے کی ہے۔ مشہور نو مسلم مراد ہوف مینؒ لکھتے ہیں: اسلام کو اتنا نقصان کسی بات سے نہیں پہنچ رہا ہے جتنا مغرب کی اس تخمین سے کہ اسلام میں عورت دوسرے درجہ کی شہری، بے وقعت، مظلوم اور بے زبان ہے۔" [مراد ہوف مین، اسلام اکیسوی صدی میں،، ترجمہ عتیق احمد صدیقی، ھلال پبلی کیشنز، دہلی، 2000، ص:57]

مذکورہ بالا آیت کریمہ کے ذیل میں رقمطراز ہیں:" الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ کا مطلب کئی صدیوں تک یہ سمجھا جاتا رہا تھا کہ مردوں کو عورتوں کے اوپر مامور کیا گیا ہے۔ مغربی زبانوں میں قرآن کے بہت سے تراجم، مسلم روایت کے تتبع میں، اسی قرأت کو نمایاں کرتے ہیں (ذہن کی مشینی حالت اس کی ذمہ دار ہے۔)۔ ساروے، یزارو کوشمت، میکس ہینگ، پیپلے اور تحانی اور پارے کے مطابق مرد عورتوں سے "افضل" ہیں۔ مردوں کو عورتوں کے "اوپر رکھا گیا ہے"۔ محمد حمید اللہؒ مردوں کو عورتوں کا "رہنما" کہتے ہیں۔ حمر بو بکر، دیزیسن اور قرآنی ترجمے کی سعودی مجلس کہتی ہے "مردوں کو عورتوں پر اختیار حاصل ہے۔" صادوق مازغ مردوں کو یہ حق دیتے ہیں کہ وہ عورتوں کی نگہبانی کریں۔ ان تمام تراجم سے مسلم رواج مترشح ہوتا ہے۔ نام نہاد دارالسلام کے بہت سے علاقوں میں کل آبادی کے نصف حصہ یعنی خواتین کو اپنے انسانی امکانات کو مکمل فروغ دینے سے بھی بطریق محروم کر دیا جاتا ہے۔ لیکن ضروری نہیں کہ سورہ نساء کی آیت 34 کو اس انداز میں سمجھا جائے۔ اس کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے "مرد عورتوں کا پورا پورا خیال رکھیں گے" (محمد اسدؒ) یا "مرد وہ ہیں جو عورتوں کو سہارا دیں گے، (ٹی بی ارونگؒ) یا "مرد عورتوں کے محافظ اور کفیل ہیں" (یوسف علیؒ) یہی مفہوم جیکس برق اور عادل خوری نے بھی نکالا ہے۔

قوامون کے صحیح مفہوم کو ادا کرنے کے لیے جرمن زبان بہت مناسب ہے ۔ ہم اس کا ترجمہ vorstehen نہ کرکے einstehen کریں۔ دونوں صورتوں میں مردوں کو عورتوں پر سبقت حاصل ہے: vorstehen کی صورت میں اپنے اختیار استعمال کرنے میں اور enistehen کی صورت میں تحفظ کرنے میں مفہوم یہ ہے کہ مردوں پر واجب ہے کہ وہ عورتوں کا تحفظ اس وقت تک کریں جب تک ان کو اس کی ضرورت ہو اور جب تک وہ تحفظ کی خواستگار ہوں۔ [حوالہ سابق، ص:58،59]

16.11 نکاح میں رضامندی کا حق

نکاح ہر انسان کی فطری ضرورت ہے۔ مرد اور عورت دونوں کے اندر ہی اس کی رغبت اور خواہش ہوتی ہے۔ نسلِ نو کی افزائش مرد اور عورت کے نکاح کے ذریعہ ہی ہوتی ہے۔ اسلام نے انسان کی اس فطری ضرورت کی تکمیل کے لیے نکاح کو بنیاد بنایا ہے۔ مرد و عورت گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول کے مرحلے سے گزر کر رشتہ ازدواج میں بندھ سکتے ہیں۔ مرد اس معاملے میں بااختیار ہوتا ہے، ایسے مواقع پر پہل اسی کی جانب سے ہوتی ہے، مرد کو لڑکی کے انتخاب کے آداب و شرائط بھی سکھائے گئے ہیں۔ اسلام نے اس سلسلے میں عورت کو بھی اس بات کا حق دیا ہے کہ وہ جس مرد سے چاہے نکاح کے لیے رضامندی کا اظہار کرے اور جس سے چاہے وہ نکاح کے لیے آمادگی کا اظہار نہ کرے۔ یعنی اسلام نے عورت کو مجبور نہیں کیا ہے کہ جو بھی رشتہ آئے لازماً اسے اپنانا ہی ہوگا، بلکہ اسے قبول و رد کا اختیار دیا ہے، یہ اختیار اس کی تعظیم و تکریم کی علامت ہے، دور جاہلیت میں عورت مرد کے لیے زر خرید غلام کے مانند تھی، اس لیے نکاح و طلاق کے موقع پر کسی طرح کا کوئی اختیار نہ تھا، نہ وہ شادی کے بندھن میں بندھتے وقت آزاد تھی اور نہ ہی وہ اس رشتہ سے نکلنے کے لیے آزاد تھی۔ اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ نکاح اس کی رضامندی سے ہوگا، رسول اللہ کا ارشاد گرامی ہے:

لا تنكح الايم حتى تستامر ،ولا تنكح البكر حتى تستاذن "کسی بیوہ کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس سے

مشورہ نہ کر لیا جائے اور کسی کنواری لڑکی کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس سے اجازت نہ لے لی جائے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا : اے اللہ کے رسول ﷺ! کنوارای لڑکی کی اجازت کیسے ہو گی ؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی خاموشی اس کی اجازت سمجھی جائے گی۔" [بخاری۔ کتاب النکاح باب لاینکح الاب، حدیث:5136]

نابالغ کی شادی کا حق والی (ماں باپ) کو حاصل ہے مگر بہتر یہ ہے کہ وہ اس کی پسند کا خیال کریں۔ عہد نبوی ﷺ میں جبری نکاح یا ناپسند شادی کی شکایت جب بارہ گاہ نبویؐ میں پیش ہوئی تو آپؐ نے ان کا فیصلہ کیا اور ان کی شکایات کا ازالہ کیا۔

حضرت خنساء بنت خدام انصاریؓ کا نکاح ان کے والد حضرت خدام بن ودیعہ اوسی یعنی ابو ودیعہ انصاریؓ نے کسی شخص سے کر دیا حالانکہ وہ "ثیب" (بالغ) تھیں۔ وہ نکاح ان کو ناپسند ہوا تو وہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ ﷺ نے اسے فسخ کر دیا۔ [بخاری، کتاب النکاح، باب اذا زوج الرجل ابنتہ وھی کارھۃ فنکاحہ مردود؛5138]

حضرت زینب بن عثمان کا نکاح ان کے والد ماجد حضرت عثمان بن مظعون جمحیؓ کی موت / شہادت کے بعد ان کے چچا حضرت قدامہ بن مظعون جمحی نے کسی شخص کے ساتھ کر دیا، جو ان کو ناپسند ہوا۔ انھوں نے اپنی ماں کے کہنے پر رسول اکرم ﷺ کی خدمت گرامی میں آکر شکایت کی اور رسول اکرم ﷺ نے ان کا نکاح بھی مسترد فرمادیا۔ [نبی اکرم ﷺ اور خواتین ایک سماجی مطالعہ، پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی، نشریات، لاہور، 2008ء ص:173]

پروفیسر یٰسین مظہر صدیقیؒ موجودہ دور میں خاتون کو اپنے پسند کی شادی نہیں کرنے دی جاتی اس پر نقد کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

اسلامی عدل وانصاف کے قانون کے باوجود لڑکیوں کو اپنے پسندیدہ نکاح کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی بلکہ ان کے نکاح و بیاہ میں ان کی رضا نہیں لی جاتی۔ یہ غیر اسلامی اور غیر انسانی سلوک اور رویہ ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ایسے تمام نکاحوں کو اسی افراط و تفریط کے سبب فسخ فرمادیا تھا اور ان کی پسندیدہ جگہ شادیاں کر دی تھیں۔ خواتین کو اپنی مرضی کی شادی کے علاوہ نابالغی میں ولیوں کے کیے ہوئے نکاح کو رد کرنے کا بھی اختیار دیا گیا تھا۔ بعض مسلم معاشرتوں میں اس ظالمانہ رسوم ورواج کا شکنجہ اتنا سخت ہے کہ وہ اسلام ہی گلا گھونٹ دیتا ہے۔ [نبی اکرم ﷺ اور خواتین ایک سماجی مطالعہ، ص:187]

16.12 مسجد میں داخلہ کا حق

خواتین عہد نبوی ﷺ میں پنج وقتہ نماز کے لیے مسجد نبوی ﷺ میں حاضر ہوتی تھیں۔ نماز کی صفوں کی ترتیب میں خواتین کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ نماز کی صفوں کی ترتیب (پہلے مرد پھر بچے اور پھر عورتیں) بھی اس بات کی واضح شہادت ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں خواتین مسجد میں حاضر ہو کر نماز پڑھتی تھیں۔ خواتین کے مسجد سے روکے جانے پر آپؐ نے نکیر بھی فرمائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لا تمنعوا اماء الله مساجدالله" "اللہ کی بندیوں کو مسجد آنے سے نہ روکو" [مالک بن انس، الموطا، کتاب القبلۃ، حدیث:674/216]

درج ذیل احادیث سے اس مسئلے کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔

عن عائشة، قالت:"ان كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ليصلى الصبح فينصرف النساء متلفعات بمروطہن، ما يعرفن من الغلس"[صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ باب خروج النساء الی المساجد باللیل والغلس، حدیث:645]

"حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فجر کی نماز پڑھاتے، مسلمان خواتین بھی جماعت میں حاضر ہوتیں، جو کہ اپنی چادروں میں لپٹی ہوتی تھیں، پھر وہ اپنے گھروں کو واپس ہوتیں انہیں کوئی پہچان نہیں پاتا تھا۔"

اَنَّ عبد الله بن عمر قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لا تمنعوا نساء كم المساجد اذا استاذنكم اليها قال: فقال بلال بن عبدالله: والله لنمنعهن، قال: فاقبل عليه عبد الله: فسبه سبا سيئا ما سمعت سبه مثله قط وقال: " اخبرك عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وتقول: والله لنمنعهن"[صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب خروج النساء الی المساجد حدیث:442]

"حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب تمہاری بیویاں مسجد جانے کی اجازت طلب کریں تو تم انہیں منع نہ کرو۔ اس پر حضرت بلال بن عبد اللہ نے کہا کہ قسم باخدا ہم ضرور ان کو (مسجد جانے) سے منع کریں گے اس پر حضرت عبد اللہ بن عمر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کو سخت ڈانٹا کہ میں نے اس طرح ڈانٹ پہلے نہیں سنی تھی اور فرمایا کہ میں تمہیں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی حدیث سنا رہا ہوں اور تم کہتے ہو کہ باخدا ہم عورتوں کو (مسجد آنے سے) منع کریں گے۔"

ایک اور حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خواتین اپنے چھوٹے بچوں کے ساتھ باجماعت نماز میں شرکت کے لیے آتی تھیں۔ حضرت ابو قتادہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: اِنى لاقوم فى الصلاة اريد ان اطول فيہا، فاسمع بكاء الصبى، فاتجوز فى صلاتى كراهية ان ا شق على امه "میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو چاہتا ہوں کہ لمبا کر دو لیکن میں کسی بچے کی رونے کی آواز سن کر نماز کو ہلکی کر دیتا ہوں کیوں کہ اس کی ماں (جو نماز میں شریک ہو گی) تکلیف میں ڈالنا مناسب نہیں سمجھتا ہوں۔"[، سنن ابی داؤد کتاب الصلاۃ، باب فی اعتزال النساء فی المساجد عن الرجال، حدیث:462]

صحابیات باجماعت نماز میں شرکت کے لیے پابندی سے آتی تھیں، اسی کے پیش نظر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک دروازہ صحابیات کے لیے مخصوص کر دیا۔ اس کا تذکرہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی حدیث میں ملتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: لو تر كنا هذا الباب للنساء قال نافع: فلم يدخل منه ابن عمرحتى مات "اگر ہم اس دروازے کو عورتوں کے لیے چھوڑ دیں (تو بہتر ہو گا) حضرت نافعؒ کہتے ہیں کہ اس کے بعد عبد اللہ بن عمرؓ وفات تک اس دروازے سے داخل نہیں ہوئے۔"[صحیح بخاری، کتاب الاذان باب من اخف الصلاۃ عند بکاء الصبی، حدیث:707]

یہ انتظام خواتین کے لیے عہد نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے بر قرار ہے۔ ان کے لیے مسجد نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے تین جانب مشرق و مغرب اور شمال میں دروازے بنائے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ان کے لیے وضو خانہ اور حمام کا بھی الگ نظم ہے۔ اسی طرح کا انتظام مسجد حرام میں بھی ہے،

خواتین کے لیے الگ الگ جگہیں مقرر ہیں اور ان کے آمد و رفت کے لیے بھی مخصوص دروازے ہیں۔

معلوم ہوا کہ عہد نبوی ﷺ میں خواتین باجماعت نماز میں شرکت کے لیے حاضر ہوتی تھیں اور ان کے لیے ایک دروازہ بھی مختص کر دیا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے مردوں کو خواتین کے سلسلے میں ہدایت دی کہ اگر وہ تم سے مسجد جانے کی اجازت مانگیں تو انہیں منع نہ کرنا۔ آپؐ کے فرمودات کا ہی نتیجہ تھا کہ عہد نبوی ﷺ سے عہد ابی بکرؓ، اور عہد عمرؓ اور بقیہ ادوار میں اس پر عمل جاری رہا اور تا حال جاری ہے۔ فرض نمازوں کے علاوہ بھی خواتین مردوں کے ساتھ دیگر اجتماعی نمازوں اور عبادات میں شریک ہوتی تھیں۔ عبد الحلیم ابو شقہ نے اپنی کتاب میں فرض نماز کے ساتھ نماز کسوف، نماز جنازہ، اعتکاف اور حج کا تذکرہ کیا ہے۔[عبد الحلیم محمد ابوشقة، تحریر المراۃ فی عصر الرسالة، دار القلم للنشر والتوزیع، کویت، 1990ء، ص123]

نماز مرد و عورت دونوں کے لیے یکساں فرض ہے۔ جماعت کے ساتھ نماز صرف مردوں کے لیے ضروری ہے۔ خواتین کے لیے باجماعت نماز واجب نہیں ہے بلکہ مشروع ہے۔ انہیں حسبِ خواہش نماز کے لیے مسجد آنے کی اجازت ہے۔ اجازت کے ساتھ ہی شریعت نے کچھ ہدایات بھی دی ہیں تاکہ ان کا آنا کسی فتنہ کا سبب نہ بنے۔ مثلاً عورتیں زیب و زینت اختیار کر کے مسجد میں نہ آئیں۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ اتنے میں مزینہ قبیلے کی ایک عورت زیب و زینت والا لباس پہنے ہوئے اتراتی ہوئی آئی (یہ دیکھ کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "يا ايها الناس انهوا نسائكم عن لبس الزينة والتبختر في المسجد فان بني اسرائيل لم يلعنوا حتى لبس نساؤهم الزينة وتبخترن في المساجد" [سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب فتنة النساء، حدیث: 4001] "اے لوگو! اپنی عورتوں کو زیب و زینت والا لباس پہننے اور مسجد میں ناز و نخرہ سے چلنے سے منع کرو کیونکہ بنی اسرائیل پر اسی وجہ سے لعنت کی گئی کہ ان عورتوں نے زیب و زینت والا لباس پہننا اور مسجدوں میں ناز و نخرہ سے آنے لگیں"۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے خوشبو لگا کر آنے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت زینبؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اذا شهدت احداكن المسجد فلا تمسّ طيبا "جب تم میں سے کوئی عورت نماز میں حاضر ہو تو خوشبو نہ لگائے۔" (صحیح مسلم)

ان احادیث کی روشنی میں امام نووی نے صحیح مسلم کی شرح میں چند شرائط کو قلم بند کیا ہے:

1. عورت خوشبو نہ لگائے۔
2. زیب و زینت والا لباس نہ پہنے۔
3. ایسا زیور نہ پہنے جس سے آواز نکلتی ہو۔
4. مرد و عورت کا اختلاط نہ ہو۔
5. ایسی لڑکیاں نہ ہو جن سے فتنہ برپا ہونے کا امکان ہو اسی طرح فتنہ و فساد کے دیگر اسباب نہ ہوں۔
6. راستہ پر امن ہو۔

اگر مذکورہ بالا شرائط پائی جائیں اور خواتین شادی شدہ ہوں تو شوہر کا اپنی بیوی کو منع کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور اگر عورت شادی شدہ

نہ ہو یا کسی کی کنیز نہ ہو اور مذکورہ شرائط موجود ہوں تو پھر ایسی عورتوں کو مسجد جانے سے منع کرنا حرام ہے۔[امام النووی، المنهاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، کتاب الصلاۃ، باب خروج النساء الی المساجد، دار احیاء التراث العربی۔ بیروت، ج4ص162-161]

شریعت نے خواتین کو مسجد میں آنے کی اجازت تو دی ہے لیکن اس کو ان کے لیے واجب نہیں قرار دیا، بلکہ اسے ان کی خواہش اور سہولت پر چھوڑ دیا ہے۔ ایسا شریعت نے خواتین کی ضروریات، مسائل اور ماحول کے پیشِ نظر کیا ہے۔ اسے واجب قرار دیا جاتا تو ان کے لیے دقت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ خواتین کے اپنے مخصوص مسائل ہوتے ہیں حیض کے ایام، حمل وولادت اور رضاعت کے ایام سے انہیں گزرنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ عملی دشواریاں بھی ہوتی ہیں۔ ان کے گھریلو مسائل اور چھوٹے بچوں کی دیکھ بھال کرنا، اسی حکمت کے پیش نظر انہیں مسجد آنے کی حسبِ خواہش اجازت تو ہے لیکن ضروری نہیں قرار دیا گیا ہے۔ اس مسئلے پر نامور سیرت نگار پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی کی رائے کا ذکر کرنا مناسب ہو گا۔ وہ اپنی کتاب "رسول اکرم ﷺ اور خواتین ایک سماجی مطالعہ" میں رقم طراز ہیں:

"عورتوں کے مسجدوں میں جانے کے معاملے کو بعض حلقوں نے ایک اہم مسئلہ بنا دیا ہے۔ وہ اجازت، وجوب اور موقعہ محل میں فرق نہیں کرتے۔ سیدھا اور صاف مسئلہ ہے۔ جن مسلم معاشروں میں اور مقامات میں عورتوں کے لیے مساجد میں انتظام ہے اور جہاں ان کے جانے کی سماجی اور دینی روایت قائم ہے، وہاں ان کے جانے میں قباحت ہے اور نہ مشکل، ان کو اجازت دینی چاہیے۔ مگر جن معاشروں اور ملکوں میں عورتوں کے مسجدوں میں جانے کی روایت ہے نہ انتظام، ان کے لیے اصرار کرنا سراسر زیادتی ہے۔ پھر مسئلہ اجازت کا ہے، وجوب کا نہیں۔ عورتوں پر جماعت فرض نہیں۔ لہٰذا مسجدوں کی حاضری بھی ضروری نہیں۔ ان کے لیے دوسری واضح احادیث واحکام بھی ہیں کہ وہ اپنے گھروں میں نمازیں ادا کریں تو بہتر ہے۔ لہٰذا اجازت اور وجوب میں فرق کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ معاشرتی عرف کا مسئلہ اہم ہے۔ جہاں مسجدوں میں عورتوں کے جانے کا نظم ونظام نہیں ہے، وہاں خانگی نظام اور گھریلو زندگی میں خلل وانتشار پیدا ہو جانے کا خطرہ ہے اور اس سے زیادہ گھروں کی حفاظت کا معاملہ ہے۔ لہٰذا ان تمام مسائل وامور کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔"[پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی "رسول اکرم ﷺ اور خواتین ایک سماجی مطالعہ" ص199-198]

اس مسئلے میں فقہاء کی آراء فتنہ کے اندیشہ کے پیشِ نظر ممانعت اور مکروہ تک پہنچ گئی ہیں۔ متقدمین اور معاصر علماء وفقہاء نے اس مسئلے میں یا تو اپنے مسلک کے دفاع کے پیشِ نظر یا ذاتی رجحان اور رائے کی وجہ سے عورتوں کے مسجد جانے کو ممنوع اور مکروہ قرار دیا ہے۔ یعنی مانعین نے اندیشہ فتنہ کے پیش نظر ان دلائل کو یکجا کیا ہے جن سے گھر میں پڑھنا افضل ثابت ہوتا ہے۔ اور ان روایات و تاریخی شہادتوں سے صرفِ نظر کیا ہے جن سے خواتین کے لیے مسجد میں جانے کا حکم، اجازت اور روکنے پر تنبیہ کا حکم ملتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اس مسئلے میں فقیہ اپنے ذاتی رجحان اور رائے کے موافق ہی دلائل اکٹھا کرتا ہے اور اسے شریعت کا حکم بنا کر پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس مسئلے کا معروضی انداز سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خواتین کے لیے مسجد جانے کے دلائل اور تاریخی شہادتیں موجود ہیں۔

16.13 حالتِ حیض ونفاس میں عبادت میں رعایت

اسلام نے طہارت ونظافت کا پاکیزہ تصور دیا ہے۔ اسلام انسان کے اندرون کی تطہیر اور تزکیہ کے ساتھ انسان کے ظاہر کو بھی پاکیزہ بناتا ہے۔ اسلام گندگی اور ناپاکی سے بچنے کا حکم دیتا ہے، اور پاک وصاف رہنے کی ہدایت دیتا ہے۔ عبادات کی قبولیت کی شرائط میں سے پہلی شرط یہی ہے کہ انسان کا بدن اور کپڑے پاک ہوں۔ نماز کی ادائیگی کے لیے پہلی شرط یہی ہے، انسان خود بھی پاک ہو اور اس کے کپڑے بھی پاک ہوں نیز جس جگہ وہ نماز ادا کرے وہ بھی پاک ہو۔

نماز مرد وعورت دونوں سے مطلوب ہے، اور نماز کے لیے پاکی سب سے پہلی شرط ہے۔ خواتین مہینے میں کچھ ایام ماہواری کے گزارتی ہیں، جسے حیض کہتے ہیں۔ شریعت نے خواتین کو اس مدت میں عبادت سے رخصت فراہم کی ہے۔

حیض: ''حیض'' کے لغوی معنی سیلان اور بہاؤ کے ہیں، کہا جاتا ہے ''حاض الوادی'' (وادی بہہ پڑی)، فقہ کی اصطلاح میں بالغ عورت کے رحم سے آنے والا وہ خون ہے جو مخصوص ایام میں آئے اور ولادت اس کا سبب نہ ہو، ولادت کے بعد آنے والا خون ''نفاس'' اور غیر طبعی طور پر خارج ہونے والا خون ''استحاضہ'' کہلاتا ہے، یہ غیر طبعی خون اگر ایام حیض سے متصل نہ آئے تو شوافع اس کو ''دم فاسد'' کہتے ہیں۔ عربی زبان میں ''حیض'' کے لیے علاوہ حیض کے اور پانچ الفاظ بولے جاتے ہیں؛طمث، عراک، ضحک، اکبار اور اعصار۔

اسلام نے ان ایام میں عورت کو عبادت سے دور رکھا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ ان ایام میں عورت جسمانی اور ذہنی لحاظ سے کسی حد تک کمزوری محسوس کرتی ہے، بار بار حیض کا آنا اس کے لیے تکلیف کا باعث ہوتا ہے۔ اس لیے ان ایام میں اسے رخصت دی گئی ہے۔ اس کے چند مسائل ہیں، جس کا یہاں اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے؛۔

حیض والی عورت مدت حیض میں نماز نہیں پڑھے گی اور روزہ نہیں رکھے گی، اس پر روزہ نماز دونوں ہی حرام ہیں، ان کی ادائیگی حالت حیض میں صحیح نہیں ہوگی، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: الیس اذا حاضت المرأة لم تصل ولم تصم ''کیا ایسا نہیں ہے کہ جب عورت حالت حیض میں ہوتی ہے تو نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے۔'[صحیح بخاری، کتاب الصوم، حدیث:1951]

حیض سے پاک و صاف ہو جانے کے بعد عورت روزے کی قضا کرے گی اور نماز کی قضا نہیں کرے گی، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: کنا نحیض علی عهد رسول الله ﷺ ثم نطهر فیامرنا بقضاء الصوم ولایأمرنا بقضاء الصلاة ''عہد رسول اللہ ﷺ میں ہم حالت حیض میں ہوتی تھیں، پھر ہم پاک ہوتی تو ہمیں روزے کی قضا کا حکم دیا جاتا تھا، نماز کی قضا کا ہمیں حکم نہیں دیا جاتا تھا۔[صحیح بخاری، کتاب الصیام، باب وضع الصیام عن الحائض، حدیث:2320]

نماز کی قضا اس لیے نہیں چونکہ نماز ایک ایسا عمل جسے دن میں پانچ بار ادا کیا جاتا ہے اگر مدت حیض میں قضاء ہونے والی نماز کی ادائیگی کا حکم ہوتا تو عورت سخت دشواری کا سامنا کرتی لہذا اسے مشقت اور پریشانی سے بچانے کی خاطر نماز کی قضاء کا حکم نہیں دیا گیا البتہ روزے سال میں ایک ہی بار آتے ہیں، اس میں عورت کو اختیار بھی دیا گیا ہے کہ وہ اپنے سہولت کے لحاظ سے جس وقت چاہے روزوں کی قضا

کرلے۔ حائضہ عورت حالت حیض میں خانہ کعبہ کا طواف نہیں کرے گی، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے جب ان کو حیض آگیا تھا تو فرمایا تھا: افعلی مایفعل الحاج غیر ان لا تطوفی بالبیت حتی تطھری "حج کے تمام ارکان ادا کرو سوائے طواف کے، یہاں تک کہ پاک وصاف ہو جاؤ۔" [صحیح بخاری، کتاب الحیض، باب تقضی الحائض المناسک کلھا الا الطواف بالبیت، حدیث:305]

حالت حیض میں طواف وداع جو کہ واجبات حج میں سے ہے، معاف ہو جاتا ہے۔

اسی طرح حمل ورضاعت کے ایام میں عورت کو روزے کی قضا کرنے کی رخصت دی گئی ہے۔

یہ رخصتیں اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام نے عورت کی فطری کمزوری کا لحاظ کرتے ہوئے اسے رخصتیں فراہم کی ہیں، اور یہ اس بات کی دلیل ہیں کہ اسلام نے عورت کو ہر طرح سے عزت وتوقیر بخشی ہے۔

16.14 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- اسلام نے جہاں ایک طرف بچیوں کو زندہ درگور کرنے پر وعید سنائی ہے تو دوسری طرف بچیوں کی پرورش وپرداخت اور ان کی تعلیم وتربیت کرنے پر جنت کی بشارت بھی دی ہے۔
- اسلام نے عورت کو عزت وتقدس کے لیے اسے ماں کی حیثیت سے، خالہ کی حیثیت بیٹی اور بیوی کی حیثیت سے محترم اور قابل احترام قرار دیا ہے۔
- اسلام نے عورت کو یہ حق بھی دیا ہے کہ اگر اس کا اپنے شوہر کے ساتھ نباہ نہ ہو رہا ہو، اور شوہر اس پر مسلسل زیادتی کرتا ہو، تو وہ اس سے علیحدگی کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ اس کو شرعی اصطلاح میں "خلع" کہتے ہیں۔ خلع سے طلاق بائنہ واقع ہو جاتی ہے، اگر میاں وبیوی دوبارہ ساتھ رہنا چاہیں تو انہیں تجدید نکاح کرنا ہوگا۔
- عقدِ نکاح میں عورت کی رضامندی لازمی ہے، اس سلسلے میں عورت کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔
- اسلام عورت کو اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ مضبوط معاشی پوزیشن کے استحکام کے لیے کسب معاش کرنا چاہتی ہے تو اس سلسلے میں وہ شرعی حدود وآداب کا لحاظ کرتے ہوئے ملازمت کر سکتی ہے۔
- شریعت نے خواتین کو مسجد میں آنے کی اجازت تو دی ہے لیکن ان کے لیے واجب نہیں قرار دیا، بلکہ اسے ان کی خواہش اور سہولت پر چھوڑ دیا ہے۔ ایسا شریعت نے خواتین کی ضروریات اور مسائل کے پیشِ نظر کیا ہے۔

16.15 کلیدی الفاظ

خلع : عورت کا مہر معاف یا معاوضہ ادا کر کے طلاق لے لینا۔

مہر : روپیہ یا جنس جو نکاح کے وقت مرد کے ذمہ عورت کو دینا مقرر کیا جاتا ہے۔

مہر معجل : وہ مہر جو نکاح کے ساتھ ہی خلوت سے پہلے ادا کیا جائے۔

مہر مؤجل : وہ مہر جو کسی اور وقت ادا کیا جائے یعنی وہ مہر جس کی مدت مقرر ہو اور فی الفور ادائیگی ضروری نہ ہو۔

نان ونفقہ : روٹی کپڑا، خانہ داری کا خرچ، بال بچوں کے مصارف

میراث : لغوی معنی 'ترکہ' ہے یعنی وہ مال و جائیداد جو میت چھوڑ کر مرے۔

حیض : وہ خون جو عورتوں کو ہر مہینے آتا ہے۔(ماہواری)

نفاس : وہ خون جو عورت کو بچہ کی پیدائش کے بعد زیادہ سے زیادہ چالیس روز تک آتا ہے۔

16.16 نمونہ امتحانی سوالات

16.16.1 معروضی سوالات

1. اسلام نے بچی کی پیدائش کو کس چیز کا ذریعہ قرار دیا؟

(a)رحمت کا ذریعہ (b)مشقت کا ذریعہ (c)جنت کا ذریعہ (d)زحمت کا ذریعہ

2. اسلام نے کس رشتہ کو ماں کے مانند کہا ہے؟

(a)بہن (b)چچی (c)دادی (d)خالہ

3. خلع سے کونسی طلاق واقع ہوتی ہے؟

(a)طلاق رجعی (b)طلاق مغلظہ (c)طلاق بائن (d)طلاق ثلاثہ

4. عورت خلع لیتے وقت شوہر کو کیا واپس کرے گی؟

(a)ال ودولت (b)سونا چاندی (c)مہر (d)اولاد

5. شادی کے بعد شوہر پر بیوی کی کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟

(a)تعلیم (b)نان ونفقہ (c)تزکیہ وتربیت (d) جسمانی صحت کا خیال

6. کیا عورت اپنے مال سے زکوۃ اور انفاق دونوں نکال سکتی ہے؟

(a)صرف زکوۃ ادا کر سکتی ہے۔(b)صدقہ ادا کر سکتی ہے (c)دونوں ادا کر سکتی ہے۔ (d)دونوں نہیں کر سکتی

7. کیا عورت مسجد میں نماز ادا کر سکتی ہے؟

(a)ادا کر سکتی ہے (b) کبھی کبھی (c) مطلق نہیں (d)دن میں ادا کر سکتی ہے۔

8. حضرت ہند بنت عتبہ کس کی بیوی تھیں؟

(a)ابو جہل (b)ابو لہب (c)ابو حمزہ (d)حضرت ابو سفیانؓ

9. کیا عورت کے لیے ایام ماہواری میں جملہ عبادات معاف ہیں؟

(a)نہیں (b)نماز معاف ہے اور روزں کی قضا کرے گی

(c)نماز اور روزہ دنوں معاف ہیں (d) مطلق معاف ہیں

10. مہر کی کتنی قسمیں ہیں؟

(a)تین (b) دو (c)چار (d)ایک

16.16.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. اسلام نے میراث میں عورت کا حصہ مقرر کیا ہے، بیان کیجیے۔
2. کیا عورت اپنے مال میں تصرف کر سکتی ہے، تحریر کیجیے۔
3. عورت شوہر سے نباہ نہ ہونے کی صورت میں خلع لے سکتی ہے، روشنی ڈالیے۔
4. کیا اسلام نے عورت کو کسبِ معاش کا حق دیا ہے، بیان کیجیے۔
5. عقدِ نکاح میں لڑکی کی رضامندی ضروری ہے، تحریر کیجیے۔

16.16.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. خواتین کے سماجی حق کا تذکرہ کرتے ہوئے عہد نبوی ﷺ کی خواتین کے سماجی کردار پر مفصل روشنی ڈالیے۔
2. خواتین مسجد میں نماز ادا کر سکتی ہیں، دلائل سے بیان کیجیے۔
3. اسلام نے خواتین کو عزت واحترام کا حق دیا ہے اسے بیان کرتے ہوئے، الرجال قوامون کے صحیح مفہوم پر روشنی ڈالیے۔

16.17 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. پردہ	:	مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ
2. نبی اکرم ﷺ اور خواتین ایک سماجی مطالعہ	:	پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی ندویؒ
3. مسلمان عورتوں کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ	:	مولانا سید جلال الدین عمری
4. اسلام کا عائلی نظام	:	مولانا سید جلال الدین عمری
5. عورت اسلامی معاشرہ میں	:	مولانا سید جلال الدین عمری
6. عورت عہد رسالت میں	:	عبد الحلیم ابو شقہ / پروفیسر محمد فہیم اختر ندوی

ایم۔اے، اسلامک اسٹڈیز

تیسرا پرچہ (اسلام اور جدید مسائل)

جملہ نمبرات:70 وقت:3 گھنٹے

ہدایات:

پرچہ تین حصوں پر مشتمل ہے: اول، دوم، سوم- تمام حصوں سے سوالات کا جواب دینا لازمی ہے

1. **حصہ اول میں 1 لازمی سوال ہیں جو کہ معروضی سوالات / خالی جگہ کو پر کرنا / مختصر جوابات والے سوالات ہیں۔ ہر سوال کا جواب لازمی ہے۔ ہر سوال کے لیے ایک نمبر مختص ہے۔** 10x1=10

i. رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن جبل کو کہاں کا حاکم بنا کر بھیجا تھا۔

(a). شام (b). یمن (c). ایران (d). مصر

ii. آصفیہ لائبریری کس حکومت میں قائم ہوئی۔

(a) مغل سلطنت (b) دہلی سلطنت (c) بہمنی سلطنت (d) آصف جاہی سلطنت

iii. امام غزالی کی نظر میں علم کی کتنی انواع ہیں۔

(a).5 (b).7 (c).9 (d).11

iv. دوسروں کے مذہبی شعار اور مذہبی نمائندوں کو برا بھلا کہنے سے......................پیدا ہوتی ہے۔

(a). محبت والفت (b) سیاسی افراتفری

(c). عدم برداشت اور مذہبی منافرت (d). ان میں سے کوئی نہیں

v. سب سے افضل جہاد کیا ہے۔

(a). جنگ کرنا (b). ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا

(c). معاف کرنا (d). سبھی

vi. انسان زمین پر اللہ کا............................ہے۔

(a). غلام (b). محکوم (c). خلیفہ (d). کوئی نہیں

vii. قرآن میں اونچی آواز کو.......................... سے تشبیہ دی گئی ہے۔

(a). کتا (b). گدھا (c). کوا (d). بلبل

viii. بیوہ کی عدت کتنے دن ہے؟

(a).40دن (b).3 مہینے 10 دن (c).4 مہینے دس دن (d). سب غلط

ix. اسلام وعورتوں کو.................................. دیتا ہے ۔

(a). آزادی رائے کا حق (b). دفاع کا حق (c). گواہی کا حق (d). سبھی

x. کیا شریعت اسلامی میں مطلقہ یا بیوہ عورت نکاح کا حق رکھتی ہے۔

(a)ہاں (b)نہیں

(ب)حصہ دوم آٹھ سوالات پر مشتمل ہے اور پانچ سوالات کے جوابات دینے ہیں ہر سوال کا جواب تقریبا دو سو لفظوں پر مشتمل ہو گا۔ ہر سوال کے لیے6 نمبر مختص ہیں۔ **6x1=6**

2. قرآن میں تعلیم کی اہمیت کے بارے میں تعلیمات واضح کیجیے۔
3. علی گڑھ یونیورسٹی کے قیام پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
4. عہد اسلامی میں پائے جانے والے علوم وفنون پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
5. حقوق کے ساتھ فرائض کی اہمیت پر ایک مضمون لکھیے۔
6. مساوات کی تعریف کیجیے اور نبی ﷺ کی زندگی سے اسکی مثالیں تحریر کیجیے۔
7. معاشرہ میں تنقید کی اہمیت کو واضح کیجیے اور اسکے اصول وضوابط پر ایک نوٹ لکھیے۔
8. غذائی جال کے بارے میں قرآنی تعلیمات پر ایک نوٹ لکھیے۔
9. آلودگی کی کتنی قسمیں ہیں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایک نوٹ تحریر کیجیے۔

(ج)حصہ سوم میں پانچ سوالات ہیں۔ ان میں سے طالب علم کو کوئی تین سوالوں کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کا جواب تقریبا500 لفظوں پر مشتمل ہو گا۔ ہر سوال کے لیے10 نمبر مختص ہیں۔

10. انسانی حقوق کی اہمیت واضح کرتے ہوئے، اسلام میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تعلیمات پر روشنی ڈالیے۔
11. اسلام کے تصور تعلیم اور حق تعلیم پر ایک تفصیلی مضمون قلمبند کیجیے۔
12. اسلام میں انصاف کی اہمیت پر روشنی ڈالیے اور اسکی اہمت قرآن اور سنت نبوی ﷺ سے واضح کیجیے۔
13. شجرکاری کی اہمیت پر تفصیلی مضمون قلمبند کیجیے۔
14. اسلام میں عورتوں کے خصوصی حقوق پر تفصیلی روشنی ڈالیے۔